حقائق الفرقان

حضرت حاجی الحرمین مولانا نورالدین خلیفۃ المسیح الاوّل

کے

درس ہائے قرآن کریم، تصانیف اور خطبات سے مرتبہ

تفسیری نکات

جلد اوّل

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ　　　　نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

پیش لفظ

حضرت حاجی الحرمین مولانا حکیم نورالدین خلیفۃ المسیح الاوّل کو خدا تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن کریم سے جو غیر معمولی عشق اور اس کے علوم کے ساتھ جو فطری مناسبت تھی اس کا ذکر امام الزمان حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی متعدد تصانیف میں فرمایا ہے۔ حضورؑ فرماتے ہیں:۔

مَا اٰنَسْتُ فِیْ قَلْبِ اَحَدٍ مَحَبَّةَ الْقُرْاٰنِ کَمَا اَرٰی قَلْبَهٗ مَمْلُوْءًا بِمَوَدَّةِ الْفُرْقَانِ

(آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۵۸۶)

مَیں نے کسی کے دل میں اس طرح قرآن کریم کی محبت نہیں پائی جس طرح آپ کا دل فرقانِ حمید کی محبت سے لبریز ہے۔

وَلِفِطْرَتِهٖ مُنَاسَبَةٌ تَامَّةٌ بِكَلَامِ الرَّبِّ الْجَلِيْلِ وَكَمْ مِنْ خَزَائِنَ فِيْهِ اُوْدِعَتْ لِهٰذَا الْفَتَى النَّبِيْلِ۔ (صفحہ ۵۸۷)

آپ کی فطرت کو ربِّ جلیل کے کلام سے کمال مناسبت ہے۔ قرآن کریم کے بے شمار خزائن اس شریف نوجوان کو ودیعت کئے گئے ہیں۔

وَلَهٗ مَلَكَةٌ عَجِيْبَةٌ فِیْ اِسْتِخْرَاجِ دَقَائِقِ الْقُرْاٰنِ وَبَثِّ كُنُوْزِ حَقَائِقِ الْفُرْقَانِ۔ (صفحہ ۵۸۴)

آپ کو قرآن کریم کے دقائقِ معرفت اور باریک نکات کے استخراج اور فرقانِ حمید کے حقائق کے خزائن پھیلانے کا عجیب مَلکہ حاصل ہے۔

اِسی طرح آپ کی تصانیف کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

مَنْ اَرَادَ حَلَّ غَوَامِضِ التَّنْزِيْلِ وَاسْتِعْلَامَ اَسْرَارِ كِتَابِ الرَّبِّ الْجَلِيْلِ فَعَلَيْهِ بِاشْتِغَالِ هٰذِهِ الْكُتُبِ۔ (آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۵۸۴)

جو شخص قرآن کریم کے عمیق مطالب کو حل کرنے اور ربِّ جلیل کی کتاب کے اسرار جاننے کا ارادہ رکھتا ہو اسے چاہیئے کہ آپ کی کتب کا مطالعہ کرے۔

آپ کو قرآن کریم سے جو محبت تھی اس کا ذکر کرتے ہوئے آپ خود فرماتے ہیں:۔

"مجھے قرآن مجید سے بڑھ کر کوئی چیز پیاری نہیں لگتی۔ ہزاروں کتابیں پڑھی ہیں ان سب میں مجھے خدا کی ہی کتاب پسند آئی۔" (بدر ۱۸ جنوری ۱۹۱۲ء)

"قرآن میری غذا، میری تسلّی اور اطمینان کا سچا ذریعہ ہے اور مَیں جب تک اس کو کئی بار مختلف رنگ میں پڑھ نہیں لیتا مجھے آرام اور چین نہیں آتا۔" (ترجمۃ القرآن شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی صـ۴۶)

اور فرمایا کرتے تھے:۔

"خدا تعالیٰ مجھے بہشت اور حشر میں نعمتیں دے تو مَیں سب سے پہلے قرآن شریف مانگوں گا تاکہ حشر کے میدان

میں بھی اور بہشت میں بھی قرآن شریف پڑھوں، پڑھاؤں اور سُنوں " (تذکرۃ المہدی جلد اوّل صفحہ ۲۴۶)

آپ نے ساری عمر قرآن کریم کے علوم کے اکتساب میں گذاری اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشاد پر جب آپ ہجرت کر کے قادیان دارالامان تشریف لائے تو اُس دن سے وفات تک نہایت یکسوئی اور نہایت باقاعدگی کے ساتھ قرآن کریم کے پڑھنے اور پڑھانے میں اپنی زندگی کے اوقات صرف فرمائے۔ قادیان میں رمضان المبارک کے خصوصی درس کے علاوہ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں بھی اور آپ کی وفات کے بعد بھی سارا سال قرآن کریم کا باقاعدگی سے درس دیتے تھے۔ ہزاروں صلحاء نے آپ کے درسوں سے اکتساب فیض کیا۔ آپ کے درس القرآن کے سلسلہ میں حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانی تحریر فرماتے ہیں:۔

"حضرت اقدس علیہ السلام بار بار مجھے فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولوی نورالدین صاحب کی تفسیر قرآن آسمانی تفسیر ہے۔ صاحبزادہ صاحب! ان سے قرآن پڑھا کرو اور ان کے درسِ قرآن میں بہت بیٹھا کرو اور سُنا کرو۔ اگر تم نے دو تین سیپارہ بھی حضرت مولوی صاحب سے سُنے یا پڑھے تو تم کو قرآن شریف سمجھنے کا مادہ اور تفسیر کرنے کا ملکہ ہو جائے گا۔ یہ بات مجھ سے حضرت اقدس علیہ السلام نے شاید پچاس مرتبہ کہی ہوگی" (تذکرۃ المہدی جلد اوّل صفحہ ۲۴۴)

یہ محض اللہ تعالیٰ کا خاص فضل تھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے اِن درسوں کا خلاصہ سلسلہ کے اخبارات بدر اور الحکم میں ساتھ کے ساتھ آئندہ کے لئے محفوظ ہوتا چلا گیا۔

علوم و معارف کا یہ قیمتی خزانہ اخبارات کی فائلوں میں منتشر اور نایاب کتب کے صفحات میں بند تھا اور نئی نسل کے لئے اس سے استفادہ کرنا مشکل تھا چنانچہ خلیفۃ المسیح الرابع حضرت مرزا طاہر احمد ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ارشاد کی تعمیل میں ان گراں بہا دفینوں کو باہر نکال کر اِسے مرتب کیا گیا اور الحکم اور بدر میں شائع شدہ نوٹس کے علاوہ تشحیذ الاذہان کے شماروں، حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی جملہ تصانیف، خطباتِ جمعہ وعیدین، خطباتِ نکاح اور تقاریر سے اِس نادر تفسیری مواد کو الگ کر کے جمع کیا گیا اور پھر اسے ترتیب دیکر احباب کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

دعا کی غرض سے ان تمام احباب کا ذکر ضروری ہے جنہوں نے اِس مجموعہ کی تیاری میں مختلف خدمات سرانجام دی ہیں۔ جناب مولوی سلطان احمد صاحب پیرکوٹی نے اِس سارے مواد کو جمع کیا ہے اور حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے خصوصی ارشاد کی تعمیل میں جناب چوہدری محمد شریف صاحب فاضل سابق مربی فلسطین نے اِس کی ترتیب و تدوین فرمائی ہے۔ چوہدری رشید الدین صاحب سابق مربی لائبیریا، مولوی محمد اعظم اکسیر صاحب اور خاکسار نے نظرِ ثانی اور پروف ریڈنگ کا کام کیا ہے۔ جبیب الرحمٰن صاحب زیروی اسسٹنٹ لائبریرین خلافت لائبریری نے اصل مآخذ کے حصول میں اور مولوی سلطان احمد صاحب شاہد مربی سلسلہ نے اِس کی طباعت میں مدد فرمائی ہے اور انڈیکس خاکسار نے مرتب کیا ہے۔ اندازہ ہے کہ یہ تفسیر چھ جلدوں میں مکمل ہوگی۔ واللہ المستعان۔

والسلام

سیّد عبدالحی

ناظر اشاعت

الفہرس

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ـــــ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

تفسیر القرآن

نزولِ قرآن کی غرض

نزولِ قرآن کی اصل غرض (۱) شبہات کو دُور کردے (وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ (بنی اسرائیل: ۸۳) (۲) رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ جنابِ الٰہی کے ساتھ براہِ راست تعلق ہو جائے (۳) تمیز حق و باطل ہو جائے (۴) کوئی ایسا سوال نہیں جس کا جواب نہ دیا۔ کافی ہتھیار۔ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا الْكِتٰبَ (عنکبوت: ۵۲) (تشحیذ الاذہان بابت ماہِ ستمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۴۴۴)

کلامِ الٰہی کے سمجھنے کے اصول

میرے فہم میں کلامِ الٰہی کے سمجھنے کے لئے یہ اصول ہیں:

اوّل: دعا (پرارتھنا) جنابِ الٰہی سے صحیح فہم اور حقیقی علم طلب کرنا۔ قرآن مجید میں آیا ہے قُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا (طٰہٰ: ۱۱۴) میرے ربّ میرے علم میں ترقی بخش۔

اور دعا کے لئے ضرور ہے طیّب کھانا۔ طیّب لباس۔ عقدِ ہمّت۔ اِستقلال۔ دوّم: صرف الٰہی رضامندی اور حق تک پہنچنے کے لئے خدا میں ہو کر کوشش کرنا جیسے فرمایا وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (عنکبوت: ۷۰) سوّم: تدبّر، تفکّر۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (محمد: ۲۴) اور فرمایا لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ (آلِ عمران: ۱۹۱) چہارم: حُسنِ اعتقاد و حُسنِ اقوال و حُسنِ اعمال اور فقر۔ بیماری۔ مقدمات و مشکلات میں صبر و استقلال۔ اِس مجموعہ کو قرآن نے تقویٰ کہا ہے۔ دیکھو رکوع لَيْسَ الْبِرَّ (البقرۃ: ۱۷۷) اور اس کا ایک درجہ سورہ بقرہ کے ابتداء میں ہے جیسے فرمایا ہے کہ اَلْغَیْب پر ایمان

لاوے۔ پرارتھنا اور دعا اور بقدرِ ہمت وطاقت دوسرے کی ہمدردی کے لئے کوشش کرنیوالا متقی ہے۔ اور تقویٰ کے بارے میں ارشادِ الٰہی ہے وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ (البقرۃ:۲۸۳) لیکن خودپسند آدمی آیاتِ الٰہی کے سمجھنے سے قاصر ہے جیسے فرمایا سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ (الاعراف:۱۴۷) پنجم: قرآن کریم کے معانی خود قرآن مجید اور فرقانِ حمید میں دیکھے جاویں۔ ششم: اسمائے الٰہیہ اور الٰہی تقدیس وتنزیہ کے خلاف کسی لفظ کے معنے نہ لئے جاویں۔ ہفتم: تعامل سے جس کا نام سُنّت ہے معانی لے اور اس سے باہر نہ نکلے۔ ہشتم: سننِ الٰہیہ ثابتہ کے خلاف ورزی نہ کرے۔ نہم: لغتِ عرب ومحاوراتِ ثابتہ عن العرب کے خلاف نہ ہو۔ دہم: عُرفِ عام سے جس کو معروف کہتے ہیں معانی باہر نہ نکلیں۔ یازدہم: نورِ قلب کے خلاف نہ ہو۔ دوازدہم: احادیثِ صحیحہ ثابتہ کے خلاف نہ ہو۔ سیزدہم: کتبِ سابقہ کے ذریعہ بھی معانی قرآن حل کئے جاتے ہیں۔ چہاردہم: کسی وحیِ الٰہی اور الہامِ صحیح کے ذریعہ سے بھی معانی قرآن حل ہوسکتے ہیں۔ ہر ایک اصل کی مثالیں دوں تو ایک مجلّہ ضخیم بن جاوے اور بعض اصول عام لوگوں کے استعمال میں آنے والے نہیں معلوم ہوتے اس لئے نمونہ کے طور پر بعض ان امور کے استعمال کی مثال بتاتے ہیں۔

(دیباچہ نورالدین صفحہ ۸،۹ نیز تشحیذ الاذہان ماہِ ستمبر ۱۹۱۳ء)

قرآن شریف کے علوم کے حصول کے ذرائع اللہ تعالیٰ نے خود قرآن شریف میں بیان کردئے ہیں۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ قرآن شریف کا سکھانا اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمانیت کا تقاضا ہے۔ اِس واسطے ضرورت کن چیزوں کی ہے وہ بھی خدا تعالیٰ نے خود بیان فرمادی ہیں۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ متقی کو خدا تعالیٰ معارف اور علومِ قرآنی سے خبردار کردیتا ہے اور تقویٰ ایک ذریعہ ہے قرآن دانی کے لئے۔ دوسری جگہ فرمایا ہے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (عنکبوت:۷۰) تقویٰ کے ساتھ جہاد اور کوشش بھی شرط ہے۔ پس علومِ قرآنی کا معلّم خود اللہ تعالیٰ ہے اور اس فیض اور فضلِ رحمانی کا جاذب تقویٰ اور جہاد فی اللہ ہے۔

ہمارے نزدیک ہم نے ایک راہ کا تجربہ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ انسانی دل میں سچی تڑپ اور پیاس علومِ قرآنی کے حصول کے واسطے پیدا کرکے تقویٰ تام سے دعائیں کرے اور اِس طرح

سے قرآن شریف شروع کرے۔ دَورِ اوّل: خود تنہا ایک مترجَم قرآن شریف لے کر جس کا ترجمہ لفظی ہو انسان کی اس میں اپنی ملاوٹ کچھ نہ ہو اور اس کے واسطے مَیں شاہ رفیع الدین صاحب علیہ الرحمۃ کا ترجمہ پسند کرتا ہوں لیکن ہر روز بقدرِ طاقت بلا ناغہ کچھ حصّہ قرآن کا پڑھا کرے اور لفظوں کے معنوں میں غور کرے پھر جہاں آدم اور شیطان کا حال مذکور ہوا پنے نفس میں غور کرے کہ آیا مَیں آدم ہوں یا کہ ابلیس۔ موسٰی ہوں کہ فرعون۔ مجھ میں یہودیوں کے خصائل ہیں یا کہ مسلمانوں کے۔ اور اِسی طرح سے عذاب کی آیات سے ڈرے اور پناہ مانگے اور رحمت کی آیات سے خوش ہو اور اپنے کو رحمت کا مورَد بننے کے واسطے دعائیں کرے۔ ہر روز درود، دعا، استغفار اور لاحول پڑھ کر شروع کرے اور اِسی طرح ختم کرے۔ اِسی طرح سے دَورِ اوّل ختم کر دیوے۔ اور اس دَور میں ایک نوٹ بک پاس رکھے مشکل مقامات اس میں نوٹ کرتا جاوے پھر دَورِ دوم شروع کرے اور اس میں اپنی بیوی کو سامنے بٹھا کر سناوے اور یہ جانے کہ قرآن شریف ہم دونوں کے واسطے نازل ہوا ہے بیوی خواہ توجہ کرے یا نہ کرے یہ سُنائے جاوے اور پہلے دَور کی نسبت کسی قدر بسط کرتا جاوے اور پہلے طریق کی طرح اِس دَور کو بھی ختم کرے اور وہ پہلی نوٹ بک پاس رکھے اور اسے دیکھتا رہے پھر اِس دَور میں یہ دیکھے گا کہ بہت سے وہ مشکل مقامات جو دَورِ اوّل میں نہیں سمجھتا تھا اِس دَور میں حل ہو جائیں گے۔ اِس دَورِ ثانی کی بھی ایک الگ نوٹ بک تیار کرے۔

پھر اِسی طرح سے دَورِ ثالث شروع کرے اور گھر کے بچوں، عورتوں اور پڑوسیوں کو بھی اِس دَور میں شامل کرے مگر وہ لوگ ایسے ہوں کہ کوئی اعتراض نہ کریں اور پہلی اور دوسری دونوں نوٹ بکیں اپنے سامنے رکھے اِس طرح اِس دَور میں دیکھے گا بہت سے مشکلات جو پہلے دونوں دَوروں میں حل نہ ہوئے تھے اِس دفعہ حل ہو جاویں گے۔ اِس دَور کی ایک الگ نوٹ بک تیار کرے۔

دَورِ ثالث کے بعد چوتھا دَور عام مجمع کے سامنے شروع کرے مگر سامعین ہوں۔ ان کے اِعتراضات وغیرہ کے اگر جواب آتے ہوں تو دیتا جاوے ورنہ نوٹ بک میں نوٹ کرتا جاوے اور ان کے حل کے واسطے اللہ تعالیٰ کے حضور دردِ دل سے دعائیں کرتا رہے اور پانچواں دَور شروع کر دے اور بلا امتیاز مسلمان و مشرک، کافر و مومن کو سُنانا شروع کر دے اللہ تعالیٰ کا فضل اور فیضان اس کے شاملِ حال ہو گا اور ایک بہت بڑا حصّہ قرآن شریف کا اسے سکھا دیا جاویگا

اور باریک در باریک حقائق ومعارف اور اسرار کلامِ ربانی اس پر کھولے جاویں گے۔ غرض یہ ہمارا مجرّب اور آزمودہ طریقہ ہے پس جس کو قرآن سے محبت اور علومِ قرآن سیکھنے کی پیاس اور سچی تڑپ ہو وہ اِس پر کاربند ہو کر دیکھ لے۔ (الحکم ۷، اکتوبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۶)

یاد رکھو کہ قرآن شریف پڑھو اس لئے کہ اس پر عمل ہو۔ ایسی صورت میں اگر تم قرآن شریف کھول کر اس کا عام ترجمہ پڑھتے جاؤ اور شروع سے اخیر تک دیکھتے جاؤ کہ تم کس گروہ میں ہو کیا منعَم علیہم ہو یا مغضوب ہو یا ضالین ہو اور کیا بننا چاہیئے۔ منعَم علیہم بننے کے لئے سچی خواہش اپنے اندر پیدا کرو پھر اس کے لئے دعائیں کرو۔ جو طریق اللہ تعالیٰ نے انعامِ الٰہی کے حصول کے رکھے ہیں ان پر چلو اور محض خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے واسطے چلو۔ اِس طریق پر اگر صرف سُورۃ فاتحہ ہی کو پڑھ لو تو مَیں یقیناً کہتا ہوں کہ قرآن شریف کے نزول کی حقیقت کو تم نے سمجھ لیا اور پھر قرآن شریف کے مطالب ومعانی پر تمہیں اطلاع دینا اور اس کے حقائق ومعارف سے بہرہ ور کرنا یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور یہ ایک صورت ہے مجاہدہ صحیحہ کی۔

(الحکم ۲۴ اپریل ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۲)

قرآن کریم میں عظمتِ الٰہی کا ذکر زیادہ ہے

احکام کے متعلق تو اڑھائی سَو کے قریب آیات ہیں مگر عظمتِ الٰہی کے بیان سے کوئی رکوع خالی نہیں۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ جب انسان کے دل میں اللہ کی عظمت بیٹھ جائے تو دولت واَسباب ودیگر سامانِ دُنیا کی پرواہ جو احکامِ الٰہی کی بجا آوری میں مانع ہوسکتے ہیں مُطلق نہیں رہتی اور خود بخود انسان اپنے مَولیٰ کا فرمانبردار بن جاتا ہے۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۶ ۹ صفحہ ۳۵۴)

قرآن مجید کے مقابلہ میں انجیل

متی کی انجیل کا پہلا صفحہ اُٹھا کر دیکھو وہاں کیا لکھا ہے نسب نامہ یسُوع مسیح، داؤد اور ابراہیم کے بیٹے کا۔ ابراہام سے اِسحاق پیدا ہؤا اور اسحاق سے یعقوب پیدا ہؤا.... متان سے یعقوب پیدا ہؤا اور یعقوب سے یوسف پیدا ہؤا جو مریم کا شوہر تھا جس کے پیٹ سے یسُوع جو مسیح کہلاتا ہے پَیدا ہؤا۔

حالانکہ یہ وہ کام ہے جو ہمارے مُلک میں تو میراثی کرتے ہیں اس کے مقابل میں قرآن مجید شروع ہوتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے۔ یہ وہ آیت ہے جس سے تمام مذاہب کا رَدّ ہوتا ہے۔ نہ یسوعیوں کا خداوند اقنومِ ثالث رہ سکتا ہے نہ رحم بلا مبادلہ کے بہانے کسی بے گناہ کو پھانسی چڑھانا پڑتا ہے اور نہ آریوں کا مادہ جو رُوح اَزلی اَبدی بن سکتا ہے نہ تناسخ والوں کی کوئی دلیل باقی رہتی ہے۔ نہ سوفسطائیوں کو آنے کی تاب ہے اور نہ برہموؤں کو مسئلہ الہام میں تردّد رہ سکتا ہے اور نہ شیعہ صحابہ کرامؓ پر اعتراض کرسکتے ہیں نہ دہریہ کسی مُحبّتِ نیترہ کی بناء پر خدا کی ہستی کے مُنکر رہ سکتے ہیں۔ یہ تو ایک آیت کے متعلق ہے اگر سات آیتیں پڑھی جاویں تو پھر تمام مذاہب کی صداقتوں کا عطرِ مجموعہ اس میں ملتا ہے اور دُنیا کے آخر تک پیش آنے والے دینی اہم واقعات کی خبر اس میں موجود ہے۔ ان تمام مفاسد و عقائدِ فاسدہ کا ابطال ہے جو دُنیا میں پیدا ہوئے یا ہوسکتے ہیں اور ان اعمالِ صالحہ و عقائدِ صحیحہ کا تذکرہ ہے جو انسان کی روحانی وجسمانی ترقیات کے لئے ضروری ہے۔

اسی طرح انجیل کا اخیر دیکھو اس میں لکھا ہے کہ یسوع جو خداوند کہلاتا ہے اپنے دشمنوں کے قبضہ میں آگیا اور اُس نے اِیلِیْ اِیلِیْ لِمَا سَبَقْتَانِیْ (یعنی اے میرے خدا تُو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا) کہتے ہوئے اپنی جان دی۔ برخلاف اِس کے قرآنِ مجید ختم ہوتا ہے اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔ مَلِكِ النَّاسِ۔ اِلٰـهِ النَّاسِ۔ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ۔

قرآنِ مجید پڑھنے والا۔ قرآن شریف کا متبع بڑے زور سے علی الاعلان دعویٰ کرتا ہے مَیں اس خدا کی پناہ میں ہوں جو تمام انسانوں کو پیدا کرنے والا اور پھر انہیں کمال تک پہنچانے والا ہے۔ وہ سب حقیقی بادشاہ حقیقی معبود ہے۔ اَللّٰہُ اَکْبَر۔ ایک معمولی تھانیدار یا صاحب ضلع بلکہ نمبردار اور پٹواری کی پناہ میں آکر کئی لوگ مطمئن ہو جاتے ہیں پس کیا مرتبہ ہے اُس شخص کا جو تمام جہان کے ربّ اور بادشاہ اور سچے معبود کی پناہ میں آجائے۔ صرف اِس کتاب کا اوّل و آخر ہی اسلام اور عیسائیت میں فیصلہ کُن ہے اگر کوئی خدا ترس دِل لے کر غور کرے۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۶ نمبر ۹ صفحہ ۳۵۲، ۳۵۴)

تمہید

اِس سُورہ شریف کی بہت سی تفاسیر لوگوں نے لکھی ہیں۔ہمارے گھر میں اِس سورۃ کی ایک قلمی تفسیر باریک لکھی ہوئی ساٹھ جُزو کی تھی۔حضرت صاحب (مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام) نے تین مبسوط تفسیریں اِس سورہ شریف پر لکھی ہیں جن میں سے ایک اُردو میں ہے اور کتاب براہین احمدیہ میں ہے اور دو عربی میں ہیں۔ایک کا نام "کرامات الصادقین" ہے اور دوسری کا نام "اعجاز المسیح" ہے۔وہ بڑا خوش قسمت ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ وہ کم ازکم اِن تفاسیر کا مطالعہ کرے مَیں اِس امر کی طرف تم کو خاص توجہ دلاتا ہوں۔جو عربی نہیں جانتے وہ کم ازکم اُردو کو پڑھ لیں۔ محمد عبدہٗ مصری نے بھی ایک کتاب سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں الگ لکھی ہے اور ایک ضخیم کتاب سورہ فاتحہ کی تفسیر میں صدرالدین قنوی نے لکھی ہے۔

فاتحہ خلف الامام

بچپن سے لے کر اِس بڑھاپے تک جو کچھ مَیں نے تحقیقات کی ہے اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے خواہ انسان الگ نماز پڑھتا ہو خواہ جماعت کے ساتھ کسی امام کے پیچھے پڑھ رہا ہو ہر دو صورتوں میں سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہیئے۔

تعداد رکعات

چونکہ سورہ فاتحہ کا ہر رکعت میں پڑھنا ضروری ہے اِس واسطے ایک مسلمان دن رات میں سورۃ فاتحہ عموماً ۸۰ بار پڑھتا ہے یا کم ازکم ۴۰ بار کیونکہ رکعات کی تفصیل یہ ہے:-

فجر: سُنّت ۲ - فرض ۲ = ۴ میزان پانچ نماز : ۴۴
ظہر: سُنّت ۴ - فرض ۴ - سُنّت ۴ = ۱۲ اشراق : ۲ ضحٰی : ۸
عصر: سُنّت ۴ - فرض ۴ = ۸ تہجد : ۸ کُل میزان : ۶۲
مغرب: فرض ۳ - سُنّت ۲ - نفل ۲ = ۷ زوال : ۴ تحیۃ الوضو : ۶
عشاء: فرض ۴ - سُنّت ۴ - وتر ۳ - نفل ۲ = ۱۳ تحیۃ المسجد : ۶

اگر اشراق اور اوّابین کے نوافل انسان نہ پڑھ سکے اور ایسا ہی ظہر اور مغرب اور عشاء کے نوافل بھی نہ پڑھ سکے اور ظہر اور عصر اور عشاء کی سُنّتیں بجائے چار کے دو پڑھے تو تہجد ملا کر پھر بھی ۴۰ رکعتیں ہو جاتی ہیں۔

سُنّتوں کی تاکید

بڑے بڑے تجربہ کاروں کا قول ہے کہ جو لوگ مستحب کے ادا کرنے میں سُستی کرتے ہیں وہ رفتہ رفتہ سُنّتوں کے تارک ہو جاتے ہیں اور جو لوگ سُنّتوں کے تارک ہوتے ہیں وہ رفتہ رفتہ فرائض سے غافل ہو جاتے ہیں اور فرائض سے غافل ہونے والے کے واسطے فتوٰی سخت ہے۔

ایک غلطی کا ازالہ

حضرت صاحب (مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام) کی عادت تھی کہ آپ فرض پڑھنے کے بعد فوراً اندرونِ خانہ چلے جاتے تھے اور ایسا ہی اکثر مَیں بھی کرتا ہوں۔ اِس سے بعض نادان بچوں کو بھی غالباً یہ عادت ہو گئی ہے کہ وہ فرض پڑھنے کے بعد فوراً مسجد سے چلے جاتے ہیں اور ہمارا خیال ہے کہ پھر وہ سُنّتوں کی ادائیگی سے محروم رہ جاتے ہیں۔ ان کو یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت صاحب اندر جا کر سب سے پہلے سُنّتیں پڑھتے تھے اور ایسا ہی مَیں بھی کرتا ہوں۔ کوئی ہے جو حضرت صاحب کے اِس عمل درآمد کے متعلق گواہی دے سکے؟ (اس پر صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب جو حسب العادت درس میں تشریف فرما تھے کھڑے ہوئے اور بآوازِ بلند کہا کہ بیشک حضرت صاحب کی ہمیشہ عادت تھی کہ آپ مسجد جانے سے پہلے گھر میں سُنّتیں پڑھ لیا کرتے تھے اور باہر مسجد میں فرض ادا کر کے گھر میں آتے تو فوراً سُنّتیں پڑھنے کھڑے ہوتے اور نمازِ سُنّت پڑھ کر پھر اَور کوئی کام کرتے۔ ان کے بعد صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے بھی یہی شہادت دی اور ان کے بعد حضرت

میر ناصر نواب صاحب نے اور ان کے بعد صاحبزادہ میر محمد اسحٰق صاحب نے پھر حضرت مرحوم کے پُرانے خادم حافظ حامد علی صاحب نے بھی اپنی عینی شہادت کا اظہار کیا۔ (ایڈیٹر بدر)
(ضمیمہ اخبار بدر ۴۔ فروری ۱۹۰۹ء)

وتر وتر میں بعض لوگوں کو غلطی لگی ہے کہ وہ صرف ایک رکعت پڑھ لیتے ہیں۔ حضرت صاحب کا یہ طریق نہ تھا بلکہ آپ دُو رکعت پڑھ کر اور سلام پھیر کر پھر ایک رکعت پڑھتے تھے۔

الحمد متن کتاب ہے

شیخ محی الدین ابنِ عربی لکھتے ہیں کہ مَیں نے جتنی دفعہ الحمد شریف پڑھا ہے ہر دفعہ اس کے نئے معنے میری سمجھ میں آئے ہیں میں اگرچہ ایسا دعوٰی تو نہیں کرسکتا مگر مَیں نے بغور دیکھا ہے اور میرا اعتقاد ہے کہ سارا قرآن مجید الحمد شریف کے اندر ہے۔ الحمد متن ہے اور قرآن شریف اس کی شرح ہے۔

الحمد میں شفا ہے

صحابہؓ کے زمانہ میں ایک شخص کو جو کسی گاؤں کا نمبردار تھا سانپ نے ڈسا تھا صحابہؓ نے الحمد شریف پڑھ کر اس کا علاج کیا تھا اور اُسے شفا ہوگئی تھی۔ ایسا ہی ابنِ قیم نے لکھا ہے کہ جب مَیں مکہ معظمہ میں تھا اور طبیب کی تلاش میرے واسطے مشکل تھی تو مَیں اکثر الحمد کے ذریعہ اپنی بیماریوں کا علاج کر لیا کرتا تھا۔ ابنِ قیم کا مَیں بہ سبب اس کے علم کے معتقد ہوں اور اسے ایسا آدمی جانتا ہوں جو لاکھوں میں ایک ہوتا ہے۔ میرا اپنا بھی تجربہ ہے کہ مَیں نے بہت سے بیماروں پر الحمد کو پڑھا اور انہیں شفا ہوئی۔ مَیں چاہتا ہوں کہ لوگ سوچ سوچ کر الحمد کو نماز میں پڑھا کریں اور اس سے فائدہ اُٹھائیں۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴۔ فروری ۱۹۰۹ء)

الحمد متنِ قرآن ہے باقی تمام قرآن اس کی شرح ہے۔
(تشحیذ الاذہان بابت ماہِ ستمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۴۳۵)

سُورۃ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے خواہ آدمی امام کے پیچھے ہو دِن کی نمازوں میں یا رات کی نمازوں میں۔ قرآن شریف کی کوئی آیت اس کے مخالف نہیں نہ کوئی حدیث اس کے مخالف ہے۔ (بدر ۲۳ مئی ۱۹۱۲ء صفحہ ۳)

اِس سُورۃ شریف کا نام اُمّ الکتب اور سبع من المثانی بھی ہے۔ یہ سُورۃ شریف ایک متن ہے اور قرآن شریف اس کی تفسیر ہے۔

کلامِ الٰہی کی تین اقسام ہیں۔ اوّل بعض نافہم اور ناخواندہ لوگ اِس بات سے ناواقف ہوتے ہیں کہ سرکار و دربار میں کس طرح اور کس مضمون کی درخواست دی جاوے تو اس لئے کوئی دوسرا شخص جو دربار کے آداب اور قانون سے واقف ہو تو اگر وہ ایسی عرضی لکھ دیوے یا وہ مضمون بتلا دیوے جس کی دربار میں شنوائی ہو سکے اور اگرچہ مدعا اور آرزو اسی سائل کا اپنا ہو تو ایسے بتلانے والے اور لکھ دینے والے کو مجرم نہیں قرار دیا جاتا۔

دُنیاوی گورنمنٹ جو کہ آسمانی گورنمنٹ کا ظِل ہوتی ہے اس میں ایسے قواعد ہوتے ہیں بعض فارمیں چھپی ہوئی ہوتی ہیں ان پر صرف سائل کے دستخط کرائے جاتے ہیں۔ اس کی مثال قرآن شریف میں یہ سورۃ ہے جو بطور عرضی کے ہم کو عطا ہوئی۔ دوّم جو لوگ حکّام کی پیشی میں بعہدہ سررشتہ دار وغیرہ ہوتے ہیں وہ کوئی حکم باضابطہ حاکم کی طرف سے اجازت پا کر لکھ دیا کرتے ہیں وہ بھی اصلی حاکم کا حکم ہی سمجھا جاتا ہے۔ اِس کی مثال قرآن شریف میں یہ ہے قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا (الزمر آیت ۵۴) سوّم بعض اَوقات خود حاکم اپنے پروانہ جات سے براہِ راست حکم سُنا دیتا ہے اس کی مثال سارا قرآن کریم علی العموم ہے۔

کلام کی ان تین قسموں سے یہ امر بخوبی واضح ہوتا ہے کہ سورۃ فاتحہ میں اور قرآن میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ اور دیگر دعاؤں وغیرہ کے الفاظ اِس لحاظ سے محلِ اعتراض نہیں ہو سکتے کہ جس حالت میں قرآن شریف خدائے پاک کا کلام ہے تو اس میں ایسی عبارتیں کیوں موجود ہیں جو کہ بندوں کی زبانی ہونی چاہیئے تھیں۔ گویا اِس طریق سے خدا تعالیٰ نے ایک اَدب اور طریق بارگاہِ عالی میں دعا کرنے کا بتلا دیا ہے۔

(البدر ۹ جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۸۷)

الحمد ایک جامع دعا ہے اور اس کا مقابلہ کوئی دعا نہیں کر سکتی نہ کسی مذہب کی نہ کسی احادیث کی دعائیں۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۱ صفحہ ۴۳۴)

عمدہ دعا الحمد ہے اس میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ دونو ترقی کے فقرے موجود ہیں۔

(بدر ۳۱ اکتوبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

بآ بہت سے معانی کے لئے آتی ہے اور یہاں پر استعانت کے لئے ہے۔ وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ اور خصوصًا اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ اس کے مؤید ہے۔ استعانت کسی فعل میں ہوتی ہے۔ اس فعل میں بہت کچھ بحث کی گئی ہے لیکن چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شروع میں اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ ارشاد ہوا تھا۔ لہٰذا کتاب اللہ کے افتتاح کے وقت فعل قِرَاءَت میں (اَقْرَاُ) استعانت بہت موزوں ہے۔ (رسالہ تعلیم الاسلام قادیان جلد ۱ و ۲)

اِسْمٌ نام کو کہتے ہیں۔ اس میں زمانہ دراز سے بحث چلی آئی ہے کہ اس کا ماخذ اور اصل سمو ہے جو بمعنی علو ہے یا وسم ہے جو بمعنی علامت ہے لیکن اب حضرت امام ہمام واجب الاتباع اور مطاع نے (جس کی نسبت مخبر صادقؐ نے خبر دی تھی کہ وہ احکم الحاکمین کی طرف سے حَکَم عدل ہو کر آئے گا) یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ اِسم وسم سے بنایا ہوا ہے اور وہ اپنے مسمّٰی پر دال اور علامت ہوتا ہے۔

اَللّٰه نام ہے اُس ذات کا جو کہ سب نقصوں سے پاک اور سب کمالات کی جامع ہے اور یہی اس کے معنے ہیں۔ (رسالہ تعلیم الاسلام جلد اوّل ۱ نیز البدر ۹ جنوری ۱۹۰۳ء)

اللہ سب خوبیوں کا جامع۔ سب بدیوں سے منزہ۔ معبود حقیقی۔

عربی کے سوائے کسی دوسری زبان میں خدا تعالیٰ کے نام کے واسطے کوئی بھی ایسا مفرد لفظ نہیں ہے جو خاص اسی کے واسطے ہو اور کسی دوسرے پر اس کا اطلاق نہ پا سکے۔ انگریزی کا لفظ گاڈ (GOD) دیوی دیوتا سب پر بولا جاتا ہے اور لفظ لارڈ (LORD) تو بہت ہی عام ہے۔ سنسکرت کا لفظ اوم بھی مرکب ہے غالبًا اَم سے نکلا ہے کیونکہ یہ عبادت میں اوم سے دعائیں مانگتے ہیں۔ عبرانی کا ایل اِلاَ سے نکلا ہے اور یہوواہ یاھُوَ سے نکلا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر ۴ فروری ۱۹۰۹ء)

اَلرَّحْمٰن۔ اِس کے معنے ہیں بن مانگے اور بے عوض رحمت کرنے والا جیسا کہ قرآن مجید کے استعمال سے ثابت ہے۔ مثلاً فرماتا ہے اَلرَّحْمٰنُ ۔ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۔ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ ۔ (رسالہ تعلیم الاسلام جلد اوّل ۱ نیز البدر ۹ جنوری ۱۹۰۳ء و ضمیمہ بدر ۴ فروری ۱۹۰۹ء)

اَلرَّحِيْمُ ۔ وہ ہے جو نیک اعتقاد اور نیک اعمال اور نیک اُخلاق پر اور مانگنے سے رحمت کرنے والا ہو۔ اس پر قرآن مجید کا استعمال شاہد ہے۔ مثلاً فرمایا وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا۔

(رسالہ تعلیم الاسلام جلد اوّل ۱)

بسم اللہ جہراً (نماز میں۔ مرتّب) اور آہستہ پڑھنا ہر دو طرح جائز ہے۔ ہمارے حضرت مولوی عبدالکریم صاحب (اَللّٰهُمَّ اغْفِرْهُ وَارْحَمْهُ) جوشیلی طبیعت رکھتے تھے۔ بسم اللہ جہراً پڑھا کرتے تھے۔ حضرت مرزا صاحب جہراً نہ پڑھتے تھے۔ ایسا ہی مَیں بھی آہستہ پڑھتا ہوں۔ صحابہؓ میں ہر دو قسم کے گروہ ہیں۔ مَیں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ کسی طرح کوئی پڑھے اس پر جھگڑا نہ کرو۔ ایسا ہی آمین کا معاملہ ہے ہر دو طرح جائز ہے، بعض جگہ یہود اور عیسائیوں کو مسلمانوں کا آمین پڑھنا بُرا لگتا تھا تو صحابہؓ خوب اُونچی پڑھتے تھے۔ مجھے ہر دو طرح مزہ آتا ہے کوئی اُونچا پڑھے یا آہستہ پڑھے۔ (بدر ۲۳ مئی ۱۹۱۲ء صفحہ ۳)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۲

اَلْحَمْد ۔ ال بمعنے سب ۔ وہ خاص ۔ اور حمد کسی کی اچھے اختیاری کام پر اس کی تعریف کرنا۔ اِس لئے الحمد کے معنے وہ خاص تعریفیں جو کسی کے اختیاری کام پر سرزد ہوں۔

(البدر ۹ جنوری ۱۹۰۳ء نیز ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴ فروری ۱۹۰۹ء)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۔ ایسا پاک کلمہ ہے اور اس میں ایسے سمندر حکمتِ الٰہی کے بھرے ہوئے ہیں کہ جن کا خاتمہ ہی نہیں۔ مَیں بعض اوقات نماز میں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ پڑھنے کے بعد ٹھہر جاتا ہوں۔ اِس کی وجہ یہی ہے کہ مَیں ان کے معانی میں غور و خوض کرتا ہوا غرق ہو جاتا ہوں۔ دیکھو بعض وقت مجھے بھی سخت سے سخت مشکلات اور تکالیف پہنچتی ہیں کہ ان سے جان جانے کا بھی اندیشہ ہوا ہے مگر مَیں نے جب قرآن شریف کو شروع کیا ہے اور اس میں اوّل ہی اوّل اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے شروع ہوا ہے اور مَیں نے اِس آیت پر غور کیا ہے تو دل میں بسا اوقات جوش آیا ہے کہ بتاؤ تو سہی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کا کیا مقام ہے۔ ان مصائب اور دُکھوں کے سمندر میں کس طرح سے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہو گے اور ممکن ہے کہ دوسرے مومن کے دِل میں بھی آیا ہو کیونکہ میرے دل میں ایسا بارہا آیا ہے تو اس کے واسطے مَیں نے غور سے دیکھا ہے کہ مصائب اور مشکلات میں واقعی اللہ تعالیٰ کی ذات سات طرح سے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہے جانے کے لائق ذات ہے ؎

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ است
زیر آں گنج کرم بنہادہ است

۱ - اوّل تو اِس لئے کہ مصائب اور شدائد کفارۂ گناہ ہوتے ہیں۔ سو یہ بھی اس کا فضل ہے ورنہ قیامت میں خدا جانے ان کی سزا کیا ہے اِس دُنیا ہی میں بھگت کر نپٹ لیا۔

۲ - اِس لئے کہ ہر مصیبت سے بڑھ کر مصیبت ممکن ہے اس کا فضل ہے کہ اعلیٰ اور سخت مصیبت سے بچا لیا۔

۳ - مصائب دو۲ قسم کے ہوتے ہیں دینی اور دُنیوی[^1]۔ ممکن ہے کہ گناہ کی سزا میں انسان کی اولاد مرتد ہو جاوے یا یہ خود ہی مرتد ہو جاوے۔ یہ اس کا فضل ہے کہ اس نے دینی مصائب سے بچا لیا اور دینی[^1] مشکلات پر اکتفا کر دیا۔

۴ - مصائب شدائد پر صبر کرنے والوں کو اَجر ملتے ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا کہ ہر مصیبت پر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھ کر یہ دعا مانگو۔ اَللّٰھُمَّ اٰجِرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْنِیْ خَیْرًا مِّنْھَا۔

اور قرآن شریف میں مشکلات اور مصائب پر صبر کرنے والوں کے واسطے تین طرح کے اَجر کا وعدہ ہے وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَۃٌ۔ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ۔ (بقرہ آیت ۱۵۶ تا ۱۵۸) یعنی مصائب پر صبر کرنے والوں اور اِنَّا لِلّٰہ کہنے والوں کو تین طرح کے انعامات ملتے ہیں۔

۵ - صَلَوٰت ہوتے ہیں ان پر اللہ کے۔

۶ - رحمت ہوتی ہے ان پر اللہ کی۔

۷ - اور آخر کار ہدایت یافتہ ہو کر ان کا خاتمہ بالخیر ہو جاتا ہے۔

اَب غور کرو جن مصائب کے وقت صبر کرنے والے انسان کو ان انعامات کا تصوّر آجاوے جو اس کو اللہ کی طرف سے عطا ہونے کا وعدہ ہے تو بھلا پھر وہ مصیبت مصیبت رہ سکتی ہے اور غم، غم رہتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ پس کیسا پاک کلمہ ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہ اور کیسی پاک تعلیم ہے وہ جو مسلمانوں

---

[^1]: نقل مطابق اصل ہے۔ سہوِ کاتب معلوم ہوتا ہے، دُنیاوی ہونا چاہیئے۔ مرتب

کو سکھائی گئی ہے۔ یہ نہایت ہی لطیف نکتۂ معرفت ہے اور دل کو موہ لینے والی بات یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف اِسی آیت سے شروع ہوا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام خطبات کا ابتداء بھی اِس سے ہوا ہے۔ (الحکم ۱۰ر مارچ ۱۹۰۸ء)

نیز دیکھیں رسالہ تعلیم الاسلام جلد اوّل ص۱ ۱۹۰۶ء)

رَبّ - پیدا کرنے والا۔ ترقی دینے والا۔ بتدریج کمال تک پہنچانے والا۔

(رسالہ تعلیم الاسلام جلد اوّل ص۱)

عَالَمِیْن۔ جمع ہے عَالَم کی جو اسم آلہ ہے۔ مَا یُعْلَمُ بِہٖ جس کے ذریعے سے علم آتا ہے۔ (البدر ۹ر جنوری ۱۹۰۳ء نیز رسالہ تعلیم الاسلام جلد اوّل ص۱ ۱۹۰۶ء)

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۳﴾

مَالِك - یعنی وہ جو اپنی مخلوق کے ساتھ مالکانہ سلوک کرتا ہے۔

(البدر ۹ر جنوری ۱۹۰۳ء ص۲)

یَوْم - وقت دِیْن - جزا و سزا - اِسلام

جزا و سزا کے وقت کا مالک خدا ہے اسی کے حکم سے کسی کو جزا یا سزا مل سکتی ہے۔ اَب بھی اور آئندہ بھی ہے۔

اِسلام کے وقت کا مالک خدا ہے وہ اس کی آپ حفاظت اور نصرت کرے گا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴ر فروری ۱۹۰۹ء)

یَوم کا لفظ عربی زبان میں وسیع معنے رکھتا ہے منجملہ ان معنی کے یَوم کے معنی وقت ہے۔ سُنو! محاورۂ عرب یَوْمَ وُلِدَ لِلْمَلِكِ وَلَدٌ يَكُونُ سُرُوْرٌ عَظِيْمٌ يَوْمَ مَاتَ فُلَانٌ بَكَتْ عَلَيْهِ الْفِرَقُ الْمُخْتَلِفَةُ حالانکہ لڑکے کا پیدا ہونا اور آدمی کا مرنا کبھی دِن کو ہوتا ہے اور کبھی رات کو۔ پس مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْن کے معنے ہوئے مالک ہے وقتِ جزا کا۔ ہر روز جس وقت کسی کو اپنے اعمالِ نیک کے بدلے انعام اور بداعمال کے بدلے سزا ملتی ہے اس وقت کا مالک باری تعالیٰ ہے بلکہ یَوم اتنے وقت کو کہتے ہیں کہ جس میں کوئی واقعہ گزرا ہو۔ دیکھو یومِ بُعاث۔ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ۔ ہمارے ملک میں دِن ٹھیک ترجمہ یَوم کا ہے۔ لوگ کہتے ہیں آج فلاں شخص کے دن اچھے آئے ہیں اور فلاں شخص کے بُرے آئے ہیں۔ پس یَوم کا ترجمہ دن بھی کریں تو کوئی

عیب نہیں۔ (تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۱۷۹)

بجائے لفظ وقت اور حین کے قرآن نے یوم کا لفظ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ میں کیوں استعمال کیا؟ سو گزارش ہے کہ عرب لوگ کبھی رات کی طرف ان امور کی نسبت کرتے ہیں جن میں نقص اور عیب ہوتا ہے۔ دیکھو شعر حماسہ کا۔

لَاذَتْ هُنَالِكَ بِالْاَشْعَافِ عَالِمَةً اَنْ قَدْ اَطَاعَتْ بِلَيْلٍ اَمْرَ غَادِيْهَا

اگرچہ بعض اوقات کسی خاص مصلحت کے واسطے لیل کی طرف بھی بعض امور کو منسوب کرتے ہیں مگر وہاں لیل کو خاص صفت سے موصوف کر لیتے ہیں یا اُسے مُعرّف باللام بنا لیتے ہیں جیسے اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ (دخان: ۴) اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ (القدر: ۲) وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ (بنی اسرائیل: ۸۰)۔

اِسی واسطے باری تعالیٰ فرماتا ہے ہم جو انصاف کرتے ہیں وہ بے نقص ہوتا ہے اس میں حرف گیری کا موقع نہیں ہوتا۔ ہمارا انصاف اور ہماری سزا روزِ روشن کا معاملہ ہوتا ہے۔

(تصدیق براہینِ احمدیہ صفحہ ۱۸۱، ۱۸۲)

یوم بمعنے وقت، دین، جزا و سزا

اہلِ عرب بُرے کاموں کو یا جن کاموں کے نتائج بَد ہوں ان کو رات سے منسوب کیا کرتے ہیں اور اچھے کاموں پر یوم کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی جزا و سزا میں نتائج بَد نہیں ہوتے لہٰذا یوم کا لفظ یہاں استعمال کیا گیا۔ (البدر ۹۔ جولائی ۱۹۰۲ء)

مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۔ مسئلہ جزا و سزا رحم پر مبنی ہے اور اس سے تکمیلِ نفس مقصود ہے۔

(تشحیذ الاذہان ماہِ ستمبر ۱۹۱۲ء)

اللہ تعالیٰ محامدِ کاملہ سے موصوف ہے اور صفاتِ کاملہ کا مقتضا ہے کہ مؤثر ہوں۔ مثلاً اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ اَلرَّحْمٰنِ۔ اَلرَّحِيْمِ۔ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۔ کیا معنی؟ اللہ تعالیٰ میں یہ صفات ہیں۔ پس جب اس میں یہ صفات ہیں اور اللہ تعالیٰ سوتا یا اُونگھتا نہیں تو اگر خلق پیدا نہ کرے تو اس کے لئے حمد، ربوبیت، رحمانیت، رحیمیت، مالکیت کیونکر ثابت ہو۔ کیا آنکھ ہو تو دیکھے نہیں اور کان ہو اور سُنے نہیں۔ (دیباچہ نورالدین صفحہ ۲۷)

پانچواں رُکن ایمان کا جزا و سزا پر ایمان ہے۔ یہ ایک فطرتی اصل ہے اور انسان کی بناوٹ

میں داخل ہے کہ جزا اور بدلے کے لئے ہوشیار اور سزا سے مضائقہ کرتا ہے..... کوئی نہیں چاہتا کہ محنت کا بدلہ نہ ملے اور بچاؤ کا سامان نہ ہو۔ پس جب یہ فطرتی امر ہے تو اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے ایمان کا جزو رکھا ہے کہ جزا و سزا پر ایمان لاؤ اور مالکِ یوم الدین ہے۔ روزِ روشن کی طرح اس کی جزائیں سزائیں ہیں اور وہ مخفی نہ ہوں گی اور مالکانہ رنگ میں آئیں گی جیسے مالک اچھے کام پر انعام اور بُرے کام پر سزا دیتا ہے اِس حصہ پر ایمان لا کر انسان کامیاب ہو جاتا ہے مگر اس میں سستی اور غفلت کرنے سے ناکام رہتا ہے اور قُربِ الٰہی کی راہوں سے دُور چلا جاتا ہے۔

(الحکم ۱۷؍ جنوری ۱۹۰۳ء نیز تشحیذ الاذہان ماہِ ستمبر ۱۹۱۳ء)

اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ﴿۵﴾

کلام تین قسم کا ہوتا ہے (۱) عرضی نویس کسی قانون کے ناواقف کی طرف سے عرضی لکھ دیتا ہے (۲) متکلم اپنے رنگ میں ادا کرتا ہے (۳) کبھی حاکم سمجھا دیتا ہے کہ اِس قسم کی عرضی لکھ دو قرآن میں تینوں قسم کے کلام موجود ہیں۔ پس اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ایک ایسی عرضی ہے جسے حق سُبحانہٗ نے خود سمجھایا ہے کہ ہمارے حضور پوری عرضی دو۔

(تشحیذ الاذہان ماہِ ستمبر ۱۹۱۳ء)

اِیَّا ضمیر ہے۔ واحد، تثنیہ، جمع مذکر اور مؤنث، غائب، مخاطب، متکلم، سب کے لئے آتی ہے۔ فرق کے لئے اس کے ساتھ ہ، ھا، ھما، ھم، ھُنّ، کَ، کِ، کُمَا، کُم، کُنّ ی، نا لگایا جاتا ہے۔ یہاں پر یہ ضمیر خطاب ہے اور مخاطب اللہ ہے۔ عبادت کہتے ہیں اعلیٰ درجہ کی تعظیم کے ساتھ لوازم عبودیت بجالانے کو۔ عبادت کے لئے چار چیزوں کی ضرورت ہے محبت، خضوع، کمالِ علم اور کمالِ تصرف کا یقین یا بالفاظِ یوں کہنا چاہیئے کہ امید و بیم کے یقین اور جوشِ محبت کے ساتھ خضوع کرنے کو عبادت کہتے ہیں۔

(رسالہ تعلیم الاسلام قادیان جلد اوّل ۱ بابت جولائی ۱۹۰۶ء)

جب..... کاملہ صفات سے متصف معبود کی ہستی پر آگاہی ہوتی ہے تو ایک سلیم الفطرت انسان بول اُٹھتا ہے اِیَّاکَ نَعۡبُدُ۔ خصوصیت کے ساتھ ایسی ہی ذاتِ پاک ہر ایک قسم کی عظمت اور پرستش کے قابل ہے۔ اے مَولیٰ! ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور چونکہ اِس عالم کے ایک ایک ذرہ پر تیری ربوبیت کام کر رہی ہے اور تو ہی مرتبۂ کمال تک پہنچانے والا

ہے اس لئے اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ہم تجھ سے ہی استعانت یعنی مدد اور دستگیری طلب کرتے ہیں۔

بعض لوگ اِس مقام پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ اوّل مقدم ہونا چاہیئے تھا اور اِیَّاکَ نَعْبُدُ اس کے بعد کیونکہ عبادت کے لئے استعانت اللہ تعالیٰ سے اوّل طلب کرنی چاہیئے۔

اِس کا جواب یہ ہے کہ شرعی امور میں خدا تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ انسان اوّل خدا تعالیٰ کے عطا کردہ انعامات سے کام لے کر اس کا شکریہ ادا کرے تو پھر اللہ تعالیٰ اَور انعامات کرتا ہے چنانچہ یہ امر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اِس حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے جس میں یہ بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر میرا بندہ میری طرف ایک بالشت بھر آوے تو مَیں ایک ہاتھ اسکی طرف آتا ہوں اور اگر وہ ہاتھ بھر چل کر آوے تو باع بھر چل کر آتا ہوں اور اگر چل کر آوے تو مَیں دوڑ کر آتا ہوں۔ اِس کے علاوہ خود قرآن شریف نے اِس مضمون کو لیا جہاں فرماتا ہے اِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ (ابراہیم آیت ۸)۔

پھر ایک اَور جگہ فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ اھْتَدَوْا زَادَھُمْ ھُدًی (محمد آیت ۱۸) خدا تعالیٰ نے جو قوتیں انسان کو دی ہیں ان سے تو اس نے ابھی کام لیا ہی نہیں تو اس کو اَور زیادہ مانگنے کی کیا ضرورت پڑ گئی اور ایسی حالت میں کیوں خدا تعالیٰ اسے اَور دیوے۔ ایسی صورت میں تو اگلا دیا ہوُا بھی واپس لے لینا چاہیئے کیونکہ اس سے کام نہیں لیا گیا اور خداداد نعمت کی قدر نہ کی گئی۔ تو اِیَّاکَ نَعْبُدُ کے یہ معنے ہیں کہ انسان اعتراف کرتا ہے اور عمل کرکے دکھلاتا ہے کہ اے مَولیٰ! جس قدر تُو نے اپنے فضل سے عطا کیا ہے اس سے تو کام لے رہا ہوں اور موجودہ نِعمت کو زوال سے محفوظ رکھنے اور اس میں بڑھوتی چاہنے کے لئے تیری ذاتِ پاک سے استعانت طلب کرتا ہوں۔ گویا اِن آیات کی ترتیب ایک طبعی ترتیب ہے جس کے بدلنے سے لازم آتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا موجودہ قانونِ قدرت ایک احسن اور اَبلغ نظام پر نہیں ہے۔

عبادت کے معنے ہیں عاجزی، اِنکساری سے فرمانبرداری کرنا۔ عبادت کے مفہوم میں اِس نکتہ کو ضرور یاد رکھنا چاہیئے کہ نماز اور روزہ اور دیگر معروفہ عبادات جس ہَیئت اور طرز سے ادا کی جاتی ہیں اس کے خلاف ہَیئت اختیار کرنے سے ممکن نہیں کہ ان پر ثواب ملے یا رضائے الٰہی کا موجب ہوں۔ مثلاً یہ روزہ جو کہ ہم رکھتے ہیں اگر ایک خاص وقت تک کھانے پینے

سے باز رہنے کا نام ہے تو ضرور ہے کہ ہم جمعہ کو یا عید کے دن بھی روزہ رکھ لیا کریں تو ثواب ملے لیکن اِن ایام میں روزہ رکھنے سے تو ثواب کی بجائے عذاب ہوتا ہے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلق روزہ اپنی ذات سے عبادت نہیں ہے۔ اِسی طرح اگر نماز بر این ہیئت کہ ہم ادا کرتے ہیں اگر عبادت ہے تو فجر کی دو رکعت کی بجائے اگر تین یا چار پڑھ لیں تو بھی ثواب ہونا چاہیئے بلکہ زیادہ ہونا چاہیئے کیونکہ محنت زیادہ ہوئی۔ وہی کلمات ہیں جن کی تکرار کثرت سے کی گئی ہے مگر ظاہر ہے کہ دو کے بجائے ۴ تو درکنار صرف ایک رکن نماز ہی بڑھا دینے سے نماز باطل ہو کر موجبِ عذاب ہو جاتی ہے تو معلوم ہؤا کہ نماز مطلق اپنی ذات سے عبادت نہیں ہے۔ پھر ہم معاشرت کو دیکھتے ہیں کہ وہی چہل پہل اور محبت اور پیار اور راز و نیاز کی باتیں اور معاشرت کی حرکات ہیں کہ جب انسان اپنی منکوحہ بیوی سے معاشرہ کرتا ہے تو ثواب پاتا ہے لیکن جب ایک نامحرم عورت سے کرتا ہے تو عذاب کا مستحق ہے حالانکہ عورت ہونے میں تو بیوی اور نامحرم ایک ہی ہیں اور وہی حرکات ہیں۔ تو اِن نظائر سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز روزہ معاشرت اور دیگر عباداتِ شرعیہ مطلق اپنی ذات اور ہیئت کے لحاظ سے ہرگز نہیں ہیں بلکہ اِس لئے عبادت کا لفظ ان پر آتا ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کے حکم سے کی جاتی ہیں اور جب ان میں ایک ذرا سی بات بھی اپنی طرف سے ملا دی جاوے تو پھر یہ عبادت نہیں رہتیں اور اس سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ عبادت کے معنے اصل میں اطاعت کے ہی ہیں اور ہر قابلِ اطاعت چونکہ تعظیم کا مستحق ہوتا ہے اِس لئے اس کے معنے عظمت اور عزت کے بھی ہیں۔

اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کا کلمہ خالص توحید کی طرف راہ نمائی کرتا ہے کہ خدا تک پہنچنے کے واسطے صرف خدا کو ہی ذریعہ بنایا جاوے اور اس کلمہ کا قائل یہ اقرار کرتا ہے کہ وہ خداشناسی کا مرحلہ طے کرنے کے واسطے کسی اَور شئے کو ذریعہ نہیں بناتا۔ نہ کسی بُت کو۔ نہ مخلوق کو۔ نہ عقل کو۔ نہ عِلم کو اور اپنی ہر ایک اِحتیاج کے واسطے وہ خدا ہی کی طرف رجوع کرتا ہے۔

(البدر ۱۶ر جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۹۵)

نماز میں ہر روز محبوبِ حقیقی جامع جمیع کمالات، رحمٰن رحیم، حضرت رب العٰلمین، مالکِ یوم الدین کی تعریف کر کے آپ پڑھا کرتے ہو۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ کے معنی ہیں تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور کریں گے۔ یہ دعوٰی سب مسلمان رات دن کئی بار خداوندِ عالم سے کرتے ہیں۔ پیارے دیکھ اِس دعوٰی میں ہم

کس قدر سچے ہیں۔ رات کو سو رہے۔ چار پہر تین پہر سوتے رہے صبح کو اُٹھے پاخانے گئے۔ وہاں سے آئے باتیں کیں۔ پھر کھانے کی فکر میں لگے۔ روٹی کھائی۔ پھر کچہری میں دُنیا کمانے کو گئے پھر جو جو کام وہاں کرتے ہیں اس کو ہم ہی خوب جانتے ہیں۔ پھر آئے۔ ہَوا خوری۔ کوچہ گردی۔ سَیر بازار۔ گھر آئے بال بچّہ میں لگ گئے۔ لیاقت واستعداد پر الف لیلہ۔ فسانہ آزاد۔ کفارسیان وغیرہ وغیرہ پڑھنے بیٹھ گئے۔

بتاؤ یہی اِیَّاكَ نَعۡبُدُ کا مطلب ہے پھر اگر کوئی بہت بڑا نیک ہُوا تو پنجگانہ نماز بھی درمیان میں پڑھ لی۔ پھر اس میں ریاء، سُمۡعَة سُستی، کاہلی، تاخیر وقت نقصان سجود، رکوع، قومہ، جلسہ وقرأت ہوتا ہے۔ جو منصف ہے اسے خوب جانتا ہے۔ بھلا پیارے یہی معنی اِیَّاكَ نَعۡبُدُ کے ہوں گے؟ نہیں نہیں۔ بلکہ اِس کا مطلب یہ ہے کہ ہم کو ہر ایک کام میں اور بات میں رضامندی جناب باری تعالیٰ کی مدِّنظر رکھنی چاہیئے۔ نوکری کریں مگر اِس نیّت پر کہ روپیہ حاصل کر کے صِلہ رحمی کرینگے ماں کو، بہن کو، بھائی، بھانجا بھتیجا وغیرہ کو دیں گے۔ صِلہ رحمی سے ربِّ تعالیٰ راضی ہو گا جہاں تک ہو سکا لوگوں کی بہتری میں کوشش کریں گے۔ سوتے ہیں مگر اِس نیّت سے کہ خواب سے طاقت کمانے کی حاصل ہوگی۔ بدن کو صحت میں عبادت پر لگائیں گے۔ وہ روزی جس سے صِلہ رحمی ہو اور آپ سوال چوری، فریب، دغا، قمار وغیرہ وغیرہ سے آدمی بچے۔ کمانے کی طاقت اُسے نیند سے حاصل ہوتی ہے اِس واسطے سوتے ہیں۔ لوگوں سے باتیں کرتے ہیں اِس خیال سے کہ باہم محبّت بڑھے اِتفاق پیدا ہو۔ جو خداوند کریم کا حکم ہے اسی طرح ہر ایک کام میں رضامندی مولیٰ مقصود ہو اور وہی مدِّنظر رہے تو اِیَّاكَ نَعۡبُدُ کے معنے صحیح ہم پر صادق آویں اور دعویٰ درست ہو۔ اَب چلو: اِیَّاكَ نَسۡتَعِیۡنُ! اِس کے معنے ہیں تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں یہ بھی دعویٰ ہے سچا تب ہو جب ہر کام میں ہم کو یہی خیال رہے کہ اس کا انجام اور اِتمام بدُوں رضامندی حضرت حق سُبحانہٗ وتعالیٰ اور اس کی عنایت کے نہیں ہو سکتا۔ اے خدا تُو ہی مُمد اور معاون رہ۔ دیکھو کبھی زمیندار کاشتکاری کرتا ہے۔ خرمن بناتا ہے۔ اُمّید وار ہے کہ دانہ گھر کو لے جاویں خرمن کو آگ لگ جاتی ہے اور گناہ کی شامت وہ خرمن خاکستر کا اَنبار ہو جاتا ہے۔ اسی کا رحم ہو کہ معاصی عفو ہو جاویں اور اس خرمن سے ہم نفع اُٹھاویں پس ضرور ہُوا کہ اِیَّاكَ نَسۡتَعِیۡنُ میں ذاتِ باری پر اعتماد رہے۔ (الحکم ۲۸ فروری ۱۹۰۲ء صفحہ ۲)

عبادت نام ہے کامل درجے کی محبت۔ کامل تعظیم اور اپنی طرف سے کامل تذلّل کا۔ عبادت

وہی ہے جو خود اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی معرفت بتائے باقی سب ہیچ۔ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں واؤ حالیہ ہے۔ تیری عبادت ہم اس وقت کر سکتے ہیں کہ تو ہی توفیق دے۔

(تشحیذ الاذہان بابت ماہ ستمبر ۱۹۱۲ء)

واؤ حالیہ ہے ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور اس حال میں کہ تجھ سے مدد چاہتے ہیں کیونکہ تیرے فضل کے سوائے عبادت کی توفیق بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴ فروری ۱۹۰۹ء)

اس اعتراض کے جواب میں کہ چوری، قتل، ڈکیتی، قمار بازی کے لئے بھی یہی کلام (اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔ ناقل) مسلمانوں اور ان کے مُلّانوں کا وظیفہ ہوا کرتا ہے فرمایا چوری، ڈکیتی، قمار بازی خدا کی عبادت نہیں اور نَسْتَعِیْنُ سے پہلے اِیَّاکَ نَعْبُدُ کا لفظ ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ تیرے ہی فرماں بردار ہوں یا رہیں اور نَسْتَعِیْنُ کے بعد اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ موجود ہے جس کے معنے ہیں دکھا ہمیں سیدھی راہ۔

(تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۱۸۲)

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝

اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔ خطِ مستقیم اسے کہتے ہیں جو دو نقطوں کے درمیان چھوٹے سے چھوٹا خط کھنچ سکے۔ اِس لئے اِس کے معنے ہوئے بہت ہی اَقرب راہ جو ہر ایک قسم کی افراط اور تفریط سے پاک ہو۔ (البدر ۱۶ جنوری ۱۹۰۳ء)

ہم کو سیدھی راہ یا قریب ترین راہ (پر) چلا۔

اِھْدِ کے معنے ہدایت کر۔

ہدایت کے معنے قرآن شریف میں چار طرح پر آئے ہیں:۔

۱۔ قویٰ یا خواصِ طبعی۔ کہ جس سے ہر ایک شئے اپنے اپنے فرضِ منصبی کو بجا لا رہی ہے۔ قرآن شریف نے یہ معنے بیان کئے ہیں جہاں فرمایا اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی (طٰہٰ آیت ۵۰) یعنی ہر ایک شئے کو پیدا کر کے اس میں اس کے خواص رکھ دئے ہیں۔

۲۔ حق کی طرف بُلانا۔ اِنَّکَ لَتَھْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (شوریٰ: ۵۳) یعنی تو خداشناسی کی بہت اَقرب راہ کی طرف بُلاتا ہے۔

۳۔ توفیق جیسے زَادَهُمْ هُدًى (محمد آیت ۱۸)
۴۔ کامیاب بامراد کرنا جیسے فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا لِهٰذَا (اعراف: ۴۴)
خدا ہی کی حمد ہے جس نے ہمیں یہ کامیابی عطا کی۔

(البدر ۱۶؍جنوری ۱۹۰۳ء)

اِهْدِنَا۔ چلا ہم کو۔

جمع کا صیغہ ہے۔ مومن کو چاہیئے کہ صرف اپنے واسطے دعا نہ کرے بلکہ دوسروں کو بھی ساتھ شامل کرلے۔ ہدایت عموماً چار ذرائع سے ہے۔ ۱۔ قوت دینا۔ فطری قوای بخشنا۔ ۲۔ ایک نیکی کے بعد دوسری نیکی کی توفیق دینا۔ ۳۔ اس مقصد پر پہنچانا جو نیکی کے واسطے مقدر ہو۔ ۴۔ رستہ بتلا دینا۔

مُسْتَقِیْم۔ اقرب راہ۔ جو سب سے زیادہ نزدیک ہو۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴؍فروری ۱۹۰۹ء)

۱۔ ہدایت۔ قوای فطری کا عطا کرنا۔ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی (طٰهٰ: ۵۰) ۲۔ عطاءِ فہم ۳۔ انبیاء کی تعلیم سے بُرے بھلے راہوں کو دکھانا۔ وَهَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ (البلد: ۱۱) ۴۔ بہشت میں پہنچانا۔ چنانچہ جنتی کہیں گے لَوْلَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ (الاعراف: ۴۴)

(تشحیذ الاذہان بابت ماہ ستمبر ۱۹۱۳ء)

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔ اِس کا یہ مطلب ہے کہ کوئی کام اِس دُنیا میں بِدُوں کسی سبب کے نہیں ہوتا۔ ظاہری اندھیرے کے لئے سُورج، چاند، چراغ، برق وغیرہ کے لئے روشنی چاہیئے سینے کو ہَوائے سرما کے واسطے گرم کپڑا الگ چاہیئے۔ دوسرے دوست کے مطالب سمجھنے کو خط و کتابت، پیغام چاہیئے۔ دریا سے پار اُترنے کو کشتی چاہیئے شنائی تلہ وغیرہ چاہیئے۔ پیاس کے دُور کرنے کو پانی۔ بھُوک کے لئے غذا۔ جلد پہنچنے کو ریل۔ جلد خط بھیجنے کو تار کی خبر۔ اِسی طرح دیکھتے جاؤ کوئی کام بِدُوں سبب نہیں جن کاموں کو آپ بدوں سبب جانتے ہو وہ بھی حقیقت میں سبب کے ساتھ پیوستہ ہیں۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ سے یہ مطلب ہے کہ الٰہی کوئی کام بِدُوں سبب واقعی نہیں ہُوا کرتا اور ہم کو کاموں کے اسباب ٹھیک ٹھیک معلوم نہیں اِس لئے ہمارے کام نہیں ہوتے۔ اگر بیماری کی صحت کا ٹھیک سبب معلوم ہو تو ہمارے بیمار کیوں بیمار رہیں؟ اور اگر دفع افلاس کے واقعی

اسباب معلوم ہوں تو ہم کیوں مفلس رہیں؟ عزت کے اسباب دریافت ہو جاویں تو جلد تر ذی عزت ہو رہیں۔ ذلت کے اسباب معلوم ہوں تو ان سے بچیں اور ذلیل نہ ہوں۔ پادشاہ ہو جانے کے اسباب دریافت ہوں تو پادشاہ بنیں۔ غرض ہر وقت ہر آن میں ہم کو ضرور ہے کہ خداوند کریم کی درگاہ میں سوال کرتے رہیں کہ الٰہی فلاں کام میں سببِ حقیقی کی راہنمائی فرما۔ فلاں میں راہنمائی عطا کر۔ اگر ہر وقت کاموں کی ضرورت ہو تو ہر وقت اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی ضرورت بھی لگی ہوئی ہے۔ ہر صبح نماز کے بعد کئی بار اسی طرح اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کیا ساری الحمد فکروں کے ساتھ پڑھنی چاہیئے۔ (الحکم ۲۸ فروری ۱۹۰۲ء صفحہ ۲)

۷۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝

اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ جن پر تیرا انعام ہوا۔ منعم علیہ کی تفسیر خود قرآن نے کر دی ہے۔ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ (نساء: ۷۰)

انسانی افعال کے چار ہی مراتب ہوا کرتے ہیں۔ اوّل مطلق کام صلاحیت سے کرنا۔ اسے صالح کہتے ہیں۔ دوسرے جب آقا یا حاکم سر پر کھڑا ہو تو وہ اِس کام کو اور بھی تیزی سے کرتے ہیں تو اسے شہید کہتے ہیں۔ تیسرے ٹھیکہ کے طور پر کام کرنا جس میں انسان کو خود بخود ہی ایک فکر لگی ہوتی ہے کہ اس میں کوئی نقص نہ رہے اور بڑی دیانت سے کام لیتا ہے اسے صدیق کہتے ہیں۔ چوتھے ایک کام میں اپنے آپ کو ایسا محو کرنا کہ وہ طبعی تقاضا ہو جاوے اور جیسے ایک مشین انجن کے زور سے خود بخود کام کرتی ہے نہ تھکتی ہے نہ سست ہوتی ہے اسی طرح افعالِ حسنہ کا اس سے سرزد ہونا۔ اسے نبی کہتے ہیں۔ (البدر ۱۶ جنوری ۱۹۰۳ء)

اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ جن پر انعام ہوا۔ وہ نبی۔ صدیق۔ شہید اور صالح ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴ فروری ۱۹۰۹ء)

خدا کا کسی کو نعمت دینا اور بدوں کسی سابق مزدوری اور کسی محنت کے اللہ تعالیٰ کا انعام اور اکرام کرنا اس کی رحمت اور فضل کا نشان ہے جو باری تعالیٰ کی اعلیٰ درجہ کی صفت ہے۔

(تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۱۸۷)

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ۔ نہ ان لوگوں کی راہ جن پر تیرا غضب دُنیا میں ہی آیا۔ اِس سے پہلی آیت میں جلبِ خیر کا ذکر ہو چکا اَب دفعِ ضر کی دعا تعلیم کی اور اس سے مراد یہودی ہیں جنہوں نے غضبِ الٰہی حاصل کیا۔ وہ کیا افعال تھے جن سے وہ مغضوب ہوئے اس سے سارا قرآن بھرا ہؤا ہے انشاء اللہ اپنے وقت پر ذکر ہوگا۔ (البدر ۱۶ر جنوری ۱۹۰۳ء)

مَغْضُوْب: یہود جن میں بے جا عداوت ہے اور علم پڑھ کر عمل نہیں کرتے۔

ضَآلِّیْن: بہکے ہوئے نصارٰی جنہوں نے اپنے نبی سے بے جا محبت کی اور علومِ الٰہی کو سیکھنے کی بجائے اپنی رائے کے تابع ہوئے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴ر فروری ۱۹۰۹ء)

اَلضَّآلِّیْنَ: راستہ سے بہک جانے والے۔ بے جا محبت کرنے والے بے علم۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اِس کے معنے گُم ہو جانے والے کے کئے ہیں کیونکہ یہ لوگ آخر اسی سِلسلہ میں گُم ہو جائیں گے اور اِس مضمون پر دلیل یہ آیتِ قرآنی ہے ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ۔ (سجدہ آیت ۱۱)

(البدر ۱۶ر جنوری ۱۹۰۳ء)

ضَآلِّیْن: ان کے دو نشان ہیں۔ ۱۔ الٰہیات کا علم نہ ہو مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ (کہف آیت ۶)۔ ۲۔ کِسی سے بے جا محبت۔ جیسے نصارٰی۔ ضَآلِّیْن میں چونکہ شدّ و مد ہے اس میں بتایا کہ ان کا زمانہ لمبا اور مضبوط ہوگا۔ (تشحیذ الاذہان ماہ ستمبر ۱۹۱۳ء)

اِس اُمّت میں اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ مَغْضُوْب اور ضَآلّ تینوں قسم کے لوگ موجود ہیں پس وہ مسیح موعود علیہ السلام بھی موجود ہے جس نے ہم میں نازل ہونا تھا وہ مہدی معہود اور اس وقت کا امام بھی ہے اور انہی میں موجود ہے۔ وہ اختلافوں میں حَکَم۔ ہم نے اس کی آیاتِ بیّنات کو دیکھا اور ہم گواہی دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈر کر، جزا سزا، حشر اجساد، جنّت و نار، اپنی بے ثبات زندگی کو نصبُ العَین رکھ کر اس کو امام مان لیا ہے۔ (دیباچہ نورالدین صفحہ ۵۷)

ہم نے تین دعائیں الحمد میں کی ہیں۔ منعَم علیہ بنیں مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ اور ضَآلّ نہ بنیں۔ ہرسہ خدا نے قبول کی ہیں۔ انعام ان پر ہؤا جو متّقی ہیں۔ مغضوب بے ایمان، منکر ہیں جن کو وعظ کرنا نہ کرنا برابر ہو۔ ضآلّین منافق لوگ ہیں۔ ہرسہ کا ذکر الحمد میں ہے پھر ترتیب وار ہرسہ کا ذکر سُورہ بقرہ کے ابتداء میں ہے۔ یہ قرآن شریف کی ترتیب کا ایک نمونہ ہے۔

(بدر ۲۳ر مئی ۱۹۱۲ء صفحہ ۳)

○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝۱

الٓمّٓ ۝۲

مُقطّعات کی نسبت اس زمانہ میں اعتراض ممکن تھا کیونکہ آزادی حد سے بڑھی ہوئی ہے مگر اللہ تعالیٰ نے تمام متمدن قوموں (جو انتظام مدائن کو خوب کرسکیں) میں اس کا رواج دیکر انہیں مُلزم کردیا۔ یوروپ، امریکہ کے لوگوں کے لئے تو یہ مسئلہ صاف ہے کیونکہ وہ اپنی قلموں، دواتوں، پنسلوں اور چھڑیوں اور سلے ہوئے کپڑوں کو مقطعات کے نام سے وابستہ کرتے ہیں۔ ایف۔اے، بی۔اے، ایم۔اے کو تو سب لوگ جانتے ہیں۔ ریلوں کے این۔ڈبلیو۔آر کو بھی اکثر سمجھتے ہوں گے اور بعض خطابات اور قومی دکانوں کے مقطعات تو ذرا غور سے معلوم ہوتے ہیں مگر مخفی نہیں۔

عرب میں بھی اِن مقطعات کا رواج تھا چنانچہ بالام ایک مشہور شاعر گزرا ہے۔ الٓمّٓ کی تشریح دو عظیم الشان بزرگوں نے کی ہے جنہیں قرآن دانی نے بُرا نہیں کہا وہ عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مسعود تھے۔ انہوں نے بالاتفاق ایک معنے کئے ہیں۔ صحابہؓ نے اِن معنوں کا انکار نہیں کیا اور نہ یہ کہا ہے کہ یہ احتیاط کے خلاف کرتے ہیں اس لئے مَیں اِن معنوں کو اپنے فہم کے مطابق صحیح سمجھتا ہوں۔

پھر ان کے بعد ہمارے زمانہ میں امام نے بھی یہی معنے کئے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ آپ نے ابنِ عباس اور ابنِ مسعود کی تفسیر سے یہ معنے نہیں کئے بلکہ اپنے ذوق سے بیان کئے۔ وہ معنے یہ ہیں کہ اَنَا اللّٰہُ اَعْلَمُ مَیں اللہ بہت جاننے والا ہوں۔ اَنَا کا پہلا حرف لے لیا اللہ کا درمیانی اَعْلَمُ

کا آخری۔ مجموعی حیثیت سے لوگوں نے طبع آزمائیاں کی ہیں اور دوسرے معانی بھی اپنے ذوق کے مطابق بیان کئے ہیں چنانچہ ایک بزرگ نے لکھا ہے کہ یہ اشارہ ہے اِس بات کی طرف کہ اِس سُورۃ میں آدمؑ، بنی اسرائیل اور ابراہیمؑ کا قصہ آئے گا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴ فروری ۱۹۰۹ء)

الٓمٓ۔ اِس قسم کے الفاظ قرآن شریف کی اکثر سُورتوں میں آتے ہیں اور ان کا نام عربی زبان میں حروفِ مقطعات ہے اور دراصل یہ مختصر نویسی کا ایک طریق ہے۔ انگریزی زبان میں بھی اس کی نظیریں موجود ہیں جیسے ایم۔ اے اور بی۔ اے اور ایم۔ ڈی وغیرہ۔ ہر ایک محکمہ اور دفتر کی اِصطلاحِ اختصار الگ الگ ہے۔ محدثین نے اِس سے کام لیا ہے چنانچہ بخاری کی بجائے لفظ خ لکھتے ہیں۔

طِب میں بھی اِس سے کام لیتے ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی جگہ بسملہ کہتے ہیں جس سے مقصود ساری آیت ہوتی ہے۔ اِسی طرح لاحول (کے لئے حوقل)

اِسی طرح کا ایک اِلہام حضرت مسیح موعودؑ کو ہُوا تھا کہ "یلاش" جس کے معنے ہیں یَامَنْ لَا شَرِیْکَ لَہٗ۔ غرض اِن مقطعات میں باریک اشارات ہوتے ہیں۔ (چونکہ ان کی تفصیل لمبی ہے اِس لئے درج نہیں کی جاتی)۔ (البدر ۱۶ جنوری ۱۹۰۳ء)

الٓمٓ۔ اَنَا اللّٰہُ اَعْلَمُ۔ حضرت علی، ابنِ عباس، ابنِ مسعود، اُبَیّ ابنِ کعب رضی اللہ عنہم ہر چہار نے بالاتفاق یہی معنے کئے ہیں۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ ص۹)

حروفِ مقطعات سے متعلق ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:۔

اگر مقطعات کا استعمال معمے وچیستان اور پہیلی ہے اور اِس لئے تم کو اس سے تنفّر ہے تو ایف۔ اے اور پھر بی۔ اے کیوں ہوئے اور اس پر تمہارا فخر کیوں ہو۔ تم نے بی۔ اے ہونے سے دکھایا ہے کہ تم نے دھوکہ نہیں کھایا اور بی۔ اے وغیرہ تو مقطعات ہیں مطلب تم نے خوب سمجھ لیا۔ بی۔ اے اگر معمّا نہیں تو الٓمٓ کیوں معمّا ہے؟ دوم تمہارا مُنہ کالا کرنے کیلئے اِس وقت تمام دُنیا کے مہذب بلاد اور تعلیم یافتہ قوموں کی دُکانوں، مکانوں، چیزوں، ناموں، عہدوں، ڈگریوں اور اعلیٰ عزت وعظمت کے خطابوں میں انہی معمے وپہیلی اور مقطعات کا استعمال ہو رہا ہے۔ لوگوں نے ہی عام طور پر اس کو قبول نہیں کیا بلکہ گورنمنٹ نے اپنے محکموں۔ ریلوں سٹیشنوں کو بھی یہی ٹیکا لگایا ہے۔ فارن آفس کی تمام تحریروں کا انہیں پر مدار ہے جو حکومت کی اصل کل ہے۔ ڈی۔ اے۔ وی

دیانندی کالج اِس پہیلی سے زینت یافتہ ہیں۔ یونانی (ل) اغلس۔ اگست، ایلوس، برس، سال، اٹیکو پُرانے وغیرہ پندرہ کلمات کے اختصار پر بولا کرتے ہیں (ل) لوئیس۔ لوکس۔ جگہ کے معنی ہیں۔ (م) مجسٹریٹ۔ مانومنٹ یعنی یادگار پر بولتے ہیں..... اوم کا لفظ جو آ۔ اُ۔ م کے مقطعات سے بنا ہے.... اپنے ابتداء اور انتہاء سے قرآن کے مقطع الٓمٓ کے الف پہلے حرف اور میم آخری حرف کا شاہد ہے.....

صحابہ کرامؓ نے فرمایا ہے۔ دیکھ یہ وہی اصحاب الرسول ہیں جن کی نسبت تُو نے بکواس کی ہے کہ اصحاب الرسول بھی زور لگا چکے مگر..... ابنِ جریر۔ معالم التنزیل ابنِ کثیر۔ تفسیر کبیر۔ دُرِّ منثور وغیرہ میں لکھا ہے علی المرتضیٰ، ابنِ مسعود اور ناس من اکثر اصحاب النبی اور ابنِ عباس کے نزدیک یہ تمام حروف جو سُورتوں کے ابتداء میں آئے ہیں اسماءِ الٰہیّہ کے پہلے اجزاء ہیں۔ ابنِ جریر نے بہت بسط سے اِس بحث کو بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ قرآن کریم کُھلی عربی میں ہے پس ممکن نہیں کہ اس میں ایسے الفاظ ہوں جو ہدایتِ عامہ کے لئے نہ ہوں پھر صحابہؓ و تابعین کی روایات کا بسط کیا ہے۔ آخر کہا ہے کہ ان مقطعات کو صحابہ کرامؓ نے اسماءِ الٰہیّہ کا جُزو مانا ہے اور بعض نے ان پر اسماءِ الٰہیّہ کا اطلاق کیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ ان سے قسم لی گئی ہے ان کو اسماء السور، اسماء القرآن، مفتاح القرآن بھی کہتے ہیں۔ آخر مجاہد کی روایت لی ہے کہ یہ بامعنی الفاظ ہیں اور الربیع بن انس تابعی کا قول نقل کیا ہے کہ ان کے بہت معنی لینے چاہئیں اور یہ بھی کہا ہے کہ یہ اسماء و افعال کے اجزاء ہیں۔

بالآخر الربیع بن انس کی روایت پر کہا ہے کہ یہ سب معانی صحیح ہیں اور ان میں تطبیق دی ہے۔ مَیں کہتا ہوں بات کیسی آسان ہے کیونکہ ان حروف کا اسماءِ الٰہیّہ کی جزو ہونا تو قول حضرت علی المرتضیٰ علیہ السّلام کا ہے اور ابنِ مسعود اور بہت صحابہ اور ابنِ عبّاس کا رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ پس یہ معنے اصل ہوئے اور جن لوگوں نے کہا ہے کہ یہ اسماءِ الٰہیہ ہیں انہوں نے اصل بات بیان کر دی کیونکہ آخر ان اسماء سے اسماءِ الٰہیہ ہی لئے گئے اور چونکہ اسماء الٰہیہ کے ساتھ قسم بھی ہوتی ہے اِس لئے یہ تیسرا قول بھی پہلا قول ہی ہوا۔ پھر چونکہ سُورتوں کے نام ان کے ابتدائی کلمات سے بھی لئے جاتے ہیں اِسی واسطے فاتحۃ الکتاب کو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اور سُورہ اِخلاص کو قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کہتے ہیں اور اِسی لئے یہ حروف مفاتح السور اور اسماء السور ہوئے اور چونکہ ہر ایک سورۃ کو قرآن کہتے ہیں جیسے آیا ہے اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا اور فرمایا ہے

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْالَهٗ۔ اِس لئے بعض نے اں کو اسماء القرآن بھی کہا ہے پس مجاہد کا قول کہ یہ حروف موضوع ہیں معانی کے لئے۔ اور ربیع بن انس کا یہ قول کہ ان کے بہت معانی ہیں درست و صحیح ہے اور یہ تمام اقوال پہلے قول کے مؤید ہیں اور انہی معنوں کے قریب بلکہ عین ہے وہ قول جو ابنِ جریر میں ہے کہ الٓمٓ کے معنی اَنَا اللّٰہُ اَعْلَمُ ہیں۔ پس جو معانی صحابہ کرامؓ نے کئے ہیں وہ بالکل صحیح ہوئے۔ اوّل تو اِسی لئے کسی نے ان صحابہ کرامؓ پر اعتراض نہیں کیا۔ نہ صحابہؓ نے اور نہ تابعین نے۔ نہ پچھلے علماء نے۔ اور اگر کسی نے ان کے علاوہ کہا ہے تو اس کا کہنا صحیح ہے جیسا ہم نے دکھایا ہے۔ ابنِ جریر نے اِن کُل معانی بلکہ ان کے سوا اور معانی لے کر سب کو جمع کرنے کو بہت پسند کیا ہے اور اپنے طور پر ان کو جمع کرکے بھی دکھایا ہے۔ ابنِ جریر کی یہ عبارت بڑی قابلِ قدر ہے جو آخر مقطعات پر لکھی ہے اِنَّهٗ عَنْ ذِکْرِهٖ اَرَادَ بِلَفْظِهِ الدَّلَالَةَ بِکُلِّ حَرْفٍ مِنْهُ عَلٰی مَعَانٍ کَثِیْرَةٍ لَامَعْنًی وَاحِدٍ کَمَا قَالَ الرَّبِیْعُ عَنْ اَنَسٍ وَاِنْ کَانَ الرَّبِیْعُ قَدْ اِقْتَصَرَ عَلٰی مَعَانٍ ثَلٰثَةٍ دُوْنَ مَازَادَ عَلَیْهَا۔ وَالصَّوَابُ فِیْ ذٰلِکَ عِنْدِیْ اَنَّ کُلَّ حَرْفٍ مِنْهُ یَحْوِیْ مَاقَالَهُ الرَّبِیْعُ وَمَاقَالَهٗ سَائِرُ الْمُفَسِّرِیْنَ وَاسْتَثْنٰی شَیْئًا۔ ربیع کے تین معنی یہ ہیں۔ اوّل الٓمٓ میں الف سے اللہ۔ لام سے لطیف اور میم سے مجید۔ دوّم۔ الف سے اللہ تعالیٰ کے آلاء و انعامات اور لام سے اس کا لطف اور میم سے اس کا مجد۔ پھر الف سے ایک۔ لام سے تیس۔ میم سے چالیس عدد۔ ابنِ جریر کا منشاء یہ ہے کہ اگر کوئی اَور معانی بھی لے لے (جیسے کہا گیا ہے کہ الف سے قصّہ آدم اور لام سے حالات بنی اسرائیل اور میم سے قصّۂ ابراہیم مراد ہے) جب بھی درست ہے۔ زمخشری اور بیضاوی نے علومِ قراءت و صَرف کے بڑے بڑے ابواب کا پتہ ان سے لگایا ہے اور شاہ ولی اللہ نے غیب غیر متعین کو متعین اِس عالَم میں مانا ہے اور مبرد اور دیگر محققین فراء و قطرب و شیخ الاسلام الامام العلّامہ ابو العبّاس۔ ابنِ تیمیہ اور الشیخ الحافظ المجتہد ابو الحجاج المزی اور زمخشری کا قول ہے کہ یہ منکروں کو ملزم کرنے کے لئے بھی بیان کئے گئے ہیں مثلاً مخالفوں کو تحدّی سے کہا گیا کہ الف حرف ہے جو گلے سے نکلتا ہے اور لام درمیانی مخارج سے اور میم آخری مخرج ہونٹ سے ہے۔ پس جبکہ ان معمولی لفظوں سے قرآن کریم بنا ہوا ہے تو تم اس کی مثل کیوں نہیں بنا سکتے۔

اب ہم تینوں الزامی اور تینوں نقلی جواب سے فارغ ہو کر عقلی جواب دیتے ہیں۔ ناظرین کیا معجزہ قرآنی نہیں کہ مقطعاتِ قرآن کریم پر مخالفانِ اِسلام کا اعتراض ہو اور تمام دُنیا کے مخالفانِ اسلام

اسلامیوں سے بڑھ چڑھ کر ان حروفِ مقطعہ کے استعمال میں مبتلا دکھائے جائیں اور ہم نے تو صحابہ کرامؓ کے اقوال سے ان کے معانی کو ثابت کیا ہے مگر معترض لوگ اَ۔ اُ۔ م کے معنی ملہمان وید کے صحابہ سے بتائیں تو سہی! دَوٗاَرب برس کی تصنیف کتاب کونسی ہے جس میں یہ معانی لکھے ہوئے ہیں جو سند صیا ورہی بلکہ ستیارتھ کے پہلے ہی صفحے میں لکھے ہیں اور پھر جب اسلام کی کتب میں یہ معانی موجود ہیں تو ان پر اعتراض کیوں ہے اور اِس طرح اختصار سے کلام کرنا تو عربی علوم میں عام مروّج ہے بلکہ اس کے علاوہ کئی طریق سے اختصار کیا جاتا ہے مثلاً بَسْمَلَ۔ حَمْدَلَ۔ حَوْقَلَ دَجْعَ۔ هَلَّلَ اور مثلاً خود قرآن کریم کے آیات کے نشان پر ط مطلق اور ج جائز۔

صؔ صلی کا اختصار ہے اور قرآنوں کے اُوپر ع رکوع کا چنانچہ ع اِس طرح کے نشانوں میں اُوپر کا نشان پارہ کا یا سورۃ کا اور اُوپر والا اگر پارہ کا نشان ہے تو نیچے والا سورۃ کا اور اگر اُوپر والا سورۃ کا ہے تو نیچے والا پارہ کا۔ درمیانی ہندسہ آیات رکوع کا نشان ہے۔

علمِ قرأت میں فمی بشوق کے مقطعات سات منازل قرأت کا نشان ہے۔

علمِ حدیث میں نا۔ انا۔ ح۔ ت۔ ن۔ د۔ ق۔ م۔ خ حدثنا۔ اخبرنا۔ حول السند۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابوداؤد۔ متفق علیہ۔ مسلم و بخاری کے نشان ہؤا کرتے ہیں۔

علمِ فقہ میں صدہا علامات ہوتی ہیں۔ ان کا ایک فقرہ ہے مسئلہ البئر حجط۔ کنوئیں کے پانی میں ایک خاص امر میں اختلاف پر لکھا ہے کہ اِس وقت پانی نجس ہؤا ہے یا بر حال رہتا ہے یا طاہر و پاک رہتا ہے۔

علمِ صرف میں سؔ سمع یسمع کا نشان، کؔ کرم، نؔ نصر، ضؔ ضرب کا، ف فتح یفتح کا۔

نحو میں ط عطف کا نشان، حد تعلق کا، مف مفعول کا وغیرہ۔

لغت میں ۃ بلاۃ کا، ج جمع کا، کاف کسرہ عین ماضی، فتح عین مضارع کا نشان ہے۔

طِب میں مکد من کل واحد کا نشان جس کے معنی ہیں ہر ایک سے۔

قبل اِس کے کہ عقلی جواب بیان ہو ہمیں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عقلاء کی بعض اصطلاحات بیان کی جاویں اور اِس وقت ہم صرف ویدک معتقدوں اور اسلامی فلسفیوں کی اصطلاحات پر اکتفا کرتے ہیں۔ علّتِ فاعلیہ یا فاعل کام کرنے والے کو کہتے ہیں سینسکرت میں اِس کا نام نست کارن ہے، علّتِ مادیہ: مادہ جس سے کوئی چیز بنتی ہے اس کو اپادان کہتے ہیں۔ علّتِ صوریہ صورت، تشکل اور آلات وغیرہ کو سادہارن کارن کہتے ہیں۔ علّتِ غائیہ اصل مقصود کو پریوجن کہتے ہیں مثلاً اِس کتاب

کا مصنّف و متکلم فاعل ہے اور اس کا نست کارن مصنّف کے علوم وغیرہ اور پادان کارن ہے اور اس کے آلات و اسباب مثلاً قلم و سیاہی کاغذ وغیرہ سادہارن کارن ہیں۔ اس کا اصل مقصود یعنی نافہموں کے سامنے صداقتوں کا اظہار اس کا پریوجن ہے۔ (۱) انہی اقوال یا اچھے لوگوں کی بات سے سند لینا سمعی دلیل ہے اور اس کو سنسکرت میں شبد کہتے ہیں (۲) تشبیہ کو ایمان کہتے ہیں۔ علت سے معلول کو سمجھنا تم کہلاتا ہے اور معلول سے علت کو سمجھنا ان ہے (۳) اور استقراء سے پتہ لگانا تمثیل ہے اور ان سب کو انومان کہتے ہیں (۴) مشاہدات سے استدلال سنسکرت میں پرتیکس ہے جو ابن ظاہرہ سے استدلال ہو یا حواس باطنہ سے۔

دلائل میں پہلی دلیل شبد ہے اس سے ہم نے استدلال نقلی دلائل میں کیا ہے۔

دوسری دلیل ایمان یا تشبیہ ہے۔ اس دلیل سے ہم نے یوں کام لیا ہے کہ جس طرح مقطعات تمہارے مقدس وید میں ہیں اسی طرح ہماری مقدس کتاب میں ہیں جس طرح وہاں اسماءِ الٰہیہ لئے گئے ہیں اسی طرح یہاں لئے گئے ہیں فرق اتنا ہے کہ اسلامیوں کے پاس ایک قاعدہ ہے اور تمہارے یہاں دھینگا دھانگی ہے کہ آ سے یہ لو اور آ سے یہ اور تم سے یہ مراد لو۔

تیسری دلیل انومان سے ہم نے یوں کام لیا ہے کہ ہم نے استقراء کیا ہے کہ ہندو، سناتن، آریہ، یوروپ، امریکہ کے لوگ مقطعات کو اجزاءِ کلمات تجویز کرتے ہیں تو ہم نے اسی استقراء سے مقطعاتِ قرآنیہ کو اجزاءِ کلماتِ طیبات لیا ہے۔

اب چوتھی دلیل پرتیکس یوں ہے کہ کلمہ طیبہ الٓمٓ۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ۔ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ چار جملے ہیں۔ چوتھا جملہ مطلب وغایت کو ادا کرتا ہے اور تیسرا جملہ سروپ کو۔ دوسرا جملہ مادہ کتاب کہ آپ کو تو ان مشاہداتِ ثلاثہ سے یہ پتہ لگا کہ پہلا جملہ اس کتاب کے متکلم و مصنف کا پتہ دیتا ہے۔ (نورالدین صفحہ ۲۴۴ تا ۲۴۸)

حروفِ مقطعات کے معنے

یہ حروف اسماءِ الٰہی کے ٹکڑے ہیں اور ان کے ساتھ اُن اسماءِ الٰہی کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے کہ جن کی یہ جزو ہوتے ہیں اور یہ دعویٰ ہم از خود نہیں کرتے بلکہ حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ اور ابنِ عباسؓ اور بہت سے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اور خیر التابعین فی التفسیر مجاہد اور سعید بن جبیر اور قتادہ اور عکرمہ اور حسن اور ربیع بن انس اور سعدی اور شعبی اور اخفش اور تابعین

کی ایک بڑی جماعت سے مروی ہے کہ ان حروف کے ساتھ اسماءِ الٰہیۃ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور یہ کہ یہ ان اسماء الٰہی کے ابعاض اور اجزاء ہیں اور ضحاک نے اِس پر یہ اِستدلال کیا ہے کہ کلمہ کے بعض کو ذکر کرکے پُورا کلمہ مراد لینا یہ عربوں کی عادت میں داخل ہے اور اس کی تائید کے لئے اُس نے کچھ اَشعار پیش کئے ہیں بلکہ جو قرآن مجید کہ ہدایت اور شفا ہے اس میں بھی تم دیکھتے ہو کہ وقفوں کے رمُوز کے لئے حروف لکھے ہوئے ہیں مثلاً مطلق کا نشان ط ہے اور جائز کا نشان ج ہے اور رکوع کا نشان حاشیہ پر ع ہے۔ اِسی طرح کتبِ احادیث میں نا۔ انا۔ نبا۔ ح رموز ہیں اور علمِ کلام میں لہٰذا خلف کے عوض ہف ہوتا ہے اور کتبِ فقہ میں جمط وغیرہ رموز موجود ہیں اور کتبِ لُغت میں ل۔ س۔ ن۔ ض۔ ک۔ ف۔ ع بابوں کے رموز ہیں اور ت۔ ع۔ ج بلدہ اور معروف اور جمع کے رموز ہیں اور کتبِ طب میں مکد مِنْ کُلِّ وَاحِدٍ کی رمز ہے۔ پس یہ سب رموز اِس بات کے شاہد ناطق ہیں کہ یہ طریقہ اختصار عربوں میں دائر اور سائر ہے بلکہ قرآن مجید اور احادیث میں بھی موجود ہے اور اِس زمانہ میں تو قریباً ہر ایک قوم میں اِس کی اِس قدر کثرت ہے کہ جس کے ثبوت پیش کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ پس جبکہ یہ طریقِ اختصار زبانِ عرب بلکہ خود قرآن میں موجود ہے اور بہت سے جلیل القدر صحابہؓ اور اہلِ علم تابعین اور ائمہ سے مروی ہے تو اَب اس سے بے وجہ عدول کرنا اور محض احتمالاتِ بے وجہ سے ان کے معنوں میں اشتباہ پَیدا کرکے ان کو متشابہات میں داخل کرنا درست نہیں ہے اور بعض لوگ بعض روایات کو بزعمِ خود ان معنوں کے مخالف تصوّر کرتے ہیں حالانکہ فی الحقیقت وہ انہی معنوں کی مؤید اور مثبت ہیں نہ مخالف۔ مثلاً حضرت ابنِ مسعودؓ اور ابنِ عباسؓ اور شعبی سے مروی ہے کہ یہ حروف اسماءِ الٰہی ہیں تو اگرچہ بعض نے غلطی سے اِس روایت کو پہلی روایت کے خلاف خیال کیا ہے لیکن فی الحقیقت یہ اس کی مؤید ہے کیونکہ دونوں روایتوں کا مطلب یہ ہے کہ ان حروف سے مراد اسماءِ الٰہی ہے۔ اگرچہ اِس قدر فرق ہے کہ پہلی میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ حروف اسماءِ الٰہی پر اِس لئے دلالت کرتے ہیں کہ یہ اُن کی جُزو ہیں، اور دوسری روایت میں یہ نہیں بیان کیا گیا بلکہ جُزو کا کُل پر بلکہ بدل کا مبدّل منہ پر اطلاق کرکے انہی حروف کو اسماء بول دیا ہے اور یہ استعمال عام طور شائع ہے اور ان دونوں روایتوں کے متحد المطلب ہونے پر یہ بڑا قرینہ ہے کہ قائل دونوں کے ایک ہی ہیں اور دوسری کی عبارت ان معنوں کی متحمل ہے جو کہ پہلی کے معنی ہیں۔ اِسی طرح بعض سے مروی ہے کہ یہ حروف اسماءِ الٰہی

ہیں تو یہ بھی مخالف نہیں بلکہ پہلی روایت کے مؤید ہے کیونکہ پہلی روایت کے مطابق ان سے مراد اسماءِ الٰہی ہیں اور ظاہر ہے کہ اسماءِ الٰہی عموماً خدا کی صفت اور ثنا ہوتے ہیں ۔مثل رب العالمین، الرحمٰن، الرحیم، الرزاق، ذوالقوۃ، المتین وغیرہ کے۔ پس یہ روایت بھی مؤید ہے نہ مخالف۔
اِسی طرح حضرت ابنِ عباسؓ اور عکرمہ سے مروی ہے کہ یہ حروف قَسم ہیں کہ جن کے ساتھ قسم کھائی گئی ہے تو یہ بھی مخالف نہیں بلکہ مؤید ہے کیونکہ قَسم بھی اسماءِ الٰہی کے ساتھ کھانے کا حکم ہے۔ پھر بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ الٓمٓ نام ہے سُورۃ کا اور یہ وہ بات ہے کہ جس پر اکثر مفسرین کا اِتفاق ہے اور اکثر محققین نے اِسی کو پسند کیا ہے اور خلیل اور سیبوَیہ جیسے جلیل القدر امام بھی اِسی طرف گئے ہیں اور اس پر ان احادیث سے اِستدلال کیا گیا ہے کہ جن میں کسی سُورت کو ان حروف کے ساتھ نامزد کرکے ذکر کیا گیا ہے جیساکہ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ آنحضرتؐ جمعہ کی صبح کی نماز میں الٓمٓ سجدۃ اور ھَلْ اَتٰی پڑھا کرتے تھے۔ اور ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یٰسٓ قرآن مجید کا دل ہے اور ایک دوسری میں آیا کہ آنحضرتؐ نے صٓ میں سجدہ کیا۔ مجاہد نے کہا ہے کہ یہ سورتوں کے اوّل کے حکم میں ہیں یعنی جس طرح سُورتوں کے اوّل سے ان سورتوں کو نامزد کیا جاتا ہے جیساکہ کہا جاتا ہے سورۂ قُلْ یٰاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ یا قُلْ ھُوَاللّٰہُ وغیرہما۔ اِسی طرح اِن حرفوں سے بھی ان سورتوں کو نامزد کیا جاتا ہے اور یہی قول ہے مجاہد اور حسن اور زید بن اسلم کا۔ تو یہ قول بھی مخالف نہیں بلکہ مؤید ہے کیونکہ جب یہ مسلّم بات ہے کہ سورتوں کے نام ان کے ابتداء کے ساتھ رکھا جاتا ہے اور ان کے اوائل کے فی الحقیقت کچھ معنے بھی ضرور ہی ہوتے ہیں تو پھر یہ حروف جو سُورتوں کے اوائل میں ہیں اگر باوجود اسماءِ الٰہی کی طرف مشیر ہونے کے ان سورتوں کے نام بھی ہوں تو اِس میں کیا حرج ہے۔

پھر مجاہد سے مروی ہے کہ یہ قرآن مجید کے نام ہیں اور یہ بھی مخالف نہیں بلکہ مؤید ہے کیونکہ ہر ایک سورۃ قرآن ہے تو جب یہ سورتوں کے نام ہوئے تو بالضرور قرآن مجید کے ہی نام ہوئے اور جس طرح کہ سورتوں کے اسماء اور اسماءِ الٰہی کے اجزاء ہونے میں کسی قسم کی منافات نہیں بلکہ دونوں ہو سکتے ہیں اسی طرح اسماء قرآن مجید اور اسماءِ الٰہی کے اجزاء ہونے میں کوئی مخالفت نہیں اور نہ اسماء قرآن مجید اور اسماء الٰہی ہونے میں کچھ نقص عائد ہو سکتا ہے۔

پھر مجاہد سے مروی ہے کہ حروف سورتوں کے مفاتح ہیں اور چونکہ سورتیں بھی قرآن مجید ہیں لہٰذا وہ مفاتح القرآن بھی ہیں اور یہ بھی مخالف نہیں بلکہ مؤید ہے اِس لئے کہ سورتوں کا اِفتتاح بھی تسبیح و تحمید اور اسماءِ حسنیٰ کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ پس اگر باوجود ان کے اسماءِ الٰہی کی طرف مشیر ہونے کے مفاتح القرآن بھی ہوں تو کچھ حرج کی بات نہیں ہے اور پھر بعض کا قول ہے کہ یہ اسماء الٰہی اور افعال سے ہیں اور یہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے تو یہ بھی مخالف نہیں بلکہ مؤید ہے اِس لئے کہ اسماءِ الٰہی میں سے وہ بھی ہیں جو افعالِ الٰہی پر دال ہیں۔

پھر بعض نے کہا ہے کہ یہ معنے کے لئے یا بہت معانی کے لئے موضوع ہیں تو یہ بھی مخالف نہیں بلکہ مؤید ہے اور پہلا مجاہد ہی کا قول ہے اور مؤید اِس وجہ سے ہے کہ مجاہد وغیرہ نے جو معنے بیان کئے ہیں وہ وہی ہیں جو پہلے ہم بیان کر آئے ہیں اور ان کا مؤید ہونا ہم پہلے بیان کر آئے ہیں اور وضع یہاں پر مجاز کو بھی شامل ہے کہ جس کو وضعِ نوعی کہتے ہیں اور اصل معنوں کی تائید اس دلیلِ عقلی سے بھی ہوتی ہے جو کہ اِس دَور کے امام حضرت مسیح موعود اور مہدیٔ مسعود علیہ السلام نے بیان فرمائی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر ایک واقعی شئ کے لئے چار عِلّتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک علّتِ مادی کہ جس میں وہ شئ بننے کی استعداد اور قابلیت ہوتی ہے۔ دوّم علّتِ صوری کہ جس کے ساتھ وہ چیز موجود ہو جاتی ہے۔ سوّم علّتِ غائی اور یہ وہ غرض اور فائدہ ہے کہ جو اس شئے پر مرتب ہوتا ہے اور اسی کے لئے وہ شئے بنائی جاتی ہے۔ اور چہارم علّتِ فاعلی، اور یہ وہ ہے جو کہ اس شئے کو بنانے والی ہوتی ہے۔

(رسالہ تعلیم الاسلام قادیان بابت ستمبر ۱۹۰۶ء)

تو یہاں پر علّتِ مادی ذٰلِكَ الْكِتٰبُ ہے یعنی جو کہ اللہ کے علم میں ہے اور علّتِ صوری لَا رَيْبَ فِيهِ ہے اور علّتِ غائی هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ہے۔ اب باقی رہی علّتِ فاعلی۔ تو یقیناً ثابت ہوتا ہے کہ اس کا بیان الٓمّٓ میں ہے۔ پس ثابت ہُوا کہ الف، لام، میم میں اشارہ ہے اللہ، لطیف، معلّم اور مرسِل اور منزِل کتاب کی طرف یا اَنَا اللّٰهُ اَعْلَمُ کی طرف یعنی میں ہوں بہت جاننے والا اللہ۔ پس اِس دلیلِ عقلی سے بھی یہی ثابت ہے کہ ان حروف سے مراد اسماءِ الٰہی ہیں یا بالفاظِ دیگر یُوں کہنا چاہیئے کہ یہ اللہ علیم کے ان پروانوں پر اپنے خاص دستخط ہیں۔

(رسالہ تعلیم الاسلام قادیان بابت ماہِ ستمبر ۱۹۰۶ء)

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۲

وہ اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ جو کہ سُورۃ فاتحہ میں اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ لوگوں کی طلب کی گئی تھی وہ بتلائی جاتی ہے کہ اگر تم انعاماتِ الٰہی سے بہرہ ور ہونا چاہتے ہو تو یہ ہدایت نامہ جو کہ تم کو دیا جاتا ہے اس پر عمل کرو۔ (البدر ۱۶؍جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۹۶)

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ یہ وہ لکھی ہوئی چیز ہے۔ لکھی ہوئی اِس لئے فرمایا کہ جب آیت نازل ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بڑے اہتمام سے اپنے سامنے لکھا لیتے۔ دوسری وجہ یہ کہ کتیبۃ لشکر کو بھی کہتے ہیں اور جیسے لشکر بہت سے افراد کو اپنے اندر جمع رکھتا ہے اسی طرح یہ کتاب بہت سے مضامین کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے اور جیسے لشکروں سے دشمن بھاگتے ہیں ایسے ہی شبہاتِ انسانیہ اس کتاب کے لشکر سے بھاگ جاتے ہیں اِس لئے فرمایا لَا رَيْبَ فِيْهِ یعنی یہ ایک ایسی عظیم الشان کتاب ہے جس کے عظیم الشان ہونے میں کچھ بھی شک نہیں یا جس میں کسی قسم کی کوئی شُبہ والی بات نہیں۔

پھر ذٰلِكَ الْكِتٰبُ میں جو فرمایا یہی ایک کتاب ہے تو اس سے ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ نے اَور کوئی کتاب نہیں دیکھی جس کو کتاب کہا جاسکے۔ آپؐ کے زمانہ میں بھی ایک کتاب تھی جو حقیقی معنوں میں کتاب کہلاسکے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴؍فروری ۱۹۰۹ء)

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ۔ یہی وہ کتاب ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے اَور کوئی کتاب کتاب کہلانے کی مستحق نہیں۔ اس کا ثبوت نبی کریمؐ اور آپؐ کی جماعت نے اپنی عملی حالت سے یُوں دیا ہے کہ جب تک انہوں نے قرآن کی اشاعت نہیں کرلی تب تک کوئی دوسری کتاب بالکل نہیں دیکھی۔

نبی کریمؐ نے اس کا اَدب یہ کیا ہے کہ جن امور کے دلائل قرآن شریف نے بیان کئے ہیں ان امور پر آپؐ نے کوئی سِلسلہ دلائل کا بیان قطعاً نہیں کیا۔

اَلْكِتٰبُ۔ مکتوب (مِن اللہ)۔ حدیث میں ہے کہ جب جبرئیل علیہ السلام قرآن شریف لاتے تو حریر پر لکھا ہوُا ہوتا اور خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کاتب موجود ہوتے

سے تھے جب آیت نازل ہوتی بڑی احتیاط سے اسی وقت لکھائی جاتی۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ - ابن عباس، مجاہد، سعید، اخفش، ابوعبیدہ نے کہا ہے کہ یہاں پر اس کے معنے ھٰذَا کے ہیں یعنی اس کا لام دُوری کے لئے نہیں بلکہ تاکید کے لئے ہے جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ (آل عمران: ۶۰) (ترجمہ: یہ وہ ہے جو کہ ہم تیرے پر پڑھتے ہیں) اور پھر فرمایا اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ (آل عمران: ۶۳) (ترجمہ: بیشک یہ حق بیان ہے)۔ تو پہلے قرآن مجید یا ایک سورۃ یا ایک واقعہ کے لئے ذٰلِكَ لانا اور پھر اسی کے لئے وہاں پر ہی ھٰذَا لانا صاف دکھاتا ہے کہ ان دونوں کے ایک ہی معنے ہیں ورنہ ایک چیز ایک ہی وقت میں بعید اور قریب کس طرح ہو سکتی۔ اور ایک دوسری آیت کریمہ میں قرآن مجید کے لئے ھٰذَا بھی آیا ہے جیسا فرمایا هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ (ص: ۳۰) یہ کامل کتاب ہے جو ہم نے تیری طرف اتاری ہے۔ تو اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ذٰلِكَ، ھٰذَا کے معنوں میں ہے اور فراء نے کہا ہے کہ ذٰلِكَ دُوری کے لئے ہے لیکن دُوری اکثر تو مکانی ہوتی ہے اور کبھی مرتبہ کے لحاظ سے ہوتی ہے اور یہاں پر بھی مرتبہ کے لحاظ سے ہے۔ یعنی وہ عظیم الشان کتاب جو کہ اپنی عظمت اور رفعت کے لحاظ سے نوع انسان سے بہت دُور اور اَرفع ہے جیسا کہ حضرت یوسفؑ کی نسبت عزیز مصر کی بی بی کا قول نقل ہے فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ (یوسف: ۳۲) (یہ وہ عظیم الشان شخص ہے کہ جس کی نسبت تم مجھے ملامت کرتی ہو)۔

(رسالہ تعلیم الاسلام قادیان ستمبر ۱۹۰۶ء)

لَا رَيْبَ فِيْهِ - رَیب کے معنے ہلاکت۔ یعنی کوئی ہلاکت اور شک نہیں۔ عربی زبان میں رَیب کا لفظ جھوٹ پر بھی بولا جاتا ہے۔ (البدر ۱۶ جنوری ۱۹۰۳ء)

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ - پس ایک کتاب جس میں کوئی ہلاکت کی راہ نہیں یا شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ رَیب کے دو معنے ہیں شک وشبہ اور ہلاکت۔ اور دونوں ہی یہاں خوب لگتے ہیں۔ قرآن کریم میں شک وشبہ نہیں۔ بالکل درست ہے۔ اس کی ساری ہی تعلیم یقینیات پر مبنی ہے ظنی اور خیالی نہیں۔ یا آجکل کی اصطلاح میں یُوں سمجھ لو کہ قرآن مجید میں تھیوریاں نہیں بلکہ بصائر ہیں۔ وہ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ ہے۔ پھر قرآن مجید میں ہلاکت کی راہ نہیں۔ یہ بھی سچ ہے کیونکہ اس میں تو شفاء للناس ہے۔

(بدر ۴ جولائی ۱۹۱۲ء صفحہ ۴)

الٓمّٓ۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ یہ سُورت جس کا نام الٓمّٓ ہے۔ وہ کتاب ہے (جس کے آثار نے کا موسٰی علیہ السّلام کی کتاب اِستثناء کے باب ۱۸ میں وعدہ ہو چکا) اِس میں شک وریب کی جگہ نہیں۔ (ایک عیسائی کے تین سوال اور اُن کے جوابات صفحہ ۵۰)

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں دُعا مانگی گئی تھی کہ ہمیں راہِ ہدایت دکھا۔ یہاں منعم علیہم گروہ کا دوسرا نام متقی رکھ کر فرمایا کہ یہ کتاب ان دعا مانگنے والوں کے لئے موجب ہدایت ہے جو اَنْعَمْتَ کے مورد بننا چاہتے ہیں یا بن چکے ہیں یا آئندہ بنیں گے سب کے لئے راہنمائی کا قانون ہے۔ حضرت صاحب فرمایا کرتے تھے اِنسان خواہ کیسا متقی ہو جائے قرآن مجید میں اس کی آئندہ ترقی کے لئے سامان موجود ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴۔ فروری ۱۹۰۹ء)

مَیں نے دُنیا کی بہت سی کتابیں پڑھی ہیں اور بہت ہی پڑھی ہیں مگر ایسی کتاب دُنیا کی دِلرُبا راحت بخش لذت دینے والی (جس کا نتیجہ دُکھ نہ ہو) نہیں دیکھی جس کو بار بار پڑھتے ہوئے، مطالعہ کرتے ہوئے اور اس پر فکر کرنے سے جی نہ اُکتا جائے، طبیعت نہ بھر جائے اور یا بدخو دل اُکتا جائے اور اسے چھوڑ نہ دینا پڑا ہو۔ مَیں پھر تم کو یقین دلاتا ہوں کہ میری عمر، میری مطالعہ پسند طبیعت، کتابوں کا شوق اِس امر کو ایک بصیرت اور کامل تجربہ کی بناء پر کہنے کے لئے جرأت دلاتے ہیں کہ ہرگز ہرگز کوئی کتاب ایسی موجود نہیں ہے اگر ہے تو وہ ایک ہی کتاب ہے۔ وہ کونسی کتاب!

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

کیسا پیارا نام ہے۔ مَیں سچ کہتا ہوں کہ قرآن شریف کے سوا کوئی ایسی کتاب نہیں ہے کہ اس کو جتنی بار پڑھو جس قدر پڑھو اور جتنا اس پر غور کرو اسی قدر لطف اور راحت بڑھتی جاوے گی طبیعت اُکتانے کے بجائے چاہے گی کہ اور وقت اس پر صرف کرو۔ عمل کرنے کے لئے کم از کم جوش پیدا ہوتا ہے اور دل میں ایمان، یقین اور عرفان کی لہریں اُٹھتی ہیں۔

(الحکم ۱۰۔ اپریل ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۶)

کلمہ طیبہ الٓمّٓ۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ۔ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ چار جملے ہیں۔ چوتھا جملہ مطلب اور غایت کو ادا کرتا ہے اور تیسرا جملہ سروپ کو۔ دوسرا جملہ مادہ کتاب کو۔ تو اِن مشاہدات ثلاثہ سے یہ پتہ لگا کہ پہلا جملہ اِس کتاب کے متکلم اور مصنف کا پتہ دیتا ہے۔

(نورالدین صفحہ ۲۴۸)

متقی کو عجیب در عجیب حواس ملتے ہیں اور ذاتِ پاک سے اس کے خاص تعلقات ہوتے

ہیں۔ قرآن مجید میں اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ بھی متقیوں کے لئے آیا ہے یعنی اگر مظفر و منصور، فتمند ہونا ہو تو بھی متقی بنو۔ (بدر ۲۳ رجون ۱۹۰۸ء صفحہ ۹)

ہدایت اُن لوگوں کا حصہ ہے جو گناہ آلود زندگی سے بچنے والے ہوں۔ پھر ایمان بالغیب رکھیں۔ دعاؤں میں لگے رہیں اور کچھ صدقہ خیرات بھی کریں۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۔ صفحہ ۱۳۷)

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ نور ہے متقیوں کے لئے۔ یہی مروی ہے ابنِ مسعودؓ اور ابنِ عباسؓ اور اور بہت سے صحابہؓ سے۔ اور قرآنِ مجید میں آیا ہے وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ (اعراف: ۱۵۸) اس نور کی اِتباع کی جو کہ اس کے ساتھ اُتارا گیا ہے۔ اور فرمایا قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ (ضرور اللہ کی طرف سے تمہارے پاس ایک نور یعنی بیان کرنے والی کتاب آئی ہے)۔

خداوند کریم نے اپنی کتاب میں یہ تفسیر فرمائی ہے وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۖ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۔ (بقرہ: ۱۷۸) (لیکن نیکی اس کی ہے جو کہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور فرشتوں اور کتابوں اور نبیوں پر ایمان لائے اور باوجود مال کی محبت کے پھر بھی مال دے قرابت والوں اور یتیموں، مسکینوں، مسافروں کو اور گردنوں میں اور جب عہد کرتے ہیں تو اس کو پورا کرنے والے ہوتے ہیں اور سختی اور تکلیف میں اور جنگ کے وقت صبر کرنیوالے ہوتے ہیں۔ انہیں لوگوں نے صدق دکھایا اور تقوٰی اختیار کیا ہے) اور دوسرے مقام پر فرمایا ہے وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (زمر: ۳۴) (اور جو سچائی لایا اور اس کی تصدیق کی وہی متقی ہیں) اور فرمایا اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۚ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۠ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ (آلِ عمران: ۱۳۴ تا ۱۳۶) (جو تیار کیا گیا ہے ان متقیوں کے لئے جو خرچ کرتے ہیں خوشی اور تکلیف میں اور غصہ

کو کھاتے اور لوگوں سے معاف کرتے ہیں اور اللہ مخلصوں سے محبت کرتا ہے اور جو کہ جب کوئی بیحیائی کرتے ہیں یا اپنی جانوں پر کوئی ظلم کرتے ہیں تو معًا اللہ کو یاد کرتے ہیں پھر اس سے مغفرت مانگتے ہیں اپنے گناہوں کی اور اللہ کے سوا اَور کون ہے گناہوں کی مغفرت کرنے والا اور کئے ہوئے پر جان کر اصرار نہیں کرتے) اور ایک اَور مقام پر اَلَّذِيْنَ اتَّقَوْا کے بعد فرمایا ہے: اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ (آلِ عمران: ۱۷،۱۸) (جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم ایمان لائے ہیں پس ہمارے گناہ معاف کر اور ہم کو آگ کے عذاب سے بچا۔ اور صبر کرنے والے اور سچ بولنے والے اور عبادت بجا لانے والے اور خرچ کرنے والے اور سحریوں کے وقت استغفار کرنے والے) پھر ایک اَور محل پر ذِکْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ کے بعد فرمایا اَلَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ (انبیاء: ۵۰) (جو غیب میں اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور اس گھڑی سے خوف کرنے والے ہیں) پھر ایک جگہ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ الخ کے بعد فرمایا اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (ذاریات: ۱۷تا۲۰) (بے شک وہ اس سے پہلے مخلص تھے۔ رات سے بہت تھوڑا آنکھ لگاتے تھے اور سحریوں کے اَوقات مغفرت مانگتے تھے اور ان کے مالوں میں مانگنے والوں اور نہ مانگنے والوں کا حصّہ تھا) اور تقوٰی کے آثار جو قرآنِ مجید نے بیان فرمائے ہیں اور وہ یہ ہیں۔ تقوٰی سے انسان اللہ تعالیٰ کا محبوب ہو جاتا ہے۔ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ (توبہ: ۴) (بے شک اللہ متقیوں سے محبت کرتا ہے) اللہ متقی کا ولی ہوتا ہے۔ فرمایا وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ (جاثیہ: ۲۰) (اور اللہ متقیوں کا سرپرست ہوتا ہے)۔ اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ (بقرہ: ۱۹۵) (بے شک اللہ متقیوں کے ساتھ ہوتا ہے) متقی کی اللہ قبول کرتا ہے فرمایا اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ (مائدہ: ۲۸) (اللہ تو متقیوں ہی سے قبول کیا کرتا ہے) عاقبت اور آخرت اور اچھا انجام متقی کیلئے ہوتا ہے فرمایا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (اعراف: ۱۲۹) (اور آخرت اللہ کے نزدیک متقیوں کیلئے ہے) وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ (زخرف: ۳۶) (اور آخرت اللہ کے نزدیک متقیوں کیلئے ہے) وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ (صٓ: ۵۱) (بے شک متقیوں کے لئے اچھا انجام ہے)

متقی کو اللہ ہر ایک تنگی سے کوئی نہ کوئی مخلصی دے دیتا ہے۔ فرمایا وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا (طلاق : ۲۰) (جو اللہ سے ڈر کر اس کی نافرمانی سے بچتا ہے تو خدا اس کے لئے خلاصی کی راہ نکال دیتا ہے) متقی کو اللہ ایسی راہوں سے رزق دیتا ہے کہ اس کو خیال تک نہیں ہوتا۔ متقی کو اللہ ایسا امتیازی نشان دیتا ہے کہ اہلِ دُنیا سے اس کو ممتاز کر دیتا ہے فرمایا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا (انفال : ۳۰) (اگر تم تقویٰ کرو گے تو اللہ تمہارے لئے مابہ الامتیاز بنا دے گا) اللہ علیم متقی کا معلم ہوتا ہے۔ فرمایا وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ (بقرہ ۲۰۳) (اللہ سے تقویٰ کرو اور اللہ تم کو تعلیم دے گا) متقی کو جنت ملتی ہے اور جو چاہے گا وہی اس کو دیا جائے گا۔ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ۔ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ۔ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ (نحل ۳۱، ۳۲) (متقیوں کا گھر کیا ہی عمدہ ہے اور وہ عدن کے جنت ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے۔ ان کے نیچے نہریں بہتی ہونگی ان کے لئے ان میں وہ سب کچھ مہیا ہوگا جو کہ وہ چاہیں گے۔ اللہ اسی طرح متقیوں کو جزا دیگا)۔

(رسالہ تعلیم الاسلام قادیان بابت ماہ ستمبر ۱۹۰۶ء)

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۴﴾

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ۔ متقی کون لوگ ہیں جو غیب پر ایمان لاتے ہیں غیب الغیب تو اللہ کی ذات ہے پھر مابعد الموت حالات۔ پھر ملائکہ، رسول اور اس کی کتابیں اس میں شامل ہیں۔ رسول بحیثیت انسان ہونے کے اس کی ذات غیب میں داخل ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴۔ فروری ۱۹۰۹ء)

يُؤْمِنُوْنَ ایمان لاتے ہیں۔ ایمان کہتے ہیں ماننے کو۔ اِس طرح سے ماننا کہ جو دِل کی بات ہے وہ دِل سے مانی جاوے۔ جو ہاتھ سے ماننے کی ہے وہ ہاتھ سے مانی جاوے۔ غرض اِسی طرح زبان، آنکھ، کان اور ہر ایک اعضاء سے جو بات حسب فرمودۂ الٰہی ماننے کی ہے وہ مانی جاوے۔

اعضاء سے اِس طرح مانا کرتے ہیں کہ اِس بات یا امر کو عملاً کر کے دکھلا دیا جاوے۔

اَلْغَیْبُ ۔ اِس سے مراد اللہ تعالیٰ بھی ہے کیونکہ وہ ایک نہاں در نہاں ہستی ہے جو اِن آنکھوں سے نہیں دیکھی جاتی۔ اِن ہاتھوں سے نہیں ٹٹولی جاتی۔ اِن کانوں سے اس کی آواز نہیں سُنی جاتی۔ یہ اس کی صفت ہے منجملہ اَور صفات کے۔

اِس کے معنے تنہائی کے بھی ہیں جیسے فرمایا یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ یعنی ایمانداری کی یہ نشانی ہے کہ عالَمِ تنہائی میں جب اس کے پاس کوئی نہیں ہوتا۔ نہ کوئی رُشتہ داری، نہ برادری نہ قوم، نہ شاہی چوکیدار وغیرہ تو اس وقت جن جرائم کو وہ کر سکتا ہے ان کو اِس لئے نہیں کرتا کہ خدا کی ہستی پر اُسے یقین ہے اور وہ جانتا ہے کہ اگر کوئی اَور نہیں دیکھتا تو خدا کی ذاتِ پاک دیکھ رہی ہے۔ ایسے عالَمِ تنہائی میں گناہوں سے بچنا دراصل ایمان کا ثبوت اور اس کا پتہ ماہِ رمضان میں بھی خوب مِلتا ہے جبکہ ایک شخص اپنے گھر کے اندر کوٹھڑی میں بیٹھا ہے پینے کیلئے سرد پانی، کھانے کے لئے نعمتیں اور شہواتی ضرورتوں کے لئے بیوی موجود ہے۔ کوئی اُسے دیکھنے والا نہیں دِل بھی للچاتا ہے مگر پھر خدا تعالیٰ کے خوف سے وہ پرہیز کرتا ہے۔ اکثر لوگ جب اپنے محلہ یا شہر کو چھوڑ کر دوسرے ممالک میں چلے جاتے ہیں تو شرارتوں اور بدکاریوں میں دلیر ہو جاتے ہیں۔ اِس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اپنے مقام پر ان کو برادری اور قوم وغیرہ کا ڈر ہوتا ہے جب وہ نہ ہو تو پھر کُھلم کُھلا وہ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ اگر ان کا ایمان اللہ تعالیٰ کی مقتدر ہستی پر ہوتا تو وہ جہاں رہتے گناہ سے بچتے۔ یہ ایک لطیف حقیقت یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ سے معلوم ہوتی ہے۔

وہ تقویٰ جو کہ ہر ایک کامیابی اور فلاح کی جڑ ہے اس کا ابتداء کیوں یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ سے شروع ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر ایک کامیابی خواہ دُنیا کی ہو خواہ دین کی، اس کا اصل اصول ایمان بالغیب ہی ہے اور اسی کے ذریعے سے انجام کار بڑے بڑے علوم اور باریک در باریک اسرار کا پتہ لگتا ہے۔ مثال کے طور پر دیکھو کہ اگر ایک لڑکا ابتدائی قاعدہ شروع کرتے وقت اگر الف کو الف نہ مانے اور اُستاد سے کہے کہ تم اسے الف کیوں کہتے ہو کچھ اَور نام لو تو کیا وہ کچھ ترقی کر سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ بہرحال اُسے ماننا پڑے گا کہ جو کچھ استاد کہتا ہے وہ ٹھیک ہے تو ہی ترقی کرے گا۔

پھر جس قدر علوم۔ ریاضی، اقلیدس، الجبرا اور جغرافیہ، طبعی وغیرہ ہیں ان میں جب تک اوّل اوّل کچھ باتیں فرضی طور پر نہ مان لی جاویں تو آگے اِنسان چل ہی نہیں سکتا۔ ابتداء میں جب

وہ کچھ مان کر آگے چلتا ہے تو پھر بڑے بڑے علوم و فنونِ حقّہ کا دروازہ اس پر کھل جاتا ہے۔
محکمہ پولیس جب کسی مقدمہ کا سراغ لگاتا ہے تو وہ بعض اوقات شریر لوگوں کی بات پر بھی اعتبار کر لیتا ہے اور پھر ان فرضی باتوں کے ذریعے سے مقدمات کی اصل حقیقت کو پا لیتا ہے۔
غرضیکہ دیکھا جاتا ہے کہ اکثر فرضی باتوں کو مان کر انسان بڑے بڑے علوم حاصل کر لیتا ہے۔ اسی طرح اگر دہریہ طبع لوگ اللہ تعالیٰ کو فرضی مان کر ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مطابق کام کریں تو دیکھ لیں کہ کیا کیا نتائج نکلتے ہیں اور وہ لوگ جن کو براہِ راست مکالمہ الٰہیہ کا شرف حاصل نہیں ہے ان کے لئے اللہ تعالیٰ ابھی غیب میں ہی ہے اگر وہ بھی فرض کر کے اللہ تعالیٰ سے دعائیں شروع کروا دیں تو نتائجِ حسنہ پا لیویں گے۔
ایمان بالغیب کی حقیقت کو حضرت احمد مرسل یزدانی مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی کتاب "آئینہ کمالاتِ اسلام" کے صفحہ ۲۳۰ میں اور اپنی دوسری مقدس تالیفات میں بھی دکھایا ہے وہاں دیکھ لیا جاوے کہ انسانی نجات کے واسطے کس قدر ضرورت ایمان بالغیب کی ہے اور اگر یہ نہ ہو تو پھر دنیا میں کوئی بھی ایسا عمل ہرگز نہیں ہے کہ جس کے ذریعے سے انسان انعاماتِ الٰہی کا مستحق ہو سکے۔ کیونکہ جیسے انسان دور سے ایک دھواں دیکھ کر یہ گمان کرتا ہے کہ وہاں آگ ہوگی اور اس وقت اس کا ایک ظنّی علم ہوتا ہے جب تک وہ اس دھوئیں کی طرف قدم بڑھا کر نہ چلے اور اس آگ میں ہاتھ ڈال کر نہ دیکھ لیوے تب تک تفصیلی علم کا مرتبہ نہیں حاصل کر سکتا۔ دراصل ایسی علمی حالت کا نام ایمان ہے اسی طرح بعض قرائن مرجحہ سے اس کو ایک ظنّی علم خدا کی ہستی کا پیدا ہوتا ہے وہ اس کے دل میں ایک جوش اس ہستی کا یقینی علم حاصل کرنے کے لئے پیدا کرتا ہے جو کہ اس کی ترقیات کا موجب ہوتا ہے۔
ظنّی امور سے یقینی امور کی طرف آنے کے لئے چونکہ انسان کو ضرور کچھ نہ کچھ محنت کرنی پڑتی ہے اور اس کے دل میں ایک اضطراب ہوتا ہے اس لئے متقی کی دوسری صفت یہ فرمائی یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وہ نماز کو قائم کرتے ہیں۔

(البدر ۲۳ جنوری ۱۹۰۳ء)

ایمان کیا ہے خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ ثُمَّ لَمۡ یَرۡتَابُوۡا وَ جٰہَدُوۡا بِاَمۡوَالِہِمۡ وَ اَنۡفُسِہِمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ؕ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الصّٰدِقُوۡنَ (الحجرات ۱۶) مومن تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور پھر شک میں نہ

پڑے اور اللہ کی راہ میں مال وجان سے کوشش کی۔ بے شک وہی سچے ہیں اور فرمایا فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (النساء : ٦٦) تیرے رب کی قسم ہے کبھی مومن نہ ہوں گے جب تک کہ تجھے حکم نہ بنائیں ان امور میں کہ جن میں ان کے مابین نزاع ہو اور پھر تیرے فیصلہ میں کسی قسم کی اپنے جی میں تنگی نہ پائیں اور پورے طور پر تسلیم کرلیں اور فرمایا اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ (النور : ٦٢) مومن تو وہی ہیں جو کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں اور جب کسی ایسے اہم امر پر اس کے ساتھ ہوں جو لوگوں کو جمع کرتا ہے تو اِذن لینے کے سوا نہیں جاتے اور فرمایا اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (السجدة : ١٦، ١٧) ہماری آیتوں پر تو وہی ایمان لائے ہیں کہ جب ان کو ان کے ساتھ نصیحت (یا یاددہانی) کی جاتی ہے تو سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے تسبیح کہتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے ان کے پہلو بستروں سے جُدا رہتے ہیں اور خوف و امید سے اپنے رب کو یاد کرتے ہیں اور ہمارے دئے ہوئے سے خرچ کرتے ہیں اور فرمایا وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ (الاحزاب : ٣٧) کسی مومن مرد اور مومن عورت کو اختیار نہیں جبکہ اللہ اور رسول کسی اَمر میں فیصلہ کرلیں اور فرمایا اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (النور : ٥٢) مومن لوگ جب اللہ اور اسکے رسول کی طرف فیصلہ کے لئے بُلائے جاتے ہیں تو اُن کا یہی قول ہوتا ہے کہ ہم نے سُنا، قبول کیا اور اطاعت کی۔ اور فرمایا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ (النساء : ١٣٧) اللہ اور اس کے رسول اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو کہ اللہ نے اپنے رسول پر اُتاری ہے اور اس کتاب پر جو کہ اس سے پہلے اُتاری ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (النساء : ٦٠) اے ایمان والو اللہ کی فرمانبرداری کرو اور رسول کی فرمانبرداری کرو

اور اپنے میں سے حکومت والوں کی اور اگر کسی شئے میں تمہارا تنازع ہو تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھیرو۔ اگر تم اللہ اور آخر آنے والے دن (یا وقت) پر ایمان رکھتے ہو اور فرمایا لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (المجادلة: ۲۲) تم کوئی لوگ نہ پاؤگے جو کہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لاتے ہوں اور پھر ان سے محبت اور دوستی رکھتے ہوں جو کہ اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی کرتے ہوں اور فرمایا وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ (المائدة: ۸۱) اور اگر یہ اللہ اور آخری دن پر اور اس پر جو اللہ نے اتارا ہے ایمان رکھتے تو پھر ان سے کبھی دوستی نہ لگاتے۔ اور فرمایا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا (الانفال: ۷۵) اور جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں انہوں نے مجاہدہ کیا اور جگہ دی اور مدد کی۔ وہی پکے مومن ہیں۔ اور فرمایا اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات: ۱۱) مومن تو بھائی ہی ہیں نہ اور کچھ۔ اور فرمایا وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (البقرة: ۲۷۹) اور چھوڑ دو جو سود باقی رہا ہے اگر تم مومن ہو۔ اور فرمایا وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (آل عمران: ۱۴۰) اور نہ سست ہو اور نہ غمناک ہو اور تم ہی ٹھیک ٹھیک غالب آنے والے ہو اگر تم مومن ہو۔ اور فرمایا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرة: ۱۶۶) اور جو ایمان لاتے ہیں وہ اللہ سے سخت محبت رکھنے والے ہوتے ہیں۔ اور فرمایا .... يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (التوبة: ۱۱) اور جو ایمان لاتے ہیں وہ اللہ کی راہ پر جنگ کرتے ہیں۔ اور فرمایا فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (الاعراف: ۸۶) اور ترازو کو پورا کرو (پورا ماپو اور پورا تولو) اور لوگوں کی چیزوں میں نقصان مت ڈالو اور زمین میں امن کے بعد فساد مت ڈالو۔ یہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم مومن ہو۔ اور فرمایا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (الانفال: ۲ تا ۴) پس اللہ سے ڈرو اور اپنے درمیانی تعلقات کی اصلاح

کرو اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اگر تم مومن ہو۔ مومن تو وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو اُن کے دل ڈر جاتے ہیں اور ان کو اس کی آیتیں سُنائی جاتی ہیں تو وہ اُنکے ایمان کو بڑھاتی ہیں اور وہ اپنے رَبّ پر ہی سہارا رکھتے ہیں اور جو نمازیں قائم کرتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے سے کچھ خرچ کرتے ہیں۔ اور فرمایا وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ لَیَعْلَمُوْنَ اَنَّہُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّھِمْ (البقرۃ : ۱۴۵) لیکن جو کتاب دیئے گئے ہیں پس وہ جانتے ہیں کہ وہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔

اور حدیثوں کے لحاظ سے ایمان کی تعریف یہ ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت جبرئیل نے آنحضرتؐ سے دریافت کیا کہ ایمان کیا ہے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کی ملاقات اور اس کے رسولوں اور آخری دن پر ایمان لائے۔ اور ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ آخرت میں اُٹھائے جانے پر اور اس پر ایمان لاؤ کہ اچھائی اور بُرائی کا اندازہ اللہ کی طرف سے ہے تو جبرئیلؑ نے کہا صَدَقْتَ (آپؐ نے سچ فرمایا) یہ حدیث بخاری، مسلم، ابن ماجہ میں ہے۔ اور فرمایا ہے تم میں سے کوئی بھی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ مَیں اس کو اپنے والد اور اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ پیارا نہ ہوں۔ یہ حدیث بخاری میں ہے اور ابنِ خزیمہ میں اس پر زیادہ یہ بھی آیا ہے کہ اپنے اہل و عیال اور مال سے اور بخاری میں ایک اَور حدیث میں فرمایا ہے تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہ پسند نہ کرے جو کہ وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ اور شعب الایمان میں ایک حدیث میں فرمایا ہے اُس شخص کا ایمان نہیں جس کے لئے امانت نہیں۔ اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے عبدالقیس کے قافلہ کے قِصّہ میں روایت کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ ایمان اِس امر کی شہادت ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور صلوٰۃ کا قائم کرنا اور زکوٰۃ کا دینا اور رمضان کے روزے رکھنے اور مسجدِ حرام کا حج کرنا ہے۔ امام احمد اور ابوعوانہ نے اپنی صحیح میں اِس حدیث کو روایت کیا ہے اور نسائی میں مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ مومن وہ ہے کہ جس کو لوگ اپنے مال و جان پر امین سمجھیں۔ اور امام احمدؒ اور عبدالرزاق نے روایت کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ زانی جب زنا کرتا ہے تو زنا کرنے کے وقت ہرگز مومن نہیں ہوتا اور نہ چور چوری کرنے کے وقت مومن ہوتا ہے اور نہ شرابی شراب پینے کے وقت مومن ہوتا ہے اور نہ کوئی اُچکا

کسی ذی قدر شئے کے اُچک کر لے جانے کے وقت مومن ہوتا ہے جب لوگ نظریں اُٹھا کر اس کو دیکھتے ہوتے ہیں اور وہ پھر بھی اُچک لے جاتا ہے اور نہ خائن خیانت کے وقت مومن ہوتا ہے تم اس سے بچو۔ اور ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ ان سے ایمان نکل کر سایہ بان کی طرح ان کے اُوپر ہوتا ہے۔ تو جب وہ اس عمل کو قطع کر دیتا ہے تو اللہ اس کی طرف ایمان کو لوٹا دیتا ہے اور صحیح مسلم میں مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ایمان کی ستر سے کچھ زیادہ شاخیں ہیں۔ سب سے اَدنیٰ راستہ سے مُوذی چیز کا دُور کرنا ہے۔ اور حیا ایمان کی ایک بڑی شاخ ہے اور جب آنحضرتؐ سے یہ سوال ہوا ہے کہ کونسا ایمان افضل ہے تو آپؐ نے یہ جواب دیا ہے کہ اَخلاقِ حَسنہ۔ اس کو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے۔ اور امام احمدؒ کی ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ تو محبت بھی اللہ ہی کے لئے کرے اور عداوت بھی محض اللہ ہی کے لئے کرے اور اپنی زبان کو اللہ کے ذکر میں لگائے اور فرمایا ہے کہ جو شخص محض اللہ ہی کے لئے دیتا ہے اور اللہ ہی کے لئے روکتا ہے تو اس نے اپنا ایمان کامل کر لیا ہوتا ہے۔ اس کو ابو داؤد نے روایت کیا ہے اور بخاری میں ہے کہ ایمان کا نشان انصار کی محبت ہے اور مسلم میں ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ مجھ سے مومن ہی پیار کرے گا نہ اَور۔ اور ابو سلیمان دارانی سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے قافلہ کو فرمایا تھا کہ تمہارے ایمان کا کیا نشان ہے تو انہوں نے عرض کی کہ آپؐ کے بھیجے ہوؤں نے ہم کو پانچ چیزوں کا حکم دیا ہے کہ ہم شہادت دیں کہ اللہ کے سوا اَور کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور صلوٰۃ کو قائم کریں۔ اور زکوٰۃ دیں اور رمضان کے روزے رکھیں اور خانہ کعبہ کا حج کریں اور ان پر عمل کریں اور پانچ اشیاء کا حکم دیا ہے انہوں نے کہ ہم ان پر ایمان لائیں۔ اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور کتابوں پر اور رسولوں پر اور بعد الموت اُٹھائے جانے پر۔ اور پانچ چیزوں کو ہم نے جاہلیت اور اسلام میں اپنا خلق بنایا ہے اور وہ یہ ہیں کہ مصیبت کے وقت صبر کرنا اور آرام و آسائش کے وقت شکر کرنا اور قضاء و قدر کی رفتار پر راضی رہنا۔ اور دوسروں کی ملاقات کے مقاموں پر صدق دکھانا اور دشمنوں پر شماتت نہ کرنا اور اس سے زیادہ آنحضرتؐ نے اُن کو یہ فرمایا کہ وہ جمع نہ کرو جو تم نہ کھاؤ اور نہ وہ بناؤ کہ جن میں نہ رہو۔ اور نہ ان اشیاء کی رغبت یا ان میں ترقی کرو کہ جن کو تم چھوڑ جانے والے ہو۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو کہ جس کے طرف تمہارا رجوع ہوگا اور جس پر تم پیش کئے

جاؤ گے اور اسی کی خواہش کرو کہ جس کی طرف تم جانے والے ہو اور جس میں تم رہو گے اور یہ ایمان کبیر میں مذکور ہیں۔

یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ۔ ایمان لاتے ہیں اس حالت میں کہ وہ لوگوں سے غائب ہوتے ہیں جیسا فرمایا ہے مَنْ خَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ (یٰسٓ : ۱۲) جو ڈرا الرحمٰن سے غائب ہونے کی حالت میں۔ اور فرمایا یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ (الانبیاء : ۵۱) ڈرتے ہیں اپنے رب سے پوشیدہ ہونے کی حالت میں۔ پس اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السّلام کا قول قرآن مجید میں منقول ہے کہ لِیَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَیْبِ (یوسف : ۵۳) تاکہ وہ جان لے کہ غائبانہ حالت میں مَیں نے اس کی خیانت نہیں کی۔ تو ان معنوں کے رُو سے مطلب یہ ہوگا کہ متقی لوگ ان لوگوں کی مانند نہیں ہوتے کہ جن کے حق میں آیا ہے اِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ (البقرۃ : ۱۵) جب مومنوں کو ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب اپنے شیطانوں کو اکیلے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ہی ساتھ ہیں بلکہ جیسے وہ لوگوں کے سامنے ایمان لاتے ہیں ان اشیاء (اللہ اور نبوت، رسالت، کتاب اللہ کے منجانب اللہ ہونے اور قیامت وغیرھا) پر جو کہ لوگوں سے غائب ہیں۔ پس بِالْغَیْبِ یہاں پر ایسا ہے جیسا کہ بِاللّٰہِ۔ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ میں ہے۔ اور دلائل بیہقی میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا اَلَا اِنَّ اَعْجَبَ الْخَلْقِ اِلَیَّ اِیْمَانًا قَوْمٌ یَکُوْنُوْنَ بَعْدَکُمْ یَجِدُوْنَ صُحُفًا فِیْهَا کُتُبٌ یُؤْمِنُوْنَ بِمَا فِیْهِ ہاں سب مخلوق سے مجھے زیادہ پسند ان لوگوں کا ایمان ہے جو کہ تم سے پیچھے آئیں گے تو کچھ صحیفے پائیں گے کہ جن میں کتابیں ہوں گی اور وہ ان پر ایمان لائیں گے۔ (رسالہ تعلیم الاسلام قادیان ماہِ اکتوبر ۱۹۰۶ء)

وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ۔ صلوٰۃ کی اقامت سے یہ مراد ہے کہ سجود، رکوع، تلاوت کو پورا کیا جائے اور خشوع اور حضور کے ساتھ پڑھی جائے اور خوب توجہ رکھی جائے۔ تفسیر ابنِ جریر میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہی معنے بیان فرمائے ہیں۔ اقامت چیز کے ادا کرنے کو بھی کہتے ہیں۔ پس اِن معنوں کے لحاظ سے یہ مقصد ہوگا کہ صلوٰۃ کا حق ادا کرتے یا یُوں کہنا چاہیئے کہ اس کو کماحقہا ادا کرتے ہیں اور امام راغبؒ نے لکھا ہے کہ یہ لکڑی کی اقامت سے ہے جو کہ سیدھا کرنے کے معنوں میں ہے یا بمعنے مداومت یا بمعنے محافظت ہے۔ پس معنے یہ ہوں گے کہ صلوٰۃ کو سیدھا کرتے ہیں یا اس پر مداومت کرتے

ہیں یا اس کی محافظت کرتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ (المعارج ۲۴:) وہ اپنی نمازوں پر مداومت کرتے ہیں۔ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ (المؤمنون ۱۰:) وہ اپنی نمازوں پر حفاظت کرتے ہیں۔

(رسالہ تعلیم الاسلام قادیان نومبر ۱۹۰۶ء)

يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ - وہ نماز کو قائم کرتے ہیں یعنی کھڑی کرتے ہیں۔ اِس لفظ کے استعمال میں یہ لطیفہ ہے کہ چونکہ ابتدائی منازل میں مومن کی نفسِ امارہ سے جنگ ہوتی ہے نفس اس کو بار بار دُنیا اور اس کے لذات اور افکار کی طرف کھینچتا ہے اور ادھر یقینی امر کے تحصیل کے واسطے اس کے دِل میں امنگ ہوتی ہے۔ ایسے موقع پر متقی کو ایک جنگ کرنا پڑتا ہے اِس لئے فرمایا کہ بوجہ وساوس کے متقی کی نماز بار بار گرتی ہے مگر ہر آن اسے پھر قائم کرتا ہے۔

یہ ایک ایسی حالت ہے جسے پڑھنے والے خوب مشاہدہ کرتے ہوں گے یا کر چکے ہوں گے زیادہ تفصیل کی کیا ضرورت ہے۔

اَلصَّلٰوةَ - وہ خاص نماز جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھ کر دکھلائی... صلوٰۃ کا لفظ صلّی سے نکلا ہے جس کے معنے ہیں کسی لکڑی کو گرم کر کے سیدھا کرنا۔ اور چونکہ نماز سے بھی انسان کی تمام کجی نکل کر وہ سیدھا ہو جاتا ہے اِس لئے نماز کو صلوٰۃ کہتے ہیں۔ وہ کجیاں کیا ہیں فحش اور غیر پسندیدہ امور کی طرف انسان کا میلان۔ ان سے یہ نماز روکتی ہے جیسے فرمایا اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (العنکبوت ۴۶:)۔

اِنسان کی نجات کا مدار ایمان کے بعد دُو باتوں پر ہے ایک تعظیم لِاَمرِ اللہ دوسرے شفقت علیٰ خلقِ اللہ۔ پہلی بات تعظیم لامر اللہ کے لئے صلوٰۃ ہے کہ انسان دُنیاوی حکام کی ملازمت میں مشغول ہوتا ہے اور اس کی ناراضگی کا خطرہ ہوتا ہے اور نماز کا وقت آتا ہے تو ان سب حاکموں کو چھوڑ کر وہ احکم الحاکمین کے حکم کی اطاعت کرتا ہے اور نماز ادا کرتا ہے اور جس اَلغیب ہستی پر وہ ایمان لایا تھا پانچ دفعہ دن میں اس ایمان کی عملی شہادت اپنے اعضاء سے دیتا ہے اسی طرح تاجر اپنی تجارت اور ہر پیشہ ور اپنے پیشے میں جب نماز کے اوقات کی پابندی کما حقہٗ کرتا ہے تو یہ اس کے مومن ہونے کی دلیل ہوتی ہے اور یہ ثبوت ہوتا ہے اِس امر کا کہ اس نے اپنا معبود، اپنا حاکم اور اپنا رازق اللہ تعالیٰ ہی کو مانا ہوا ہے اور اپنی تجارت یا پیشہ کو اس کا شریک نہیں بنایا ہے۔

صلوٰۃ کے معنے دعائے رحمت کے بھی ہیں اور اختصاراً یہاں تمام حقوق الٰہی شامل ہے اس لحاظ سے یُقِیْمُوْنَ الصَّلوٰۃَ کے یہ معنے بھی ہوئے کہ وہ تمام حقوق الٰہی کو قائم کرتے ہیں۔

(البدر ۲۳ جنوری ۱۹۰۳ء)

قرآن مجید کی اصل غرض اور غایت تقوای کی تعلیم دینا ہے۔ اِتّقاء تین قسم کا ہوتا ہے پہلی قسم اتّقاء کی علمی رنگ رکھتی ہے یہ حالت ایمان کی صورت میں ہوتی ہے اس کو یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کے الفاظ میں ادا کیا اور دوسری قسم عملی رنگ رکھتی ہے جیساکہ یُقِیْمُوْنَ الصَّلوٰۃَ میں فرمایا ہے۔ اِنسان کی وہ نمازیں جو شبہات اور وساوس میں مُبتلا ہیں کھڑی نہیں ہوتی ہیں اِس لیے اللہ تعالےٰ نے یَقْرَؤُنَ نہیں فرمایا بلکہ یُقِیْمُوْنَ فرمایا یعنی جو حق ہے اس کے ادا کرنے کا۔ ہرایک چیز کی ایک عِلّتِ غائی ہوتی ہے اگر اس سے رہ جاوے تو وہ بے فائدہ ہوجاتی ہے۔ یُقِیْمُوْنَ الصَّلوٰۃَ سے لوازم الصّلوٰۃ معراج ہے اور یہ وہ حالت ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق شروع ہوجاتا ہے مکاشفات اور رؤیا صالحہ آتے ہیں۔ لوگوں سے اِنقطاع ہوجاتا ہے اور خدا کی طرف ایک تعلق پیدا ہونے لگتا ہے یہاں تک کہ تبتّلِ تام ہوکر خدا سے کامل تعلق پیدا کرلیتا ہے۔

(الحکم ۲۱ مارچ ۱۹۱۰ء صفحہ ۳)

صَلوٰۃ۔ اس تعظیم اور عبادت کا نام ہے جو زبان، دِل اور اعضاء کے اتّفاق سے ادا کی جاوے کیونکہ ایک منافق کی نماز جو کہ ریاء اور دکھلاوے کی غرض سے ادا کی گئی ہو نماز نہیں ہے نماز بھی ایک تعظیم ہے جس کا تعلق بدن سے ہے بدن کا بڑا حصّہ دل اور دماغ ہیں۔ چونکہ زبان نماز کے الفاظ ادا کرنے میں اور دل و دماغ اس کے مطالب و معانی میں غور کرکے توجہ اِلی اللہ کرنے میں اور ظاہری اعضاء ہاتھ پاؤں وغیرہ ظاہری حرکات تعظیم کے ادا کرنے میں شریک ہوتے ہیں اور ان سب کے مجموعہ کا نام بدن یا جسم ہے اِسی لئے بدنی عبادت کا نام صلوٰۃ ہے۔

(الحکم ۲۔ اپریل ۱۹۰۸ء)

اِسلامی نماز

اِسلامی دوسری اصل نماز ہے ..... نماز کیا ہے خدا سے دِلی نیاز۔ اور یہ عبادت تمام مذاہب میں اصل عبادت ہے۔

اور کچھ شک نہیں دِلی جوشوں کا اثر ظاہری حرکات اور سکنات پر ضرور پڑتا ہے اور ظاہر

حرکات وسکنات کی تاثیر قلب پر ضرور پہنچتی ہے۔ باری تعالیٰ ہی کے دستِ قدرت میں محبوس رہنے کا ثبوت اور اس کی بارگاہ میں بکمال اَدب حاضر ہونے کا بیان اگر ہمارے اعضاء کر سکتے ہیں تو نماز کا قیام اور نماز میں ہاتھ باندھنا بیشک عمدہ نشان ہے۔ دِلی عجز و انکسار غایت درجے کا تذلّل اگر کوئی ظاہری نشان رکھتا ہے تو حالتِ رکوع وسجدہ ہرگز کم نہیں۔

اِسلامی نماز میں جو کلمات ہیں ان میں صرف باری تعالیٰ کا معبود ہونا اور اس کی رحمتِ عامّہ اور خاصّہ اور سزا اور جزا کا بیان ہے پھر اسی مالک کی عبودیّت کا اِقرار اور اسی کی امداد کا اِعتراف ہے پھر نمازی اپنے اور تمام لوگوں کے لئے راہِ راست پر چلنے کی دعا مانگتا ہے اور بارگاہِ حق میں عرض کرتا ہے مجھے ایسے لوگوں کی راہ دکھا جن پر تیرا فضل ہے اور اُن بُروں کی راہ سے بچا جن پر الٰہی تیرا غضب ہے یا جو لوگ راہ سے بہک گئے۔

پھر کچھ الٰہی تعریف کے الفاظ ہیں پھر تمام نیک لوگوں کے لئے دعا ہے پھر واعظِ توحید ابراہیم راست باز پر (جو تمام بنی اسرائیل اور بنی اسمٰعیل کے مورثِ اعلیٰ ہیں اور جن کی اولاد میں محمدؐ صاحب بھی ہیں) اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دعا ہے کیونکہ ان کی مساعیٔ جمیلہ سے شرک کا بڑا استیصال ہوا اور توحید نے عروج پایا۔ پھر اپنے لئے دعا ہے۔

انسان کا خاصّہ ہے اِس لئے دل پر کسی واعظ کی نصیحت کا اثر ایک ہی بار کچھ نہیں پڑتا۔ اِنسان کے دِل کا زنگ جو اسے محسوسات میں لگائے رکھنے سے پَیدا ہو جاتا ہے ایک دفعہ کے تذکار سے دُور نہیں ہوتا۔ قانونِ قدرت میں محسوسات میں زنگ زدہ اشیاء ایک دفعہ کے مصقلہ پھرنے سے روشن اور چمک دار نہیں ہوتیں۔ سورہ فاتحہ بھی بڑی بڑی روحانی بیماریوں کے زنگ کا مصقلہ تھی اِسی واسطے ایک نماز میں کئی بار پڑھی جاتی ہے۔

بتاؤ کون قوم ہے جو مناروں پر چڑھ کر بلند آواز سے کمال دلیری اور جوش سے اپنے معبود اور نہایت ہی بڑائی والے خدا کی عظمت اور اس کے معبود ہونے کی شہادت دے اور اپنے محسن ہادی کی رسالت پر شہادت دے۔ پانچ وقت مکرّر الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف بڑی بلند آواز سے منارے پر چڑھ کر بُلاوے اور اپنی عبادت کی خوبی بتلاوے اور پھر اپنی اس منادی کو خدا کی کمال تعظیم پر ختم کرے۔ سوچو یہی معنی کلماتِ اذان کے ہیں۔ ہاں ہادیٔ اِسلام نے قوم کو گھنٹوں، سیپیوں، ناقوسوں، سارنگیوں، بربطوں سے معافی بخشی بلکہ یُوں کہیئے بچالیا۔

یہ اسلامی مذہب ہی کی خصوصیت ہے کہ اپنی ہر ایک کتاب کی ابتداء میں اپنے خالق کی

ستائش کریں۔ اپنے محسن کی تعریف کریں۔ اس کے لئے دعا مانگیں لیکچروں کی ابتداء میں یہی حال ہے (لیکچر کا ترجمہ خطبہ ہے) بلکہ لیکچر کی خوبی بھی اسلامیوں پر ختم ہے کھڑے ہو کر لیکچر دینا تو ان کی ہر نمازِ جمعہ میں دیکھ لو مگر غور کے قابل یہ ہے کہ عین لیکچر میں جہاں اور قوموں کو تالی بجانے کا موقع ملتا ہے وہاں اِسلام میں اللہ اکبر اور سُبحان اللہ موزوں ہے۔

(فصل الخطاب جلد اوّل صفحہ ۳۵، ۳۶ (ایڈیشن دوم)

(۱) دُنیا کے مذاہب پر غور کرنے اور قریباً کُل اقوامِ عالم کو ایک ہی بڑے مرکز اور مرجع کی طرف بالاشتراک رجوع ہو ہو دیکھنے اور قانونِ قدرت کے معجز بے نقص کتاب کے مطالعہ کرنے سے فطرتِ سلیم، قوّتِ ایمانی نورِ فراست کے اِتفاق سے فوراً شہادت دے اُٹھتی ہے کہ ایک ہمارا خالق زمین و آسمان ہے جس کی قدرتِ کاملہ کُل عالَم پر محیط اور تمام اشیاء میں جاری وساری ہے غرض ایک ہمہ قدرت، فوق الکل وجود کا خیال یا اِعتقاد قریباً کُل اقوامِ دُنیا میں پایا جاتا ہے۔ یہ فطرت کا اِشتراک اور قوائے باطنیہ کی اضطراری توجہ ایک اعلیٰ ہستی کی جانب وجودِ باری کی عجیب دِل نشین دلیل ہے۔ اب عالَمِ اسباب یا اسبابِ عالَم پر جب انسان نظر کرتا ہے تو خوب سمجھتا ہے کہ عالَمِ کون وفساد کے اِنقلابات میں وہ ہمیشہ مجبور و معذور ہے اور یہ کہ تمام اختیارات کے مواد اور مقدورات کے اسباب اس کی قدرت سے باہر ہیں۔ مثلاً جب دیکھتا ہے کہ بڑے بڑے قوائے طبعی سورج، چاند، ستارے، ہوا، بادل وغیرہ میرے بے مُزد خدمتگار ہیں بلکہ جب وہ اپنے اسبابِ قریبہ یعنی جسم ہی کو دیکھتا ہے کہ کیسے مناسب آلات اور موافق ادوات اس کو ملے ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی مفقود ہو جاوے تو جبر کسر کے لئے اس کا یا اس کے مثل بے نقص جزو کا موجود کرنا اس کے اِمکان سے خارج ہے۔

پس یہ تصوراتِ اِنسان کے دِل میں ضرور سخت جوش اور عجیب جذبات پیدا کرتے ہیں اور دلی نیاز بڑی شکر گزاری کے ساتھ مِل کر اس کو اس منعم و محسن کی ستائش وحمد کی طرف مائل کرتا ہے اور جس قدر زیادہ اس کو اپنی احتیاج و افتقار کا عِلم اور فوق القدرت سامانوں کے بآسانی بہم پہنچ جانے کا یقین ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ اس کا دِل اس منعم کے اِحسانات کی شکر گزاری سے بھر جاتا ہے۔ یہی دِلی نیاز اور قلبی شکر گزاری جو سچی محبت اور باطنی اخلاص سے ناشی ہوتی ہے اور یہی جوش وخروش جو انسان کے دِل میں ہوتا ہے واقعی اور اصلی نماز ہے۔

(۲) اِس میں کچھ (شک) نہیں کہ ہمارے ظاہری اقوال و افعال، حرکات و سکنات کا اثر ہمارے

قلب پر پڑتا ہے یا یُوں کہو کہ جو کچھ ہمارے باطن میں مرکوز ہے حرکاتِ ظاہری ہی اس کی آئینہ دار ہیں۔ بہت صاف بات ہے کہ اچھا بیج اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ مشاہدہ گواہ ہے کہ جس وقت ہم کسی سچے دوست یا کسی بڑے محسن کو دیکھتے ہیں جس کی مہربانیاں اور عطایات ہمارے شامِل حال ہیں تو بے اختیار بشاشت اور طلاقت کے آثار ہمارے چہرہ پر آشکار ہوتے ہیں اور اگر کسی مخالف طبع مکروہ شکل کو دیکھ پاویں تو فی الفور کشیدگی اور انزجار کا نشان پیشانی پر نمودار ہو جاتا ہے۔ غرض اِس سے انکار کرنے کی وجہ نہیں ہو سکتی کہ تمام واردات اور عوارض مثلاً اِنبساط، اِنقباض، یاس، رجا، فرحت، غم، محبّت اور عداوت اعضائے ظاہری کو باطنی سمیت یکساں متغیر و متاثر کر دیتے ہیں۔ پس اَب سوچنا چاہیئے کہ جب اس خالق، مالک، رازق، منعم کا تصوّر انسان کے قلب میں گزرے گا اور اس کے عطایات اور نعمتوں کی تصدیق سے اس کا دل وجان معمور ہو جائے گا تو یہ دِلی جوش اور اضطراری ولولہ اس کو ساکن، غیر متحرک چھوڑ دے گا؟ نہیں نہیں۔ ضرور طوعاً و کرہاً اعضائے ظاہری سے ٹپک پڑے گا۔ جڑ کو صدمہ پہنچے اور شاخوں کو حِس تک نہ ہو غیر معقول بات ہے۔

غیر مہذب اقوام کے مذہبی رسوم کے آزاد دل سے تحقیقات کرو تو عجیب و دلکش اصول کا مجموعہ تمہیں ملے گا کہ اس اُوپر دیکھنے والی ہستی نے قوائے روحانی کی ابتدائی شگفتگی کے زمانہ میں جس کو زمانۂ حال کے مہذبین زمانۂ جہالت و تاریکی بولتے ہیں کن کن صورتوں اور رنگوں میں اس فیاضِ مطلق کی حمد و سپاس کے قلبی زبردست اثر کو ظاہر کیا ہے۔ خارجی بدآثاری اور عوارض کو چھوڑ دو۔ اصلی بے رنگ و بے لَوث فطرت پر غور کرو تو تمہیں دُنیا کی قوموں میں رنگا رنگ حرکات دکھائی دیں گے جو باایں ہمہ رنگارنگی کیسے اس بے رنگ کا معبود و مسجود ہونا ثابت کر رہے ہیں۔

اِس بیان سے صرف اِس قدر مقصود ہے کہ ہر قوم کے نزدیک کوئی نہ کوئی طریق معبودِ حقیقی کی یاد کا ضرور ہے جس کو وہ لوگ اپنی نجات کی دستاویز سمجھتے ہیں اور یہ کہ عقائدِ باطنی کے حُسن و قبح کی تصویر اعضاء و جوارح کے آئینے میں دیکھی جا سکتی ہے۔

ہر قوم میں جوشِ قلبی کی تحریک اور اس کی آگ بھڑکانے کے لئے کسی ایک ظاہری اعمال کا اِلتزام پایا جاتا ہے مثلاً بدن کو پانی سے طاہر کرنا، کپڑا صاف رکھنا، مکان لطیف و نظیف رکھنا۔ ظاہری صفائی اور حسبِ فطرت اصلاحِ بدن سے بیشک اَخلاقی پر قوی اثر پڑتا ہے۔ نجاست، گندگی، ناپاکی، چرک، میلاپن سے کبھی وہ علوِ ہمت، بلند حوصلگی، پاکیزگی اخلاق پیدا نہیں ہو سکتی جو ان

صفائی اور طہارت کا لازمی نتیجہ ہے۔ بدیہی بات ہے کہ ہاتھ مُنہ دھونے وغیرہ افعال جوارح سے حتماً ایک قسم کی بشاشت اور تازگی عقلی قویٰ میں پیدا ہوتی ہے۔ علی الصباح بسترِ غفلت سے اُٹھ کر بدنی طہارت کی طرف متوجہ ہونا تمام مہذبین بلاد میں ایک عام لازمی عادت ہے۔ صاف عیاں ہوتا ہے کہ تقاضائے فطرت سے اس کے زور و اجبار سے یہ دائمی عادات پیدا ہوئی ہیں اور طبیعت اعضاء و جوارح سے جبراً اس خدمت کا لینا پسند کرتی ہے۔ پس اگر ایسی عبادت میں جس میں روحانی جوشوں اور اصلی باطنی طہارت کا اِظہار مقصود ہو ایسی طہارت ظاہری کو لازمی اور لابدی کر دیا جاوے تو کس قدر اس شوق و ذوق کو تائید حاصل ہوگی۔ صاف واضح ہے کہ جہاں خالی طہارت اور ظاہری صفائی کا حکم ہوگا وہاں باطنی طہارت اور ربانی صفائی کی کتنی اَور زیادہ تاکید ہوگی۔

غرض اِس میں شک نہیں کہ صفائیِ ظاہری کی طرف طبعاً ہر قوم متوجہ ہے اور اِس میں بھی شک نہیں کہ نہایت بدبخت سیاہ دروں ہیں جو صرف جسمانی صفائی اور ظاہری زیب و زینت کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ یقیناً بہت سے انہیں ظاہری رسوم کی پابندی اور انہیں فانی قیود میں ایسے اُلجھے ہیں کہ قساوتِ قلبی اور بداَخلاقی کے سوا کوئی نتیجہ ان کے اعمال و افعال پر مترتب نہیں ہوا۔ اِس کی وجہ صرف یہ ہوئی کہ انہوں نے ظاہر ہی کو مقصود بالذات اور قبلۂ ہمت ٹھہرا لیا یا ان کے پاس کوئی روحانی شریعت نہ تھی جو مجاز سے حقیقت کی طرف ان کو لے جاتی مگر اس سے نفسِ فعلِ طہارت قبیح یا مستوجب ملامت نہیں ٹھہرتا۔ اِس عملی افراط و تفریط کے اَور ہی موجبات اور بواعث ہیں۔

ہمیں اِس وقت اَور قوموں کے رسوم سے تعرض کی ضرورت نہیں اس وقت ہم اسلامی طہارت (وضو) کو پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ غیر قوموں نے اسلامی اعمال پر انصاف سے غور نہیں کیا۔ انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ مسلمانوں نے، ہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت پر چلنے والوں نے ہرگز ظاہری طہارت میں خوض نہیں کیا۔ وہ اسی کو مقصود بالذات نہیں سمجھتے کیونکہ ایک پیچھے آنے والے جلیل الشان حقیقی فعل نماز کا یہ عملی مقدمہ ہونا ثابت کرتا ہے کہ یہ عمل تو صرف نشان یا دلیل دوسرے امر کی ہے۔

وضو میں مسلمانوں کو جو دعا پڑھنے کی نصیحت کی گئی ہے یقیناً مُعترض کو راہِ حق پر آنے کی ہدایت کرتی ہے سُنو اور غور کرو۔ وَھُوَ ھٰذَا:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِیْنَ۔ سُبْحٰنَکَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ۔

غسلِ جنابت میں بھی یہی دعا مانگی جاتی ہے اور بعد اِس دعا کے یہ فقرہ کہا جاتا ہے "اَب غسل پُورا ہوُا" یعنی ظاہر باطن سے مِل کر پُورا ہوُا۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ عذر اور ضرورت کے وقت یہ طہارت ساقط ہو جاتی ہے۔ یہ کافی دلیل اِس امر کی ہے کہ عمل ہی صرف مقصود بالغرض ہے بمثلاً پانی نہ ملنے کی صورت میں غسل اور وضو دونوں حالتوں میں اِس آسان شریعت نے تیمم کر لینے کا حکم دیا ہے جس سے مقصود اِتنا ہے کہ اعضائے ظاہری کا جرس بجا کر قوائے باطنی کے غافل قافلے کو بیدار اور برسرِ کار کیا جائے۔

یہ ناپاکی اور پاکی (طہارت) کا لفظ اور اس کا مفہوم اسلام میں ایسا نہیں برتا گیا جیسا وسوسہ ناک طبائع اور وہمی مزاجوں کے درمیان معمول ہوُا ہے کہ انسان کی ذات میں کوئی ایسی نجاست نفوذ کر گئی ہے جس نے اس کو گھناؤنا اور لوگوں کے پرہیز و اجتناب کا محل بنا دیا ہے اور جس کا ازالہ سوائے اس ظاہری طہارت کے ہو نہیں سکتا۔ میں سچ سچ تمہیں بتاتا ہوں کہ اسلام ان توہمات سے بالکل پاک ہے۔

اَحبار باب ۱۵ آیت ۱ تا ۱۸ میں ہے کہ "جریان والا کپڑے دھووے اور غسل کرے۔ شام تک ناپاک ہے اور جس پر وہ سوار ہوا اور جو کوئی اس کی سواری کو چھوئے وہ بھی ناپاک" اور خروج باب ۱۹ آیت ۱۱ "اور خدا نے موسیٰ سے کہا کہ لوگوں کے پاس جا اور انہیں پاک کر اور ان کے کپڑے دھلوا اور تیسرے دن تیار رہیں کہ خداوند تیسرے دن لوگوں کی نظروں میں کوہِ سینا پر اُتر آئے گا" اسلامی شریعت کے احکام سے انہیں مقابلہ کر لو صاف کھل جائے گا۔ اسلامی شریعت نے روحانیت کی کیسی توجہ دلائی ہے۔ نہ زار رنگ یا پانی چھڑکنا اور چُلّو بھر...... میں ...... کھانے والی بادشاہت میں داخل ہونے کی شرط قرار دی گئی ہے۔ اس پر رسوم ظاہری سے انکار۔ قرآن سُنئے۔ اس کے مقابل کیا فرماتا ہے۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً (سورہ بقرہ ع)

رنگ اللہ کا اور کِس کا رنگ اللہ سے بہتر ہے۔

یہی اعتقاد قدیم سے مسلمانوں میں چلا آیا ہے کہ طہارتِ باطنی ہی راساً مطلوب ہے چنانچہ اسلام کے قدیم فلاسفر امام غزالیؒ نے ان لوگوں کی نسبت جو صرف ظاہری طہارت پر مرتے ہیں اور

جن کے قلوب کبر و ریا سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ سب سے اہم اور اعظم طہارت پاک کرنا دل کا ہے تمام بُری خواہشوں اور بیہودہ رغبتوں سے اور دفع کرنا ہے نفس سے تمام مکروہ و مذموم خیالات کو اور ان تصورات کو جو انسان کے دل کو خدا کی یاد سے باز رکھتے ہیں۔

جب ہم نے اتنا ثابت کر دیا کہ قلبی حالت اعضاء و جوارح کو حرکت دیئے بغیر رہ نہیں سکتی اور یہ کہ ظاہر و باطن میں لازم و ملزوم کی نسبت ہے تو گویا نفس ارکانِ نماز سے کچھ بحث نہیں کیونکہ جذباتِ قلب اور اس کی واردات کا ظہور اور کیفیتِ روحانی کے عروض کا ثبوت اعضاء و جوارح کی زبانِ حال ہی سے مل سکتا ہے البتہ گفتگو اس امر میں رہ جاتی ہے کہ آیا یہ ہیئت مقتضائے فطرتِ انسانی سے مناسبت رکھتی ہے یا نہیں یا اس سے بڑھ کر اور پسندیدہ صورت و ترکیب فلاں قانون اور فلاں مذہب میں رائج ہے یا اب نئی صورت وہم و تصور میں آسکتی ہے۔

مَیں بڑی جرأت اور قوی ایمان سے کہتا ہوں کہ اس کی مثال یا اس سے بڑھ کر مقبول و مطبوع صورت نہ تو کسی مذہب میں رائج ہے اور نہ اور نئی عقل میں آسکتی ہے۔ یہ جامع مانع طریق ان تمام عمدہ اصولوں اور مسلّمہ خوبیوں کو حاوی ہے جو دُنیا کے اور مذاہب میں فرداً فرداً موجود ہیں اور تمام آن نیازمندی کے آداب کو شامل ہے جو ذوالجلال معبود کے عرشِ اعظم کے سامنے قوائے انسانی میں پیدا ہونے ممکن ہیں وہ خاص اَوراد و کلمات جو اس مجموعی ترکیب کے اجزاء۔ قومہ، رکوع، قعدہ، سجود، جلسے وغیرہ میں زبان سے نہیں دِل سے نکالے جاتے ہیں۔ اِس کی بھلائی بہتری کے کافی ثبوت ہیں۔

انصاف سے سوچئے کہ یہ ہیئات قوائے قلبی پر کس قدر قوی اثر کرنے والی ہے۔ تعیینِ ارکان سے کون قوم انکار کر سکتی ہے۔ دعا میں سر لٹکا کرنا، سیدھا کھڑا ہونا، آنکھیں بند کرنا، آخر میں برکت دیتے وقت ایک ہاتھ لمبا کرنا اور ذرا انگلیوں کو نیچے کی طرف جھکانا اور کبھی کبھی خاص حالت میں گھٹنے ٹیکنا یا گھٹنے پر گدّی لگا کر اُوپر سر رکھ دینا۔ یہ سب امور بتفاوت نصاریٰ میں معمول ہیں۔ کوئی انہیں کہے ان ظاہری رسوم سے کیا نکلتا ہے عبادت دِل سے تعلق رکھتی ہے اسی پر اکتفا کرنا چاہیئے صاف بات کا وہ کیا جواب دیں گے پس اسلامی صورت سے کیوں چڑتے ہیں۔

(۳) مجھے امید ہے کہ نصاریٰ نفسِ وجود ارکان سے تو کچھ تعرض نہ کریں گے کیونکہ اس طبعی حالت میں وہ اضطراراً اہلِ اسلام کے ساتھ شریک کر دیئے گئے ہیں بایں معنی کہ وہ بھی دعا یا نماز میں کسی نہ کسی صورت و رُکن کا ہونا تو ضرور تسلیم کرتے ہیں۔ اگر زبان سے اور مذہبی مباحثے کے وقت میں عملاً تو

ثابت کر رہے ہیں پس اب اصل وجود ارکان پر زیادہ قلم فرسائی کرنے کی ضرورت نہیں رہی ہاں شاید مقابلہ بین الصورتین منظور رہو تو خدا پرست قلب کی اعانت سے غور کریں کہ اسلامی طریق میں کیسا جلال، کمال، تمکین اور وقار پایا جاتا ہے۔ اس بیرنگ، بیچوں، واحد، احد، لم یلد، لم یولد کے حضورِ اقدس میں بے رنگ، بے تصویر مکان میں باوقار ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا، اللہ اکبر سے افتتاح کرنا اور سورۂ فاتحہ جیسی پُر معنی دعا کا پڑھنا اور پھر فرطِ انکسار سے اللہ اکبر کی عظمت کا تصور کرکے پُشتِ مستقیم کو جھکا کر سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم پڑھنا اور پھر زمین پر مُنہ رکھ کر بال گرا کر سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہنا کیا یہ کم اثر کرنے والے اعمال ہیں۔ کیا یہ فطرتِ انسانی کے موافق نہیں ہیں؟ میں نہیں سمجھتا کہ ایک ایسے شخص کو جو عبادتِ حق کو کسی صورت میں کیوں نہ ہو انسان کی عبودیت کا لازمی فرض جانتا ہے اسلامی صورت نماز سے انکار ہو۔

یہاں ایک اور لطیف بات سوچنے کے قابل ہے کہ اسلامی احکام دو قسم کے ہیں احکامِ اصلی اور تابع یا محافظ اصلی یعنی مقصود بالذات احکامِ اصلی ہوتے ہیں اور احکامِ محافظ صرف احکامِ اصلی کی بقا اور حفاظت کے لیئے وضع ہوئے ہیں۔

نماز کے سب ارکان ظاہری احکامِ محافظ ہیں اور اس امر کا ثبوت اس وقت بخوبی ہوتا ہے جب یہ ارکان عُذر کی حالت میں انسان کے ذمّے سے ساقط ہو جاتے ہیں مثلاً نماز میں بحالت مرض علیٰ اختلاف الاحوال قومہ، قعدہ، جلسہ وغیرہ سب معاف ہو جاتے ہیں مگر وہ اصل حکم اور حقیقی فرض جو مقصود بالذات ہے یعنی قلبی خشوع و خضوع جب تک قالب عنصری میں سانس کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری ہے کسی بھی انسان کے ذمّے سے نہیں ٹلتی یہی اور صرف یہی نماز ہے جسے اسلام نے لائقِ اعتبار اور مستحق ثواب کہا ہے۔ سُنو

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِیْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِیْنَ۔ (سیپارہ ۹ سورہ اعراف رکوع ۲۴)

اُتْلُ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ۔

(سیپارہ ۲۱ سورہ عنکبوت رکوع)

اور ان آیات سے نماز کی علّتِ غائی خوب ظاہر ہوتی ہے کہ نماز منکرات اور فواحش سے محفوظ رہنے کے لیئے فرض کی گئی ہے اگر نماز کی اقامت اور مداومت سے نمازی کے اقوال و افعال

میں کچھ روحانی ترقی نہیں ہوئی تو شریعتِ اسلامی ایسی نماز کو مستحق درجات ہرگز نہیں ٹھہراتی۔
اب مجاز و ظاہر کہاں رہا۔

نبیؐ عرب علیہ الصلوٰۃ کے لئے یہ کچھ کم فخر کی بات نہیں اور اس کے خدا کی طرف سے ہونے کی قوی دلیل ہے کہ اس نے خدا کی عبادت کو طبلوں، مزماروں، ستارنگیوں اور بربطوں سے پاک کر دیا۔ اللہ کے ذکر کی مسجدوں کو رقص و سرود کی محفلیں نہیں بنایا اور یہاں تک احتیاط کی کہ تصاویر اور مجسمہ بنانے کی اور مسجدوں میں موہم بالشرک نقش و نگار کرنے کی قطعی ممانعت کر دی کہ ایسا نہ ہو یہی مجاز رفتہ رفتہ مبدل بحقیقت ہو کر اور یہی مجسمے معبودی تماثیل بن کر توحید کے پاک چشمے کو مکدر کر ڈالیں۔

جب ہم ایک خوش قطع گرجا میں عیسائی جھنڈ کو بزعم عبادت جمع ہوئے دیکھتے ہیں۔ بیبیے سجائے بنے ٹھنے، نیٹوانیاں اور گوری گوری یورپانیاں قرینے سے کرسیوں پر ڈٹی ہوئیں۔ اس وقت ہمیں عیسائیوں کا یہ فقرہ "کہ مسلمانوں میں صرف رسمی اور مجازی عبادت ہے" بڑا حیرت انگیز معلوم ہوتا ہے۔ یقیناً اہلِ اسلام کی غیور طبیعت نصاریٰ کی اس حقیقت سے آشنا ہونے کی کبھی تو خواہش نہ کرے گی۔

(۴) اس موقع پر طریقِ اذان پر بھی کچھ تھوڑا سا لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ہر قوم نے پراگندہ افراد کو جمع کرنے یا منشائے عبادت کو حرکت دلانے کے لئے کوئی نہ کوئی آلہ بنا رکھا ہے۔ کسی نے ناقوس نرسنگا، کسی نے گھنٹے گھنٹیاں مگر انصاف شرط ہے۔ ان میں سے کوئی وضع بھی اذان سے مقابلہ کر سکتی ہے؟

اس پیارے رسولؐ نے جس کی واقعی صفت میں قرآن فرماتا ہے۔
وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ۔

(سیپارہ ۹ سورہ اعراف رکوع ۱۹)

ان تمام رسمی بندشوں، سیپیوں اور سینگوں کی تلاش سے اُمت کو سبکدوش کر دیا۔ لیں! انصاف سے اِن کلمات کو سوچو۔ اس ترکیب کے سر پر نگاہ کرو کہ کوئی قوم بھی دُنیا میں ہے جو اس سکتہ وار سے پہاڑوں اور مناروں پر چڑھ کر اپنے سچے اصولوں کی ندا کرتی ہے، جو عبادت کی عبادت اور بلاہٹ کی بُلاہٹ۔ دُنیا میں ہزاروں حکماء اور ریفارمر گزرے ہیں اور قومی گڈریئے پیدا ہو سکتے ہیں مگر تتر بتر ہوئی بھیڑوں کے اکٹھا کرنے اور ایک جہت میں لانے کا کس نے ایسا طریق نکالا؟

کس نے کبھی ایسی ترئی پھونکی جس کی دلکش آواز معًا روحانی جوش اور ولولہ تمام ظاہر و باطن میں پیدا کر دیئے۔ اللہ اکبر کیسی صداقت ہے کہ ایک قوم علی الاعلان صبح و شام پانچ دفعہ اپنے بے عیب عقیدے کا اشتہار دیتی ہے۔ تعیین اوقات، پابندیٔ اوقات۔ آہ کیسے معقول کلمات ہیں کہ جب کسی قوم کی ترقی کی راہ کھلی اسی مشعلِ جان افروز کے نور سے تمام موانعات کی تاریکی دور ہوئی۔ شریعتِ موسوی میں احکامِ نماز منضبط نہیں ہوئے تھے۔ توریت طریق نماز سے بالکل ساکت ہے صرف علمائے دین کو وہ ہدیے دیتے اور پلوٹھے لڑکے کو ہیکل مقدس میں لاکر نذر کر دیتے وقت خاص دعا پڑھی جاتی اور لڑکے کا باپ تمام احکامِ شرعی کو بجا لا کر یہوواہ سے دعا مانگتا تھا کہ اس اسرائیلی لڑکے کو برکت دے جیسے تو نے اس کے آباؤ اجداد پر برکت نازل کی تھی لیکن جب یہود اور ان کے علماء کا اعتقاد باری تعالیٰ کی نسبت زیادہ تر معقول اور پاکیزہ ہو گیا اور خداوندِ عالم کے شکل بشکل انسان ہونے کا فاسد عقیدہ دفع ہونے لگا تب نماز یا دعا کی حقیقت ان کی سمجھ میں آنے لگی کہ نماز انسان کے لئے بارگاہِ الٰہی سے تقرب کا وسیلہ ہے مگر چونکہ شریعتِ موسوی میں کوئی خاص قاعدہ نماز کا مقرر نہ تھا لہٰذا روایت اور رواج پر مدار رہا اور بقول ڈالنجر صاحب کے یہود بھی ایک نماز گذار قوم ہو گئے اور ہر روز تین گھنٹے عبادتِ خدا کے قرار دئے گئے یعنی نو بجے اور بارہ بجے اور تین بجے مگر چونکہ نماز میں مجتہدین کی ضرورت تھی اور اس کا علم قطعی نہ تھا کہ خود حضرت موسیٰؑ کیونکر نماز پڑھتے تھے لہٰذا اکثر اوقات یہود کی نماز صرف ایک مصنوعی فعل ہوتا تھا۔

حضرت مسیحؑ نے جو آخری رسول یہود کے تھے اور ان کے حواریین نے بھی عبادت کی تاکید کی مگر افسوس اس میں بھی یہ نقص رہ گیا کہ کوئی محدود و معیّن قاعدہ نماز کا انہوں نے ترتیب نہ دیا اس لئے چند عرصے کے بعد عبادتِ خدا کا معاملہ بالکل عوام الناس کی رائے پر موقوف ہو گیا اور پادریوں ہی کے اختیار میں رہا جنہوں نے نماز کی تعداد اور مدت اور الفاظ وغیرہ مقرر کرنا اپنے ہی فرقے میں منحصر کر دیا اسی وجہ سے دعاؤں کی کتابیں تصنیف ہوئیں اور قسیسین کی کمیٹیاں اور مجلسیں منعقد ہوئیں تاکہ اصولِ دین اور ارکانِ ایمان مقرر کریں اور اسی وجہ سے راہبوں نے عجیب پُر تکلف طریقہ عبادت کا نکالا اور گرجوں میں ہفتہ وار نماز قرار دی گئی یعنی چھ روز کی غذائے روحانی نہ ملنے کی مکافات صرف ایک روز کی نماز سے کی گئی۔ الغرض یہ سب خرابیاں منتہی درجے کو پہنچ گئیں کہ ساتویں صدی عیسوی میں رسولِ عربیؐ نے ایک مہذب اور معقول مذہب تلقین کرنا شروع کیا۔ آنحضرتؐ نے نمازِ پنجگانہ کا طریق اِس لئے جاری کیا کہ آپؐ خوب جانتے تھے کہ انسان کی روح حق سبحانہٗ

وتعالیٰ کی حمد وستائش کرنے کی کیسی مشتاق رہتی ہے اور نماز کے اوقات مقرر کر دینے سے آپ نے ایک ایسا مضبوط قاعدہ نماز گذاری کا معین کر دیا کہ نماز کے وقت انسان کا دل عالم روحانی سے عالم مادی کی طرف ہرگز متوجہ نہیں ہو سکتا۔ جو صورت اور ترکیب آپ نے نماز کی اپنے قول و فعل سے مقرر کر دی ہے اس میں یہ خوبی ہے کہ اہل اسلام ان خرابیوں سے محفوظ رہے ہیں جو اس لڑائی جھگڑے سے پیدا ہوتی تھیں جو عیسائیوں میں نماز کی ترکیب پر ہمیشہ ہوا کرتے تھے اور پھر ہر مسلمان کو گنجائش رہی کہ بکمال خشوع وخضوع سے عبادتِ خدا میں مصروف ہو۔[1]

پابندیٔ اوقات میں ایک قدرتی تاثیر ہے کہ وقتِ معینہ کے آنے پر قلبِ انسانی میں بے اختیار جذب ومیلان اس ڈیوٹی کے ادا کرنے کے لئے پیدا ہو جاتا ہے اور روحانی قویٰ اس مفروض عمل کی طرف طوعًا وکرہًا منجذب ہو جاتے ہیں۔ جونہی اس غیر مصنوعی ناقوس (اذان) کی آواز سنائی دیتی ہے ایک دیندار مسلمان فی الفور اس الیکٹرسٹی کے عمل سے متاثر ہو جاتا ہے۔ پابندِ صلوٰۃ گویا ہر وقت نماز ہی میں رہتا ہے کیونکہ ایک نماز کے ادا کرنے کے بعد معًا دوسری نماز کی تیاری اور فکر ہو جاتی ہے۔

نمازِ پنجگانہ کا باجماعت پڑھنا اور جمعہ وعیدین کی اقامت جس حکمت کے اصول پر مبنی ہیں انتظاماتِ ملکی کا دقیقہ شناس اس کی خوبی سے انکار نہیں کر سکتا۔ ہزاروں برسوں کے دَور کے بعد جو دُنیا نے ترقی کی اور چاروں طرف غلغلۂ تہذیب بلند ہوا اس سے بڑھ کر اور کوئی تجویز کسی کی عقل میں نہ آئی کہ کلب بنائے جائیں انجمنیں منعقد ہوں اور وقت کی ضروریات کے موافق قوم کو بیدار کرنے والی تقریریں کی جائیں لیکن ظاہر ہے کہ بایں ہمہ ترقیٔ علوم ایسی انجمنوں کے قیام واستحکام میں کس قدر دِقتیں واقع ہوتی ہیں مگر مبارکی ہو اس افضل الرسل خاتم الرسالۃ کو کہ اس نے کیسے وقت میں کیسی انجمنیں قائم کیں۔ ان کے قیام واستحکام کے کیا کیا طریقے نکالے جنہیں کوئی مزاحم کوئی مانع توڑ نہیں سکتا۔ اعضائے انجمن کے اجتماع کے لئے ٹکٹ جاری کئے جاتے ہیں۔ اشتہار چھاپے جاتے ہیں۔ اِس الٰہی طریق میں وقتِ معین پر اذان دی جاتی ہے جو اس پاک انجمن (مسجد) میں پہنچائے بغیر چھوڑ ہی نہیں سکتی۔

قُرب وجوار کے لوگوں کا ہر روز پانچ مرتبہ ایک جگہ میں جمع ہونا اور پھر شانے سے شانہ جوڑ

---

[1] (تنقید الکلام ترجمہ لائف آف محمدؐ از سید امیر علی)

اور پاؤں سے پاؤں ملا کر ایک ہی پیچھے معبود کے حضور میں کھڑا ہونا قومی اتفاق کی کیسی بڑی تدبیر ہے
ساتویں دن جمعہ کو آس پاس کے چھوٹے قریوں اور بستیوں کے لوگ صاف و منظف ہو کر ایک بڑی
جامع مسجد میں اکٹھے ہوں اور ایک عالم بلیغ تقریر (خطبہ) حمد و نعت کے بعد ضروریاتِ قوم پر
کرے۔

عیدین میں کسی قدر دُور کے شہروں کے لوگ ایک فراخ میدان میں جمع ہوں اور اپنے
ہادی کی شوکت مجسّم کثیر جماعت بن کر دُنیا کو آفتابِ اسلام کی چمک دکھاویں اور بالآخر اس پاک
سرزمین میں اس فاران میں جہاں سے اوّلاً نورِ توحید چمکا کل اقطارِ عالم کے خدا دوست حاضر
ہوں ساری بکھری ہوئی متفرق اُمتیں اسی دنگل میں اکٹھی ہوں۔ وہاں نہ اس مٹی اور پتھر کے
گھر کی بلکہ اس رَبّ الارباب معبود ال کل کی جس نے اس اَرضِ مقدسہ سے توحید کا عظیم الشان
واعظ بے نظیر ہادی نکالا، حمد و ستائش کریں۔

(۵) اسی طرح ہر سال اس یادگار (بیت اللہ) کو دیکھ کر ایک نیا جوش اور تازہ ایمان دِل میں
پیدا کریں جو بحسب تقاضائے فطرت ایسی یادگاروں اور نشانوں سے پیدا ہونا ممکن ہے۔
سخت جہالت ہے اگر کوئی اہلِ اسلام کسی موحّد قوم کو مخلوق پرستی کا الزام لگاوے۔ ایسے شخص
کو انسانی طبیعت کے عام مَیلان اور جذبات کو مدِّ نظر رکھ کر ایک واجب القدر امر پر غور کرنا
چاہیئے کہ اگر قرآن کے پورے اور خالص معتقدین کے طبائع میں بُت پرستی ہوتی تو ان کو اپنے
ہادی منجی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مقدسہ سے بڑھ کر کونسا مرجع تھا۔ اللہ تعالیٰ نے
مکہ معظمہ میں آنحضرتؐ کا مرقد مبارک نہیں ہونے دیا تاکہ توحیدِ الٰہی کا سرچشمہ پاک ہر قسم کے شائبوں
اور ممکن خیالات کے گرد و غبار سے پاک صاف رہے اور مخلوق کی فوق العادت تعظیم کا احتمال
بھی اُٹھ جائے۔

مسلمانوں کے ہادی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آخری دُعا

"اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِیْ مِنْ بَعْدِیْ عِیْدًا" اے اللہ میری قبر کو میرے بعد عید نہ بنائیو۔
خوب یاد ہے اور وہ بجان و دل اپنے نبیؐ کی اس دُعا کے ظاہر نتیجے کی تصدیق کر رہے ہیں اور ہمیشہ
اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے ساتھ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ پڑھ کر اللہ اور
عبد میں امتیاز بیّن دکھلاتے ہیں۔ بہت صاف امر ہے اور حقیقت شناس عقل کے نزدیک کچھ بھی

محلِ اعتراض نہیں۔ اُس ہادی کو جس نے تمام دُنیا کی متداولہ عبادت کے طریقوں سے جن میں شرک اور مخلوق پرستی کے جُزوِ اعظم شامل تھے اپنے طریقِ عبادت کو خالص کرنا منظور تھا اور ایک واضح وممتاز مسلک قائم کرنا ضرور اِس لئے واجب ہؤا کہ وہ اپنی اُمّت کے رُخِ ظاہر کو بھی ایسی سمت کی طرف پھیرے جس میں قوایِ روحانی کی تحریک اور اشکال کی قدرت ومناسبت ہو۔

ہر ایک مسلمان کو یقین ہے کہ مکّہ میں بَیت اللہ کو توحید کے ایک بڑے واعظ نے تعمیر کیا اور آخری زمانے میں اسی کی اَولاد میں سے ایک زبردست کامل نبی مکمل شریعت لے کر ظاہر ہؤا جس نے اس پہلی تلقین وتعلیم کو پھر زندہ اور کامل کیا۔ پس نماز میں جب ادھر رُخ کرتے ہیں یہ تمام تصوّر آنکھوں میں پھر جاتے ہیں اور اس مصلحِ عالم کی تمام خدمات اور جانفشانیاں جو اس نے اعلائے کلمۃ اللہ میں دکھلائیں یاد آجاتی ہیں۔

یاد رہے کہ نماز علاوہ ان تمام خوبیوں کے جو اس پر مداومت کا لازمی نتیجہ ہیں بڑا بھاری قومی امتیاز اور نشان ہے۔ روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ میں ایک منافق مسلمانوں کو دھوکا دینے یا انکے رازوں پر مطلع ہونے کے لئے شامل ہو سکتا ہے اور اس کی قوم کو اس پر اطلاع بھی نہ ہو کیونکہ ان امور کی بجاآوری میں اپنی قوم کے نزدیک وہ کسی بیماری لزوم فاقہ سفر وتفرج یا خیرات کا حیلہ تراش سکتا ہے اور مسلمان بھی اُسے بے تردّد وفادار مسلمان کہہ سکتے ہیں بشرطیکہ انہیں امور میں مسلمان ہوتا محسور ہو مگر سخت مشکل اور پردہ بر انداز امر نماز ہے جسے کوئی شخص بھی جو اپنے مذہب کا کچھ بھی پاس اور ہیبت دِل میں رکھتا ہو کبھی بھی ادا کرنا گوارا نہیں کرسکتا خصوصًا ایک علیحدہ قومی نشان اور ایک بالکل الگ ہیئت میں الگ مذہبی سمت کی طرف متوجّہ ہو کر اور بایں ہمہ اپنی قوم میں بھی شامل رہے ناممکن ہے۔ اب غور فرمائیے آنحضرتؐ کو اس خصوص میں کیا مشکلات پیش آئیں۔

تاریخ اور قومی روایت متفقًا شہادت دیتی ہے کہ بَیت اللہ زمانہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام سے برابر اَبًا عَنْ جَدٍّ قوموں کا مرکز اور جائے تعظیم چلا آیا ہے۔ کفّارِ مکّہ گو بُت پرستی کے لباس میں تھے اس بَیت ایل کو مقدّس عبادت گاہ یقین کرتے۔ جب آنحضرتؐ نے دینِ حق کا وعظ شروع فرمایا اور خدا کا کلام دن بدن پھیلنے لگا اور دشمنانِ دین مخالفت میں ہر طرح کے زور لگا کر تھک گئے آخر یہ حیلہ سوچا کہ نفاقًا اِسلام میں داخل ہو گئے اور اِس طرح وہ لوگ سخت سخت اذیتیں اور مخفی دیرپا مصائب مسلمانوں کو پہنچانے لگے بِنَاءً عَلٰی ھٰذَا۔ بانیٔ مذہب کو ضرور ہؤا کہ اس معجونِ مرکّب کے اجزاء کی تحلیل کے لئے کوئی بھاری کیمیاوی تجویز نکالے۔ آپؐ نے ابتداءً مکّہ میں بَیت المقدس

کی جانب نمازمیں مُنہ پھیرا۔ اس ربّانی الہامی تدبیر سے قریشِ مکّہ جو نہایت بُت پرست تھے اور اہلِ کتاب اور ان کے مذاہب کو بہت بُرا جانتے تھے مسلمانوں کی جماعت سے بالکل الگ ہو گئے اب کوئی منافق ظاہرطور پر بھی شامل ہونے کو گوارا نہ کرسکا اور خالص مکّہ میں بجز خالص مخلص اصحاب اور یارانِ جاں نثار کے اَور کوئی پیرو نہ بنا۔ اس تدبیر سے ایک اَور عظیم فائدہ یہ ہوُا کہ بانی کو اپنے مِشن کی ترقّی اور خالص پیروؤں کا اندازہ معلوم ہوگیا اور آئندہ کے واسطے معتمد وفاداروں اور غدّار منافقوں میں امتیاز کلّی ہوگیا۔

پھر جب مدینہ میں آپ تشریف لے گئے جہاں بکثرت یہود رہتے تھے اور جو اوّل اوّل باغراضِ مختلفہ آپؐ کی تشریف آوری سے خوش ہوئے اور آپؐ کے تابعین میں خوب رل مِل گئے۔ پھر آخر اپنی امیدوں کے برخلاف دیکھ کر خفیہ خفیہ اِضرار و اِفساد میں ریشہ دوانی کرنے لگے تب آنحضرتؐ نے ربّانی الہامی ہدایت سے جو ایسے تاریک وقتوں میں اپنے پاک نبیوں کو کشائش کی راہ دکھاتی ہے اصل قدیمی ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کے بیت اللہ کی طرف نمازمیں توجّہ کی اِس سے خالص انصار اور غدّار یہودیوں میں امتیاز کی راہ نکل آئی۔ قرآن بھی اسی مطلب کا اشارہ کرتا ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَیْهَاۤ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیْهِؕ۔ (بقرۃ رکوع ۱۷)

اِس بات کو بھولنا نہیں چاہیئے کہ ایسی جدید قوم کو جس کے استیصال کے درپے مختلف قومیں ہو رہی تھیں ایسے نئے مذہب کو جسے مخلصین و منافقین میں تمیز کرنا اور دشمنوں کے جابرانہ حملوں کا اِندفاع اختیار کرنا تھا نہایت ضرور تھا اور عقلاً، نقلاً اس سے بہتر نہیں ہوسکتا تھا کہ ایسی ہی تدبیر سے کام لے۔

پس گو ابتداء میں سمتِ قبلہ کسی مصلحت کے لئے معیّن کی گئی ہو اور عادۃ اللہ نے اس میں کوئی راز مرکوز رکھا ہو مگر انتہا میں بھی یادگار کے طور پر اور اِس امر کے نشان اور یاد آوری کیلئے کہ یہ کامل مذہب یہ توحید کا آفتاب اسی پاک زمین سے نمودار ہوُا۔ وہ خداوندی حکمت بحال رکھی گئی ورنہ اہلِ اسلام کا عقیدہ تو یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی ذات مکان اور جہت کی قید سے منزہ ہے اور عنصری و کونی صفات سے اعلیٰ اور مبرّا ہے کوئی جہت نہیں جس میں وہ متقید ہو۔ کوئی خاص مکان نہیں جس میں مخصوص وہ رہتا ہو۔ اسی مطلب کی طرف قرآن کریم اشارہ کرتا ہے اور معترض کے اعتراض کو اپنے علمِ بسیط سے پہلے ہی رَدّ کر دیا ہے۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ۔ (بقرہ رکوع ۱۴)

پھر اور زیادہ مقصودِ حقیقی کی راہ بتاتا اور فرماتا ہے:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۔ (سورہ بقرہ رکوع ۲۲)

اِن آیات نے صاف بتا دیا کہ سمتِ قبلہ کی جانب توجہ کرنا مقصود بالذات اور راہم نہیں ہے اصلی اور ابدی نیکیاں اور آسمانی خزانے میں جمع ہونے والی خوبیاں یہی ہیں جو اِن آیات میں مذکور ہوئیں۔

ایک اور لطیف بات قابلِ غور ہے کہ آغازِ نماز میں جبکہ مسلمان رُوبقبلہ کھڑا ہوتا ہے یہ آیت پڑھتا ہے:

اِنِّىْ وَجَّهْتُ وَجْهِىَ لِلَّذِىْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ (سیپارہ ۷ سورہ انعام رکوع ۹)

اور یہ آیت:

اِنَّ صَلَاتِىْ وَنُسُكِىْ وَمَحْيَاىَ وَمَمَاتِىْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ (سیپارہ ۸ سورہ انعام رکوع ۲۰)

اِس آیت کا افتتاح میں پڑھنا خوب آشکار کرتا ہے کہ اہلِ اسلام کا باطنی رُخ اور قلبی توجہ کدھر ہے۔ کعبۂ حقیقی اور قبلۂ حقیقی انہوں نے کس چیز کو ٹھہرا رکھا ہے۔

ایک انگریز مؤرخ لکھتا ہے کہ:

"فضائلِ اسلام میں سے ایک یہ بھی فضیلت ہے کہ اسلام کے معابد ہاتھ سے نہیں بنائے جاتے اور خدا کی خدائی میں ہر مقام پر اس کی عبادت ہو سکتی ہے اَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ۔ (سیپارہ ۱ سورہ بقرہ رکوع ۱۴) جس مقام پر خدا کی عبادت کی جاوے وہی مقام مقدس ہے اور اُسی کو مسجد سمجھ لیجئے۔ مسلمان چاہے

سفر میں ہو چاہے حضر میں جب نماز کا وقت آتا ہے چند مختصر اور پُر جوش فقرات میں اپنے خالق سے اپنے دِل کا عرضِ حال کر لیتا ہے۔ اس کی نماز اتنی طولانی نہیں ہوتی کہ اس کا جی گھبرا جائے اور نماز میں جو کچھ وہ پڑھتا ہے اُس کا مضمون یہ ہوتا ہے کہ اپنے عجز و انکساری کا اظہار اور خداوندِ عالم کی عظمت اور جلال کا اقرار اور اُس کے فضل و رحمت پر توکّل۔ عیسائی کیا جانیں کہ اسلام میں عبادتِ خدا کا مزا کیسا کُوٹ کُوٹ کے بھرا ہے۔" (تنقید الکلام ترجمہ لائف آف محمد از سید امیر علی)

(فصل الخطاب (ایڈیشن دوم) جلد دوم صفحہ ۱۰۷ تا ۱۳۱)

نماز میں ایک خاص قسم کا فیضان اور انوار نازل ہوتے ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ کا برگزیدہ بندہ ان میں ہوتا ہے اور ہر ایک شخص اپنے ظرف اور استعداد کے موافق ان سے حصّہ لیتا ہے پھر امام کے ساتھ تعلق بڑھتا ہے اور بیعت کے ذریعہ دوسرے بھائیوں کے ساتھ تعلقات کا سلسلہ وسیع ہوتا ہے۔ ہزاروں کمزوریاں دُور ہوتی ہیں جن کو غیر معمولی طور پر دُور ہوتے ہوئے محسوس کر لیتا ہے اور پھر کمزوریوں کی بجائے خوبیاں آتی ہیں جو آہستہ آہستہ نشوونما پا کر اخلاقِ فاضلہ کا ایک خوبصورت باغ بن جاتے ہیں۔ (الحکم ۲۱ مئی ۱۹۰۴ء صفحہ ۸)

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ: مِنْ کے معنے یہاں پر ہیں بعض اور کچھ کے۔ اور مَا کے ہیں جو یا شئے کے یا اس کے اور رَزَقْنَا رزق سے بنایا ہوا لفظ ہے اور رزق کہتے ہیں اس چیز کو جس سے نفع اُٹھا سکتے ہوں اور کبھی بمعنے نصیب اور حصّہ کے آتا ہے اور کبھی بمعنے مرزوق یعنی جو چیز رزق کے طور پر دی جاتی ہے اور گاہے اس کے معنے شکر اور ملک کے ہوتے ہیں۔ دوم اور سوم معنوں کی مثال قرآن مجید میں بھی آئی ہے جیسا کہ فرمایا ہے وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ (واقعہ ۸۳) (اور اپنا نصیبہ اور حصّہ یہ بناتے ہو کہ تکذیب کرتے ہو) اور فرمایا اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا (یونس ۶۰) (تم بتاؤ تو سہی کہ جو رزق اللہ نے تمہارے لئے اُتارا ہے پس تم نے خود ہی اس میں سے کچھ تو حلال بنا دیا اور کچھ حرام قرار دیا) اور فرمایا وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (ہود ۷) (اور جو کوئی زمین پر چلنے والی چیز ہے ان سب کا رزق اللہ ہی پر ہے) هُمْ کے معنے ہیں ان کو۔

(رسالہ تعلیم الاسلام قادیان ماہ نومبر ۱۹۰۶ء)

تیسری صفت متقی کی اِس مقام پر یہ بیان کی کہ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ جو کچھ رزق ہم نے

ان کو دیا اس میں سے کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

متقی کی چونکہ ابتدائی منازل میں نظر بہت وسیع نہیں ہوتی اور خداشناسی کے مکتب میں ابھی اس کے داخلہ کا ہی ذکر ہے اِس لئے فرمایا کہ جو کچھ رزق ہم نے ان کو دیا ہے وہ اس میں سے کچھ ہماری راہ میں دیتا ہے۔ اصل میں حق تو یہ تھا کہ سب کا سب ہی دے دیتا کیونکہ جس کا دیا ہے اسی کو دینا ہے مگر ابتدائی حالت میں جو بخل بتقاضائے نفس و بخیل کا رہتا ہے وہ ایسا کرنے سے روکتا ہے۔ یہ نکتہ ایک دفعہ حضرت اقدسؑ[1] نے بیان فرمایا تھا۔ یہاں رزق سے مراد خوردنی اشیاء ہی نہیں ہیں بلکہ ہر ایک نعمت جو خدا کی طرف سے انسان کو ملی ہے وہ مراد ہے یعنی وہ ہمہ تن بنی نوع انسان کی ہمدردی کے لئے تیار رہتا ہے اور ہر ایک گوشہ اور پہلو سے اس خدمت کو بجالاتا ہے۔ اِس کی نظیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہے جو کہ انسان کے ہر ایک حال اور مذاق کے موافق آپؐ نے دی ہے آپ کے انفاق سے جیسے ایک تاجر اسلامی اصول کے مطابق تجارت کر کے خدا کی رضا حاصل کرتا ہے ویسے ہی ایک جنگجو جنگ کی تعلیم لیکر رضائے الٰہی کو حاصل کر سکتا ہے۔

خدا تعالیٰ کی رضامندی کے واسطے اپنی عادتوں کو بدلنا، اخلاقِ رذیلہ کو چھوڑ دینا یہ بھی ایک انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ اِسی طرح زبان سے نیک باتیں لوگوں کو بتلانی اور بُرائیوں سے روکنا بھی اس میں داخل ہے۔ اگر خدا نے علم دیا ہے تو اسے لوگوں کو پڑھاوے۔ اگر مال و دولت دی ہے تو اُسے اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے طریقوں سے اس کے محل پر صَرف کرے۔

اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے واسطے خرچ کرنے والا کبھی ضائع نہیں ہوتا بلکہ اس کی اَولاد تک کی اللہ تعالیٰ حفاظت کرتا ہے اور نہ مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے کبھی کم ہوتا ہے بلکہ اس میں اَور زیادتی ہوتی ہے ؎

زبذلِ مال در راہش کسے مفلس نمے گردد ✦ خدا خود میشود ناصر اگر ہمت شود پیدا

فی زمانہ حال انفاق کا بڑا محل یہ ہے کہ اپنے حوصلوں کو وسیع کر کے اِس الٰہی سلسلہ احمدیہ کی اشاعت کے واسطے مال و زَر دیا جاوے۔ اُس وقت بھی جس نے مال و زَر سے پیار نہ کیا اور دین کی خدمت میں اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں سے صَرف کیا وہی اعلیٰ مرتبہ

---

[1] یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام

پا گیا اور صدیق بنا۔ اب بھی جو کرے گا بنے گا اور خدا اس کی محنت اور سعی کو ضائع نہ کرے گا۔

اُمیدِ دیں رواں گرداں، اُمیدِ تو رو اگر دد — زصد نومیدی و یاس و اَلَم، رحمت شود پیدا
درانصارِ نبی بنگر، کہ چوں شُد کار تا دانی — کہ از تائیدِ دیں، سرچشمۂ دولت شود پیدا
بجز از جان و دِل، تا خدمتے از دستِ تو آید — بقائے جاوداں یابی، اگر ایں شربت شود پیدا

(البدر ۲۳/۳۰ جنوری ۱۹۰۲ء صفحہ ۶)

دوسری بات جو سکھائی گئی ہے مُنعَم علیہ بننے کے واسطے وہ شفقت علیٰ خلقِ اللہ ہے یعنی مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے میں سے کچھ خرچ کرتے رہو۔ یہاں کوئی چیز مخصوص نہیں فرمائی بلکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہو۔۔۔۔۔۔ اپنے ہاتھوں اور پاؤں کو خدا کے لئے مخلوق کی ہمدردی اور بھلائی میں خرچ کرو اور ایسا ہی اگر اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے، کپڑا دیا ہے، غرض جو کچھ دیا ہے اسے مخلوق کی ہمدردی اور نفع رسانی کیلئے خرچ کرو۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ اکثر لوگ نئے کپڑے بناتے ہیں لیکن وہ پُرانے کپڑے کسی غریب کو نہیں دیتے بلکہ اسے معمولی طور پر گھر کے استعمال کے لئے رکھ لیتے ہیں مگر مَیں کہتا ہوں کہ اگر کسی کو خدا کے فضل سے نیا ملتا ہے اور خدا تعالیٰ نے اسے اس قابل بنا دیا ہے کہ وہ نیا کپڑا خرید کر بنائے تو وہ کیوں پُرانا اپنے کسی غریب اور نادار بھائی کو نہیں دیتا۔ اگر نیا جوتا ملا ہے تو کیوں پُرانا کسی اَور کو نہیں دے دیتے۔ اگر اتنی سی ہمت اور حوصلہ نہیں پڑتا تو پھر نیا دینا تو اَور بھی مشکل ہو جائے گا۔ خدا تعالیٰ نے تکمیلِ ایمان کے لئے دو ہی باتیں رکھی ہیں تعظیم لِاَمرِ اللہ اور شفقت علیٰ خلقِ اللہ۔ جو شخص اِن دونوں کی برابر رعایت نہیں رکھتا وہ کامل مومن نہیں ہو سکتا۔ کیا تم میں سے اگر ایک ہاتھ ایک ٹانگ کسی کی کاٹ دی جاوے تو وہ نقصان نہ اُٹھاوے گا اِسی طرح پر ایمان کا بہت بڑا جزو ہے شفقت علیٰ خلقِ اللہ۔ مگر مَیں دیکھتا ہوں کہ اس پر زیادہ توجہ نہیں رہی اور یہی وجہ ہے کہ ایمان کا پہلا جزو تعظیم لِاَمرِ اللہ بھی نہیں رہی ہے۔۔۔۔۔ جب انسان اِس قسم کا بن جاتا ہے کہ اَلْغیب پر ایمان لاتا ہے اور خدا کی عبادت کرتا اور اُس کی مخلوق پر شفقت کرتا ہے پھر خدا تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ہم اس کا بدلہ کیا دیں گے اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ یہ لوگ مظفر و منصور ہو جائیں گے۔ دُنیا میں بامراد اور کامیاب ہونے کا یہ زبردست ذریعہ ہے اور اس کا ثبوت موجود ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی لائف پر نظر کرو ان کی کامیابیوں اور فتحمندیوں کی اصل جڑ کیا تھی؟ یہی ایمان اور اعمالِ صالحہ تو تھے ورنہ اس سے پہلے وہی لوگ

موجود تھے، وہی اسباب تھے، وہی قوم تھی۔ لیکن جب ان کا ایمان اللہ تعالیٰ پر بڑھا اور ان کے اعمال میں صلاحیت اور تقویٰ اللہ پیدا ہوا تو خدا تعالیٰ کے وعدوں کے موافق وہ دُنیا میں بھی مظفر و منصور ہو گئے تا کہ ان کی اِس دُنیا کی کامیابیاں آخرت کی کامیابیوں کے لئے ایک دلیل اور نشان ہوں۔ یہ نسخہ صرف کتابی نسخہ نہیں ہے بلکہ ایک تجربہ شدہ اور بارہا کا آزمودہ نسخہ ہے جو اسے استعمال کرتا ہے وہ یقیناً کامیاب ہو گا اور منعَم علیہ گروہ میں داخل ہو جاوے گا۔ پس اگر تم چاہتے ہو کہ بامراد ہو جاؤ، تم چاہتے ہو کہ منعَم علیہ بنو تو دیکھو اِس نسخہ کو استعمال کرو۔

(الحکم ۱۰ر جون ۱۹۰۴ء صفحہ ۸)

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝

مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ سے وہ سب وحی مراد ہے جو کہ خداوندِ کریم نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی ہے خواہ وہ کسی رنگ میں ہو اور مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وہ کل وحیٔ الٰہی ہے جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے انبیاء پر نازل کی گئی ....اور کُل اِس لئے لیا ہے کہ مَا کا لفظ جبکہ یہ موصولہ یعنی بمعنے جو ہو تو عام اور سب کو شامل ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ سب انبیاءؑ کا ہم کو علم نہیں جیسا کہ خداوندِ کریم نے فرمایا ہے وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ (مومن : ۷۹) (اور بعض انبیاء سے وہ ہیں جو کہ ہم نے تیرے آگے بیان نہیں کئے) تو پھر جو کچھ ان پر اُتارا گیا ہے اس کا ہمیں کب علم ہو سکتا ہے۔ پس لفظ مَا کو موصولہ یعنی بمعنے جو قرار نہیں دینا چاہیئے اِس کو مصدریہ قرار دیا جائے یعنی جو کہ مابعد کے فعل کو مصدر بنا دیتا ہے جس سے فعل اور باقی اسماء بنائے جاتے ہیں تا کہ ترجمہ یہ ہو جائے اور جو ایمان لاتے ہیں تیری طرف اُتارے جانے پر اور تجھ سے پہلے اُتارے جانے پر اور پیچھے آنے والی پر یقین کرتے ہیں اور اِس صورت میں اُن کا رَدّ ہو گیا جو کہ نبوت کے اور وحی کے منکر ہیں جیسے کہ برہمو لوگ ہیں کہ نبوت کے صریح منکر ہیں۔ اور عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ اور بہت سے اَور صحابہؓ نے فرمایا ہے کہ اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ الخ سے مراد وہ مومن ہیں جو کہ عربوں میں سے ہوئے ہیں اور وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ الخ سے مراد اہلِ کتاب کے مومن

ہیں اور مجاہد تابعیؒ نے کہا ہے کہ ان دونوں سے عام مومن مراد ہیں اور تفسیر ابنِ کثیر میں اسی کو پسند کیا گیا ہے اور اَلَّذِیْنَ کا مکرر لانا اور پہلے هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ اور دوسرے میں عَلٰى هُدًى کہنا اور پھر دوبارہ اُولٰٓئِكَ لانا اور نئی خبر کا لانا صحابہؓ کے قول کو ترجیح دیتا ہے کیونکہ ان سب باتوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ دو متغائر عبارتوں سے متغائر لوگ مراد ہیں لیکن سورہ بقرہ کے آخر میں جو یہ آیا ہے کہ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ الخ (بقرہ: ۲۸۶) تو یہ مجاہد کے قول کی تائید کرتا ہے کیونکہ اِس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ سب کا مومن بہ یکساں ہے اور آخرۃ چونکہ قرآن مجید میں بعض مقام پر دار یا یوم ملا کر لایا گیا ہے جیسا کہ آتا ہے وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ (یوسف: ۱۱۰) (اور ضرور پیچھے آنے والی حیاتی کی حویلی بہتر ہے) اور اَلْيَوْمُ الْاٰخِرِ (پیچھے آنے والا دن) اور دارِ آخرت اور یومِ آخر سے مراد حشر کا وقت ہے لہٰذا مفسروں نے یہاں پر اکیلے اَلْاٰخِرَةِ سے بھی حشر کا وقت اور قیامت ہی مراد رکھا ہے لیکن ماقبل پر یعنی مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ اور مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ پر نظر کرنے سے حضرت خاتم النبیینؐ کی دوسری بعثت ثابت ہوتی ہے جس کا کہ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۙ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ (جمعہ: ۳،۴) [اللہ وہ ہے کہ جس نے اَن پڑھوں میں ایک رسول بھیجا ہے جو کہ ان سے ہے کہ ان پر اللہ کی آیتیں پڑھتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اگرچہ اس سے پہلے کھلی کھلی گمراہی میں تھے اور ان آخرین میں بھی اس رسول کو بھیجے گا جو اَب تک ان پہلوں کے ساتھ نہیں ملے] میں ذکر آیا ہے کیونکہ یہاں سے صاف صاف ثابت ہے کہ آنحضرتؐ ایک دفعہ تو اُمّی لوگوں میں مبعوث ہوئے یعنی بھیجے گئے اور ایک دفعہ ان پیچھے آنے والوں میں بھی مبعوث ہوں گے جو کہ ان پہلوں کے ساتھ نہیں ملے۔ پس ماقبل پر نظر کرنے سے وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ کے یہ معنے ہوں گے کہ وہ لوگ پیچھے آنے والی بعثت نبی کریمؐ پر یقین کرتے ہیں۔ یہ تو اس صورت میں ہوں گے جب ماقبل میں یعنی مَاۤ اُنْزِلَ میں مَا مصدریہ لیا جائے یعنی دوسرے ترجمہ کے لحاظ سے یہاں پر بھی بعثت مراد ہوگی جیسی کہ مَاۤ اُنْزِلَ سے بعثت مراد ہے اور اگر مَا موصولہ بمعنی جو بنایا جائے یعنی پہلا ترجمہ لیا جائے تو اس سے وحی مراد ہے جو کہ پیچھے آنے والی ہے جیسے کہ مَاۤ اُنْزِلَ سے وحی مراد ہے یعنی پہلے ترجمہ کے لحاظ سے وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ کے معنے یہ ہوں گے اور وہ لوگ پیچھے آنے والی وحی پر یقین کرتے ہیں۔ (رسالہ تعلیم الاسلام قادیان ماہ نومبر ۱۹۰۶ء)

متقی کی چوتھی علامت۔ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۔ اور وہ لوگ جو اس (کلامِ الٰہی اور تمام اس وحی) کے ساتھ ایمان لاتے ہیں جو تیری طرف نازل ہوا (اور یہ امر اُن پر واضح ہونے سے کہ خدا کی صفتِ تکلّم ہمیشہ سے ہے) تجھ سے پہلے جو (کلامِ الٰہی) نازل ہوئی اس کو بھی مانتے ہیں اور اس صفتِ تکلّم کو صرف تجھ تک ہی محدود نہیں کرتے اور پیچھے آنے والی (کلامِ الٰہی) پر بھی یقین رکھتے ہیں۔

اِن آیات میں اللہ تعالیٰ بتلاتا ہے کہ متقی کی صفت ایک یہ بھی ہے کہ مکالمہ الٰہی پر اس کا ایمان ہوتا ہے اور وہ خدا کو کسی زمانہ ماضی، حال اور مستقبل میں گونگا نہیں مانتا۔

خدا تعالیٰ کے اِس صفتِ تکلّم کا ذکر ایمان، اقامِ الصّلوٰۃ اور انفاقِ رزق کے بعد اِس لئے ضروری ہے کہ اِن اعمال کا یہ تقاضا عملی طور پر ایک متقی کے واسطے ہونا چاہیئے کہ آیا اس کی محنت خدا شناسی کا کوئی راستہ اس کے واسطے صاف کر رہی ہے کہ نہیں؟ اور جس راہ پر میں نے قدم مارا ہے کیا اس پر دوسرے بھی قدم مار کر تسلّی یافتہ ہوئے ہیں کہ نہیں؟ تو اس کو یہ نظیر زمانہ ماضی، حال میں ملتی ہے جس سے آئندہ کے لئے اُسے یقینی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔

خدا تعالیٰ کی صفتِ تکلّم کے بارے میں انسان کے تین گروہ ہیں (۱) وہ جو سرے سے اِنکار کرتے ہیں اور خدا کو گونگا مان بیٹھے ہیں (۲) وہ جن کا یہ اعتقاد ہے کہ اَزمنہ گزشتہ میں خدا ایک حد تک بول چکا مگر آئندہ وہ لوگوں سے یا کسی سے بولتا نہیں (۳) جن کا یہ اعتقاد ہے کہ خدا تعالیٰ ہر زمانہ میں کلام کرتا ہے۔ تیسری قسم کے لوگ ہی ہمیشہ بامراد اور کامیاب ہوتے رہے ہیں اور ہر ایک مومن کی یہی صفت ہونی چاہیئے اور یہی اعتقاد ہے جو کہ اعلیٰ اعلیٰ مراتب اور درجات حاصل کرواتا ہے۔
اس کے مخالف جس قدر عقیدہ ہیں وہ اللہ تعالیٰ کو ایک کامل ہستی نہیں مانتے بلکہ ان کا اللہ ناقص خدا ہے۔ ان کا مذہب ناقص مذہب ہے۔ یہ شرف سچے اور زندہ مذہب ہونے کا صرف اسلام ہی کو حاصل ہے اور چونکہ متکلّم ازل سے ایک ہی ذاتِ پاک ہے اِس لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اصولاً ہر ایک زمانہ کے الہام کی تعلیم ایک ہی ہو اور ہر زمانہ کے الہامات ایک دوسرے کے مؤیّد اور مصدّق ہوں۔

مکالمۃ الٰہی کے ذکر کا اِس مقام پر یہ فائدہ بھی ہے کہ انسان کو حرص پیدا ہوتی رہے کہ خدا مجھ سے بھی کلام کرے اور اپنے اعمال کو سنوار کر ادا کرے جیسے ایک شخص کو سخی دیکھ کر اس کے پاس سوالی جمع ہو جاتے ہیں کہ ان کو بھی ملے اور جن اعمال سے یہ شرف مکالمہ کا حاصل ہو سکتا

ہے ان کو اوّل بیان فرما دیا ہے کہ وہ سب اعمال مَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ کے مطابق ہوں۔

کلامِ الٰہی کے نزول اور اس کی ضرورت پر ہمیں ریمارک دینے کی ضرورت نہیں ہے براہینِ احمدیہ سے اس کا عقدہ پورے طور پر حل ہوتا ہے۔ مَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ کو مَآ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ پر اس لئے مقدم رکھا ہے کہ سب سے مقدم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اِتباع ہے یعنی وہ مَآ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ جس کو مَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ تصدیق کرتا ہے یہ نہیں کہ جو رطب و یابس اور ترجمہ در ترجمہ پادریوں وغیرہ کے اپنے خیالات صُحُفِ سابقہ میں ملے ہوئے ہیں ان کو بھی مَآ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ میں شمار کر لیا جاوے بلکہ سابقہ اور آئندہ سب کا معیار مَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ ہے اور اِسی لئے بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ يُوۡقِنُوۡنَ سے بھی یہ مقدم ہے۔

بِالۡاٰخِرَةِ کے ساتھ مَآ اُنۡزِلَ کا کلمہ استعمال نہیں کیا ہے کیونکہ آئندہ مکالمہ الٰہی کا جس قدر سلسلہ ہوگا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہوگا اور مَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ سے اس کا وجود الگ نہ ہوگا اور چونکہ اس کے ذریعہ سے مَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ پر ایک کامل یقین حاصل ہوتا جاوے گا اس لئے اٰخرۃ کے ساتھ يُوۡقِنُوۡنَ کا لفظ رکھا ہے اس کا اطلاق خود بھی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر اِس طرح ہوا کہ اِس سورت کے بعد اَور بھی حصّہ قرآن کریم کا آپ پر نازل ہوا اور صحابہؓ اس کو مان کر گویا اِس آیت پر عامل ہو گئے۔

اٰخِرَة۔ اِس کے معنے پیچھے آنے والی بات کے کئے ہیں۔ کلامِ الٰہی پر گفتگو کرتے ہوئے دکھایا ہے کہ آئندہ مکالمہ الٰہیہ کی طرف اشارہ ہے۔ اب اعمال کے لحاظ سے دیکھا جاوے تو ہر ایک عمل کے بعد جو ایک نتیجہ اس کا ہے اس پر یقین کا ہونا ضروری ہے کیونکہ جب تک انسان کے دِل میں یقینی طور پر یہ بات نہ بیٹھ جاوے کہ میرا ہر ایک عمل خواہ اس کا تعلق صرف قلب سے ہے یا اس میں اعضاء بھی شامل ہیں ضرور ایک نتیجہ نیک یا بد پیدا کرے گا اور میری اِس عملی تخم ریزی پر ثمرات مرتب ہوں گے تب تک گناہ سے رہائی ہرگز ممکن ہی نہیں ہے اور بجز اِس علاج کے اَور کوئی علاج گناہ کا نہیں (دیکھو البدر جلد ۱ صفحہ ۹) جب کوئی آگ کو جلانے والی جانتا ہے تو اس میں ہاتھ نہیں ڈالتا۔ بچہ اُسی وقت تک انگارے کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے جب تک اُس کے دل میں یہ نہیں بیٹھا ہوا ہوتا کہ یہ جلا دیوے گی لیکن جب یہ علم اُسے ہو جاتا ہے تو پھر ہرگز ہاتھ نہیں بڑھاتا۔ غرضیکہ گناہ کا صدور اُسی وقت تک ہے جب تک یقینی علم گناہ کے بد نتائج پر نہیں ہے جس قدر حرام خوریاں اور فسق و فجور ہوتے ہیں اگر انسان ایک قلبِ سلیم لیکر

اپنے اپنے محذ میں یا تعارف میں ایسے بدکاروں کے آخرت یعنی نتائج دیکھے تو اسے پتہ لگے گا کہ یہ آخرت کا مسئلہ بالکل ٹھیک ہے۔ غفلت اور گناہ ایک ایسی شئے ہے کہ بلا اثر کئے کے ہرگز نہیں رہ سکتا۔ مثلاً اگر غلطی سے ہی کانٹا لگ جاوے تو کیا اس کا دکھ نہ ہو گا یا زہر کھالی جاوے تو کیا ہلاکت کا باعث نہ ہوگی۔ اِسی لئے خدا تعالیٰ نے بدکاروں کے انجام اپنی کتاب میں لکھ دئے ہیں کہ عبرت ہو اور اِسی لئے پہلی باتوں کے ساتھ تو لفظ ایمان کا رکھا ہے مگر آخرت کے ساتھ یقین کا۔

اور جب متقی کے اعمال مَآ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ کے موافق اپنے اپنے محل اور موقعہ پر ہوں گے تو اس کی آخرت یہ ہوگی کہ مرتبہ یقین کا اُسے حاصل ہو گا۔

(البدر ۶؍ فروری ۱۹۰۳ء صفحہ ۲۳)

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنۡ رَّبِّهِمۡ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۝۶

یہی لوگ (جن کا اُوپر ذکر ہؤا) اپنے رَبّ سے ہدایت پر ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو مظفر و منصور ہوں گے۔

اِس سے سابقہ آیات میں متقی کی تعریف اور معنے بیان کرکے اب اللہ تعالیٰ نے بطور نتیجہ کے بتلا دیا کہ متقیوں کے لئے اِس کتاب سے ہدایت پر ہونے کے یہ معنے ہیں کہ جب انسان ایمان بالغیب رکھ کر اور حقوقِ الٰہی اور حقوق العباد کو کما حقّہٗ ادا کرکے اور خدا تعالیٰ کے کلیم ہونے پر ایمان لاکر اپنے اعمال کے نتائج اور ثمرات پر کامل یقین رکھتا ہے تو ہر ایک حجاب دُور ہو کر اس کو کامیابی نصیب ہوتی ہے اور متقی کے ہدایت پر ہونے کی یہ ایک دلیل بیان فرمائی ہے کہ اگر وہ کامیاب ہو جاویں تو پھر اُن کی کامیابی ان کے راہِ راست پر ہونے کی دلیل ہے۔ دعوےٰ کرکے دشمن پر ایک خاص غلبہ پانا ایک خاص نشان صداقت کا ہوتا ہے۔ آنحضرتؐ اور آپؐ کی جماعت کو دیکھو اللہ تعالیٰ کا یہ کس قدر احسان ہے اور کیسا شکر کا مقام ہے کہ ہم لوگوں کو اب ان باتوں کو سماعی طور پر نہیں ماننا پڑتا ہے بلکہ خدا کے کرم و فضل سے ایک عَلٰى هُدًى اور مفلح وجود ہمارے زمانہ میں موجود ہے اور عرصہ بائیس۲۲ سال سے جو کامیابی وہ دشمنوں پر حاصل کر رہا ہے وہ اس کے

راہِ راست پر ہونے کی دلیل ہے اور یہی وہ منہاجِ نبوت ہے جس کو وہ دکھلاتا ہے اور کم بخت نادان دشمن نہیں دیکھتے۔

کامیابی یعنی امن، آرام اور سکھ کی زندگی کے اسباب اور اس کے اصول اس میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرما کر اَب آگے مغضوب علیہم گروہ کے حالات بیان کئے ہیں۔

(البدر ۱۳ر فروری ۱۹۰۲ء صفحہ ۳۰)

۷۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۝

یہ غضب کفر سے پیدا ہوتا ہے پس فرماتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جن لوگوں نے کفر اختیار کیا وہ ایمان نہیں لائیں گے بطور جملہ معترضہ اس کی وجہ بیان فرمائی۔ جملہ معترضہ مبتدا اور خبر کے درمیان میں کئی وجوہات سے آتا ہے۔ ایک وجہ بیان کرنے کے لئے۔ چنانچہ یہاں اسی لئے فرمایا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ کہ برابر ہو گیا ہے ان پر تیرا ڈرانا یا نہ ڈرانا یعنی وہ کافر تیرے اِنذار اور عدمِ اِنذار کو مساوی سمجھتے ہیں۔ جب کسی کی نصیحت کا عدم و وجود برابر سمجھ لیا گیا تو پھر کچھ پرواہ نہ رہی۔ اِس ناعاقبت اندیشی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایمان نصیب نہیں ہوتا۔

تین مرتبیں ہیں، ۱ سب سے پہلے تو وہ جو بات کو سنتا ہی نہیں۔ پہلے ہی سے انکار کر دیا۔ (۲) دوسرا وہ جس نے سنا مگر اس کا سُننا نہ سُننے کے برابر ہے (۳) تیسرا وہ جو نگاہ سے کام نہیں لیتا کہ نہ ماننے والوں کا کیا حشر ہو رہا ہے۔ کوئی بات ہو اس کو غور سے سُن لینا پھر فکر کرنا بہتر ہے کہ یہ میرے لئے برکت کا موجب ہے یا نقصان کا۔ پھر دیکھے کہ اس کے ماننے والے آرام میں ہیں یا نہیں اور اس کے نہ ماننے والوں کا انجام کیا ہو رہا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴۔ فروری ۱۹۰۹ء)

بیشک وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا اور تیرے اِنذار اور عدمِ اِنذار کو برابر جانا وہ مومن نہ بنیں گے۔ كَفَرُوْا یعنی اپنے اختیار سے کفر کیا۔ کفر کے معنے انکار، حق کو چھپانا، ڈھانک دینا۔ اور یہ سب باتیں انسانی اختیار میں ہیں جس طرح سے اَدویات میں خواص اور تاثیرات ہیں کہ جو اُن کو استعمال کرتا

ہے وہ ان سے ضرور متاثر ہوتا ہے اسی طرح سے انسانی اعمال کی بھی تاثیرات ہیں کہ اس کا ہر ایک عمل اس کی رُوح پر ایک اثر کرتا ہے اور وہ اثر اس کی ایمانی حالت میں ایک کیفیت پیدا کرتا ہے۔ اور جس طرح سے کہ ایک طبیب اغذیہ اور ادویہ کے خواص سے واقف انسانوں کو مفید اور مُضر اشیاء کا علم بتلاتا ہے اور جو اس کی بتلائی ہوئی بات پر یقین کرکے عمل کرتے ہیں وہ سُکھ اور امن سے رہتے ہیں اور جو نہیں عمل کرتے بلکہ اس کے علم کو غیر ضروری خیال کرکے اپنی ضِد اور ہٹ پر رہتے ہیں وہ دُکھ بھوگتے ہیں اسی طرح انبیاء کو انسانی اعمال اور افعال اور اقوال کے خواص کا علم ہوتا ہے وہ ایسے وقت میں آتے ہیں جبکہ انسان بسترِ بیماری پر ہوتے ہیں یعنی ایک معالج کے حکم میں ان کے پاس آتے ہیں جو لوگ اس کی باتوں کا انکار کرتے ہیں اور جن مُضر باتوں سے وہ روکتا ہے اُن سے نہیں رُکتے بلکہ اس کی ضرورت کو ہی محسوس نہیں کرتے وہ ضرور دُکھ پاتے ہیں یہی بلا اب اِس زمانہ میں بھی لوگوں کو لاحقِ حال ہے کہ ایک نذیر کے وجود اور عدمِ وجود کو برابر خیال کر رہے ہیں۔ اِس آیت میں خدا تعالیٰ نے ایمان نہ لانے کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ انہوں نے ایمان بالغیب سے کام نہ لیا اور کفر کیا اور آخرت یعنی نتائج اعمال پر جو یقین چاہیئے تھا اس کے نہ ہونے سے ایک مامور کے ڈرانے اور نہ ڈرانے کو برابر جانا یعنی اس کی ضرورت نہ سمجھی۔ نتیجہ اِس سے یہ نکلا کہ جب خدا تعالیٰ کی کسی نعمت کی قدر نہیں کی جاتی اور ایک شئے کے ہونے اور نہ ہونے کو یکساں سمجھا جاتا ہے تو وہ ایمان جس پر بڑے بڑے علومِ حقّہ کا مدار ہوتا ہے اُسے نصیب نہیں ہوتا جیسے کہ اِس سے پیشتر کسی حصّہ درسِ قرآن میں ذکر ہوا ہے کہ اگر ایک شخص اُستاد کے بتلانے پر الف کو الف اور ب کو ب نہ مانے تو پھر وہ تحصیلِ علوم سے محروم رہے گا اِسی طرح جب ایک شخص عربی یا انگریزی زبان کے سیکھنے اور نہ سیکھنے کو برابر خیال کرے تو وہ ان دونوں زبانوں سے کیا فائدہ حاصل کریگا۔ کچھ بھی نہیں۔ اِسی طرح سے جو لوگ خدا کے ماموروں پر ایمان نہیں لاتے اور ان کی ہدایتوں پر عمل درآمد نہیں کرتے وہ دولتِ ایمان سے تہی دست رہتے ہیں۔ ایمان اُسی وقت نصیب ہوتا ہے جبکہ اِنذار کو ترجیح دیوے اور یہ بھی انسان کا اختیاری امر ہے کیونکہ ایمان لانے اور کفر کرنے میں خدا نے کسی کو مجبور نہیں کیا بلکہ فرمایا اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا (الدھر ۴) یعنی ہم نے اسے راستہ دکھا دیا ہے اب وہ خواہ شاکر ہو خواہ کافر۔ بلکہ ایک اور جگہ فرماتا ہے وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى (الانعام: ۳۶) یعنی اگر خدا نے جبر کرنا ہوتا تو ہدایت کے واسطے کرتا کہ سب کے سب مومن ہو جاتے۔ (البدر ۱۳ فروری ۱۹۰۳ء صفحہ ۳۰)

غرض جب خدا نے مخلوق کو پیدا کیا اور اس پر اپنا کمال رحم کیا کہ اس کے فائدے کی اشیاء اس کے لئے بنائیں جس سے اس کے وجود کا قیام اور دفعیہ حوائج ہوتا رہتا ہے۔ تو جس حالت میں اس نے ہدایت کے واسطے مجبور نہ کیا تو کفر اور ضلالت کے واسطے کیوں مجبور کرتا اور نیک اعمال کی بجاآوری پر رضامندی اور بد اعمالی پر نارضامندی کا کیوں اظہار کرتا۔

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ۔ قبل ازیں یہ بات تھی کہ ایک صادق صداقت لے کر آیا اور اس کا ان لوگوں نے کفر یعنی انکار کیا۔ اب دوسری بات یہ کی کہ اس انکار کے بدنتائج جو ایک صادق آکر بیان کرتا ہے ان کو لوگ بیہودہ اور لغو جان کر اس کے وجود کی ضرورت کو محسوس نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ اگر تو مبعوث ہوتا تو کیا اور نہ مبعوث ہوتا تو کیا اس کی بعثت سے پہلی حالت جو ان لوگوں کی ہوتی ہے بعثت کے وقت اس میں کچھ تغیر نہیں کرتے اِس لئے خدا تعالیٰ ان کو ایمان لانے کی توفیق بھی عطا نہیں کرتا۔ اِس لئے خدا تعالیٰ نے بطور نتیجہ کے آگے بیان کیا ہے کہ لَا يُؤْمِنُوْنَ یہ لوگ ایمان نہ لاویں گے کیونکہ ایمان تو مان لینے کا نام ہے۔ مگر جب انہوں نے ایک شخص کے وجود اور عدم وجود کو ہی برابر جانا تو ایمان لانا کیسا۔ ایمان تو بعد شنید اور بعد ارادہ اتباع کے ہوتا ہے۔

خوب یاد رکھو کہ اِس آیت میں (۲) دو اسباب بیان کئے ہیں جن کا نتیجہ ہوا کرتا ہے کہ ایک صادق کے ماننے کی توفیق نہیں مِلا کرتی۔ ایک تو انکار دوسرے اس کے وجود اور عدم وجود یا اِنذار اور عدم اِنذار کو برابر جانا۔ اب بھی جو لوگ منکر ہیں اور پھر اپنے انکار پر چلے آتے ہیں اس کا باعث یہی ہے۔ بعضوں کا اِنہماک تو دُنیاوی اشغال کی طرف اِس قدر ہے کہ ان کو خبر ہی نہیں کہ خدا تعالیٰ ایسے لوگوں کو کیوں پیدا کرتا ہے۔ اگر کسی نے نام سُن بھی لیا تو پھر اس امر کی ضرورت محسوس نہیں کرتے کہ تحقیق و تفتیش کرکے اس کا جھوٹا یا سچا ہونا تو دیکھ لیں۔ اِس قسم کے لوگ دولتِ ایمان سے محروم رہتے ہیں۔

نتائج عمل

یہ دُنیا جائے اسباب ہے اور ہم رات دن مشاہدہ کرتے ہیں کہ جیسے ایک نیک عمل کے بجالانے سے دوسرے نیک عمل کی توفیق مِلتی ہے اسی طرح ایک بدی کرنے سے دوسری بدی کرنے کی جرأت بھی پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً دیکھو انسان جب اوّل بدنظری کرتا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ

دوبارہ اس حُسن و اَدا کو دیکھتا ہے پھر کوئی خط و خال پسند آیا اور محبت نے غلبہ کیا تو آہستہ آہستہ اس کے کُوچہ اور گلی میں جانے کا شوق پَیدا ہوتا ہے جس پر اس نے بَدنظری کی تھی اور اگر ملاقات کا اِتفاق ہُوا تو ہاتھ، زبان، آنکھ اور خدا معلوم کن کِن اعضاء سے وہ معصیت میں مبتلا رہتا ہے پھر نتیجہ کِس بات کا تھا۔ اس اوّل معصیت کا جو اس نے بَدنظری کے اِرتکاب میں کی ۔ اِسی طرح جو لوگ بَدصُحبتوں اور بَدمجلسوں میں جاتے ہیں صرف وہاں جانا ایک خفیف سا فعل نظر آتا ہے مگر اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے انہیں بَدصحبتوں سے چور، ڈاکو، فاسق، فاجر اور ظالم وغیرہ بن جاتے ہیں اور پھر اِن باتوں کے ایسے خُوگر ہو جاتے ہیں کہ اگر کوئی خود بھی ان میں سے چھوڑنا چاہے تو مشکل سے چھوڑ سکتا ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک قانون یہ ہے کہ جب اِنسان ایک فعل کرے تو اس پر دوسرا فعلِ الٰہی بطور نتیجہ کے وارد ہوتا ہے جس طرح جب ہم ایک کوٹھڑی کے دروازے بند کرتے ہیں تو ہمارے اِس فعل پر دوسرا فعلِ الٰہی یہ ہوتا ہے کہ وہاں اندھیرا ہو جاتا ہے اِسی طرح سے انسان سے جو اعمال ایمان اور کفر کے لحاظ سے صادر ہوتے ہیں ان پر ایک فعلِ الٰہی یا قہرِ خداوندی بھی صادر ہوتا ہے جس کا ذکر اس اگلی آیت میں ہے۔ (البدر ۲۰ فروری ۱۹۰۳ء صفحہ ۳۹ ، الحکم ۲۴ جون ۱۹۰۴ء، الفضل ۳۰ جولائی ۱۹۱۳ء)

چونکہ وہ لوگ اوّل انکار کر چکے تھے اِس لئے سخن پروری کے خیال نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلسوں میں بیٹھنے اور آپؐ کی باتوں پر غور کرنے نہ دیا اور انہوں نے آپؐ کے اِنذار اور عدمِ اِنذار کو برابر جانا۔ اِس کا نتیجہ کیا ہُوا۔ لَا یُؤْمِنُوْنَ یعنی ہمیشہ کے لئے ایمان جیسی راحت اور سرور بخش نعمت سے محروم ہو گئے۔ یہ ایک خطرناک مرض ہے کہ بعض لوگ مامورین کے اِنذار اور عدمِ اِنذار کی پرواہ نہیں کرتے۔ اُن کو اپنے علم پر ناز اور تکبّر ہوتا ہے اور کہتے ہیں کہ کتابِ الٰہی ہمارے پاس بھی موجود ہے ہم کو بھی نیکی بدی کا عِلم ہے یہ کونسی نئی بات بتانے آیا ہے کہ ہم اس پر ایمان لاویں۔ اِن کم بختوں کو یہ خیال نہیں آیا کہ یہود کے پاس تو تورات موجود تھی اس پر وہ عمل درآمد بھی رکھتے تھے۔ پھر ان میں بڑے بڑے عالم، زاہد اور عابد موجود تھے پھر وہ کیوں مردُود ہو گئے۔ اِس کا باعث یہی تھا کہ تکبّر کرتے تھے، اپنے عِلم پر نازاں تھے اور وہ اطاعت جو کہ خدا تعالیٰ اَسلم کے لفظ سے چاہتا ہے ان میں نہ تھی۔ ابراہیمؑ کی طرزِ اطاعت ترک کر دی۔ یہی بات تھی کہ جس نے مسیح علیہ السّلام اور اس کے رحمۃٌ لِّلعالمین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے سے جس سے توحید کا چشمہ جاری ہے باز رکھا۔ (الحکم ۲۲ فروری ۱۹۰۵ء)

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰٓی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ؗ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۸﴾

ختم کہتے ہیں چھاپے کے ساتھ چھاپہ لگانے کو اور اس اثر کو جو کہ چھاپہ لگانے سے حاصل ہوتا ہے اور حفاظت اور آخر تک پہنچنے کو۔ اور قُلُوْبٌ قلب کی جمع ہے اور قلب کہتے ہیں دل کو۔ اور دل کو قلب اِس لئے کہتے ہیں کہ وہ خون کو قلب کرتا ہے کیونکہ وہ ایک جانب سے لیتا ہے اور دوسری طرف سے بدن کی طرف بھیجتا ہے یا اس کے تقلّب کے لئے کیونکہ وہ قرار نہیں پکڑتا۔ اور اِسی وجہ سے آنحضرتؐ نے فرمایا ہے اَلْقَلْبُ بَیْنَ اِصْبَعَیِ الرَّحْمٰنِ یُقَلِّبُهَا کَیْفَ شَآءَ (دِل رحمٰن کی دو اُنگلیوں کے درمیان ہے اُلٹاتا ہے اس کو جیسا کہ چاہتا ہے)۔ (رسالہ تعلیم الاسلام ماہ جنوری ۱۹۰۷ء)

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰٓی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ (پارہ۱) هُمْ کا لفظ یہاں تین بار آیا ہے اور یہ ضمیر جمع مذکر غائب کی ہے جس کے معنے ہیں "وہ لوگ"۔ پس معلوم ہؤا کہ یہ ذکر ایسے لوگوں کا ہے جن کا پہلے کوئی ذکر آچکا ہے اِس لئے "هُمْ" کے معنی سمجھنے کے لئے ضرور ہؤا کہ ماقبل کو ہم دیکھ لیں۔ تو جب ہم نے ماقبل کو دیکھا تو یہ آیت موجود ہے اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ۔ اِس بیان سے اِتنا تو معلوم ہؤا کہ وہ ایسے مُنکر لوگ ہیں جن کے لئے خَتَمَ اللّٰهُ کا ارشاد ہے۔ عام نہیں۔

پھر قرآن کریم نے صاف صاف فرمایا ہے جہاں ارشاد کیا ہے:

بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَیْهَا بِکُفْرِهِمْ (نساء آیت ۱۵۶)

یعنی اُن کے کُفر کے سبب اُن کے دلوں پر مُہر لگادی۔ اِس سے معلوم ہؤا کہ مُہر کا باعث کفر ہے انسان کفر کو چھوڑے تو مُہر ٹوٹ جاتی ہے۔ اِسی طرح فرمایا:

کَذٰلِکَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰی کُلِّ قَلْبِ مُتَکَبِّرٍ جَبَّارٍ (المؤمن: ۳۶)

پس تفصیل دونوں آیتوں کی یہ ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا (تحقیق ان لوگوں نے کفر کیا) یاد رکھو کہ کفر کرنا کافر انسان کا اپنا فعل ہے جیسے قرآن کریم نے بتایا اور یہ پہلی بات ہے جو کافر سے سرزد ہوئی ہے اور یہ کفر خداداد

روحانی قوتوں، طاقتوں سے کام نہ لینے سے شروع ہُوا جو دِل کی خرابی کا نشان ہے۔

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ (برابر ہو رہا ہے ان کے نزدیک خواہ ڈرایا تُو نے یا نہ ڈرایا تُو نے) یعنی تیرے ڈرانے کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ یہ دوسرا فعل کافر انسان کا ہے کہ اس نے اپنی عقل و فکر سے اِتنا کام بھی نہیں لیا۔ اگر اس میں یہ خوبی نہ تھی کہ ایمان کے لئے سوچ فکر کرتا، سوچتا، عقل سے آپ کام لیتا تو کم سے کم رسول کریمؐ کے بیانات کو ہی سُنتا کہ کفر کا نتیجہ کیسا بُرا اور اِس کفر کا انجام کیسا بُرا ہے۔

لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ نہیں مانتے۔ یہ تیسرا فعل کافر انسان کا ہے۔ اوّل تو ضرور تھا کہ قلب سے کام لیتا جو روحانی قوت کا مرکز ہے۔ اگر اس موقع کو ضائع کر چکا تھا تو مناسب یہ تھا کہ نبیؐ کریمؐ کی باتیں سُنتا۔ پس کان ہی اس کے لئے ذریعہ ہو جاتے کہ ایماندار بن جاتا۔ اور یہ دوسرا موقع حصولِ ایمان کا تھا۔ پھر اگر یہ بھی کھو بیٹھا تو مناسب تھا کہ پچھلے ایمانداروں کے چال چلن کو دیکھتا جو ایسے موقع پر اُسی کے شہر میں موجود تھے اور یہ بات اس کافر کو آنکھ سے حاصل ہو سکتی تھی مگر اس نے یہ تیسرا موقع بھی ضائع کر دیا۔ غور کرو اگر کوئی دانا حاکم کسی کو مختلف عہدے سپرد کرے لیکن وہ عہدہ دار کہیں بھی اپنی طاقت سے کام نہ لے تو کیا حاکم کو مناسب نہیں کہ ایسے نکمے شخص کو عہدہ سے اُس وقت تک معزول کر دے جب تک وہ خاص تبدیلی نہ کرے۔

اَب اِسی ترتیب سے دوسری آیت پر غور کرو۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ۔ مُہر لگا دی اللہ نے ان کے دلوں پر۔ اِس لئے کہ انہوں نے اپنے دِل کا ستیاناس خود کیا اور کفر کیا۔

وَعَلٰى سَمْعِهِمْ۔ اور ان کے کانوں پر۔ یہ دوسری سزا ہے کیونکہ انہوں نے اپنے کانوں سے کام نہ لیا۔

وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ۔ یہ تیسری سزا ہے کہ اُن کی آنکھوں پر پٹی ہے کیونکہ انہوں نے آنکھ سے بھی کام نہ لیا۔

ظاہری مثال

آپ نے قرآن کریم کے فہم میں دل سے اب تک کچھ کام نہ لیا اور یہ بات مجھے تمہارے سوالوں سے ظاہر ہوئی ہے اور نہ یہ کوشش کی کہ پہلے ان سوالات کے جوابات کسی مسلم متکلم

سے سُنتے۔ اَب مَیں آپ کے آگے آپ کی آنکھ کے آگے یہ رسالہ رکھتا ہوں دیکھئے آپ روحانی آنکھ سے کام لیتے ہیں یا نہیں۔ اگر توجہ کی اور کفر چھوڑا تو دیکھ لینا مُہر ٹوٹ جائے گی۔ بات یہ ہے کہ ایک عام قانون جناب الٰہی نے قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے جس سے یہ تمام سوال حل ہو جاتے ہیں اور وہ یہ ہے؛

فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (الصّف ۶:) جب وہ کج ہوئے خدا نے ان کے دلوں کو کج کر دیا۔

یہ بات انسانی فطرت کے دیکھنے سے عیاں ہوتی ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے کچھ قوتیں عطا فرما کر ان قوتوں کے دینے کے بعد ان قوتوں کے افعال کے متعلق انسان کو جواب دِہ کیا ہے اور انہیں طاقتوں کے متعلق نافرمانی کے باعث انسان عذاب پاتا ہے۔ مثلاً ایک ہوادار روشن کمرہ کی کھڑکیاں عمدہ طور پر بند کی جاویں تو اس بند کرنے کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ کمرہ کے اندر اندھیرا ہوا اور کمرہ کی ہوا رُک جاوے۔ یہ مثل ٹھیک ان اعمال پر صادق آتی ہے جن کا انسان جواب دِہ ہے۔ اِسی طرح آتشک اور خاص سوزاک اُن لوگوں کو ہو گا جو بدی کے مرتکب ہوئے۔

پس جب کھڑکیاں کھول دی گئیں اور پُورا اور صحیح علاج کر لیا گیا تو کمرہ پھر ہوادار روشن اور مریض اچھا ہو جائے گا۔ مُہریں اسلام کے رُو سے ٹوٹ بھی جاتی ہیں۔ اِسی واسطے قرآن کریم میں آیا ہے هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى (بقرہ: ۱۸۶) مُہریں ہی ٹوٹیں تو نبی کریم سے لیکر کروڑ در کروڑ آج تک مسلمان ہوئے۔ ہاں تمہارے مذہب کی رُو سے مُہر کا ٹوٹنا ضرور محال ہے کیونکہ اگر مُہروں کا ٹوٹنا محال نہیں تو آپ کم سے کم اپنی گاؤ ماتا کو اس کے بھرشٹ جنم سے چھوڑاتے ہمیں اسے پنڈتانی بنا کر دکھاؤ تو سہی۔ اِس بیچاری کا جنم صرف سزا ہی بھوگ رہا ہے کاش اس کی مُہر ٹوٹتی تو نہ انگریز اسے مارتے اور نہ ہم پر اِتنے مقدمات قائم ہوتے۔

(نورالدین صفحہ ۵۷ تا ۶۰)

مسئلہ تقدیر اور انسانی تصرّف

ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کو خدا تعالیٰ نے جو قوٰی اور اعضاء دئیے ہیں وہ دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جن پر انسان کا کوئی دخل اور تصرّف نہیں ہے۔ مثلاً انسان کے جوڑ، ہڈیاں، پٹھے، پردے

بنا دئے ہیں جن میں وہ کوئی دستِ تصرف نہیں رکھتا۔ اس کا قد اگر لمبا ہے تو وہ اسے چھوٹا نہیں کر سکتا اور اگر چھوٹا ہے تو بڑا نہیں کر سکتا۔ علیٰ ہٰذا القیاس اعضاء کی ساخت میں کچھ دخل نہیں دے سکتا۔ تو اِس قسم کے اعضاء پر جن میں انسان کا کوئی دخل اور تصرف نہیں ہے۔ شریعتِ اسلام نے بھی کوئی حکم انسان کو نہیں دیا کیونکہ اس میں انسان کے اجتہاد کا کوئی دخل نہیں ہے صانع حقیقی نے جو کچھ بنا دیا وہ اُسے بہرحال منظور کرنا پڑتا ہے اور اِسی لئے جو شریعت ایسے امور میں کوئی حکم تجویز کرتی ہے وہ کبھی خدا کی طرف سے نہیں ہو سکتی۔

دوسرے وہ اعضاء ہیں جن پر انسان کا دخل اور تصرف ہوتا ہے اور ان کے فعل کے ارتکاب یا ترک پر وہ قدرت اور استطاعت رکھتا ہے مثلاً زبان کہ اِس میں ایک قوت تو چکھنے کی ہے جس سے مزہ کی تمیز کرتی ہے کہ کھٹا ہے یا میٹھا نمکین ہے کہ پھیکا۔ یہ اس کی ایسی قوت ہے کہ انسان کا اس پر تصرف نہیں ہے جو مزا شئے کا ہو گا تندرست زبان وہی محسوس کرے گی مگر زبان سے بولنا یہ اس کی ایک اَور قوت ہے جس پر انسان مقدرت رکھتا ہے خواہ بولے یا نہ بولے۔ ایک امرِ واقعہ کے خلاف بیان کرے یا اس کے موافق کہے۔ اِسی طرح آنکھ ہے کہ اس میں جو قوتِ بینائی ہے اس پر انسان کا تصرف نہیں ہے مگر کہاں کہاں نظر کو ڈالے اور کہاں کہاں نہ ڈالے یا ایک دفعہ ڈالے مگر دوسری دفعہ نہ ڈالے اِس پر انسان کا تصرف ہے اِس لئے ایسے امور میں جن میں انسان کا تصرف ثابت ہے احکام بتلائے ہیں کہ انسان ان کی خلاف ورزی نہ کرے۔ (البدر ۲۰ فروری ۱۹۰۳ء صفحہ ۳۹)

اِس بیان سے یہ ثابت ہے کہ انسان کن کن امور میں مجبور اور کن کن میں مختار ہوتا ہے۔ اِس لفظ مختار اور مجبور پر بھی لوگوں نے بحث کی ہے لیکن قرآن شریف اور آثارِ صحابہؓ میں یہ الفاظ کہیں استعمال نہیں ہوئے۔ پھر نہیں معلوم کہ اہلِ اسلام کو ان الفاظ پر بحث کرنے کی ضرورت کیوں آپڑی اور اگر یہ الفاظ استعمال میں آگئے ہیں تو بھی ان سے ذاتِ باری پر کوئی حرف نہیں آسکتا صاف ظاہر ہے کہ جیسے ایک مجبور کو سزا دینی ظلم ہے ویسی ہی ایک مختار کو پکڑنا بھی ظلم ہے۔ تم اس شخص کے حق میں کیا کہو گے جو ایک آدمی سے جبراً ایک فعل کرواتا ہے اور پھر اسے اُس پر سزا دیتا ہے یا ایک شخص کو تمام اختیارات دے دیئے ہیں کہ جو چاہے کرے مگر پھر اُس کی حرکتوں پر اُسے گرفت کیا جاتا ہے ایسے آدمی کا نام سوائے احمق کے اَور کیا ہو گا۔ پس یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کی ذات ایسے خطاب سے پاک ہے اور نہ اس کے عِلم اور قدرت کا یہ تقاضا ہو سکتا ہے کہ

مختار یا مجبور کی حالت میں اِنسان کو سزا دیوے۔ اِس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ پھر انسان سے کیوں بازپرس ہے۔ تو اِس کا جواب یہ ہے کہ جب ایک کو دخل اور تصرّف دے کر نتائج سے آگاہ کر دیا جاتا ہے اور یہ سب اُسے حاکمانہ حیثیت سے عطا کر کے بتلایا جاتا ہے تو اس وقت اگر کوئی خلاف ورزی کرے تو وہ قابلِ مؤاخذہ ضرور ہوتا ہے۔ دُنیاوی حکاموں اور سلطنتوں میں اِس کی نظیریں موجود ہیں کہ ایک عہدہ دار یا ملازم کو دخل اور تصرّف مال و زر دیگر اشیاء سرکاری پر دیا جاتا ہے، اس کے اختیارات کا اسے علم ہوتا ہے، اس کی حدود مقرر ہوتی ہیں اور جب ان کو ٹھیک ٹھیک بجا لاوے تو قابلِ انعام و شکریہ ہوتا ہے خلاف ورزی کرے تو سزا پاتا ہے یہی حال انسان کا اِس دُنیا میں ہے اور خود آسمانی کتابوں کا نازل ہونا اِس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے ورنہ شریعت اور قانون کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اِس سے ہم کو پتہ لگتا ہے کہ انسان کی جواب دہی اس حال میں ہے جب کہ وہ اپنے مولیٰ کریم کی طرف سے نتائجِ اعمال سے آگاہ کیا گیا ہے یہ آگاہی اُسے بارگاہِ ایزدی میں جوابدہ بناتی ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو پھر آسمانی کتابوں کا نازل کرنا، انبیاء اور ان کے خلفاء کو مبعوث کرنا خدا کا ایک بے سُود فعل ہوتا۔ جیسے آنکھ اپنا کام کرتی ہے اور وہ کان کا کام نہیں دے سکتی اِسی طرح انسان فرشتوں کی طرح بنایا جاتا مگر اس طرح کی بناوٹ سے وہ کسی ثواب اور اَجر کا مستحق نہ ہو سکتا تھا کیونکہ ثواب اور انعامات وغیرہ کا انسان اُسی وقت مستحق ہوتا ہے جب وہ کوئی امر خلافِ طبع کر کے دکھاتا ہے۔ ایک پیشہ ور اگر اپنی خواہشِ طبعی کے موافق گھر بیٹھا رہے اور اپنے نفس کے خلاف کوئی تکلیف حرکت کرنے کی اپنے اعضاء سے کام لینے کی گوارا نہ کرے تو وہ کب کچھ حاصل کر سکتا ہے مگر جب تک وہ اس آرام کو چھوڑ کر کچھ تکلیف خلافِ نفس گوارا نہ کرے وہ کچھ حاصل نہیں کر سکتا۔ اِسی طرح خادم اپنے آقا کو، ملازم اپنے افسر کو خوش نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ کچھ اپنے خلافِ نفس نہیں کرتا۔ یہ شب و روز کا نظارہ اِس امر کو خوب ظاہر کرتا ہے کہ انسان کے اندر نتائجِ اعمال کا عِلم ہے جس سے وہ ترقیٔ مراتب کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ پس جن راہوں پر وہ چل کر انعام اور ترقی حاصل کرتا ہے ضرور ہے کہ جب ان کو ترک کرے تو نقصان بھی اُٹھاوے۔

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ بعض انسانی قویٰ کی ساخت ہی اِس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ اس قسم کے اعضاء والوں سے وہ حرکات ہی ناشائستہ سرزد ہوں۔ مثلاً ڈاکو، چور وغیرہ جو ہوتے ہیں دیکھا جاتا ہے کہ ان کی کھوپریوں کی ساخت ایک خاص قسم کی ہوتی ہے جو دوسرے

لوگوں سے بالکل علیحدہ اور متمیز ہوتی ہے پھر جس حال میں کہ قدرت نے ان کی ساخت ہی ایسی بنائی ہے وہ کسی طرح جواب دِہ ہونے چاہئیں۔

اِس کا جواب یہ ہے کہ اِس سوال کا تعلق علمِ قیافہ سے ہے جو ایک مومن کا کام ہے۔ حدیث شریف میں ہے اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ کہ تم مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے عطا کردہ نور سے ہر ایک شئے کو دیکھتا ہے یا کہ جس انسان کو اللہ تعالےٰ نے ایسے اعضاء دئے ہیں کہ وہ ان کو دبا سکتا ہی نہیں ہے ان کا نام مجنون رکھا ہے جن پر شریعت کا کوئی حکم جاری نہیں ہے ہاں اگر اس کے اندر کچھ نہ کچھ قوت ان اعضاء کے تقاضا کو دبانے کی ہے تو وہ ضرور قابلِ مؤاخذہ ہیں کیونکہ جب وہ بعض حالتوں میں ان قوای کو دبا سکتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ حکمِ خداوندی سے نہیں دبا سکتے یا کم از کم اپنے اس فعل پر نادم ہو کر ان کے دبانے کے لئے اللہ تعالیٰ سے مدد نہیں مانگ سکتے۔

ہم نے خود مجنونوں کو دیکھا ہے کہ ان میں کچھ نہ کچھ قوت ضرور باقی رہتی ہے۔ روٹی وہ ضرور کھاتے ہیں بعض کو پیسہ مانگتے بھی دیکھا ہے جس سے پتہ لگتا ہے کہ کچھ نہ کچھ قوت ضرور باقی ہوتی ہے۔ اِسی طرح ہم ایک چور اور ڈاکو کو دیکھتے ہیں کہ اگر یہ افعالِ بَد اُن سے بہ تقاضائے فطرتی صادر ہوتے ہیں تو پھر وہ حفاظت کا کیوں انتظام کرتے ہیں۔ اور جب ان کو خطرہ ہو کہ ہم پکڑے جاویں گے تو کیوں بھاگتے ہیں پس معلوم ہؤا کہ ان میں اپنے آپ کو سنبھالنے اور اپنے قوای کو دبانے کی قوت بھی ہے اور اسی کا نام توبہ ہے کہ جب انسان ایک طاقت کو بار بار دباتا تو وہ آخرکار زائل ہو جاتی ہے اور یہی شریعت کا حکم ہے۔ ہاں اگر اس میں دبانے کی طاقت نہیں ہے تو وہ مجنون اور پاگل ہے اس پر کوئی حکم شریعت کا نہیں ہے۔

جو شخص بَدی کو بَدی جان کر کرتا ہے وہ ضرور قابلِ مؤاخذہ ہے۔ بعض قومیں ایسی بھی ہیں کہ وہ کہتی ہیں کہ جن کو تم بَدی کہتے ہو ہم اُن کو بَدی نہیں تصور کرتے مگر وہ اپنے اقوال میں جھوٹے ہیں اور شرارت سے یہ بات کہتے ہیں۔ ایک دفعہ ایک کنجر سے مجھے گفتگو کرنے کا اِتفاق ہؤا اُس نے کہا کہ ہم زنا کو ہرگز بدکاری نہیں سمجھتے۔ مَیں نے اُس سے پوچھا کہ اگر یہ تمہارے نزدیک بدکاری نہیں ہے تو پھر بہوؤں سے یہ کام کیوں نہیں کرواتے۔ تب اُس نے کہا کہ وہ غیر کی لڑکی ہوتی ہے اُس سے یہ خرابی اور گند کروانا ٹھیک نہیں ہے۔ اس کم بخت نے اپنے مُنہ سے اِس کام کو خرابی اور گند کہا حالانکہ اوّل کہہ چکا تھا کہ ہم زنا کو بدکاری نہیں خیال کرتے۔ مَیں نے اُسے ملزم کیا اور

کہا کہ دوسرے تماش بین جو تمہاری لڑکیوں کے پاس آتے ہیں وہ ان لڑکیوں کو اپنی لڑکیاں خیال کرتے ہیں؟ وہ بھی غیروں کی سمجھ کر آتے ہیں۔ اِس بات کو سُنکر پھر اُسے کلام کی جرأت نہ ہوئی۔

(البدر ۲۷ر فروری ۱۹۰۴ء صفحہ ۴۶)

اِسی طرح ایک دفعہ ڈاکو اور چوروں سے مَیں نے پوچھا کہ تم ڈاکہ اور چوری کو گناہ خیال کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہرگز نہیں۔ مجھے چونکہ ان کے انتظامات کا علم تھا کہ ڈاکو کس طرح اکٹھے ہوتے ہیں اور چور کس طرح نقب زنی کرتے ہیں۔ کہاں کہاں پہرہ ان کا ہوتا ہے۔ پھر ایک اندر جاتا ہے ایک سامان کو پکڑنے والا ہوتا ہے۔ ایک ڈاک چوروں کی بندھی ہوئی ہوتی ہے کہ مال کو جھٹ دوسری جگہ پہنچا دیں۔ پھر جس زرگر سے ان کی سازش ہوتی ہے وہ سونا چاندی گلانے کا سامان تیار رکھتا ہے کہ دیر نہ ہو۔ مَیں نے ان سے پوچھا کہ جب تم آپس میں مال ایک دوسرے کے حوالے کرتے ہو تو اگر اس میں سے دوسرا کچھ نکال لیوے یا اگر کہیں دباتے ہو تو دوسرا چوری سے کھود کر لے لے اور تم کو اطلاع نہ دے یا زرگر اپنے مقررہ حصّے سے کچھ زیادہ رکھ لے تو پھر کیا کرتے ہو۔ اِس پر طیش میں آکر انہوں نے جواب دیا کہ ہم ایسے بے ایمان کی گردن مار ڈالیں۔ مَیں نے کہا کہ خیانت اور چوری تو تمہارے نزدیک گناہ نہیں پھر اس کو سزا کیوں دیتے ہو؟ کہنے لگے کہ نہیں جی ایسے بے ایمان کو ہم کبھی شامل ہی نہیں کیا کرتے۔ پھر مَیں نے ان کو کہا کہ جب تمہارا مال کوئی بے ایمانی سے لے تو تم اسے گناہ کہتے ہو بتلاؤ تم جو دوسروں کا مال لیتے ہو اور وہ نامعلوم کن کن مشکلوں سے انہوں نے کمایا ہوُا ہوتا ہے یہ کونسی ایمانداری ہے؟

غرضیکہ اِن نظائر سے پتہ لگتا ہے کہ ہر بدکار اپنی بدی کے ارتکاب میں ضرور ملزم ہے ہاں اب یہ سوال ہو سکتا ہے کہ اِنسان اِن بدکاریوں کا کیوں ایسا مرتکب ہوتا ہے کہ پھر چھوڑ نہیں سکتا یا اگر چھوڑنا چاہے تو اس کا کیا علاج ہے؟ تو اِس کا جواب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو جو قویٰ عطا کئے ہیں اُن سے جب ان کے تقاضا کے موافق حسب فرمودہ الٰہی وہ کام نہیں لیا جاتا تو ان کی قوت زائل ہو جاتی ہے اور جو قوت ان کی بالضد بالمقابل ہوتی ہے وہ ترقی پاتی ہے اور بہت نشوونما کرتی ہے۔ یہ ایک ایسا بندھا ہوُا قانون ہے کہ جس کے مشاہدات کثرت سے اِس عالم میں ہیں۔ تم نے دیکھا ہو گا کہ بعض ہنود فقیروں کے ہاتھ سُوکھے ہوئے اور کھڑے ہوئے ہوتے ہیں اس کی یہی وجہ ہوتی ہے کہ وہ ہاتھوں کو ایک عرصہ تک کھڑا کر چھوڑتے ہیں اور قدرت کے منشاء کے موافق ان سے کام نہیں لیتے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کام کرنے کی طاقت ہاتھ سے زائل ہو جاتی ہے۔

اِسی طرح اگر آنکھ کو تم چالیس دن تک ایسی پٹی باندھ چھوڑو کہ اُس سے کچھ نظر نہ آوے تو آخر کار پھر اس سے قوتِ بینائی کم ہو جاوے گی۔ اِسی طرح سے جو لوگ نیکی کی قوتوں سے کام نہیں لیتے آخر کار وہ دن بدن کمزور ہو کر زائل ہو جاتی ہیں اور ان کے مقابل پر بدی کی قوت ترقی پکڑتی آخر کار ایک جُزوِ طبیعت ہو جاتی ہے۔ پس جو لوگ بدکاریوں میں مُبتلا ہیں ان کا علاج یہی ہے کہ وہ ان کو دن بدن دبانا شروع کریں اور نفس کی مخالفت پر زور دیویں اور ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ سے بھی مدد مانگتے رہیں آخر کار وہ ایک دن اُن سے نجات پا جاویں گے کیونکہ جیسے ہم نے پیشتر بیان کیا ہے خدا کا لاتبدیل قانون یہی ہے کہ ہر انسانی فعل کے بعد ایک فعلِ الٰہی صادر ہوتا ہے۔ انسان اگر نیکی کے قوٰی سے کام لیتا ہے تو خدا تعالیٰ دن بدن اُسے اَور برکت دیتا ہے حتّٰی کہ نیکی اُس کی طبیعت کا جُزو ہو جاتی ہے۔ شکرِ نعمت پر ازدیادِ نعمت کی یہی فلاسفی ہے اور جو لوگ خدا تعالیٰ کے دئیے ہوئے قوٰی سے ٹھیک کام نہیں لیتے وہ دن بدن بدیوں پر دلیر ہو کر خدا کا غضب حاصل کرتے ہیں یعنی وہ خدا کی نعمت کا کفر کرتے ہیں اِسی لئے عذاب کے مستحق ہوتے ہیں۔

پس اِس تفصیل سے خوب ظاہر ہو گیا ہے کہ خَتَمَ اللّٰهُ میں کسی قسم کا جبر انسان کے اُوپر نہیں ہے کیونکہ خَتَمَ اللّٰهُ تو ایک فعلِ الٰہی ہے جو کہ انسانی فعل کے بعد جب قانونِ قدرت ضروری صادر ہونا تھا۔ خدا تعالیٰ نے ہدایت کے سامان ان کے لئے مہیا کئے مگر انہوں نے اُن سے کام نہ لیا اِس لئے جو قوٰی ترقیٔ ایمان کے ان کو عطا ہوئے تھے وہ ان سے لے لئے گئے اور حکمتِ بالغہ کا یہی نتیجہ ہونا چاہیئے تھا۔ دیکھو اگر آج تم میں سے ایک کو تحصیلداری کے اختیارات دئیے جاویں لیکن وہ ان کو استعمال نہ کرے اور تمام دن اَور ہی کام کرتا رہے تو کیا گورنمنٹ وہ اختیارات اس کے پاس رہنے دے گی؟ ہرگز نہیں۔ پس جبکہ دُنیاوی مصلحت اور حکمت اِس امر کا تقاضا نہیں کرتی تو خدا تعالیٰ پر کیوں یہ امر لازم ہو سکتا تھا۔

خَتَمَ۔ اِس کے معنے نشان کے ہیں دوسرے مُہر کے۔ اوّل معنوں کی رُو سے یہ معنے ہوئے کہ اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر نشان یا علامت کر دی تا کہ فرشتہ یا فرشتوں کے رنگ کی انسانی مخلوق ان کو پہچان کر ان سے مناسبِ حال سلوک کرے۔ اہلِ فراست ان کو پہچان کر ان سے پرہیز کریں۔

دوسرے معنوں کی رُو سے یہ معنے ہوئے کہ جب کسی شئے پر مُہر لگ جاتی ہے اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ کوئی شئے اس کے اندر اَب نہ داخل ہو سکتی ہے نہ باہر آ سکتی ہے یعنی اَب

ان کے دل، کان اور آنکھ کسی حقیقت تک پہنچنے سے محروم کر دئے گئے ہیں۔ نہ حق داخل ہو سکتا ہے نہ کفر نکل سکتا ہے۔

قُلُوْب .... جمع قلب کی۔ بمعنے دل۔ اِس سے مراد گوشت کا وہ ٹکڑا نہیں ہے جو آنکھوں سے نظر آتا ہے وہ تو ایک گدھے میں بھی ہوتا ہے بلکہ قوتِ ادراکیہ جس کا ایک مجہول الکنہ تعلق اس انسانی قلب کے ٹکڑے سے ہے قلب پر ختم کا یہ باعث ہؤا کہ ان کو قلبِ الٰہی اِس لئے دیا گیا تھا کہ وہ سوچتے کہ یہ شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) مدّت سے ہم میں رہتا ہے۔ اِس کے اخلاق، عادات، تعلقات، معاملات لین دین وغیرہ سب امور پر نظر مارتے، اس کی گذشتہ زندگی کو جانچتے، اس کی خَلوت، جَلوت کے حالات کا مطالعہ کرتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ کیا اور فرمایا قَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ اِس دعویٰ اور تحدّی پر غور کرتے جب اس نے قلب سے قلب کا کام نہ لیا اور اس کو معطّل رکھا تو آخر اللہ تعالیٰ نے وہ نورِ ایمان ان سے لے لیا۔

سَمْع ۔ بمعنے کان اور سُننا۔ اِس پر ختم کا یہ باعث ہؤا کہ اگر اس کا قلب اِس قابل نہ تھا تو پھر کانوں سے آپؐ کی (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات اور دعاوی اور دلائل کو ہی سُنتا مگر جب یہ بھی نہ سُنا تو آخر خدا نے یہ قوت بھی لے لی۔

ابصار۔ بمعنی بصر یعنی بینائی۔ اس پر پٹی اِس لئے پڑ گئی کہ سمع اور قلب کے جاتے رہنے کے بعد اگر قوتِ بینائی سے جو باقی رہ گئی تھی اس سے کام لیتا۔ آپ کے ساتھ جو نشان تائیداتِ الٰہی کے تھے اُن پر نظر ڈالتا۔ اپنے شہر کے چیدہ اور قابلِ قدر آدمیوں کو دیکھتا کہ وہ کس کے ساتھ ہوتے جاتے ہیں تو بھی اُسے راہِ حق مِل جاتا مگر جب اس نے اس سے بھی کام نہ لیا تو خدا نے یہ بھی اس سے لے لیا۔ غرضیکہ کفر کیا تو قلب گیا۔ اِنذار اور عدمِ اِنذار کو برابر جانا تو کان گئے۔ تائیداتِ سماویہ کو نہ دیکھا تو آنکھیں گئیں۔

غشاوہ کے معنے پٹی، پردہ۔

عظیم۔ اُس کو کہتے ہیں جو ہر ایک پہلو سے بڑا ہو۔ چونکہ انہوں نے ہر ایک پہلو سے صداقت کو چھوڑا جس کے لئے عذابِ عظیم ہی مناسبِ حال تھا جو کہ ہر طرف سے اُن کو احاطہ کرتا۔

(بدر جلد ۲ ۷ مورخہ ۶ / مارچ ۱۹۰۳ء صفحہ ۵۴)

اِسی سوال کے جواب میں کہ جب خدا کی مُہر دلوں پر لگ گئی تو ہدایت کیونکر ممکن ہے۔ فرمایا: اِسی قرآن میں مُہر کی وجہ اور جس لاکھ کی مُہر ہے اس کا پتہ اور سبب مرقوم ہے وہ سبب

اور مُہراور وہ لاکھ ہٹا دو۔ وہ خدائی مُہر خود اُکھڑ جائے گی۔ سُنو

وَقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ۔ (سورہ نساء رکوع ۲۲)

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ۔ (سورہ مومن رکوع ۴)

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔ (سورہ مطففین رکوع ۱)

دیکھو کفر اور تکبّر اور بداعمالی کے کسب سے مُہر لگتی ہے ان بُری باتوں کو چھوڑ دو، مُہر ہٹی ہوئی دیکھ لو۔ خدائے تعالیٰ نے اپنے قانونِ قدرت میں یہ بات رکھ دی ہے کہ جن قویٰ سے کام نہ لیا جاوے وہ قویٰ بتدریج اور آہستہ آہستہ کمزور ہوتے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ قویٰ جن سے کام نہیں لیا گیا اسی طرح بیکار اور معطّل رہتے رہتے بالکل نکمّے ہو جاتے ہیں اور ان پر صادق آتا ہے کہ اب ان قویٰ پر اور ان قویٰ کے رکھنے والوں پر مُہر لگ گئی ہے۔ ہر ایک گناہ کا مُرتکب دیکھ لے جب وہ پہلے پہل کسی بُرائی کا اِرتکاب کرتا ہے تو اس وقت اس کے مَلکی قویٰ کیسے مضطرب ہوتے ہیں پھر جیسے وہ ہر روز بُرائی کرتا جاتا ہے ویسے آہستہ آہستہ وہ اضطراب اور حیا اور تاٴمّل جو پہلے دن اس بدکار کو لاحق ہُوا تھا وہ اُڑ جاتا ہے ..... انسانی نیچر اور فطرت اور اس کے محاورے کی بولی پر غور کرو۔ شریر اور بدذات آدمی کو ایک ناصح فصیح نہیں کہتا؟ کہ ان کی عقل پر پتھر پڑ گئے، ان کے کان بہرے ہو گئے، ان کی سمجھ پر تالے لگ گئے۔ کیا ان مجازوں سے حقیقت مراد ہوتی ہے؟ (فصل الخطاب حصّہ ۲ صفحہ ۱۹۳، ۱۹۴)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۹

ان تمام لوگوں میں بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو بتاتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور یوم الآخر پر ایمان لائے اور وہ دراصل ایماندار نہیں ہیں۔

اِس سے پیشتر کے رکوع میں مُنعَم علیہم اور مغضوب علیہ گروہ کا ذکر ہُوا ہے اور اَب ضالّین کا ذکر ہے یعنی ان لوگوں کا جو کہ گمراہی میں ہیں۔ منافق بھی چونکہ ڈِھل مِل یقین ہوتا ہے کبھی اِدھر اور کبھی اُدھر۔ صراطِ مستقیم پر اس کا قدم نہیں ہوتا اِس لئے وہ بھی ضالّ یعنی گمراہ ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں یہ ذکر اِس لئے ہیں کہ ہر ایک مومن اپنے نفس کو ٹٹولے اور جو مذموم صفت اسے نظر آوے اُسے دُور کرے اور نفس کے اِس دھوکے میں نہ آوے کہ اس سے مراد وہ منافق ہیں جو کہ کسی نبی یا مامور پر ایمان کے بارے میں نفاق رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم تو حقیقی مومن ہیں۔ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ اپنی حالتِ بدظنی اور اللہ تعالیٰ کی عنایات اور تائیدات کا رنگ اپنے وجود میں امتحان کرکے اِس بات کو پرکھے کہ اگر مَیں منافق نہیں ہوں تو کیوں ناکامیاں میرے شاملِ حال ہیں اور جن کو مَیں منافق کہتا ہوں ان سے میرے حالات متمیز ہیں کہ نہیں۔ حضرت احمد مرسل یزدانی نے ۲۵ مارچ کو ایک تقریر میں فرمایا ہے کہ "اگر یہ لوگ نیکی اور تقویٰ کا دعویٰ کرتے ہیں تو اِن کا دعویٰ کیوں قرآن کے برابر آکر ٹھیک نہیں بیٹھتا۔ خدا تو وعدہ کرتا ہے وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ (اعراف : ۱۹۷) اور اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ (انفال : ۳۵) اگر یہ لوگ واقعی طور پر متقی ہیں تو خدا ان کا کیوں کفیل نہیں اور خدا کا قول کیوں صادق نہیں آتا۔ پس ہر ایک نفس کو دیکھنا اور غور کرنا چاہیئے۔ مَیں جو دوسروں کو منافق اور کافر وغیرہ کہہ کر الٰہی تائید اور نصرت سے محروم کہتا ہوں کہیں وہی محرومی میرے شاملِ حال تو نہیں ہے۔ پس اگر دیکھے کہ وہ بھی ظلمتوں میں پھنسا ہوا ہے اور الٰہی تائید اس کے معاملات اور کاروبار میں شریک نہیں ہے اور اُسے کھُلی کھُلی اور بیّن صراطِ مستقیم (حاصل) نہیں تو سمجھے کہ کوئی شعبہ نفاق یا کفر کا ضرور دِل میں ہے اور ممکن ہے کہ اس کی اسے خبر بھی نہ ہو۔

مَنْ۔ بمعنے جو، وہ، کون۔ یہ لفظ ایک، دو، تین اور اس سے زیادہ کے واسطے آتا ہے۔

يَقُوْلُ۔ یعنے بتلاتا ہے۔ خواہ زبان سے خواہ ہاتھ سے خواہ اپنے اَور اعضاء سے۔ تحریر سے یا تقریر سے۔ غرض دوسرے کو بتلا دینے کے موقعہ پر استعمال ہوتا ہے اس سے قَالَ کا لفظ عام ہے۔ یہ ضرور نہیں کہ بالمشافہ گفتگو ہو۔ اِسی لئے اکثر قصّے اِس قسم کے بنے ہوئے ہوتے ہیں کہ دیوار نے میخ کو کہا کہ تُو مجھے کیوں چھید رہی ہے میخ نے کہا "اِس سے پُوچھ جو مجھے ٹھوک رہا ہے"۔ میخ اور دیوار کی زبان نہیں ہوتی۔ یہاں زبان سے مراد زبانِ حال ہے۔

اٰمَنَّا بِاللّٰهِ۔ اللہ پر ایمان لانے کے یہ معنے ہیں کہ کُل قرآن شریف کی باتوں کو ماننا۔ اِسلام میں اللہ لفظ کے یہ معنے ہیں کہ ایسا خدا جو کہ تمام صفاتِ کاملہ اور عالیہ سے متصف اور جمیع خصائل اور رذائل سے منزّہ ہو اور اسلام نے وہ خدا پیش کیا ہے جو کہ کتابیں نازل

کرتا، اپنے بندوں سے کلام کرتا، ان کی ہدایت کے لئے نبی اور رسول اور مجدد مبعوث کرتا، جو اس کا طالب ہوتا اس کو اپنی راہیں دکھاتا، نیکی کا بدلہ نیک اور بدی کا بدلہ بد دیتا، اور اپنے دوستوں کو عزت دیتا اور ان کے لئے خوارق عادت کام کرتا اور اپنے دوستوں کے دشمنوں کو ذلیل کرتا، ایسے خدا کو جو ماننے والا ہو اُسے نفاق کی کیا ضرورت ہے اور کس کا ڈر ہے کہ وہ حق کو چھپاوے اور دَرپردہ خدا کے دشمنوں سے بھی تعلقات رکھے۔

اَلْیَوْمِ الْاٰخِرِ پر ایمان کے یہ معنے ہیں کہ انسان جزا سزا کا قائل ہو۔ اس کے دل میں یہ بات جمی ہوئی ہو کہ نیکی کا بدلہ بدی اور بدی کا بدلہ نیکی نہیں ہوسکتا۔ پھر جس کو یہ ایمان حاصل ہو اور ادھر وہ خدا کو ایک متصرف مقتدر ہستی مانتا ہو تو بتلاؤ نفاق کہاں رہیگا۔ اِس لئے خدا تعالیٰ آگے فرماتا ہے کہ یہ لوگ اِس دعویٰ میں جھوٹے ہیں۔ صرف ظاہری باتوں اور فعلوں سے دکھلانا چاہتے ہیں کہ ہم بھی مومن ہیں۔

وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ۔ وہ مومن ہرگز نہیں ہیں۔ جب مَا کا صِلہ بَا آوے تو اس سے تاکید مُراد ہوتی ہے واؤ یہاں حالیہ ہے۔

(البدر ۱۷ اپریل ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۰۲
نیز رسالہ تعلیم الاسلام قادیان بابت جنوری ۱۹۰۷ء)

بہت لوگ ایسے ہیں جو کہہ تو دیتے ہیں کہ ہم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان لائے مگر وہ ذرا بھی مومن نہیں ہوتے۔

ایمان کے سبق کا شروع اللہ پر ایمان لانے سے ہے اور اسی سبق کا اختتام آخرت کے ماننے پر ہے اِس لئے اس کے اندرونی حصّوں کا ذکر نہیں آیا وہ سب ان دونوں کو ماننے میں آگیا۔ اللہ پر ایمان جبھی مکمل و مسلّم ہوسکتا ہے جب اس کے ملائکہ، کتب و رسولوں پر ایمان لایا جاوے۔ ماننے کے معنے صرف زبان سے کہنا نہیں بلکہ تصدیقِ قلب اور عملوں کے ذریعہ اپنے ایمان کا ثبوت ضروری ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴۔ فروری ۱۹۰۹ء)

قرآن شریف میں بہت جگہ پر اِس قسم کا ذکر پایا جاتا ہے کہ اکثر لوگ اِس قسم کے بھی ہُوا کرتے ہیں کہ زبان سے تو وہ بڑے بڑے دعوے کیا کرتے ہیں مگر عملی طور پر کوئی کارروائی نہیں دکھاتے۔ زبان سے وہ ایسی ایسی باتیں بھی کہہ لیتے ہیں جن کو ان کے دِل نہیں مانتے۔

چنانچہ قرآن کریم کے شروع میں ہی لکھا ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ (پ ۱) ایسے لوگ اللہ پر ایمان لانے اور آخرت پر ایمان لانے کے زبانی دعوے تو بہت کرتے ہیں مگر ان کے دِل مومن نہیں ہوتے۔ اِسی لئے باوجود اسکے کہ وہ اللہ پر اور یَوم آخرت پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو مومنوں میں سے نہیں سمجھتا۔ وہ لوگ تو کہتے ہیں کہ ہم کو اللہ پر اور آخرت پر ایمان ہے مگر خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ کہ وہ اللہ کے نزدیک مومن نہیں۔

(الحکم ۲۴، دسمبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۱)

۱۰۔ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝۱۰

وہ اللہ کو چھوڑتے ہیں اور ان کو جو ایمان لائے حالانکہ وہ تو اپنے نفسوں ہی کو (دراصل) محروم کرتے ہیں اور اپنے نفع و نقصان کا کچھ شعور نہیں رکھتے۔

يُخٰدِعُوْنَ کا ترجمہ "دھوکہ دیتے ہیں" کریں تو اس میں بہت سی مشکلات ہیں اِس لئے میرے نزدیک اس کے معنے "ترک کرتے ہیں" صحیح ہے۔ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑا تو اس کا خمیازہ یہ اُٹھایا کہ اپنے آپ کو محروم کرلیا۔

عبداللہ بن ابی بن سلول ایک شخص تھا وہ بھی انہی "مِنَ النَّاسِ" میں سے تھا نبی کریمؐ ایک مجلس میں وعظ کہنے لگے۔ اس روز بہت جھکڑ تھا سواری میں غبار جو اُٹھا تو اس نے رومال اپنے مُنہ پر رکھ لیا اور کہا باتیں تو اچھی ہیں اگر گھر ہی سُناتے تو اچھا تھا یہاں ہم کو تکلیف ہو رہی ہے۔ اس پر صحابہؓ میں بہت گفتگو ہوئی۔ ایک صحابیؓ نے عرض کیا اس سے درگذر کردیں۔ پہلے ہمارا ارادہ تھا کہ اسے اپنا بادشاہ بنالیں يُتَوِّجُوْهُ وَيُعَصِّبُوْهُ یعنی تاج شاہی اسکے سَر پر رکھ دیں اور نمبرداری کی پگڑی اسے بندھا دیں مگر اب کُھل گیا کہ یہ شخص اِس قابل نہیں۔ اس نے اپنے تئیں ذلیل کرلیا۔ دیکھو وہ پھر کیسا تباہ ہوا مومنوں کے سامنے ہلاک ہوا۔ اور اس نے کوئی شرف نہ پایا۔

منافق اپنے تئیں بڑا ہوشیار سمجھتا ہے اور اسے یہ خیال ہوتا ہے کہ میں بڑا دانا ہوں کہ

دونوں طرفوں کو گانٹھ رکھا ہے لیکن درحقیقت منافق بڑا کمزور رہوتا ہے اس میں نہ قوتِ فیصلہ ہوتی ہے نہ تابِ مقابلہ۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۴ر فروری ۱۹۰۹ء)

.....سچی اخلاص اور محبت اور اطاعت سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں وہ صرف زبانی باتوں اور ریاکاری کے اعمال سے حاصل نہیں ہو سکتے۔ اگر صرف زبانی قول پر نجات کا مدار ہوتا تو پھر قول تو منافقوں کا بھی اللہ تعالیٰ نے نقل کر کے دکھایا ہے بلکہ وہ ایسے قول سے بجائے نجات کے عذاب کے حقدار بن گئے۔ ایک ہی قول ہے کہ ایک ایسے شخص کے زبان سے نکلتا ہے جس کا دِل اور زبان ایک ہے نیت میں اِخلاص ہے۔ اسی قول سے وہ واصل اِلی اللہ اور باری تعالیٰ کا مقرب ہو جاتا ہے۔ وہی ایک قول ہے جو کہ ایسے شخص کی زبان سے نکلتا ہے جس کا قلب اور زبان ایک نہیں ہے۔ وہ خدا تعالیٰ سے بُعد اور قطع تعلق کا باعث ہوتا ہے۔ خدا اور یومِ آخر پر ایمان کا اصل نتیجہ کیا تھا کہ خدا سے تعلقات بڑھتے اور اس کے انعامات اور اکرام کا مورد وہ ہوتا مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ منافقوں نے اس کا اُلٹا پھل پایا یعنی ترقیٔ معکوس۔ کہ بجائے قریب ہونے کے وہ اللہ تعالیٰ سے اَور دُور ہوتے گئے اور ان کے نفسوں کو دھوکا لگا۔

یُخٰدِعُوْنَ کے معنے یتْرکُوْنَ یعنی چھوڑتے ہیں اور یَخْدَعُوْنَ کے معنے محروم کر لیتے ہیں۔ عام ترجموں میں جو اس کے معنے فریب اور دھوکہ دینے کے کئے جاتے ہیں ان کی تصدیق قرآن کی کسی آیت سے نہیں ہوتی ہے بلکہ قاموس وغیرہ لُغت کی کتب میں خَادِعَہٗ کے معنے تَرَکَہٗ لکھے ہیں۔ قرآن سے بھی اِن معانی کی تصدیق ہوتی ہے جیسے سورہ نساء میں ہے اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَھُوَخَادِعُھُمْ یعنی منافق خدا تعالیٰ کو چھوڑتے ہیں اور خدا ان کو چھوڑتا ہے۔

خدا کو چھوڑ دینے کے یہ معنے ہیں کہ اس کے اوامر اور نواہی کی پرواہ نہ کرنی بعض وقت ایک انسان مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے اور اس وقت شکایت کرتا ہے کہ خدا اس کی مدد کیوں نہیں کرتا ہاں اس کا باعث یہی ہوتا ہے کہ اس نے اپنے تعلقات خدا سے قائم نہیں رکھے ہوئے ہوتے اور اسی وجہ سے خدا نے اس کی حفاظت سے اپنا ہاتھ اُٹھایا ہوُا ہوتا ہے جیسے آجکل طاعون اس نظارہ کو دکھا رہی ہے۔

وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ۔ خَدَعَ کے معنے اَمْسَکَ کے ہیں یعنی یہ لوگ نہیں روک سکتے فوائد سے یا نہیں بخل کرتے یا نہیں محروم رکھتے مگر اپنی جانوں کو۔ جب اللہ تعالیٰ اور

اس کے بندوں سے قطع تعلق کر لیا تو تعلق سے جو فوائد حاصل ہوتے تھے اُن سے وہ محروم ہو گئے۔ محرومی نفاق کا نتیجہ ہے۔

وَمَا يَشْعُرُوْنَ - ان میں شعور نہیں۔ شعور ایک حیوانی صفت ہے۔ اللہ تعالےٰ یہاں منافقوں کو شرم دلاتا ہے کہ تم تو حیوانات سے بھی گئے گذرے ہوئے ہو ان میں شعور ہوتا ہے تم اس سے بھی محروم ہو۔ ہمیشہ اِس امر کا خیال رکھو کہ کلمہ جو مُنہ سے نکالتے ہو اس کا تعلق دل اور زبان دونوں سے ہو اور تمہارا ہر ایک عمل اس کی تصدیق کرتا ہو۔

(بدر ۲ر اپریل ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۱۱)

خَادَعَ کے معنے ترک کرنے کے ہیں پس جہاں يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ ہے وہاں "وہ چھوڑتے ہیں اللہ کو" ترجمہ کیوں نہیں کرتے۔ خَدَعَ کے معنے ہیں اَمْسَكَ۔ محاورہ ہے فُلَانٌ كَانَ يُعْطِىْ فَخَدَعَ فلانا دیتا تھا اب اُس نے دینا چھوڑ دیا ہے۔ پس وَهُوَ خَادِعُهُمْ کے معنے یہ کیوں نہیں کرتے کہ اللہ بھی منافقوں کو محروم رکھنے والا ہے اپنے عطایات سے۔ اِسی طرح تمام اَلوجوہ والنظائر میں بھی ایسا ہی برتاؤ کرو اور مثلاً وَوَجَدَكَ ضَآلًّا میں ضلال کا اثبات نبیؐ کریمؐ کے لئے ہے مگر وَمَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ میں ضلال کی نفی آپؐ کے حق میں موجود ہے۔ تو دونوں پر ایمان لاکر ایک جگہ ضلال کے معنے محبّ، طالب، سائل کرو جو اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ کی ترتیب سے ظاہر ہوتے ہیں اور دوسری جگہ گمراہ کے معنے کرو جو وَمَا غَوٰى کے مناسبت سے درست ہیں۔

(نورالدین، دیباچہ صفحہ ۱۰، ۱۱)

يُخٰدِعُوْنَ، مُخَادِعَةٌ سے ہے اور مخادعہ کے معنے ہیں ترک کے۔ پس يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ کے معنے ہوئے يَتْرُكُوْنَ اللّٰهَ (وہ چھوڑتے ہیں اللہ کو) جیسا کہ ایک دوسرے محل پر آیا ہے نَسُوا اللّٰهَ (توبہ: ۶۷) (چھوڑ دیا انہوں نے اللہ کو) کیونکہ اس کے مقابل اللہ عزّوجلّ کی نسبت بھی نَسِيَهُمْ آیا ہے اور اس کے معنے بجز ترک کے اَور کچھ نہیں ہیں اور يَخْدَعُوْنَ، خَدَعَ سے ہے اور خَدَعَ کے معنے امساک یعنی رُکنے اور بخل کے ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے فُلَانٌ كَانَ يُعْطِىْ فَخَدَعَ (فلاں دیا کرتا تھا لیکن اَب دینے سے رُک گیا ہے اور بخل کرتا ہے) اور منافقوں میں یہ وصف تھا جیسا کہ خداوند علیم نے اَور محل پر بیان فرمایا ہے کہ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا (توبہ: ۷۶) (پس جب اللہ نے اپنے فضل سے ان کو دیا تو بخل کرنے لگے (یا) انہوں نے بخل کیا) اور فرمایا هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ

عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا (منافقون: ۸) (یہ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ نہ خرچ کرو ان پر جو رسول اللہ کے پاس ہیں تاکہ وہ پراگندہ ہوجاویں) اور نفس کہتے ہیں ذات اور حقیقت اور عین شئے اور رُوح اور قلب اور خون اور پانی اور جسم اور خشم اور عظمت اور عزت اور ہمت اور اکڑبازی اور فراخی اور ترو تازگی اور کلامِ طویل کو اور بمعنے پاس بھی آتا ہے جیساکہ فرمایا ہے تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ (مائدہ: ۱۱۷) (تُو جانتا ہے اس کو جو میرے پاس ہے اور مَیں اس کو نہیں جانتا جو تیرے پاس ہے) اور علماء نے کہا ہے کہ یہ اجسام کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ خداوند تعالیٰ کے لئے بھی آتا ہے جو کہ جسم سے پاک اور منزہ ہے جیسا فرمایا ہے كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (انعام: ۵۵) (تمہارے رَبّ نے اپنے نفس پر (یعنی اپنے پر رحمت مقرر کی ہے) اور فرمایا وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ (آلِ عمران: ۲۹) (اور اللہ تم کو اپنے نفس سے ڈرا کر بچانا چاہتا ہے) پس معنے یہ ہوئے وہ چھوڑتے ہیں اللہ اور مومنوں کو حالانکہ وہ نہیں بخل کرتے مگر اپنی جانوں پر..... منافقوں نے اپنے جانوں کو اللہ کریم کی راہ میں خرچ کرنے سے روکا۔

پس اس سے انہوں نے اپنے نفسوں کو اس عزت و نصرت اور رزق و فلاح سے محروم کر دیا کہ جس کا خداوند کریم نے اللہ کے راستہ میں صَرف کرنے والوں کو وعدہ فرمایا ہوا تھا جیساکہ اس نے فرمایا ہے وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (المنافقون: ۹) (اور اللہ ہی کے لئے عزت ہے اور اس کے رسول اور مومنوں کے لئے لیکن منافق لوگ نہیں جانتے) اور فرمایا اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (المؤمن: ۵۲) (ضرور ہم مدد دیتے ہیں اپنے رسولوں کو اور مومنوں کو دُنیا میں) اور فرمایا كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا (البقرۃ: ۲۶) (جب کبھی رزق دیا جائے گا ان کو (مومنوں کو) اس سے) ..... منافق لوگ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اظہار کرتے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ سے اپنے مال و جان کو حفاظت میں کرلیں۔ پس منافق لوگ کشتی کے کناروں کی مانند ہوتے ہیں جب اور جس طرف ہَوا چلتی ہے تو اس وقت اور اسی طرف کشتی بھی چل پڑتی ہے۔ اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ انفس سے یہاں پر وہی مراد ہو جو کہ لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا (النور: ۱۳) (کیوں نہ مومنوں اور مومن عورتوں نے اپنے آپ میں اچھا گمان کیا) اور نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ (آلِ عمران: ۶۱) (ہم پکاریں اپنے بیٹوں اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنے آپ کو اور تم کو) میں ہے اور کوئی اَور معنے انفس

سے یہاں پر نہ لئے جاویں تو اس صورت میں معنے یہ ہوں گے کہ منافق لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم مومن ہیں اور پھر وہ خود ہی بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بخل کا حکم دیتے ہیں اور مومنوں پر خرچ کرنے سے لوگوں کو روکتے ہیں اور خدع فساد کو بھی کہتے ہیں تو اس صورت میں معنے یہ ہوں گے کہ وہ نہیں بگاڑتے مگر اپنی جانوں کو ..... اور شعور اس علم کو کہتے ہیں جو کہ بذریعہ حواس یعنی آنکھ، کان وغیرھما کے حاصل ہو۔

(رسالہ تعلیم الاسلام قادیان بابت فروری ۱۹۰۷ء)

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ ۙ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۱۱﴾

ان کے دلوں میں ایک مرض ہے تو اللہ نے ان کے اس مرض کو بڑھنے دیا اور ان کیلئے دُکھ دینے والا عذاب ہے بسبب اس کے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔ مرض کا بڑھنا اس لئے فرمایا کہ جب تھوڑے مسئلوں میں اس کی کمزوری کا یہ حال ہے کہ کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا تو پھر جب یہ مسئلے بہت بڑھ جائیں گے تو یہ کمزوری اور بھی بڑھے گی پس یہ مرض روزافزوں ہے۔ اسی طرح جب چھوٹی سی جماعت کے سامنے حق بات نہیں کہہ سکتا تو بڑی جماعت کے سامنے تو اور بھی جھوٹ بولے گا اور یہی باتیں اس کے لئے دُکھ دینے والی ہو جائیں گی۔ آخرت کا عذاب تو ہے ہی مگر منافق کے لئے دُنیا میں بھی یہ کم عذاب نہیں۔

زَادَهُمُ اللّٰهُ پر مفسّروں نے بہت اختلاف کیا ہے کہ جب یہ امرِ واقعہ ہے تو اس پر اختلاف کیسا۔ یہ سب کچھ نتیجہ ہے جھوٹ بولنے کا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۱ر فروری ۱۹۰۹ء)

نفاق ایک قلبی مرض کا نام ہے۔ اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ اس کے مریض میں قوّتِ فیصلہ بہت کمزور ہوتی ہے اور اُسے کسی کے مقابلہ کی طاقت نہیں ہوتی۔ ابتداء میں جبکہ اسلام کی جمعیت کم تھی اور مسائل تھوڑے تھے تو ایسی حالت میں جب ان کو جھوٹ اور مداہنہ سے کام لینا پڑا حالانکہ اُس وقت اَدنیٰ سے اَدنیٰ انسان بھی مقابلہ کرتا تھا۔ تو جب اسلام کی جمعیت ترقی کرے گی اور مسائل بڑھتے جاویں گے تو اپنی اس کمزوری کی وجہ سے ہر ایک

بات اور حکم پر وہ اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا کہیں گے حالانکہ ان کے دِل میں وہ بات نہ ہو گی۔ گویا اس طرح سے ان کو زیادہ جھوٹ بولنا پڑے گا اور جن جن باتوں کو ان کے دل تسلیم نہیں کرتے ان ان باتوں کو زبان سے ماننا پڑے گا اور انجام یہ ہو گا کہ ہلاکت کا طعمہ بن جاویں گے۔

(بدر ۲۴ر اپریل ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۱۱)

جیسے ایک مریض بعض اوقات اپنا ذائقہ تلخ ہونے کی وجہ سے مصری کو بھی تلخ بتلاتا ہے وہ کہہ دیتا ہے کہ مجھے اِس سے لذت نہیں آتی۔ اس کے کہنے پر کیا انحصار ہے خدا تعالیٰ نے خود فیصلہ کر دیا ہے فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا اور پھر صاف صاف ارشاد کر دیا لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ۔ جس جس قدر انسان پاکیزگی، تقویٰ طہارت میں ترقی کرے گا اُسی اُسی قدر قرآن شریف کے ساتھ محبت، اس کے مطالعہ اور تلاوت کا جوش، اس پر عمل کرنے کی توفیق اور قوت اسے ملے گی لیکن اگر خدا تعالیٰ کے احکام اور حدود کی خلاف ورزی میں دلیری کرتا ہے اور گندی صحبتوں اور ناپاک مجلسوں اور ہنسی ٹھٹھے کے مشغلوں سے الگ نہیں ہوتا۔ وہ اگر چاہے کہ اس کو قرآن شریف پر غور و فکر کرنے کی عادت ہو تدبیر کے ساتھ اسکے مضامینِ عالیہ سے حظ حاصل کرے۔ این خیال است و محال است و جنوں۔

(الحکم ۱۰ر اپریل ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۷)

صرف زبانی دعویٰ کرنے والوں کے دِلوں میں جنہیں نہ قوتِ فیصلہ نہ تابِ مقابلہ مرض ہے۔ اللہ اس مرض کو بڑھائے گا اِس طرح پر کہ جوں جوں اسلام کے مسئلے بڑھیں گے انکے دِل میں شبہات بڑھیں گے یا عملی طور پر انکار کریں گے۔ پھر یہ چھوٹی سی جماعت کے مقابل میں برگزیدہ ہیں تو بڑوں کے سامنے کیا کچھ بزدلی نہ دکھائیں گے یا تھوڑے مسائل کا فیصلہ نہیں کر سکتے تو بہت سے مسائل کا فیصلہ کیا کریں گے۔ چونکہ انہوں نے جھوٹا دعویٰ ایمان کا کیا اِس لئے ان کو دُکھ دینے والا عذاب ہے۔ (الفضل ۶ر اگست ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

جب ہمارے نبی کریم اور رسول رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے تو چند — منافق، دِل کے کمزور جن میں نہ قوتِ فیصلہ تھی اور نہ تابِ مقابلہ آپؐ کے حضور حاضر ہوئے اور بظاہر مسلمان ہو گئے اور آخر بڑے بڑے فسادوں کی جڑ بن گئے۔ وہ مسلمانوں میں آ کر مسلمان بن جاتے اور مخالفانِ اِسلام کے پاس پہنچتے تو مسلمانوں کی بدیاں کرتے ..... اِس شریر گروہ کے متعلق یہ آیت ہے ..... اِس کا مطلب یہ ہے کہ

سردست جماعتِ اسلام تعداد میں بہت ہی قلیل اور تھوڑی سی ہے اور مسائلِ اسلام بھی جو ان کے پیش ہوئے ہیں بہت کم ہیں۔ یہ بدبخت منافق اگر اس قلیل جماعت کے سامنے تاب مقابلہ نہیں لا سکتے اور اپنے دِل کی مرض سے بُزدل ہو کر مسلمانوں کی ہاں میں بظاہر ہاں ملاتے ہیں تو یاد رکھیں ان کا یہ کمزوری کا مَرض اَور بڑھے گا کیونکہ یہ جماعتِ اسلام روز افزوں ترقّی کرے گی اور یہ مُوذی بدمعاش اَور بھی کمزور ہوں گے چنانچہ ایسا ہی ہؤا۔

نیز اسلام کے مسائل روز بروز ترقّی کریں گے۔ جب یہ لوگ تھوڑے سے مسائل کا فیصلہ نہیں کر سکتے تو اُن مسائلِ کثیرہ کا کیا فیصلہ کر سکیں گے جو یَومًا فَیَومًا روز افزوں ہیں۔ بہرحال ان کا مرض اللہ تعالیٰ بڑھائے گا اور اسلام کو ان کے مقابلہ میں ترقّی دے گا۔

(نورالدین صفحہ ۸، ۹)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ سے اور بہت سے صحابہ کرامؓ سے بھی مروی ہے کہ مرض سے مُراد شک ہے یعنی ان کے دلوں میں شک کا مرض تھا یا بُزدلی اور صادق وکاذب اور حق و باطل میں امتیاز کرنے والی قوّت کی کمی کی بیماری تھی یا حَسَد کی بیماری تھی جس کی وجہ سے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کے اقبال اور رفعتِ شان کو دیکھ دیکھ کر حَسد اور غم کی آگ سے جَل جاتے تھے اور فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا دعا اور بشارت ہے۔ پس اِس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا (پس اللہ ان کی بیماری کو زیادہ کرے) پس وہ بُزدل ہو گئے قلیل جماعت سے حالانکہ وہ روز افزوں ترقّی کر رہی ہے اور تھوڑے سے مسائل کو امتیاز نہ کر سکے حالانکہ وہ زائد ہو رہے ہیں۔

(رسالہ تعلیم الاسلام قادیان ماہ جنوری ۱۹۰۷ء)

بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ۔ باء بمعنے سبب کے ہے اور ما مصدریہ ہے (جو کہ اپنے مابعد کے فعل کو بمعنے مصدر بنا دیتا ہے) اور کَانَ کا مصدر کَون ہے اور یہ لُغتِ عرب میں مُستعمل ہے اور کَانَ دوام واستمرار کا فائدہ دیتا ہے جیسا کہ خداوندِ کریم نے فرمایا ہے كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا (اللہ ہمیشہ جاننے والا ہے)۔

انسان کو جُھوٹ سے بہت ہی بچنا چاہیئے۔ دیکھو کہ نفاق جیسے گندے گناہ اور مرض کا سبب بھی یہی جھُوٹ ہے پھر نفاق بھی ایسا کہ جس کی نسبت فرمایا ہے فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ (پس وہ رجوع نہ کریں گے) اور جہاں پر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے نفاق کے علامات بیان فرمائے ہیں وہاں پر فرمایا ہے کہ منافق کے پاس جب امانت رکھو تو خیانت کرے گا اور

جب جھگڑتا ہے تو گالی گلوچ دیتا ہے اور جب وعدہ کرتا ہے تو خلاف کرتا ہے۔ اور جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور قرآن مجید میں جھوٹ بولنے والوں پر لعنت آئی ہے اور آنحضرتؐ سے جب دریافت کیا گیا کہ مومن سے فلاں فلاں گناہ ہو سکتے ہیں۔ فرمایا ہاں۔ لیکن جب جھوٹ کی نسبت دریافت کیا گیا تو فرمایا۔ نہیں۔ الغرض کہ جھوٹ بہت بُرا مرض ہے مومن کو اس سے ہمیشہ بہت ہی بچنا چاہیئے۔ (رسالہ "تعلیم الاسلام" ماہ فروری ۱۹۰۷ء)

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ ، قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۲﴾

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۳﴾

اِذَا ظرفِ زمان ہے۔

یہ عطف ہے مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ الخ پر۔ پس اوّل میں تو کمالِ ایمان کا اِدّعا ہے۔ گویا وہ کہتے ہیں کہ ہم کامل ایمان اور کامل اصلاح والے ہیں اور اِس زمین سے مراد مدینہ منورہ کی زمین ہے۔ اور جن کو کہا جاتا ہے یا کہا جائے وہ تو منافق ہی ہیں۔ ہاں کہنے والوں کا یقینی پتہ نہیں لگتا کہ وہ کون ہیں۔ آیا اہلِ اسلام ان کو یہ کہتے تھے کہ مدینہ کی سرزمین میں فساد نہ کرو یا کفار ان کو یہ کہتے تھے۔ میرا خیال ہے کہ کہنے والے کفار ہیں اور ان کے نزدیک منافق لوگ یہ فساد کرتے تھے کہ اہلِ ایمان کے پاس جاتے اور ان سے باتیں چیتیں کرتے ہیں تو ان کے اس ملاپ کو فساد قرار دے کر اس سے منع کرتے ہیں کہ تم ان سے کیوں ملتے ہو اور جب ان کی اس ممانعت سے وہ باز نہ آتے تو پھر وہ کہتے کہ کیا ہم بھی ان نادانوں کی طرح ایمان لائیں چنانچہ انکا یہ سوال و جواب بھی اس کے بعد متصل بدیں الفاظ خداوندِ علیم نے بیان فرمایا ہے کہ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ (اور جب ان کو کہا جائے کہ تم ایمان لاؤ جیسا کہ وہ لوگ ایمان لائے ہیں تو کہیں گے کیا ہم ان کی مانند ایمان لائیں جو نادان ہیں)۔

(رسالہ "تعلیم الاسلام" قادیان ماہ فروری ۱۹۰۷ء)

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں نفاق سے فساد نہ پھیلاؤ تو کہتے ہیں ہم تو طرفین میں اصلاح کرنے والے ہیں۔ سُنو! بے شک یہی لوگ مُفسد ہیں مگر وہ سمجھتے نہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۱ فروری ۱۹۰۷ء)

جب واعظ وعظ کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ جو کام تم کرتے ہو اس کا نتیجہ خطرناک ہے۔ تم دُنیا میں فساد نہ کرو تو وہ کہتے ہیں توبہ! ہم فسادی ہیں؟ ہم تو با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام کے اصل پر چل سب کے ساتھ اپنا تعلق رکھتے ہیں اور بڑی سنوار والے ہیں۔ اللہ فرماتا ہے اَلَآ اِنَّھُمۡ ھُمُ الۡمُفۡسِدُوۡنَ کہ یہی بڑے مُفسد لوگ ہیں کہ دعوے زبان سے کچھ ہیں ہاتھ سے کچھ کرتے ہیں۔ ایک نماز ایسی چیز ہے کہ کلمہ شہادت کے بعد کوئی عمل نماز کے برابر نہیں۔ حضرت نبی کریمؐ نے فرمایا میرا جی چاہتا ہے کہ جب تکبیر ہو جائے تو میں دیکھوں کہ کون کون جماعت میں نہیں آیا اور ان کے گھر جلا دوں مگر باوجود اس کے کئی لوگ جو نماز باجماعت نہیں پڑھتے تم ان میں سے نہ بنو۔ منافق اصل میں بڑا مُفسد ہوتا ہے اس میں شعور نہیں ہوتا۔ خدا تمہیں سمجھ دے جو میں نے کہا ہے اسے سمجھو۔

(الفضل ۶ راگست ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اٰمِنُوۡا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوۡٓا اَنُؤۡمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَآ اِنَّهُمۡ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰـكِنۡ لَّا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۴﴾

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوۡا اِلٰى شَيٰطِيۡنِهِمۡ ۙ قَالُوۡٓا اِنَّا مَعَكُمۡ ۙ اِنَّمَا نَحۡنُ مُسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۱۵﴾

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۶﴾

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۖ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۷﴾

مَآ مصدریہ ہے جو کہ اپنے مابعد کے فعل کو بمعنے مصدر بنا دیتی ہے لہٰذا اٰمَنَ جو اسکے بعد آیا ہے اس کے معنے ایمان لانے کے ہیں نہ یہ کہ وہ ایمان لائے۔

ال جنس کے لیئے ہے یعنی جنس انسان اور کبھی اس سے معتبر افراد مُراد ہوتے ہیں تو اِس لحاظ سے یہاں پر کامل انسان مراد ہوں گے۔

سَفِيْهٌ کہتے ہیں ضعیف العقل، کذّاب، جلد باز، بڑے ظالم، مخالفِ حق، ضعیف الرائے انجان کو۔ اِسی وجہ سے بچوں اور عورتوں کو سفہاء کہا گیا ہے جیسا کہ اِس آیتِ کریمہ میں ہے لَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمْ (النساء: ۶) (نہ دو ضعیف العقلوں کو اپنے مال) یعنی بچوں اور عورتوں کو۔

اٰمَنَ النَّاسُ: کمال ایمان لانا، نامناسب کے ترک کرنے اور مناسب کے کرنے کے ساتھ ہوتا ہے۔

اَنُؤْمِنُ میں جو استفہام کا ہمزہ ہے یعنی دریافت کرنے کا۔ یہ یہاں پر انکار کے لئے ہے۔ پس "کیا ہم ایمان لائیں" کا مطلب یہ ٹھہرا کہ ہم سے ایسی بیوقوفانہ حرکت کبھی نہیں ہوسکتی یعنی ہم ایسا ایمان نہ لائیں گے۔ اور ال دونوں کے لانے سے مطلب یہ بنا کہ گویا منافقوں کو کہا گیا کہ ایسا کامل ایمان لے آؤ جیسا کہ وہ کامل لوگ لائے ہیں۔ ان کے فساد کے وقت تو ان کی نسبت لَا يَشْعُرُوْنَ فرمایا ہے اور ایمان کے بیان میں لَا يَعْلَمُوْنَ فرمایا ہے اِس لئے کہ فساد ایک ظاہری اور محسوس امر ہے لہٰذا اِس میں لَا يَشْعُرُوْنَ فرمایا جو کہ حواسِ ظاہرہ کے علم کو کہتے ہیں اور ایمان کے بہت کچھ لوازم اور آثار اگرچہ محسوس بحواسِ ظاہرہ ہیں لیکن چونکہ نفسِ ایمان

امورِ مخفیہ سے ہے اور حواسِ باطنہ سے تعلق رکھتا ہے لہٰذا ایمان کے بیان میں لَا یَعْلَمُوْنَ فرمایا ہے جو کہ باطنی علوم پر بولا جاتا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ جس طرح یہاں پر کَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ فرمایا ہے اس طرح کے فساد کے متعلق کَمَا کو ذکر نہیں فرمایا اِس لئے ایمان میں تو ان کو کہا گیا ہے کہ فلاں کی مانند ایمان لاؤ اور اس کی مثل ہو سکتی تھی لہٰذا یہاں پر کَمَا لایا گیا۔ اور فساد میں ان کے واقعی فساد کا بیان ہے اور چونکہ منافقوں کا فساد بے مثل تھا اور اس کے بے مثل ہونے کا بیان کرنا مقصود تھا لہٰذا فساد کے بیان میں کَمَا کو ذکر نہیں کیا۔

(رسالہ "تعلیم الاسلام" قادیان فروری ۱۹۰۷ء)

جب انہیں کہا جائے کہ ایمان لاؤ جیسے کہ عام لوگ ایمان لائے تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جیسے یہ کم عقل لوگ ایمان لا رہے ہیں۔ سُنو! یہی بے عقل ہیں لیکن یہ علم انہیں کہاں کہ اپنی بے عقلی کو سمجھیں ..... جب وہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے، اور جب اپنے سرداروں کے پاس تنہا ہوتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو انہیں خفیف بنانے والے ہیں۔ ھُزُوا کے معنے ہیں کسی کو خفیف بنانا اور یہ ٹھٹھے کا لازمہ ہے۔ اللہ انہیں ذلیل کرے گا اور ان کو ڈھیل دیتا ہے اور الٰہی حدبندیوں سے گزر کر اندھے ہو رہے ہیں یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ کا لمبا جواب دینے کی ضرورت نہیں۔ چونکہ اِس مُلک کے لوگ عربی سے نابلد ہیں اِس لئے انہیں یہ سمجھانا کہ مشاکلت کے لئے ہے فضول ہے سیدھا جواب یہی ہے جو ہم نے معنوں میں ظاہر کیا۔ یہی لوگ ہیں کہ جنہوں نے ضلالت کو ہدایت کے بدلے خرید لیا۔ تو ان کی تجارت نے نفع نہ دیا اور وہ ہدایت یاب نہ ہوئے۔

اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى پر اعتراض ہے کہ جب ان کے پاس ہدایت نہیں تو یہ خرید و فروخت کیسی؟

اِس کا جواب ایک تو یہ ہے کہ ان کو ہدایت لینی چاہیئے تھی پر انہوں نے نہ لی۔ دوم یہ کہ انسان کی فطرت میں ہدایت کا مادہ ہے مگر انہوں نے اس کے بدلے گمراہی کو لیا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۱۔ فروری ۱۹۰۹ء)

اللہ تعالیٰ نے اِس (سورہ فاتحہ۔ ناقل) میں تین فرقوں کا ذکر کیا ہے ایک اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۲۔ایک مَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ ۳۔ ایک اَلضَّآلِّیْنَ ۔ میرا اعتقاد ہے کہ تمام قرآن سورۃ الحمد کی تفسیر ہے اور اس میں ایک خاص ترتیب سے انہی تین گروہوں کا ذکر ہے چنانچہ سورہ بقر کو

ہی کو لو کہ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ میں مُنْعَمْ عَلَیْھِمْ کا ذکر ہے اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا میں مَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ کا اور اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ بِالْھُدٰی میں ضالّین کا۔

یہ ابتداء کا حال ہے اب جہاں قرآن ختم ہوتا ہے وہاں سورہ نصر اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ میں مُنْعَمْ عَلَیْھِمْ کا بیان ہے اور تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ میں مَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ کا اور ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ۔ اَللّٰہُ الصَّمَدُ۔ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ میں ضالون کی تردید ہے اِس واسطے ہم کو چاہیئے کہ جب فکر کریں اور اپنا آپ محاسبہ کریں اپنے اعمال کو دیکھیں کہ ہم کس فریق کے کام کر رہے ہیں آیا مُنْعَمْ عَلَیْھِمْ کے یا مَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ کے یا ضَالِّیْن کے .....

تم اِن تین گروہوں کے اَوصاف پر غور کرو مُنْعَمْ عَلَیْھِمْ گروہ کے لئے سب سے پہلی صفت بیان کرتا ہوں کہ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ ایمان بالغیب ایسا ضروری ہے کہ دُنیا کا کوئی کام اِس کے بغیر نہیں ہوتا۔ پہاڑے، مساحت، اقلیدس، طبعیات سب کے لئے فرضی بنیاد پر کام ہوتا ہے یہاں تک کہ پولیس بھی ایک بدمعاش کے کہے پر بعض مکانوں کی تلاش شروع کر دیتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ انبیاء کے کہنے پر کوئی کام نہ کیا جاوے جن کا تجربہ بارہا کئی جماعتیں کر چکی ہیں۔ پھر فرمایا یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ دعاؤں میں، نمازوں میں قائم رہتے ہیں، وہ مالوں کو خرچ کرتے ہیں بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ اور مِنْ قَبْلِکَ اور اٰخرۃ پر ان کا ایمان ہوتا ہے۔

پھر دوسرے گروہ کی صفات بیان کیں کہ ان کے لئے تذکیر و عدم تذکیر مساوات کا رنگ رکھتی ہے۔ وہ سُنتے ہوئے نہیں سُنتے۔ ان میں عاقبت اندیشی نہیں ہوتی صُمٌّ بُکْمٌ ہوتے ہیں پھر انہی کی نسبت اخیر قرآن میں فرمایا کہ ایسے لوگوں کو مَا کَسَبَ یعنی جتھا اور مال دونوں پر بڑا گھمنڈ ہوتا ہے مگر خدا تعالیٰ دونوں کو غارت کر دیتا ہے۔ پھر تیسرے گروہ ضَالُّوْن کا ذکر فرمایا کہ ان کو صفاتِ الٰہی کا صحیح علم نہیں ہوتا اور ان میں نہ تو قوّتِ فیصلہ ہوتی ہے نہ تابِ مقابلہ۔ قرآن شریف کے ابتداء کو آخر سے ایک نسبت ہے۔ پہلے مُفْلِحُوْنَ فرمایا ہے تو اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ میں اس کی تفسیر کر دی اور مَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ کی تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ میں اور ضَآلِّیْن کا رَدّ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ میں کر دیا ہے۔ غرض عجیب ترتیب سے اِن تینوں گروہوں کا ذکر کیا ہے۔ اِن تینوں کی صفات کا ذکر کر کے مَیں تمہیں نصیحت کرتا ہوں تم سوچو مُنْعَمْ عَلَیْھِمْ میں سے ہو یا مَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ میں ..... یا ان لوگوں میں جن کو ضَآلِّیْنَ کہا گیا ہے۔

(بدر ۲۱؍ اکتوبر ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۰)

لَقُوْا، لَقِیَ کی جمع ہے لِقَاء سے، جس کے معنے قریب کے ہیں۔ پس لَقِیَ کے معنے ہوئے قَرُبَ نزدیک ہوا اور لَقُوْا کے معنے ہوئے وہ نزدیک ہوئے۔ جیسا کہ قرآن مجید کے ایک اور مقام پر آیا ہے کہ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ (آلِ عمران: ۱۶۷) (جس دن قریب قریب ہوئیں دو جماعتیں) اور اس کے معنے ملنے کے بھی ہوتے ہیں اور وہ بھی قریب ہی ہے۔

خَلَوْا، خَلٰی کی جمع ہے جس کے معنے ہیں مَضٰی گیا جیسا کہا کرتے ہیں اَلْقُرُوْنَ الْخَالِیَۃ گذشتہ صدیاں۔ اور جب خَلَا کے بعد بَاء آتا ہے تو اس کے معنے اکیلا ہونے کے ہوتے ہیں جیسا کہ خَلَوْتُ بِہٖ (میں اس کے ساتھ اکیلا ہوا)۔

شَیْطٰن کے لفظ میں اختلاف ہے کہ یہ شَطَنَ سے، یا شَیَطَ سے، پس اگر اوّل سے ہے تو اس کے معنے ہوئے بہت دُور ہونے والا کیونکہ شَطَنَ بمعنے بَعُدَ (دُور ہوا) کے آیا ہے اور اگر دوم سے ہے تب اس کے معنے ہوئے بہت ہلاک ہونے والا اور بہت بطلان والا۔ کیونکہ شَیَطَ ہلاکت اور بطلان کو کہتے ہیں اور ہر ایک سرکش چیز کو شیطان کہتے ہیں اور یہاں پر جو شَیٰطِیْنِھِمْ آیا ہے اس سے مُراد ان کے سردار اور بڑے ہیں۔ حضرت ابنِ عباسؓ اور ابنِ مسعودؓ اور بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا ہے کہ اس سے مُراد وہ لوگ ہیں جو کہ کُفر میں ان کے سردار تھے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے کہ وہ کہیں گے کہ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَکُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِیْلَا (الاحزاب: ۶۸) (بے شک ہم نے اپنے سرداروں اور بزرگوں کی اطاعت کی تو انہوں نے ہم کو اس راستہ سے بہکا دیا) اور اِنَّمَا اس خبر کے لئے آتا ہے جس سے مخاطب جاہل نہ ہو اور نہ اس کی صحت سے انکار کرتا ہو۔ دلائل الاعجاز میں عبدالقاھر جرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے اِسْتَھْزَاء حقیر کرنے اور جاننے اور اہانت کو کہتے ہیں اور یہ لفظ ھزء سے بنایا ہوا ہے اور ھزء کہتے ہیں ہلکا پن اور ہلنے ہلانے کو۔ ناقۃ تھزأ (اونٹنی تیز اور ہلکی چلتی ہے)

(رسالہ "تعلیم الاسلام" قادیان ماہ فروری ۱۹۰۷ء)

وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْآ اٰمَنَّا (سورۃ البقرہ) یہ آیتیں سورہ بقرہ کے دوسرے رکوع کی ہیں۔ الحمد شریف میں خدا تعالیٰ نے تین راہیں بتائی ہیں ایک اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کی راہ۔ دوسرے مَغْضُوْب۔ تیسرے اَلضَّآلِّیْن کی راہ۔

اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کے معنے خود قرآن شریف نے بتائے ہیں کہ وہ انبیاء، اصدقاء، شہداء اور صالحین کی جماعت ہے۔

انبیاء وہ رفیع الدرجات اِنسان ہوتے ہیں جو خدا سے خبریں پاتے ہیں اور مخلوق کو پہنچاتے ہیں۔ پھر وہ راستباز ہیں جو انبیاء کی تصدیق کرتے ہیں اور پھر وہ لوگ ہیں جن کے لئے وہ باتیں گویا مشاہدہ میں آئی ہوئی ہیں اور پھر عام صالحین۔

اِس گروہ کی تفسیر خدا تعالیٰ نے آپ ہی سُورہ بقرہ کے شروع میں بیان کر دی کہ ہدایت کی راہ کیا ہے وہ یہ کہ اللہ پر ایمان لاوے، جزا وسزا پر ایمان لاوے۔ اور پھر اللہ ہی کی نیازمندی کے لئے تعظیم لِامر اللہ کے واسطے نمازوں کو درست رکھنا اور شفقت علیٰ خلق اللہ کے واسطے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کریں۔

پھر اِس بات پر ایمان لاویں کہ ہمیشہ خدا تعالیٰ سے تسلّی اور تعلیم پا کر دُنیا کی اصلاح کے لئے معلّم اور مزکّی آتے ہیں۔ یاد رکھو صرف عِلم تسلی بخش نہیں ہو سکتا جب تک معلّم نہ ہو۔ بائبل میں نصیحتوں کا انبار موجود ہے اور عیسائی بھی بغل میں کتاب لئے پھرتے ہیں پھر اگر ایمان صرف کتابوں سے مِل جاتا تو کیا کمی تھی مگر نہیں ایسا نہیں۔ خدا تعالیٰ ایسے لوگوں کو بھیجتا ہے جو يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ (الجمعۃ : ۳) کے مصداق ہوتے ہیں۔

ان مزکّی اور مطہّر لوگوں کی توجّہ، انفاس اور رُوح میں ایک برکت اور جذب ہوتا ہے جو ان کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے انسان کے اندر تزکیہ کا کام شروع کرتا ہے۔ یاد رکھو اِنسان خدا کے حضور نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ کوئی اُس پر خدا کی آیتیں تلاوت کرنے والا اور پھر مزکّی کرنے والا اور پھر عِلم اور عمل کی قوّت دینے والا نہ ہو۔ تلاوت تب مفید ہو سکتی ہے کہ علم ہو اور عِلم تب مفید ہو سکتا ہے جب عمل ہو اور عمل تزکیہ سے پیدا ہوتا ہے اور علم معلّم سے ملتا ہے۔

بہر حال مومنوں کا ذکر ہے کہ ان کو ایمان بالغیب کی، حشر و نشر، صراط جنّت و نار سب داخل ہیں۔ یہ اس کا عقیدہ اوّل درست ہو جائے تو پھر نماز سے امرِ الٰہی کی تعظیم پیدا ہوتی ہے اور خدا کے دئے ہوئے میں سے خرچ کرنے سے شفقت علیٰ خلق اللہ۔ پھر برہموؤں کی طرح نہ ہو جاوے جو الہام کی ضرورت محسوس نہیں کرتے بلکہ وہ اِس بات پر ایمان لائے کہ خدا تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا کلام اُتارا اور آپؐ سے پہلے بھی اور آپؐ کے بعد بھی مکالماتِ الٰہیّہ کا سلسلہ بند نہیں ہوا۔ یہ تو منعم علیہ گروہ کا ذکر ہے۔

اِس کے بعد وہ لوگ مغضوب ہیں جو خدا تعالیٰ کے ماموروں کے وجود اور عدم وجود کو برابر سمجھ لیتے ہیں اور اُن کے انذار اور عدم انذار کو مساوی جان لیتے ہیں اور پرواہ نہیں کرتے اور

اپنے ہی علم و دانش پر خوش ہو جاتے ہیں وہ خدا کے غضب کے نیچے آجاتے ہیں یہی حال یہود کا ہؤا۔

پھر تیسرا گروہ گمراہوں کا ہے جن کا ذکر اِن آیات میں ہے جو مَیں نے پڑھی ہیں۔ ان کے کاموں میں دجل اور فریب ہوتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو کلامِ الٰہی کا خادم کہتے ہیں مگر مَا ھُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ بڑی بڑی تجارتیں کرتے ہیں مگر ہدایت کے بدلے تباہی خریدتے ہیں اور کوئی عمدہ فائدہ ان کی تجارت سے نہ ہؤا۔

میرے دِل میں بارہا یہ خیال آیا ہے کہ ایک تنکے پر بھی شئے کا اطلاق ہوتا ہے اور وہی شئے کا لفظ وسیع ہو کر خدا پر بھی بولا جاتا ہے۔

یاد رکھو نفاق دُو قسم کا ہوتا ہے ایک وہ کہ دِل میں کوئی صداقت نہیں ہوتی۔ وہ اعتقادی منافق ہوتا ہے۔ اس کا اعلیٰ سے اعلیٰ نمونہ عیسائیوں کا مذہب ہے۔ انجیل کی حالت کو دیکھو کہ اس کی اشاعت پر کس قدر سعئ بلیغ کی جاتی ہے مگر یہ پُوچھو کہ اِس کتاب کے جملہ جملہ پر اعتقاد ہے؟ تو حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ اِسی طرح پر مَیں دیکھتا ہوں کہ خدا کا خوف اُٹھ گیا ہے۔ وہ دعویٰ اور معاہدہ کہ دین کو دُنیا پر مقدم رکھوں گا قابلِ غور ہو گیا ہے۔ اب اپنے حرکات و سکنات، رفتار و گفتار پر نظر کرو کہ اِس عہد کی رعایت کہاں تک کی جاتی ہے۔ پس ہر وقت اپنا محاسبہ کرتے رہو ایسا نہ ہو کہ مَا ھُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ کے نیچے آجاؤ۔ منافق کی خدا نے ایک عجیب مثال بیان کی ہے کہ ایک شخص نے آگ جلائی مگر وہ روشنی جو آگ سے حاصل کرنی چاہیئے تھی وہ جاتی رہی اور ظلمت رہ گئی۔ رات کو جنگل کے رہنے والے درندوں سے بچنے کے واسطے آگ جلایا کرتے ہیں لیکن جب وہ آگ بجھ گئی تو پھر کئی قسم کے خطرات کا اندیشہ ہے۔ اِسی طرح پر منافق اپنے نفاق میں ترقی کرتے کرتے یہانتک پہنچ جاتا ہے اور اس کا دل ایسا ہو جاتا ہے کہ وہ حق کا گویا شنوا اور حق کا بینا نہیں رہتا۔ ایک شخص اگر راہ میں جاتا ہو اور سامنے ہلاکت کا کوئی سامان ہو وہ دیکھ کر بچ سکتا یا کِسی کے کہنے سے بچ سکتا یا خود کسی کو مدد کے لئے بُلا کر بچ سکتا ہے مگر جس کی زبان، آنکھ، کان کچھ نہ ہو اس کا بچنا محال ہے۔ یاجوج ماجوج بھی آگ سے بڑے بڑے کام لے رہے ہیں مگر انجام وہی نظر آتا ہے۔ مومن کا کام ہے کہ جب دعویٰ کرے تو کر کے دکھاوے کہ عملی قوت کِس قدر رکھتا ہے۔ عمل کے بدُوں دُنیا کا فاتح ہونا محال ہے۔

یاد رکھو ہر ایک عظیم الشان بات آسمان سے ہی آتی ہے۔ یہ امر خدا کی سُنّت اور خدا کے

قانون میں داخل ہے کہ امساکِ باراں کے بعد مینہ برستا ہے۔سخت تاریکی کے بعد روشنی آتی ہے فیج اعوج اور سخت کمزوریوں کے بعد ایک روشنی ضروری ہے وہ شیطانی منصوبوں سے نہیں مل سکتی بھتوں کے لئے اس میں ظلمت اور دُکھ ہو اور ایک نمک کا تاجر جو اس میں جا رہا ہے اسے پسند نہ کرے۔

بہت سے لوگ روشنی سے فائدہ اُٹھا لیتے ہیں اور اکثر ہوتے ہیں جو اپنے کانوں میں اُنگلیاں دے لیتے ہیں مگر اَحمقوں کو اتنی خبر نہیں ہوتی کہ خدائی طاقت اپنا کام کر چکی ہوتی ہے۔غرض یہ ہے کہ علم حاصل کرو اور پھر عمل کرو۔علم کے لئے معلّم کی ضرورت ہے۔یہ دعویٰ کرنا کہ ہمارے پاس علم القرآن ہے صحیح نہیں ہے۔ایک نوجوان نے ایسا دعویٰ کیا۔ایک آیت کے معنے اُس سے پُوچھے تو آب تک نہیں بتا سکا۔ہمارے ہادیٔ کامل نبی کریمؐ کو تو یہ تعلیم ہوتی ہے قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (طٰہٰ : ۱۱۹) تم بھی دعا کرو۔

یاد رکھو کہ اگر اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ میں سے ہو تو اَور ترقّی کرو اور کسی وجود کی جو خدا کی طرف سے آیا ہے وجود اور عدم وجود کو برابر نہ سمجھو۔ظاہر و باطن مختلف نہ ہو۔دُنیا کو دین پر مقدم نہ کرو۔بعض اَوقات دُنیاداروں کو دَولت عزّت اَندھا کر دیتی ہے۔خدا کی برسات لگ گئی ہے وہ اَب سچے پَودوں کو نشو و نما دے گی۔خدا کی اِن ساری باتوں پر ایمان لا کر سچے معاہدہ کو یاد رکھو ایسا نہ ہو کہ وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ہی کے مصداق رہ جاؤ۔اِس کا اصل علاج استغفار ہے اور استغفار انسان کو ٹھوکروں سے بچانے والا ہے۔ (الحکم ۲۴ر نومبر ۱۹۰۱ء)

جس قدر انسانی فطرت اور اس کی کمزوریوں پر نظر کرو گے تو ایک بات فطرتی طور پر انسان کا اصل منشاء اور مقصد معلوم ہو گی وہ ہے حصولِ سُکھ۔اس کے لئے وہ ہر قسم کی کوششیں کرتا اور ٹکریں مارتا ہے لیکن مَیں تمہیں اِس فطرتی خواہش کے پُورا کرنے کا ایک آسان اور مجرب نسخہ بتاتا ہوں کوئی ہو جو چاہے اِس کو آزما کر دیکھ لے مَیں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ اِس میں ہرگز ہرگز کوئی خطا اور کمزوری نہ ہو گی اور مَیں یہ بھی دعویٰ سے کہتا ہوں کہ جس قدر کوششیں تم ناجائز طور پر سُکھ کے حاصل کرنے کے لئے کرتے ہو اس سے آدھی ہی اِس کے لئے کرو تو کامل طور پر سُکھ مل سکتا ہے وہ نسخۂ راحت یہ کتابِ مجید ہے اور مَیں اِسی لئے اِس کو بہت عزیز رکھتا ہوں اور اِس وجہ سے کہ کامل مومن اس وقت تک انسان نہیں ہوتا جب تک اپنے بھائی کے لئے بھی وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے کرتا ہے مَیں اِس کتاب کا سُنانا بہت پسند کرتا ہوں۔اِس کتابِ مجید کی یہ پہلی سورہ شریف

ہے اور اس میں الحمد شریف کی گویا تفسیر ہے بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ الحمد شریف کی تفسیر میں سے پہلی سورت ہے۔ الحمد شریف کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماءِ ظاہری اللہ، رب العٰلمین، الرحمٰن الرحیم مٰلک یوم الدین سے شروع فرمایا تھا اور اس سورہ شریفہ کو اسماءِ باطنی سے شروع فرمایا یعنی الٓمٓ جس کے معنی ہیں اَنَا اللّٰہُ اَعْلَمُ۔ پھر الحمد شریف میں اللہ تعالیٰ نے ایک کامل دعا تعلیم فرمائی تھی اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ یعنی ہم کو اقرب راہ کی جو تیرے حضور پہنچنے کی ہے راہنمائی فرما۔ وہ راہ جو اُن لوگوں کی راہ ہے جن پر تیرا انعام ہوا یعنی نبیوں صدیقوں اور شہیدوں اور صالحوں کی راہ۔

سورۃ فاتحہ میں یہ دعا تعلیم ہوئی ہے لیکن اس سورہ بقرہ میں اس دعا کی قبولیت کو دکھایا ہے اور اسی کا ذکر فرمایا جبکہ ارشادِ الٰہی پورا ہوا ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ یہ وہ ہدایت نامہ ہے یعنی متقی اور بامراد گروہ کا ہدایت نامہ۔ ہاں اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ گروہ کی راہ یہی ہے۔ پھر منعم علیہ گروہ کے اعمال و افعال کا ذکر کیا اور ان کے ثمرات میں اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ فرمایا۔ ان کے افعال و اعمال میں بتایا کہ وہ الغیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور اللہ کے دیئے ہوئے میں سے خرچ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی وحی اور کلام اور سلسلہ رسالت پر ایمان لاتے ہیں، جزا و سزا پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ منعم علیہ گروہ کی راہ ہے۔

اب ہر ایک شخص کا جو قرآن شریف پڑھتا ہے یا سنتا ہے یہ فرض ہے کہ وہ اس رکوع کے آگے نہ چلے جب تک اپنے دل میں یہ فیصلہ نہ کرے کہ مجھ میں یہ صفات یہ کمالات ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو وہ مبارک ہے اور اگر نہیں تو اسے فکر کرنی چاہیئے اور اللہ تعالیٰ سے رو رو کر دعائیں مانگنی چاہئیں کہ وہ ایمانِ صحیح عطا فرما وے۔ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ دراصل عقائدِ صحیحہ کو مشتمل ہے اور یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مسئلہ رسالت اور الہام و وحی کے متعلق ہے اور بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ جزا و سزا کے متعلق ہے۔ پھر ان اعمال و افعال کے ثمرات میں اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ بتایا ہے۔

اگر انسان حقیقی کامیابی حاصل کرتا ہے اور بامراد ہو رہا ہے تو اسے خوش ہونا چاہیئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے منعم علیہ گروہ کے زمرہ میں شامل ہے لیکن اگر نہیں تو پھر فکر کا مقام اور خوف کی جا ہے۔

پس قرآن کریم کی تلاوت کی اصل غرض یہی ہے کہ انسان اس پر عمل کرے۔ منعم علیہ گروہ کے

ذکر کے بعد پھر بتایا کہ مَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ کون لوگ ہیں ان کے کیا نشانات ہیں اور ان کا انجام کیا ہوتا ہے۔ ان کے عام نشانات میں سے بتایا کہ یہ وہ گروہ ہے جو تیرے اِنذار اور عدمِ اِنذار کو برابر سمجھتا ہے اور چونکہ وہ وجود و عدمِ وجود کو برابر سمجھتے ہیں اِس لئے باوجود دیکھنے کے وہ نہیں دیکھتے اور باوجود سُننے کے نہیں سُن سکتے۔ دِل رکھتے ہیں پر نہیں سمجھ سکتے ایسے لوگوں کا انجام کیا ہوتا ہے عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔

ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ: بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ جو شخص آنکھ رکھتا ہے وہ کیوں نہیں دیکھتا، کان رکھتا ہے کیوں نہیں سُنتا۔ انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ نتیجہ ہے ایسے لوگوں کے ایک فعل کا۔ وہ فعل کیا ہے؟ انذار اور عدم انذار کو مساوی سمجھنا۔ اِس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص انگریزی زبان کے پڑھنے یا نہ پڑھنے کو برابر سمجھے تو وہ اس کو کب سیکھ سکتا ہے اس صورت میں وہ اس زبان کی اگر کسی کتاب کو دیکھے تو بتاؤ اس دیکھنے سے اسے کیا فائدہ؟ اگر کسی دوسرے کو پڑھتے ہوئے سُنے تو اس سُننے سے کیا حاصل۔ دیکھو وہ دیکھتا ہے اور پھر نہیں دیکھتا۔ سُنتا ہے اور پھر نہیں سُنتا۔ اِسی طرح پر جو لوگ اللہ تعالیٰ کے مامور و مُرسل کے انذار اور عدم انذار کو برابر سمجھتے ہیں تو وہ اس سے فائدہ کیونکر اُٹھا سکتے ہیں؟ کبھی نہیں۔ جب ایک چیز کی انسان ضرورت سمجھتا ہے تو اس کے لئے سعی اور مجاہدہ کرتا ہے اور پھر اس مجاہدہ پر ثمرات مترتب ہوتے ہیں لیکن اگر وہ ضرورت ہی نہیں سمجھتا تو اس کے قویٰ مجاہدہ کے لئے تحریک ہی پیدا نہیں ہوگی۔ یہ بہت ہی خطرناک مرض ہے جو انسان رسولوں اور اللہ تعالیٰ کے ماموروں اور اُس کی کتابوں کے وجود اور عدمِ وجود کو برابر سمجھ لے۔ اِس مرض کا انجام اچھا نہیں بلکہ یہ آخرکار تکذیب اور کُفر تک پہنچا کر عذابِ الیم کا موجب بنا دیتا ہے۔ پس تلاوت کرنے والے کو پھر اس مقام پر سوچنا چاہیئے کہ کیا خدا کے رسول و مامور کے اِنذار اور عدمِ اِنذار کے مساوات کی یہی صورت نہیں ہوتی جو آدمی زبان سے کہہ دے بلکہ اگر رسول کے فرمودہ کے موافق عمل نہ کرے تو یہی ایک قسم کی اِنذار اور عدمِ اِنذار کی مساوات ہے۔

(الحکم ۳۰ /اپریل/ ۱۰ / مئی ۱۹۰۴ء)

پھر الضّالّ کی تفسیر بیان فرمائی کہ یہ لوگ کون ہوتے ہیں۔ سورۃ فاتحہ میں جو دعا تعلیم کی تھی اس میں ضالّین کی راہ سے بچنے کی دعا تھی اور یہاں اُن لوگوں کے حالات بتلائے کہ وہ کون ہوتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کا ظاہر کچھ اور باطن کچھ اَور ہوتا ہے۔ اِسی لئے فرمایا اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْھُدٰی فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُھُمْ وَمَا کَانُوْا مُھْتَدِیْنَ یعنی یہی وہ لوگ

ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی کو مول لے لیا ہے پس ان کی تجارت ان کے لئے سُود مند تو نہ ہوگی اور وہ کب بامراد ہوسکتے تھے۔

ان لوگوں کی پہلی نشانی یہ ہوتی ہے کہ وہ زبان سے تو ایمان باللہ اور یوم الآخر کی لاف و گزاف مارتے ہیں مگر خدا تعالیٰ کا فیصلہ ان کے حق میں یہ ہے مَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ اِس سے ایک حقیقت کا پتہ لگتا ہے کہ انسان اپنے مُنہ سے اپنے لئے خواہ کوئی نام تجویز کرلے اس نام کی کوئی حقیقت پیدا نہیں ہوسکتی جب تک آسمان پر کوئی مبارک نام نہ ہو اور یہ امر اس وقت پیدا ہوتا ہے جبکہ انسان اپنے ایمان کے موافق اعمال بنانے کی کوشش کرے۔ ایمان جب تک اعمال کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا کوئی سُود مند نہیں ٹھہر سکتا۔ اور اگر بڑا ایمان رکھ کر انسان اعمال اس کے موافق بنانے کی کوشش نہ کرے تو اس سے مرضِ نفاق پیدا ہوتا ہے جس کا اثر یہاں تک ہوجاتا ہے کہ نہ قوتِ فیصلہ باقی رہتی ہے اور نہ تابِ مقابلہ۔ ان لوگوں کے دوسرے آثار اور علامات میں سے بیان کیا کہ وہ مُفسد علی الأرض ہوتے ہیں اور جب ان کو کہا جاتا ہے کہ تم فساد نہ کرو تو وہ اپنے آپ کو مصلح بتاتے ہیں حالانکہ وہ بڑے بھاری مُفسد ہوتے ہیں۔

اِس طرح پر الضالّ کی ایک تفسیر ختم کردینے کے بعد پھر اِس سُورت میں فرمانبرداری کی راہوں کا ذکر کیا اور بتایا ہے کہ فرمانبرداری اختیار کرنا انسان کی اصل غرض اور مقصد ہے اور یہ بتایا ہے کہ حقیقی راحت اور سُکھ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں ہے اور فرمانبرداری کے راہوں کے بیان کرنے میں قرآن کریم کا ذکر فرمایا جس سے یہ مراد اور منشا ہے کہ قرآن شریف کو اپنا دستورالعمل بناؤ اور اس کی ہدایتوں پر عمل کرو۔ پھر اس بات کی دلیل پیش کی ہے کہ قرآن شریف خدا تعالیٰ کا کلام ہے اور ایک زبردست تحدّی کی ہے کہ اگر کسی کو اس کے مُنزل من اللہ ہونے میں شک ہو تو وہ اس کی نظیر لاوے۔ پھر مُنعم علیہم قوم میں سے آدم علیہ السّلام ابوالبشر کا ذکر کیا اور بتایا کہ راستبازوں کے ساتھ شریروں اور فساد کرنے والوں کی ہمیشہ سے جنگ ہوتی چلی آئی ہے اور آخر خدا کے برگزیدہ کامیاب ہوجاتے ہیں پھر مغضوب اور الضالّ کا ذکر کیا ہے بالآخر ابوالملّۃ سیّدنا ابراہیم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا ذکر فرمایا اور اس کی فرمانبرداری کو بطور نمونہ پیش کیا کہ اس کی راہ اختیار کرکے انسان برگزیدہ ہوسکتا ہے اور خدا تعالیٰ کے فیوض و برکات کو حاصل کرلیتا ہے۔ پھر نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی تاکید اور اِسی سورہ شریف میں عبادت کے طریق سکھائے ہیں پھر آخر میں یہ دعا سکھائی ہے:

اور عدم انذار کو مساوی سمجھنا۔ اِس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص انگریزی زبان کے پڑھنے یا نہ
پڑھنے کو برابر سمجھے تو وہ اس کو کب سیکھ سکتا ہے اس صورت میں وہ اس زبان کی اگر کسی کتاب کو
دیکھے تو بتاؤ اس دیکھنے سے اسے کیا فائدہ؟ اگر کسی دوسرے کو پڑھتے ہوئے سُنے تو اس سُننے
سے کیا حاصل۔ دیکھو وہ دیکھتا ہے اور پھر نہیں دیکھتا۔ سُنتا ہے اور پھر نہیں سُنتا۔ اِسی طرح پر جو
لوگ اللہ تعالیٰ کے مامور و مُرسل کے انذار اور عدم انذار کو برابر سمجھتے ہیں تو وہ اس سے فائدہ کیونکر

وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ

یہ نہایت مختصر سا خلاصہ ہے سورہ فاتحہ کا جو اِس سورہ بقرہ میں موجود ہے۔ اِس کی تفصیل
اور تفسیر کے لئے تو بہت وقت چاہیئے مگر مَیں نہایت مختصر طریق پر صرف پہلے ہی رکوع پر کچھ
سُناؤں گا چنانچہ ابتداء میں مولیٰ کریم فرماتا ہے الٓمّٓ۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ
مَیں اللہ بہت جاننے والا ہوں اس کی جانب سے یہ ہدایت نامہ ملتا ہے جس پر عمل کر انسان روحانی
راحتیں حاصل کر سکتا ہے۔ مَیں نے پہلے کہا ہے کہ قرآن شریف کا نام اللہ تعالیٰ نے شفا رکھا ہے
اور اس کے ماننے والوں کا نام متقی رکھا ہے اور پھر فرمایا ہے وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ
(المنٰفقون: ۹) یعنی جو لوگ ماننے والے ہوتے ہیں وہ معزز ہوتے ہیں۔ ماننے والے سے
مراد یہ ہے جو اس پر عمل درآمد کرتے ہیں۔ یہ خیالی اور فرضی بات نہیں ہے تاریخ اور واقعات صحیحہ
اِس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ جس قوم نے قرآن کو اپنا دستور العمل بنایا وہ دُنیا میں معزز و مقتدر
بنائی گئی۔ کون ہے جو اِس بات سے ناواقف ہے کہ عربوں کی قوم تاریخ دُنیا میں اپنا کوئی مقام و
مرتبہ رکھتی تھی وہ بالکل دُنیا سے الگ تھلگ قوم تھی لیکن جب وہ قرآن کی حکومت کے نیچے آئی
وہ کُل دُنیا کی فاتح کہلائی۔ علوم کے دروازے ان پر کھولے گئے۔ پھر ایسی زبردست شہادت کے
ہوتے ہوئے اس صداقت سے انکار کرنا سراسر غلطی ہے۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ آجکل مسلمانوں کے
تنزل و ادبار کے اسباب پر بڑی بحثیں ہوتی ہیں اور وہ لوگ جو قوم کے ریفارمر یا لیڈر کہلاتے ہیں
اِس مضمون پر بڑی طبع آزمائیاں کرتے ہیں لیکچر دیتے ہیں آرٹیکل لکھتے ہیں مگر مجھے افسوس ہے کہ
وہ اس نکتہ سے دُور ہیں ان کے نزدیک مسلمانوں کے ادبار کا باعث یورپ کے علوم کا حاصل نہ کرنا
ہے اور ترقی کا ذریعہ انہیں علوم کا حاصل کرنا ہو سکتا ہے حالانکہ قرآن شریف یہ کہتا ہے کہ قرآن
پر ایمان لانے والے اور عمل درآمد کرنے والے معزز ہو سکتے ہیں بلکہ میرا تو یہ ایمان ہے کہ جب
انسان کامل طور پر قرآن کی حکومت کے نیچے آجاتا ہے تو وہ حکومت اس کو خود حکمران بنا دیتی ہے
اور دوسروں پر حکومت کرنے کی قابلیت عطا کرتی ہے جیسا کہ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ سے پایا
جاتا ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَیں اللہ جو بہت جاننے والا ہوں یہ ہدایت دیتا ہوں جس
[illegible]

ہیں اور دوسرے مقام پر علومِ قرآنی کی تحصیل کی راہ بھی تقویٰ ہی قرار دیا ہے جیسے فرمایا وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ یُعَلِّمُکُمُ اللّٰہُ یعنی تقویٰ اختیار کرو اللہ تعالیٰ تمہارا معلّم ہو جائے گا۔

تقویٰ کے پاک نتائج بڑے عظیم الشان ہوتے ہیں ان میں سے ایک تو وہ ہے جو میں نے ابھی بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ اس کا معلّم ہو جاتا ہے اور قرآنی علوم اس پر کھلنے لگتے ہیں پھر تقویٰ ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی معیّت حاصل ہوتی ہے جیسے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ (النحل: ۱۲۹) بے شک اللہ اُن لوگوں کے ساتھ ضرور ہوتا ہے جو متقی ہوتے ہیں اور ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو محسنین ہوتے ہیں۔ احسان کی تعریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی ہے کہ وہ خدا کو دیکھتا ہو اگر یہ نہ ہو تو کم از کم یہ کہ وہ اس پر ایمان رکھتا ہو کہ اللہ اُس کو دیکھتا ہے۔ پھر یہ بھی تقویٰ ہی کے نتائج اور ثمرات میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر تنگی سے متقی کو نجات دیتا ہے اور اس کو مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ (الطلاق: ۴) رزق دیتا ہے متقی اللہ کا محبوب ہوتا ہے یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ۔ غرض تقویٰ پر ساری بناء ہے۔ پھر فرمایا کہ متقی کون ہوتے ہیں؟ اس کی پہلی نشانی یہ ہے یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وہ الغیب پر ایمان لاتے ہیں خلوت اور جلوت میں برابر مومن رہتے ہیں۔ ایک شخص کا مسجد میں اپنے ہم عصروں اور ملنے والوں کے سامنے ایماندار رہنا سہل ہے لیکن خلوت میں جہاں اسے کوئی نہیں دیکھتا بجز اللہ تعالیٰ کے اس کا مومن رہنا ایک امر اہم ہے لیکن متقی خلوت اور جلوت میں برابر مومن رہتے ہیں۔ اسی بناء پر کسی نے کہا ہے

مشکلے دارم ز دانشمند مجلس باز پُرس   توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر میکنند

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر میکنند   چوں بخلوت می روند آں کارِ دیگر میکنند

پھر ایمان بالغیب میں بہت سی باتیں ہیں جن کو ماننا چاہیئے۔ اصل میں ثواب کے حاصل کرنے کے لئے ایمان بالغیب ضروری شئے ہے۔ اگر کوئی شخص مثلاً آفتاب و ماہتاب پر ایمان لاوے تو تم ہی بتاؤ کہ یہ ایمان اس کو کس ثواب کا مستحق اور وارث بنائے گا؟ کسی کا بھی نہیں لیکن جن چیزوں کو اُس نے دیکھا نہیں ہے صرف قرائن قویّہ کی بناء پر ان کو مان لینا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں آئی ہیں ایمان بالغیب ہے جو سُود مند اور مفید ہے۔

پھر فرمایا کہ جب انسان ایمان لاتا ہے تو اس کا اثر اس کے جوارح پر بھی پڑنا چاہیئے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان کے لئے تعظیم لامر اللہ کا لحاظ ہو اِس لئے فرمایا وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ یہ متقی وہ لوگ ہوتے ہیں جو نماز کو قائم کرتے ہیں کیونکہ نماز اللہ کے حضور حاضر ہونے کا موقع ہے مومن

کو چاہیئے کہ نماز کو اسی طرح پر یقین کرے۔ ابتداء نماز سے جب اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہے اور کانوں
پر ہاتھ رکھتا ہے تو گویا دُنیا اور اس کی شیختوں سے الگ ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ سے ہی سروکار
رکھتا ہے پھر اپنے مطالب و مقاصد بیان کرے۔ نماز میں قیام، رکوع، سجدہ اور سجدہ سے اُٹھ کر
پھر دوسرے سجدہ میں اپنے مطالب بیان کر سکتا ہے پھر التحیات میں صلوٰۃ اور دُرود کے بعد دعا
مانگ سکتا ہے۔ گویا یہ سات موقعے دعا کے نماز میں رکھے ہیں۔ (الحکم ۱۷ رمئی ۱۹۰۴ء)

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ

اِستھزاء کا بدلہ دے گا یا حقیر کرے گا ان کو اور یَمُدُّ کے معنے یہاں پر زیادہ کرنے کے
ہیں نہ عمر میں لمبائی کرنے کے، کیونکہ اس کے بعد لام آیا کرتا ہے جو کہ یہاں پر نہیں ہے۔ پس
یَمُدُّهُمْ کے معنے ہوئے "زیادہ کرتا ہے ان کو" جیسا کہ مَدَّ الْجَيْشَ اور اَمَدَّ الْجَيْشَ کے
معنے ہیں لشکر کو زیادہ کیا اور قوی کیا۔ طُغْيَان کے معنے سرکشی کے ہیں اور حضرت ابنِ عباسؓ اور
بہت سے صحابہؓ سے مروی ہے کہ طُغْيَان سے مُراد کفر ہے اور معنے یہ ہوئے "اور ان کو
زیادہ کرتا یا مُہلت دیتا ہے کُفر میں" يَعْمَهُوْنَ عَمَهٌ سے ہے اور عَمَهٌ کہتے ہیں تردّد
کو۔ يَعْمَهُوْنَ حیران اور متردّد ہیں۔ (رسالہ "تعلیم الاسلام" قادیان ماہِ فروری ۱۹۰۷ء)

ذَكَرَ حُجَّةُ الْإِسْلَامِ الْغَزَالِيُّ اَنَّ الْاِسْتِهْزَاءَ۔ اَلْاِسْتِحْقَارُ وَالْاِسْتِهَانَةُ وَالتَّنْبِيْهُ
عَلَى الْعُيُوْبِ وَالنَّقَائِصِ عَلٰى وَجْهٍ يُضْحَكُ مِنْهُ (رُوح المعانی) تحقیر کو استہزاء کہتے ہیں۔

۲۔ الھزأۃ اصلہ الْخِفَّةُ وَهُوَ الْقَتْلُ السَّرِيْعُ هَزَأَ يَهْزَأُ: مَاتَ فَجَاءَةً
وَتَهْزَأُ بِهٖ نَاقَةٌ: اَىْ تَسْرَعُ بِهٖ وَتَخِفُّ۔ فتح، ہلکا سمجھنے، جلدی قتل کرنے، اچانک مرنے
کو ھزو کہتے ہیں۔

پس اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ (البقرۃ : ۱۶) کے معنے ہوئے اللہ تحقیر کرے گا، اہانت کریگا
اور ان کے عیوب و نقائص سے خلقت کو ایسی آگہی دے گا کہ ان کی ہنسی ہو اور اللہ تعالیٰ ان کو
خفیف کرے گا۔ جلدی ہلاک کر دے گا۔

یہ بیان ہے منافقوں کے حالات کا جن کا ظاہر کچھ اور باطن کچھ ہوتا ہے۔ دِل میں کپٹ
ہوتی ہے اور ظاہر میں ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔ مومنوں کی تحقیر و اہانت اور تخفیف کرتے ہیں۔
آخر اللہ تعالیٰ ان کی تحقیر، اہانت اور تخفیر کرتا ہے اور کرتا رہے گا اور ہلاک کر دے گا۔ اور
ان کے عیوب و نقائص کی اطلاع دیتا ہے اور دیتا رہے گا اِس لئے کہ دُنیا میں ان کی ہنسی ہو

یہ بڑی بھاری پیشگوئی ہے اور وہ روزِ روشن کی طرح پوری ہوئی کہ تمام وہ لوگ جو اسلام پر ہنسی اُڑاتے اور اس کی تحقیر کرتے تھے خدا تعالیٰ نے انہیں ضعیف حقیر کر دیا۔ صداقتوں اور واقعاتِ حقّہ پر اعتراض کرنا سخت ناپاکی اور جہالت نہیں تو اور کیا ہے۔

(نور الدین صفحہ ۳۱، ۳۲)

اَلسُّفَہَاءُ۔ سفاہت نام ہے اِضطراب کا۔ پتلے کپڑے کو بھی سفیہ کہتے ہیں۔

فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ۔ منافقین بڑے تاجر ہوں گے مگر دینی ہدایت نہ لیں گے نہ دینی نفع اُٹھائیں گے۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۶ ۹ صفحہ ۴۳۶)

اِس زمانہ کا حال دیکھ کر تعجب آتا ہے کیونکہ اس میں منافق طبع بہت ہیں۔ زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں کیونکہ ان کے عقائد سے ان کے اعمال کی مطابقت نہیں۔ عیسائیوں نے سوال کیا ہے کہ نجات کس طرح ہوتی ہے اور مَیں نے جواب دیا ہے کہ نجات فضل سے ہے اور اس خدا کے فضل کو ایمان کھینچتا ہے۔ اِس واسطے یہ بھی صحیح ہے کہ نجات ایمان سے ہے۔ پھر کہتے ہیں عمل کوئی چیز نہیں حالانکہ کون دُنیا میں ایسا ہے کہ آگ کو آگ مان کر پھر اس میں ہاتھ ڈالے۔ پانی کو پیاس بجھانے والا جان کر پھر پیاس لگنے پر اس سے پیاس نہ بجھائے۔ ہم تو یہی دیکھتے ہیں کہ جب ایمان ہے پانی پیاس بجھاتا ہے تو پیاس لگنے کے وقت اس پانی سے پیاس ضرور بجھائی جاتی ہے۔ پس کیا وجہ ہے کہ یہ ایمان ہو قرآن مجید خدا تعالیٰ کی کتاب ہے اور اعمال کی جزا و سزا ضروری ہے اور پھر اس پر عمل درآمد نہ ہو۔ بہت سے لوگ ہیں جو اپنے اُوپر خدا کے بہت سے فضلوں کا اقرار کرتے ہیں اور اپنے مقابل دوسروں کا ایمان حقیر سمجھتے ہیں مگر عمل میں کچے ہیں۔ مونہہ میں بہت باتیں بناتے ہیں مگر عمل درآمد خاک بھی نہیں۔

ایسے لوگوں کو نصیحت کی جائے تو کہتے ہیں ہم تو مانتے ہیں مگر اپنے شیاطین اپنے سرغنوں کے پاس جا کر کہتے ہیں کہ ہم تو ان مسلمانوں کو بناتے ہیں ان کو حقیر سمجھتے ہیں۔ اِستہزاء ھزء سے نکلا ہے۔ ہلکی چیز کو چونکہ آسانی سے ہلایا جا سکتا ہے اِس لئے اِستہزاء تحقیر کو کہتے ہیں۔

اللہ ان کو ہلاک کرے گا کسی کو جلد کسی کو دیر سے۔ اللہ تو توبہ کے لئے ڈھیل دیتا ہے مگر اکثر لوگ خدا کی حدبندیوں کی پرواہ نہیں کرتے۔ حدبندی سے جوشِ نفس کے وقت یُوں نکل جاتے ہیں جیسے دریا کا پانی جوش میں آ کر کناروں سے باہر نکل جائے۔ ایسے لوگ ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی لیتے ہیں۔ یہ ہدایت جس میں ہدایت چھوڑی اور گمراہی اختیار کی ان کے لئے نافع نہیں

ان کے لئے پاک ہدایت ایسی ہے جیسے مَیں نے طِب میں دیکھا ہے کہ بعض دفعہ نرم کھچڑی شدّتِ صفراء کی وجہ سے نہایت تلخ معلوم ہوتی ہے۔ یہ لوگ ہدایت کی باتوں کی قدر اور حقیقت سے بوجہ اپنے مرضِ قلبی کے آگاہ نہیں۔ پس ایسے لوگ اگر ایمان کا اظہار بھی کرتے ہیں تو اپنے نفع کے لئے جیسے کوئی آدمی جنگل میں آگ لگائے تو اس سے یہ فائدہ اُٹھا لیتا ہے کہ شیر، چیتے اور ایسے درندے اس کے پاس نہیں پھٹکنے پاتے۔ اِسی طرح منافق بظاہر اسلام کا اِقرار کر کے مصائب سے عارضی طور پر بچاؤ کر لیتا ہے لیکن بعد میں بَلائیں، جنائیں اسے گھیر لیتی ہیں۔ اس کا نفاق کھُل جاتا ہے پھر کچھ سوچ نہیں پڑتا۔ غرض اپنا ظاہر کچھ باطن کچھ بنانے والے ضرور نقصان اُٹھاتے ہیں۔

(الفضل ۱۲ اگست ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

اِشْتَرَی۔ یہاں پر کوئی حقیقی خرید و فروخت مراد نہیں ہے بلکہ یہاں پر اس سے یہ مراد ہے کہ انہوں نے ہدایت کو ترک کر دیا ہے اور بجائے اس کے گمراہی کو اختیار کر لیا ہے..... حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ اور اور بہت سے صحابہؓ نے یہی معنے کئے ہیں اور..... مَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ (نہ وہ راہ پانے والے بنے) سے یہ مراد ہے کہ وہ تجارت کی صحیح راہ نہ پا سکے یہاں تک کہ تجارت سے اصل مقصود تو یہ ہوتا ہے کہ اصل مال قائم رہے اور اس سے علاوہ کچھ زائد فائدہ بھی حاصل ہو جائے لیکن منافقوں نے اصل مال (یعنی فطرتِ سلیم اور تحصیلِ کمالات کی فطرتی استعداد) کو ہی ضائع کر دیا۔

(رسالہ "تعلیم الاسلام" قادیان بابت مارچ ۱۹۰۷ء)

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ أَضَآءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَٰتٍ لَّا يُبْصِرُونَ ﴿۱۸﴾ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿۱۹﴾

حضرت نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قاعدہ تھا کہ جہاں کوئی میلہ ہوتا یا کوئی مجلس تو آپؐ

ضرور پہنچتے اور توحید کا وعظ فرماتے۔ اِس کے لئے سب سے عمدہ و اعلیٰ موقع حج تھا جس میں آپؐ ایک ایک قبیلے کے جتھے میں وعظ فرماتے۔ بڑے بڑے واقعات آپؐ کو پیش آتے۔ ایک شخص مشہور عاقبت اندیش تھا اس نے کہا اگر ایک آدمی میرے قابو میں آجائے تو میں اس کے ذریعہ ساری دُنیا کو فتح کر سکتا ہوں۔ وہ نبی کریمؐ کے پاس آیا اور کہا کہ اگر میری ساری قوم تمہیں مان لے تو مجھے کیا دو گے؟ آپؐ نے فرمایا میں کسی کو کیا دے سکتا ہوں۔ میرے بعد خدا جانے کیا ہو۔ اِس پر وہ ناراض ہو کر چلا گیا۔ اپنی قوم سے کہنے لگا۔ ہے تو ایسا مرد جیسا کہ میں نے کہا تھا مگر میں اس پر ایمان لانے کا تمہیں مشورہ نہیں دیتا۔

آپؐ اِنہی حج کے ایام میں منیٰ ایک مقام ہے وہاں وعظ فرما رہے تھے۔ چھ آدمیوں نے جو مدینہ طیبہ کے رہنے والے تھے اشارہ کیا کہ ہم آپؐ سے علیحدہ کچھ گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ آپؐ منیٰ کے پاس پہاڑیوں کا ایک سلسلہ ہے جو چکر کھاتا ہوا جاتا ہے اس کے اندر ایک ٹیلہ ہے وہاں چبوترہ پر جا بیٹھے اور ان کو دینِ اسلام کی تلقین کی۔ انہوں نے بیعت کی اور کہا کہ ابھی ہمارا نام نہ لیویں ہم جاکر مشورہ کریں گے اور آئندہ سال انشاء اللہ تعالیٰ اپنے بہت سے دوستوں کو بھیجیں گے چنانچہ آئندہ سال بارہ ۱۲ آدمی بھیجے اور تیسرے سال ۷۲ آدمی حاضر ہوئے اور حضرت نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے عرض کیا کہ ان چھ آدمیوں کی کوشش اور بارہ ۱۲ دوستوں کی کمر بستگی سے مدینہ میں کوئی گھر نہیں رہا جس میں آپؐ کا تذکرہ نہ ہو ہم چاہتے ہیں کہ آپؐ ہمارے شہر میں چلیں۔ عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے گو وہ بظاہر مسلمان نہ تھے مگر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمدرد تھے آپؓ نے فرمایا کہ دیکھو ان کے لے جانے میں تم کو بہت سخت مشکلات ہیں یہاں تمام منافی وہاشمی آپؐ کے ساتھ ہیں مگر وہاں یہ بات نہیں۔ اِس پر انہوں نے بڑا بھاری معاہدہ کیا اور اس معاہدہ میں رسول اللہؐ نے اُن سے قسمیں لیں۔ آپؐ نے فرمایا میرے مدینہ میں لے جانے کے یہ معنے ہیں کہ سارے جہان سے لڑائی کے لئے تم تیار رہو۔ مکہ میں قریش دشمن ہیں پھر نجد غطفان مصر کو ساتھ ملائیں گے پھر عراق و شام کے راستے کی قومیں ان کے ساتھ ہیں۔ اچھی طرح سوچ سمجھ لو اگر یہ سب کچھ برداشت کر سکتے ہو تو لے چلو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم حاضر ہیں۔

عرب میں بہت سے آگیں جلاتے تھے۔ ایک آگ نار الحرب کہلاتی ہے چنانچہ قرآن شریف میں آیا ہے کُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا (المائدۃ:۶۵)

مَیں نے غور کیا تو معلوم ہؤا لڑائی آگ سے شروع ہوتی ہے چنانچہ پہلے دل میں ایک آگ اُٹھتی ہے پھر وہی آگ تمام گھر میں پھیلتی ہے پھر دوسرے لوگوں کے ساتھ ملانے کے لئے ان کی دعوتوں کے لئے آگ جلانی پڑتی ہے پھر پہاڑ پر آگ جلا کر اس جھانی کو وسیع کیا جاتا ہے۔ پھر بارُود کی آگ ہے، پوٹاس کی آگ ہے، توپ کی آگ ہے، ڈائنامیٹ کی آگ ہے۔ پھر رسول سے جنگ کرنے والوں کا اخیر انجام دوزخ ہے کہ وہ بھی آگ ہے۔

اِس قدر تمہید کے بعد مَیں اِس آیت کے معنے کرتا ہوں۔ مدینہ میں جب آپؐ تشریف لائے تو اس وقت جو قوم تھی ان میں عبداللہ بن ابیؔ بن سلول ایک شخص تھا لوگوں نے ارادہ کیا کہ نمبرداری کی پگڑی اسے بندھائیں۔ جن دِنوں میں جلسۂ نمبرداری کا ارادہ تھا نبیؐ کریمؐ آ گئے اور اس کی بات بگڑ گئی۔ اُسے بہت رنج پیدا ہؤا اور وہ اکثر موقعوں پر رنج نکالتا رہا لیکن کھُل کر مخالفت نہ کر سکتا تھا اِس طرز کے آدمی منافق کہلاتے ہیں یہ اندر ہی اندر کُڑھتے رہتے ہیں۔ پس اِن کی مثال اُس شخص کی طرح ہے جس نے جلانا چاہا ہے آگ کو۔ گویا نبیؐ کریمؐ کو بُلوا کر سارے جہان سے جنگ کی ٹھانی۔ جب جنگ کی آگ اِردگرد بھی بھڑک اُٹھی تو ان لوگوں کا نورِ معرفت جاتا رہا۔ جب نار میں سے نور نکل جائے تو پیچھے اس کی تپش، دھوآں اور تکلیف رہ جاتی ہے اسی طرح اِن لوگوں کا حال ہے جب ان کا وہ نور جو حصّہ ہے ایمان اور معرفت کا اور اللہ کو راضی کرنے کا، جاتا رہا تو وہ اندھیرے میں پڑ جاتے ہیں۔ اندھیرا بھی ایک نہیں بلکہ کئی اندھیرے جیسے کچھ رات کا اندھیرا پھر کچھ معاً روشنی گُم ہو جانے سے جو اندھیرا ہو جاتا ہے وہ۔ پھر بادلوں کا اندھیرا۔ پس وہ کچھ دیکھتے نہیں اور کچھ سوجھائی نہیں دیتا اور دکھائی کس طرح دے جب کہ تمیز باقی نہیں۔ دِل کمزور ہے اِس لئے حق کے شنوا نہیں رہتے پھر حق کے گویا نہیں رہتے۔ حق کے گویا بننے میں بڑے فائدے ہیں۔ جب اِنسان دوسروں کو نیکی سمجھاتا ہے تو آخر اپنی حالت پر بھی شرم آتی ہے کہ مَیں جو اَوروں کو نصیحت کرتا ہوں خود میری اپنی حالت کیا ہے اور جب مَیں اپنی اِصلاح نہیں کرتا تو دوسروں کی اصلاح کے لئے کیا کر سکتا ہوں اِس لئے میرا پختہ اعتقاد ہے کہ انسان وعظ سُنے اور وعظ کرے کہ اس سے بھی راہِ حق ملتی ہے لیکن اُس شخص کی حالت قابلِ رحم ہے جو نہ تو آنکھ رکھتا ہے جس سے رستے میں ہلاکت کی چیز کو دیکھ کر بچ سکے اور نہ کان ہیں کہ کسی ہمدرد کی آواز سُن کر بچ جائے جو اُسے بتائے کہ دیکھو اِس رستے نہ آؤ اور نہ زبان ہے کہ خود چلّا کر کسی سے پُوچھ لے کہ میاں فلاں مقام پر پہنچا دو اور وہ اسے پہنچا دے۔ پس وہ جو نہ حق کا شنوا ہے نہ حق کا گویا

نہ حق کا بیٹا ہلاکت کی طرف سے مُڑ کر نیک راہ پر نہیں آسکتا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۱ فروری ۱۹۰۹ء)

أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيهِ ظُلُمَٰتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ أَصَٰبِعَهُمْ فِىٓ ءَاذَانِهِم مِّنَ الصَّوَٰعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۚ وَاللَّهُ مُحِيطٌۢ بِالْكَٰفِرِينَ ﴿٢٠﴾

اَوْ۔ دو۲ چیزوں میں سے ایک کے لئے آتا ہے یعنی یہ یا وہ۔ اور کبھی بمعنے بَلْ یعنی کبھی اسکے معنے بلکہ کے ہوتے ہیں اور گاہے بمعنی واؤ یعنی بمعنے اَور آتا ہے۔ پس اگر پہلے معنوں میں آئے تو گاہے شک پیدا ہوتا ہے اور گاہے ابہام و اجمال اور گاہے تفصیل ہوتی ہے، خبر میں خواہ وہ تفصیل واقعی ہو یا متکلّم کے اعتبار کے موافق ہو اور جب بمعنی واؤ ہو تو اس سے اباحت اور تخییر پیدا ہوتی ہے، انشاء میں اور یہاں پر دو۲ امر میں ایک کے لئے ہے اور متکلّم کے اعتبار کے مطابق تفصیل ہے۔ صَیّب کہتے ہیں بارش کو۔ یہ صَوْب سے بنایا ہُوا ہے اور صَوب کہتے ہیں نازل ہونے کو۔ سَماء کہتے ہیں ہر ایک بلند شئے کو جو کہ انسان کے اُوپر ہو۔ یہ سمُو سے ہے جو کہ صورت اور معنے کی رُو سے علو کی مانند ہے اور مِن کے معنے "میں سے"۔ رَعْد بادل کے گرجنے کی آواز کو کہتے ہیں۔ بَرْق بجلی جو کہ بادل میں یا آسمان کے کناروں پر چمکا کرتی ہے۔ یَجْعَلُوْنَ جَعَلَ سے ہے جو بمعنے "رکھنے" کے ہے۔ پس یَجْعَلُوْنَ کے معنے ہوئے "رکھتے ہیں"۔

(رسالہ "تعلیم الاسلام" قادیان بابت مارچ ۱۹۰۷ء)

صَیِّب مینہ کو کہتے ہیں۔ صَیِّب کہتے ہیں نیچے اُترنے اور جھکنے کو مینہ کا پانی چونکہ نیچے کو گرتا ہے اس لئے اس کا نام صَیِّب ہے۔

مِنَ السَّمَآءِ یعنی اس مینہ کی طرح جو بادل سے گِر رہا ہو۔ پھر وہ مینہ کس وقت کا ہو جبکہ سُورج بھی نہیں، چاند بھی نہیں، ستارے بھی نہیں۔ اس پر بادلوں کا اندھیرا، اس میں رَعد ہے یعنی بجلی کی

کڑک اور برق یعنی بجلی۔ نادان انسان اپنی اُنگلیاں کانوں میں کر لیتے ہیں موت سے بچنے کے لئے. مگر ایسے لوگ واقعی کم عقل ہیں کیونکہ سائنسدان جانتے ہیں کہ بجلی بہت تیز ہے وہ روشنی سے بھی پہلے پہنچتی ہے اور آواز اس کے بعد آتی ہے چنانچہ چھاؤنیوں میں جہاں توپ دغتی ہے وہ جانتے ہیں کہ چمک پہلے پہنچتی ہے اور آواز اس کے پیچھے۔ اِسی طرح بجلی کی آواز کا حال ہے۔ آواز پہنچنے پر اُنگلیاں کانوں میں کرنے اور چھپ جانے والا بیوقوف ہے کیونکہ جو مار بجلی نے کرنی ہوتی ہے وہ تو اس سے پہلے کر چکتی ہے۔ منافق کی طبیعت کا حال بارش کی مثال سے نکلتا ہے جب بارش آتی ہے تو جو لوگ ندیوں کے کناروں پر ہیں یا جن کے مکان کچے ہیں اور لپائی ٹھیک نہیں یا جنہوں نے نمک خرید رکھا ہے اُن کو بہت خطرہ ہوتا ہے اور بعض ایسے ہیں جو اس بارش کو اپنے لئے رحمت سمجھتے ہیں انہوں نے بجلی کی روک کے لئے سلاخیں اور تانبے کے تار کنوئیں میں ڈال رکھے ہوتے ہیں وہ بہرحال خوش حال ہوتے ہیں۔ اِسی طرح کمزور انسان زمانے کے حوادث کی تاب نہ لا کر ایمان سے دُور چلے جاتے ہیں۔ بعض وقت غریبی کے سبب خدا کو کوستے ہیں۔ لڑکا مر جاتا ہے تو خدا کو گالیاں دیتے ہیں۔ ایسے نابکار بھی مَیں نے دیکھے ہیں جو خدا کی خدائی پر الزام دیتے ہیں اور تھوڑی سی مصیبت کو برداشت نہیں کر سکتے۔ ایک شاعر کا ذکر کرتے ہیں کہ اس نے شعر کہا جو اس کی نظر میں خاص طور سے قابلِ انعام تھا اور اس نے سُنا تھا کہ سعدیؒ نے ایسا ایک شعر کہا تھا تو اُسے خاص طور سے انعامِ الٰہی ملے تھے پس اِس امید پر اس نے آسمان کی طرف مُنہ اُٹھایا۔ اِتفاق سے ایک چیل کی بیٹ مُنہ میں پڑ گئی اِس پر وہ بول اُٹھا کہ شعر فہمئ عالَمِ بالا معلوم شُد۔ غرض ایسے ایسے نادان لوگ ہوتے ہیں بعض خدا کا اَدب کرتے تو گردشِ دار اور زمانہ کو کوستے ہیں مگر اس کوسنے کا فائدہ کیا۔

اللہ جلّ شانہٗ نے یہ بات فرمائی کہ مینہ پڑتا ہے اس میں کڑک بھی ہوتی ہے بجلی بھی ہوتی ہے اندھیرے بھی ہوتے ہیں اس پر نادان تو غیر محل و غیر موقع پر اپنے بچاؤ کے سامان کرتے ہیں مگر وہی بارش بہتوں کے لئے مفید ہوتی ہے اسی طرح احکامِ شرع اور دُنیا کی مصیبتیں جب نازل ہوں تو بہت سے لوگ ایمان لاتے ہیں اور مشکلات میں گھبراتے نہیں۔ ایک جذامی کا حال مجھے معلوم ہے کہ مَیں نے اسے کہا کہ آپ کے علاج کا مجھ میں ایک جوش پیدا ہو گیا ہے۔ اُس نے کہا کہ رہنے دیجئے مَیں تو جس حال میں ہوں خوش ہوں تنہائی ہے لوگ کم آتے ہیں دُعاؤں کا موقع ملتا رہتا ہے اور بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ گھبرا جاتے ہیں اور خدا کو کوستے ہیں مگر یہ نہیں سوچتے کہ

ہم خدا کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ وہ بجلی اگر گرنے والی تھی تو ان کے روکنے سے رُک نہیں سکتی پھر وہ خدا کا شکر کریں کہ ان کے کان تو ہیں اگر کان نہ ہوتے تو بجلی کی آواز کس طرح سُنتے۔ ان کی آنکھیں تو ہیں اگر یہ نہ ہوتیں تو پگ ڈنڈی کس طرح نظر آتی۔ ہر ایک دُکھی اپنے سے بڑھ کر دُکھی کو اپنے ہی شہر میں دیکھ سکتا ہے پس اسے چاہیئے کہ خدا کی دی ہوئی نعمتوں کی قدر کرے اور مشکلات میں گھبرائے نہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۱ فروری ۱۹۰۹ء)

يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ: منافق مشکلات کے وقت کانوں پر ہاتھ رکھتے ہیں۔ اَلصَّوَاعِق: بجلی کی چمک پہلے ہوتی ہے پھر کڑک۔ بجلی کی آواز سُنکر بچاؤ کی تدبیر فضول ہے۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۳۶)

منافقوں کی مثال اُس شخص کی مثال ہے جس پر مینہ برستا ہے۔ گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا رہا ہو جب ذرا بجلی چمکی تو آگے بڑھے ورنہ وہیں کھڑے کھڑے رہ گئے۔ جب کوئی فائدہ پہنچا تو اسلام کے معتقد بنے رہے جب کوئی ابتلاء پیش آیا تو جھٹ انکار کر دیا ایسے لوگ بیوقوف ہیں جیسے بعض نادان بجلی کی کڑک سُنکر پھر کانوں میں اُنگلیاں دیتے ہیں حالانکہ روشنی کی رفتار آواز سے تیز ہے اور بجلی اس کڑک سے پہلے اپنا کام کر چکتی ہے۔

(الفضل ۱۳ اگست ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۲﴾

کوئی شخص کسی کے ساتھ نیکی کرکے صرف ہنس کے بولے یا کسی دُکھ کے وقت مدد دے تو آدمی اُس کا ممنون ہو جاتا ہے حالانکہ اگر غور کیا جاوے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب احسان دراصل اللہ تعالیٰ کا ہے جس نے اس محسن کو پیدا کیا پھر اس چیز کو جس سے احسان کیا گیا پھر خود اسے جس پر احسان ہوا۔ پس خدا کو بھول جانا انسانیت سے بعید ہے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اسی لئے اپنے رنگا رنگ انعامات و احسانات کا ذکر فرماتا ہے چنانچہ یہاں بھی ارشاد کیا کہ لوگو! تم فرمانبردار بن جاؤ۔ کس کے؟ اپنے پالن ہار کے جس نے تمہیں پیدا کیا۔ پھر تمہیں ہی نہیں بلکہ تمہارے بڑوں کو بھی۔ یعنی پُشتہا پُشت سے اس محسن کے احسان تم پر چلے آتے ہیں۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ : فرمانبردار بنو گے تو اس سے کوئی خدا کی خدائی بڑھ نہ جائے گی بلکہ اِس میں تمہارا ہی فائدہ ہے وہ یہ کہ تم ہی دُکھوں سے بچو گے۔

مَیں دیکھتا ہوں آتشک اُنہی کو ہوتی ہے جو نافرمانی کہتے ہیں مَیں نے کبھی نہیں دیکھا کسی کو نماز پڑھنے سے سوزاک ہو گیا ہو یا زکوٰۃ دینے سے کوڑھ ہو گیا ہو۔ لوگ کہتے ہیں نیکی مشکل ہے یہ غلط ہے نیکی تو سُکھوں کی ماں ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۱ر فروری ۱۹۰۹ء)

سُنو۔ اولوگو! فرمانبرداری کرو اپنے اس محسن، مربّی کی جس نے تم کو اور تم (سے) پہلوں کو خلق کیا۔ اِس سے فائدہ یہ ہوگا کہ دُکھوں سے بچ رہو گے۔ (تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۲۵۶)

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ : لوگو اپنے ربّ کے فرمانبردار بن جاؤ۔ فرمانبرداری ضروری ہے مگر کوئی فرمانبرداری بِدُوں فرمان کے نہیں ہو سکتی اور کوئی فرمان اس وقت تک عمل کے نیچے نہیں آتا جب تک کہ اس کی سمجھ نہ ہو۔ پھر اس فرمان کے سمجھنے کے لئے کسی معلّم کی ضرورت ہے اور الٰہی فرمان کی سمجھ بِدُوں کسی مزکّی اور مُطہّر القلب کے کسی کو نہیں آتی کیونکہ لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ خدا تعالیٰ کا حکم ہے پس کیسی ضرورت ہے امام کی کیسی مزکّی کی۔ (الحکم ۱۵ر اپریل ۱۹۰۱ء)

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳﴾

پھر اُس نے تمہیں اور تمہارے بڑوں کو ہی نہیں بنایا بلکہ تمہاری زندگی کے سامان بھی مہیا کئے۔ رہنے کو زمین، حفاظت کو آسمان، بادل سے پانی اُتار کر طرح طرح کے میوے بطور رزق دئے پس تم ایسے خدا کا کوئی (نِدِّ مقابل) نہ ٹھہراؤ۔ اور تم غور کرو تو خود اس نتیجہ پر پہنچ جاؤ اور یہ یقین ہو جائے کہ اللہ کا نِدّ واقعی کوئی نہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۱۔ فروری ۱۹۰۹ء)

سرکس میں تم لوگوں نے دیکھا ہوگا کہ جانور کس طرح اپنے مالک کے حکم کے ماتحت چلتے ہیں حالانکہ

اس مالک نے نہ جان دی ہے نہ وہ کھانے پینے کی چیزیں پیدا کی ہیں۔ جب ایک معمولی (احسان) سے اس کی اس قدر اطاعت کی جاتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ انسان اپنے مولیٰ کریم پر فدا نہ ہو جس نے اسے حیات بخشی۔ رزق دیا۔ پھر قیام کا بندوبست کیا۔ اِس لئے فرمایا کہ منافقو! تم معمولی فائدہ کے اُٹھانے کے لئے جہان کا لحاظ کرتے ہو مگر کیوں نہیں اُس سچے مربی کے فرمانبردار ہوتے جو تمام انعاموں کا سرچشمہ ہے۔ کم عقلو! اُس نے تمہیں پیدا کیا۔ پھر تمہارے باپ دادا کو بھی پیدا کیا۔ پھر فرمانبرداری کرنے میں اللہ کا کچھ فائدہ نہیں بلکہ تم ہی دُکھوں سے بچو گے اور سُکھ پاؤ گے۔ دیکھو! اس نے تم پر کیسے کیسے اِحسان کئے ہیں تمہارے لئے زمین بنائی جو کیسی اچھی آرامگاہ ہے پھل پھول اور طرح طرح کی نباتات پیدا کرتی ہے جسے تم کھاتے ہو۔ پھر آسمان کو بنایا جیسے ایک خیمہ ہے۔ وہ زمین کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ پھر بادلوں سے پانی اُتارا اِس سے رنگا رنگ کے پھل اُگائے۔ یہ فضل ہوں اور پھر تم اس کا ند بناؤ۔ بڑے افسوس کی بات ہے۔ ند بناتا کیا ہے۔ سُنو۔ یہ کہنا کہ دوست آگیا اس کی خاطر تواضع میں نماز رہ گئی۔ بچوں کے کپڑوں اور بیوی کے زیوروں کی فکر تھی نماز میں شامل نہ ہو سکا۔ رات کو ایک دوست سے باتیں کرتے کرتے دیر ہو گئی اِس لئے صبح کی نماز کا وقت نیند میں گزر گیا۔ غور کرو اس دوست یا اس شخص نے جس کے لئے تم نے خدا کے حکم کو ٹالا ویسے احسان تمہارے ساتھ کئے ہیں جیسے خدا تعالیٰ نے تم سے کئے؟ اِسی طرح آجکل مجھے خط آرہے ہیں کہ بارش ہو گئی ہے تخم ریزی کا وقت ہے اگر آپ اجازت دیں تو روزے پھر سرما میں رکھ لیں گے۔ یہ خدا تعالیٰ کے احکام کا استخفاف ہے توبہ کر لو۔ یہ اپنے دُنیاوی کاموں کو خدا کا ند بناتا ہے جو کفرانِ نعمت ہے

(الفضل ۲۰، اگست ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ ۖ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۲۴﴾

فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي

وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۵﴾

اب جب فرمانبردار بننا ہے تو فرمان کی ضرورت ہے وہ فرمان قرآن ہے جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا۔ اگر اس کے کلامِ الٰہی ہونے میں تمہیں کچھ شک ہے تو اس کی مثل لاؤ۔ یہ آسان فیصلہ ہے کیونکہ جیسے دوسری مخلوقات میں خدا کی بنائی ہوئی چیزیں انسان کی بنائی ہوئی چیزوں سے الگ نظر آتی ہیں اسی طرح یہ کلام اللہ کلامِ انسانی سے لگا نہیں کھاتا۔ اگر تم نظیر نہ لائے اور لا بھی نہ سکو گے تو اس آگ سے بچاؤ کرو جس کا ایندھن منکر لوگ اور پتھر ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۱ فروری ۱۹۰۹ء)

اس کا سب سے بڑا انعام تم پر یہ ہے کہ قرآن ایسی کتاب دی۔ اگر تم کو یہ شک ہے کہ قرآن خدا کی کتاب نہیں ہے اور یہ بناوٹی ہے اور انسانی کلام ہے تو تم بھی کوئی ایسی کتاب لاؤ بلکہ اس کتاب کے ایک ٹکڑے جیسا بنا کر دکھاؤ۔ ہمیں بھی بعض لوگوں نے کہا کہ یہ قرآن کو توڑ موڑ کر ترجمہ کر لیتا ہے۔ مَیں کہتا ہوں جیسا تمہارے سُنانے والا ہے ایسا کوئی سُنانے والا لاؤ۔ مَیں تمہیں کہتا ہوں جھوٹ نہ بولو کیا تم کوئی ایسا مترجم لا سکتے ہو جو کہے کہ قرآن میں لکھا ہے کہ تم جھوٹ بولا کرو۔ مَیں کہتا ہوں کہ بدمعاملگی چھوڑ دو تو کیا کوئی ایسا مترجم آئے گا کہ جو کہے گا کہ بدمعاملگی کیا کرو۔ مَیں کہتا ہوں کہ راست باز بنو، لڑائی چھوڑ دو، آپس کا فساد چھوڑ دو، تو کیا کوئی ایسا مترجم آئے گا جو کہے گا کہ لڑائی کیا کرو، فساد مچایا کرو۔

غرض نہ تو قرآن جیسی کتاب بنا کر لاتے ہو اور نہ اس سے بہتر بنا سکتے ہو تو پھر ڈرو اور بچاؤ اپنے آپ کو اس آگ سے جس کا ایندھن یہ شریر لوگ اور جس کے بھڑکنے کا موجب یہ معبودانِ باطل ہیں۔ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اعمالِ صالحہ کئے وہ باغوں میں ہوں گے جن کے نیچے ندیاں بہتی ہیں۔ ایمان تو جنات کے رنگ میں متمثل ہوگا اور اعمالِ صالحہ اس کی نہریں ہیں جو پاک تعلیم کے نیچے آتا ہے وہ ترقی کرتا ہے اور پاک آرام میں آتا ہے۔ ہر آن میں اسے یقین آتا ہے کہ کیا عظیم الشان اور کیا پاک اس کا کلام ہے جس نے فسانہ عجائب لکھی ہے۔

(الفضل ۲۰۔ اگست ۱۹۱۳ء)

اگر تم شک میں ہو اس سے جو ہم نے اپنے بندے پر اُتارا تو اس کے مثل کوئی ایک ٹکڑا لاؤ اور اللہ کے سوا اپنے گواہوں کو بُلاؤ اگر سچے ہو۔ پھر اگر تم نے نہ کیا اور ہرگز نہ کرسکو گے تو ڈرو اُس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

(فصل الخطاب حصّہ دوم صفحہ ۹۲)

وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ کے معنے یہ ہیں کہ انسانوں اور پتھروں میں جو تعلق پیدا ہوا ہے کہ انسانوں نے پتھروں کی پرستش شروع کر دی ہے یہی تعلق دوزخ کے اشتعال کا باعث اور اس کا ہیزم ہے۔

(نورالدین صفحہ ۱۹)

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۶﴾

مومنوں اور نیک عمل لانے والوں کے لئے آرام کی جگہیں ہیں جن کے تلے نہریں بہتی ہیں۔ جب کبھی ان سے کوئی میوہ دیا جائے گا کہیں گے یہ تو وہی ہے جس کا ہمیں پہلے وعدہ دیا جا چکا تھا اور پھر ایک نہیں بلکہ رنگا رنگ ایک جیسے دوسرے دئے جاویں گے اور ان کے لئے اس میں جوڑے ہوں گے بیبیاں ہوں گی۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۱ فروری ۱۹۰۹)

عرب ریگستان کے باشندے خشن پوش کھجور پر زندگی بسر کرتے تھے ان کے لئے کہا گیا بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔ پھر دیکھا اب تک ہم لوگ قریش اس جنّت کے مالک ہیں۔ (نورالدین صفحہ ۲۲۷)

ایک تارکِ اسلام کے اس اعتراض کے جواب میں کہ "بہشت میں نہریں ہوں گی بعض کہتے ہیں کہ دودھ اور شہد کی نہریں" تحریر فرمایا:۔

" او بدبخت! اسلامی نہروں سے محروم۔ دیکھ تیرے سام وید نے تجھے اب وید سے بھی متنفر کرنے کی تجویز کی ہے۔

جو کوئی کہ اُس خلاص یعنی پومن (سوم) بھجن کو جسے خدا رسیدہ لوگوں نے جمع کیا پڑھتا ہے اس کے لئے سرسوتی، پانی، مکھن، دودھ اور مدھ برساتا ہے۔ دیکھو سام وید پر پاٹھک سوم پومن منتر ۱۲۹ وید پاٹھک ۹، سرسوتی) ہاں اُس سات بہنوں والی پیاری نہروں میں نہایت پیاری سرسوتی نے ہماری تعریف حاصل کی ہے۔

وہ اس کی نہر کے ساتھ اپنے تئیں صاف کر کے زرد سُرخ رنگ ہو کر چمکتا ہے۔ اس وقت جب کہ وہ مدح گویوں کے ساتھ سات مُونہہ رکھنے والا تعریف کرنے والوں کے ساتھ کُل شکلوں کا احاطہ کرتا ہے صفحہ ۵۱۔ وہ مضبوط پہاڑی ڈنٹھل مستانہ خوشی کے لئے نہروں میں نچوڑا گیا ہے باز کی طرح وہ اپنی جگہ قرار پذیر ہوتا ہے صفحہ ۵۲۔

اے اندر تیری نہر قوت کے ساتھ دیوتاؤں کی ضیافت کے لئے بہتی ہے۔ اے سوم مدھ سے مالا مال ہمارے برتن میں نشست گاہ اختیار کر صفحہ ۴۶۔

دودھ ان کی طرف اِس طرح دوڑا ہے جس طرح طغیانیاں کسی چٹان پر دھکیلتی آتی ہیں۔ وہ اِندر کے پاس صاف ہو کر آتے ہیں۔ صفحہ ۹۷

نیز اگر نہروں والی بہشت ناپسند تھی تو تمہارے آریہ کو جو تبت میں آباد تھے جب اپنے ملکوں سے اپنے کرموں انسار سے (نتائج اعمال) جلاوطنی کا انعام ملا تھا تو چاہیئے تھا کہ افریقہ کے ریگستان میں جاتے انہوں نے انڈیا کو کیوں پسند کیا جس میں دودھ اور شہد ہر قسم تعیش اور تنعم کی نہریں بہتی ہیں۔ تم کیسے شریر ہو مکہ معظمہ کا تذکرہ ہو تو اُسے ریگستان سمجھتے ہو اور اگر نہروں کا تذکرہ ہو تو اس پر ہنسی ٹھٹھا کرتے ہو۔ تم اس پر راضی ہو کہ تمہیں نرگ میں بھیج دیا جاوے۔

حقیقی جواب

نَهَر کے معنے کثرت کے ہیں اور نَهر کے معنے ندی کے ہیں۔ اور وہ آیات جن میں نہروں کے عطیہ کا تذکرہ ہے۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابِ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں ان کی محنتوں، مشقتوں

اور تکالیف کے بدلہ جو انہوں نے اپنے پاک نبیؐ کی اتباع میں اُٹھائیں اللہ کی طرف سے وعدہ تھا کہ انہیں اسی جنم میں ریگستانِ عرب کے بدلہ نہروں والے ملک عطا کروں گا۔ چنانچہ جیسے فرمایا تھا ویسا ہی ہؤا اور آپؐ کے سچے اور مخلص اتباع ان بلاد کے مالک ہو گئے جن میں دجلہ، فرات، جیحوں، سیحوں، یردن اور نیل بہتے تھے اور اسی پیروی کی برکت سے مسلمانوں نے آریہ ورت کو بھی لے لیا جس میں گنگا، جمنا اور سرسوتی بہتے ہیں۔

سوچو اور خوب غور کرو کیسے قبل از وقت بتایا ہؤا وعدہ پورا ہؤا...... ان الفاظ کے حقائق کے سمجھنے کے لئے ہمیں کتب تعبیر الرؤیا کی طرف رجوع کرنا چاہیئے چنانچہ نہر کے حقائق کی نسبت ان میں ہم یہ پاتے ہیں۔

اَلنَّهْرُ یَدُلُّ عَلٰی اِقْلِیْمِهٖ کَسَیْحُوْنَ وَجَیْحُوْنَ وَالْفُرَاتِ وَالنِّیْلِ۔

نہر سے مراد یہ ہے کہ ایسی اقلیمیں جن میں نہریں بہتی ہیں جیسے سیحوں، جیحوں اور فرات اور نیل اسلام کے قبضہ میں آجائیں گی اور آخر وہ آگئیں۔

وَالنَّهْرُ فِی الْمَنَامِ عَمَلٌ صَالِحٌ اَوْرِزْقٌ وَنَهْرُ اللَّبَنِ دَلِیْلٌ عَلَی الْفِطْرَةِ وَنَهْرُ الْخَمْرِ دَلِیْلٌ عَلَی السُّکْرِ مِنْ حُبِّ اللّٰهِ تَعَالٰی وَالْبُغْضِ عَنْ مَحَارِمِهٖ وَنَهْرُ الْعَسَلِ دَلِیْلٌ عَلَی الْعِلْمِ وَالْقُرْاٰنِ۔ (تعطیر الانام ص۳۲۶)

اور خواب میں نہر کو دیکھنے سے مراد ہوتا ہے عمل صالح اور دائمی رزق۔ یہ بھی مسلمانوں کو ملا۔ دُودھ کی نہر دیکھنے سے مراد ہے فطرتِ صحیحہ اور شراب کی نہر سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی محبت کے نشہ سے سرشار ہونا اور اس کی حرام کردہ اشیاء سے بُغض رکھنا اور شہد کی نہر سے مراد ہے علم اور قرآن کا حاصل ہونا۔

نَهْرُ الْکَوْثَرِ فِی الْمَنَامِ نُصْرَةٌ عَلَی الْاَعْدَاءِ بِقَوْلِهٖ تَعَالٰی اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ (تعطیر الانام ص۳۲۵)

نہر کوثر کا رؤیا میں دیکھنا دلیل ہوتا ہے اعداء پر مظفر و منصور ہونے پر جیسا کہ خدا تعالیٰ کے کلام اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ سے مستنبط ہوتا ہے۔

چنانچہ بے چارگی اور بے سامانی کے زمانہ میں جبکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں دشمنوں کے ہاتھوں سے شکارِ لاغر کی طرح دکھ اُٹھا رہے تھے۔ یہ وحی آپ کو عالم الغیب قادر خدا کی طرف سے ہوئی کہ ہم نے تجھ کو الکوثر عطا فرمایا ہے۔ دُنیا جانتی ہے کہ وہ مظلوم بیکس انسان

جسے اپنے بیگانوں نے پاؤں کے نیچے مسلنا چاہا تھا کس طرح اپنے اعداء پر منصور و مظفر ہوا اور اس کے قوی اور متکبر دشمن خاک میں رل گئے۔ سوچو اور غور کرو کہ یہ غیب کی باتیں کس طرح حرفاً حرفاً پوری ہوئیں اور خدا کے غضب سے ڈرو۔ (نورالدین صفحہ ۱۳۹، ۱۴۰)

جنّاتٍ: جنّت کیا ہے؟ آدمی کی آنکھ ہے، کان ہیں، زبان ہے، مزہ ہے، ٹٹولنا ہے...... اللہ تعالیٰ کے لئے جو ان باتوں کو ترک کرتا ہے اُسے جنّت ملتا ہے..... اللہ کے لئے جو ہم قربان کریں اس کا نعم البدل جنّت ہے۔ (بدر، جنوری ۱۹۰۹ء صفحہ ۷)

جنّت: (۱) تعلیم نبوی (۲) مدینہ طیبہ (۳) فتوحات (۴) عراق، عرب، عجم و مصر و شام (۵) قبر (۶) محشر (۷) جنّت۔

هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ۔ یہ وہ چیز ہے جس کا ہم سے وعدہ تھا۔

وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا۔ جس رنگ کے عمل کئے اُسی رنگ کی عنایاتِ الٰہیہ۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۲۲۶)

رکوع ۳

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَسْتَحْیٖۤ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَیَقُوْلُوْنَ مَاذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا ۙ وَّیَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا ؕ وَمَا یُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۷﴾ الَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ ۪ وَیَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ

اَنْ یُّوْصَلَ وَیُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

یہ تو تھوڑی سی چیز ہے جو اللہ بیان کرتا ہے اور جنات کے نعماء کے مقابل میں ایسی ہے جیسی مچھر کے سامنے ہاتھی۔ تاہم کسی بات کے سمجھانے کے لئے مچھر سی بلکہ اس سے بھی ادنیٰ مثال دینے سے اللہ نہیں رُکتا۔ جو ایمان دار ہیں وہ تو کہتے ہیں کہ یہ ان کے رَبّ سے برحق ہے اور جو منکر ہیں وہ کہتے ہیں اِس مثال سے اللہ نے کیا ارادہ کیا۔ بہت سے اس سے گمراہ ہوتے اور بہت ہدایت پاتے ہیں۔ گمراہ کون ہوتے ہیں وہی جو بدعہد ہیں۔ اپنے عہد کا پاس نہیں رکھتے۔ جن سے اللہ نے قطع تعلق کرنے کے لئے فرمایا ان سے تعلق جوڑتے ہیں اور جن سے تعلق جوڑنے کے لئے کہا ان سے قطع تعلق کرتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں مگر شرارت کا پھل سوا ٹوٹا پانے کے کچھ نہیں۔ دیکھو تم کچھ نہ تھے خدا نے زندہ کیا پھر مارے گا اور جزاء اور سزا کے لئے زندگی دے گا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۱ فروری ۱۹۰۹ء)

دُنیا کی نعمتوں کی مثال تو ان کے مقابل میں مچھر کی سی ہے یعنی دُنیا کی چیزوں کی بہشت کی نعمتوں کے سامنے ایک پشہ کے برابر بھی حقیقت نہیں۔ ایسی مثالوں سے مومن حق کو پالیتا ہے اور کافر کہتا ہے تمثیلوں سے کیا فائدہ ؟ بہت سے لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں مگر گمراہ وہی ہوتے ہیں جو فاسق ہوں۔ (الفضل ۲۷ اگست ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا وَّیَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا۔ کیسا صاف مطلب ہے کہ فاسق اِس کتابِ کریم کو پڑھ کر گمراہ ہوتے ہیں ورنہ مومنوں کے لئے شفا اور راحت اور نور ہے۔

(فصل الخطاب صفحہ ۲۲۴)

یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا وَّیَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا ؕ وَمَا یُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ۔ گمراہ کرتا ہے اس سے بہتیرے اور راہ پر لاتا ہے اس سے بہتیرے اور گمراہ کرتا ہے انہیں کو جو بے حکم ہیں۔ کیا صاف مطلب ہے کہ فاسق ہماری کتاب کو پڑھ کر گمراہ ہوتے ہیں ورنہ مومنوں کے لئے شفا اور راحت ہے۔

(فصل الخطاب حصہ دوم صفحہ ۱۶۴)

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۳۰﴾

اس نے تمہاری بھلائی کے لئے زمین کی سب چیزوں کو پیدا کیا پھر آسمان کی طرف متوجہ ہؤا اور انہیں درست کیا۔ سات آسمان۔ اگر کسی طرح نہیں مانتے تو یُوں تو مانو کہ وہ ہر چیز کا عالم ہے اور علم والوں کی بات ماننا فطرتِ انسانی میں داخل ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۱ فروری ۱۹۰۹ء)

خَلَقَ لَكُمْ۔ اندازہ کیا تمہارے لئے کیونکہ قیامت تک خلق ہو گی۔ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ آسمان کے ستارے سات قسم کے ہیں۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۳۶)

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۱﴾

سُورۃ الحمد میں ۲ گروہوں کا ذکر ہے منعَم علیہم، مغضوب علیہم۔ منعَم علیہم کو متقین فرمایا اور بتایا کہ وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں نماز پڑھتے، اپنے مال و جان کو خدا کی راہ میں خرچ کرتے اور یقین رکھتے ہیں کہ وحی کا سلسلہ ابتدائے خلقِ آدم سے تا قیامت جاری ہے۔ یہ لوگ ہدایت کے گھوڑوں پر سوار ہیں اور مظفر و منصور ہوں گے۔ دوم وہ لوگ جن کے لئے سُنانا یا نہ سُنانا برابر ہے اور جو شرارت سے انکار کرتے ہیں مغضوب علیہم ہیں ایسے ہی منافق۔ سوم وہ جو غلطی سے گمراہ ہیں یا

بدعہدیوں کی وجہ سے یہ ضال ہیں۔
اب ایک منعم علیہ کی مثال دے کر سمجھاتا ہوں۔ اللہ نے فرشتوں سے مشورہ نہیں کیا بلکہ انہیں اطلاع دی۔ یہ اطلاع دینا خدا کا خاص فضل ہے جو بعض خواص پر ہوتا ہے کہ میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ خلیفہ کہتے ہیں گذشتہ قوم کے جانشین کو جو اپنے پیچھے کسی کو چھوڑے۔ بادشاہ کو (ظاہری باطنی سلطنت کو) شامل ہے۔
یہ ملائکہ وہ تھے جن کے عناصر کی زمینی خدمات ہوتی ہیں اور یہ ثابت ہے اس آیت سے اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ (صٓ: ۷۶) جس سے معلوم ہوا کہ عالین اس حکم کے مکلف نہیں تھے۔
صوفیوں نے لکھا ہے تمام عناصر کا مجموعہ انسان ہے۔ ہر عنصر پر ایک فرشتہ ہوتا ہے۔ وہ اپنے اپنے متعلقہ شئے کی ماہیت کو جانتے تھے وہ سمجھے کہ یہ تمام عناصر جب ملیں گے ضرور ان میں اختلاف ہوگا مگر انہیں معلوم نہ تھا خدا انسان کو مجموعہ کمالات بنانا چاہتا ہے۔ واقعی ہماری غذا بھی عجیب ہے کچھ اس میں پتھر (نمک) ہے۔ کچھ نباتات کچھ حیوانات۔ پس وہ بول اُٹھے کہ وہ فساد کرے گا اور خوں ریزی مگر ہم تیری تسبیح و تقدیس کہتے ہیں تیری ذات کو اس بات سے منزہ سمجھتے ہیں کہ تیرا کوئی کام حکمت اور نیک نتیجہ سے خالی ہو۔ فرشتے جو اعتراض کر رہے تھے دراصل وہی ان پر وارد ہوتا تھا کہ وہ بنی آدم کی پیدائش اور اس کی نسل کی نسبت چاہتے تھے کہ نہ ہو گویا سفک دماء کرتے تھے اور یہ بھی فساد تھا۔
ایک دفعہ کسی شخص نے مجھے کہا بہت علماء تمہارے مرزا صاحب کو خلیفۃ اللہ نہیں مانتے۔ مَیں نے کہا یہ تعجب نہیں۔ خلفاء پر فرشتوں نے اعتراض کئے ہیں یہ علماء فرشتوں سے بڑھ کر نہیں مگر فرشتوں اور دوسرے لوگوں کے اعتراض میں فرق تھا فرشتوں نے نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ اور سُبْحٰنَكَ لَاعِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا کہہ کر اپنے اعتراض کو واپس لے لیا...... فرشتوں کے سوال سے انسان کو عبرت پکڑنی چاہیئے جسے نہ تو خدا کی صفات کا علم ہے نہ صفات سے پیدا شدہ فعل کا بلکہ فعل کا اثر کچھ دیکھا ہے پس وہ کس بات پر بڑھ بڑھ کر اعتراض کرتا ہے اور مامور من اللہ کی نسبت کہتا ہے یہ نہیں چاہیئے تھا وہ چاہیئے تھا۔ (بدر ۲۴ ستمبر ۱۹۰۸ء صفحہ ۲)
آئندہ آنے والی باتوں کی نسبت رو برانِ ملک پیشگوئی کرتے ہیں جن کے تجارب صحیحہ آئندہ واقعات کے متعلق ہوں وہ تمدن کے فلاسفر کہتے ہیں جو دوائی اور نسخہ تجویز کرتے

ہیں وہ بھی مریضوں کے متعلق ایک پیشگوئی کرتے ہیں جن کی ایسی پیشگوئیاں کثرت سے صحیح ہوں وہ طبیبِ حاذق کہلاتے ہیں۔ ایک اَور قوم ہے جو کسی حساب کی بناء پر پیشگوئی کرتی ہے پھر یہ پیشگوئیاں جس کی زیادہ صحیح ہوں وہ مُنجم کہلاتا ہے۔ پھر اس سے بڑھ کر ایک اَور قوم ہے جس کے دماغوں کی بناوٹ اِس قسم کی ہے کہ وہ آئندہ واقعات کے متعلق بعض اَوقات صحیح پیشگوئیاں کر سکتے ہیں ان میں سے جو اَخلاقِ فاضلہ اور عقیدہ صحیحہ رکھتے ہیں وہ ولی کہلاتے ہیں سودوسرے ہڑڑ پوپو۔ پھر ایک اَور قوم ہے جو ملائکہ کے نام سے مشہور ہے ان کو بعض معاملات کی قبل از وقت اطلاع خدا کی طرف سے دی جاتی ہے۔ پھر اِن سے بالاتر ایک اَور قوم ہے جو ملائکہ سے میرے خیال میں افضل ہے انہیں رسول یا نبی کہتے ہیں ان کی اگر کوئی پیشگوئی بظاہر صحیح نہ ہو تو یہ امران کی ترقی کا موجب ہے کیونکہ ایسی بات پیش آنے سے توجہ جنابِ الٰہی میں بڑھے گی اور ترقیات کو طلب کرے گا۔ بہرحال خدا تعالیٰ نے ملائکہ کو اطلاع دی کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً میں زمین میں ایک خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں۔

خَلِیْفَۃً: اِس کے تین معنے ہیں (۱) قوم کا قائم مقام یخلف قومًا (۲) جو اپنی جگہ کسی کو قائم مقام چھوڑے یخلف قومًا (۳) وہ بادشاہ جو نافذالحکم ہو جیسے پنجابی میں "منّیا پرونّیا" کہتے ہیں۔ آدم علیہ السلام کے متعلق تینوں باتیں صحیح ہو سکتی ہیں۔ ان سے پہلے بھی قومیں ہو سکتی ہیں اور بعد میں بھی ہوئیں اور اللہ نے انہیں طاقت بھی بخشی۔ ایک اَور جگہ داؤدؑ کے متعلق یہی لفظ فرمایا اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً (صٓ ۲۷) حضرت حق سبحانہٗ نے یہ اطلاع ملائکہ کو دی ہے اور ہرگز ہرگز بطور مشورہ نہیں بتایا۔ جن لوگوں کا یہ خیال ہے وہ غلطی پر ہیں خدا کسی سے صلاح نہیں پوچھا کرتا۔ اطلاع کا نام مشورہ نہیں ہو سکتا۔ اِس پر فرشتوں نے عرض کیا کہ کیا تو مقرر کرے گا اسے جو فساد کرے گا اور خوں ریزی؟ اِن معنوں پر بعض لوگوں کو اعتراض ہے کہ خدا کے سامنے ملائکہ نے اعتراض کیوں کیا اِس لئے اِس سے بچنے کے لئے بعض نے یہ معنے کئے ہیں کہ کیا آپ خلیفہ ایسا بنانے لگے ہیں جو فساد و خوں ریزی کرے گا گویا استفہام انکاری ہے یعنی ایسا نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ بھی خیال کر لینا چاہیئے کہ فرشتے جو عرض کرتے ہیں وہ خود اس اعتراض کے نیچے ہیں۔ وہ یہ بات کہہ کر آدم کو مفسد ٹھہراتے اور اس کو مرواتے ہیں اور ان انبیاء و اَولیاء کے ظہور کے مانع ہیں جنہوں نے اپنے کمالات سے مخلوق کو فائدہ پہنچایا اور خدائی جلال کو ظاہر کیا اِس طرح وہ خوں ریزی کے مرتکب ہوتے ہیں مگر یہ صحیح نہیں۔

بہرحال مجھے تو وہی پہلے معنے پسند ہیں کیونکہ اس سے مجھے بہت فائدہ پہنچا۔ ایک دفعہ ایک شخص نے مجھے ایک خاص آدمی کے بارے میں پوچھا کہ آپ اسے کیسا سمجھتے ہیں۔ میں نے کہا نیک ہے، بزرگ ہے۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے پوچھا کہ وہ تو مرزا صاحب کا مخالف ہے۔ میں نے کہا پھر کیا ہوا۔ آدم کی خلافت پر اس کے خلاف کہنے والے تو ملائکہ کہلاتے ہیں اور میں نے اسے مَلک بھی نہیں کہا۔ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ اس پہلی بات کا فرشتے ازالہ کرتے ہیں کہ ہم تجھے کُل عیب سے پاک سمجھتے ہیں اور تیری ذات اس سے اعلیٰ و ارفع ہے اور اقدس ہے کہ کوئی ایسا فعل کرے جس کا نتیجہ اچھا نہ ہو۔ یہ قول کہ فرشتوں نے گویا اپنے تئیں منصبِ خلافت کے قابل سمجھا میں نے کہیں نہیں دیکھا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں تم سے اَعلم ہوں اور آب اس اَعلم ہونے کا ثبوت دیتا ہے کہ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۱ فروری ۱۹۰۹ء)

دنیا میں خلیفے پیدا ہوئے، ہوتے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ چار قسم کے آدمیوں پر تصریح کی ہے جنابِ الٰہی نے۔ ایک حضرت آدمؑ کو فرمایا اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً یعنی ہم نے آدم کو زمین میں خلیفہ بنایا۔ ایک حضرت داؤدؑ کو فرمایا یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ (صٓ: ۲۷) اسے داؤد ہم نے تجھے خلیفہ بنایا۔ ایک سارے آدمیوں کو خلیفہ کا لقب دیا ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَیْفَ تَعْمَلُوْنَ (یونس: ۱۵) ہر انسان کو فرماتا ہے تم کو خلیفہ بنایا اور ہم دیکھتے ہیں کہ تمہارے اعمال کیسے ہوں گے۔ ایک دفعہ جب میرا بیٹا پیدا ہوا (اگر وہ نہ ہوتا تو اس وقت ایک شخص تھا جس کا خیال تھا میں ہی وارث ہو جاؤں گا) تو کسی شخص نے اُس شخص سے بھی ذکر کر دیا۔ اس کو بڑا رنج ہوا اور بے ساختہ اس کے منہ سے نکل گیا کہ یہ بدبخت کہاں سے پیدا ہو گیا میری تو ساری امیدوں پر پانی پھر گیا مگر آج میں دیکھتا ہوں کہ وہ بالکل لاولد ہے نہ لڑکی نہ لڑکا اور پھر خدا کا ایسا فضل ہے کہ ایک باغ لگا دیا۔

سو کسی قسم کا خلیفہ ہو اس کا بنانا جنابِ الٰہی کا کام ہے آدمؑ کو بنایا تو اللہ نے، داؤدؑ کو بنایا تو اُس نے، ہم سب کو بنایا تو اُس نے۔ پھر حضرت نبی کریمؐ کے جانشینوں کو ارشاد ہوتا ہے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا (نور: ۵۶)

جو مومنوں میں سے خلیفہ ہوتے ہیں ان کو بھی اللہ ہی بناتا ہے۔ ان کو خوف پیش آتا ہے مگر خدا تعالیٰ ان کو تمکنت عطا کرتا ہے۔ جب کسی قسم کی بدامنی پھیلے تو اللہ ان کے لئے امن کی راہیں نکال دیتا ہے۔ جو اُن کا منکر ہو اس کی پہچان یہ ہے کہ اعمالِ صالحہ میں کمی ہوتی چلی جاتی ہے اور وہ دینی کاموں سے رہ جاتا ہے۔

جنابِ الٰہی نے ملائکہ کو فرمایا کہ مَیں خلیفہ بناؤں گا کیونکہ وہ اپنے مقربین کو کسی آئندہ معاملہ کی نسبت جب چاہے اطلاع دیتا ہے۔ ان کو اعتراض سُوجھا جو اَدب سے پیش کیا۔ ایک دفعہ ایک شخص نے مجھے کہا حضرت صاحب نے دعویٰ تو کیا ہے مگر بڑے بڑے علماء اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ مَیں نے کہا وہ خواہ کتنے بڑے ہیں مگر فرشتوں سے بڑھ کر تو نہیں۔ اعتراض تو انہوں نے بھی کر دیا اور کہا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَ يَسْفِكُ الدِّمَآءَ کیا تو اسے خلیفہ بناتا ہے جو بڑا فساد ڈالے اور خون ریزی کرے۔ یہ اعتراض ہے مگر مَولیٰ! ہم تجھے پاک ذات سمجھتے ہیں تیری حمد کرتے ہیں، تیری تقدیس کرتے ہیں۔ خدا کا انتخاب صحیح تھا مگر خدا کے انتخاب کو ان کی عقلیں کب پا سکتی تھیں۔ (الفضل ۱۷ ستمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

ایک خلیفہ آدم تھا اُس کی نسبت فرمایا ہے اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً۔ اَب خود ہی اس کے بارے میں ارشاد ہے عَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى (طٰهٰ : ۱۲۲) لیکن جب فرشتوں نے کہا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَ يَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ تو ان کو ڈانٹ پلائی کہ تم کون ہوتے ہو ایسا کہنے والے۔ پس فَاسْجُدُوْا لِاٰدَمَ آدم کو سجدہ کرو چنانچہ ان کو ایسا کرنا پڑا۔ دیکھو خود تو عاصی اور غوی تک کہہ لیا مگر فرشتوں نے چوں کی تو اس کو ناپسند فرمایا۔ مَیں نے کسی زمانہ میں تحقیقات کی ہے کہ نبی کے لئے لازم نہیں کہ اس کے لئے پیشگوئی ہو اور خلیفہ کیلئے تو بالکل ہی لازمی نہیں۔ دیکھو آدمؑ پھر داؤدؑ کے لئے کیا کیا مشکلات پیش آئے۔ مَیں اِس قسم کا قِصّہ گو واعظ نہیں کہ تمہیں عجیب عجیب قصّے ان کے متعلق سُناؤں مگر فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّ اَنَابَ (صٓ : ۲۵) سے تو یہ پایا جاتا ہے کہ کچھ نہ کچھ تو تھا جس کے لئے یہ الفاظ آئے۔ تیسرا خلیفہ ابوبکرؓ ہے اس کے مقابلہ میں شیعہ جو کچھ اعتراض کرتے ہیں وہ اتنے ہیں کہ ۱۳۰۰ برس گذر گئے مگر وہ اعتراض ختم ہونے میں نہیں آتے۔ ابھی ایک کتاب مَیں نے منگوائی ہے جس کے ۷۰۴ صفحات میرے پاس پہنچے ہیں۔ اِس میں صرف اتنی بات پر بحث ہے کہ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ بہتر ہے یا ابوبکرؓ۔ پھر شیعہ کہتے ہیں کہ ان کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ پیشگوئی نہ فرمائی۔ چوتھا خلیفہ تم سب

ہو چنانچہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ثُمَّ جَعَلْنٰکُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ (یونس : ۱۵) اگلی قوموں کو ہلاک کر کے تم کو ان کا خلیفہ بنا دیا لِنَنْظُرَ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ اب دیکھتے ہیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

چار کا ذکر تو ہو چکا اب میں تمہارا خلیفہ ہوں۔ اگر کوئی کہے کہ الوصیت میں حضرت صاحب نے نور الدین کا ذکر نہیں کیا تو ہم کہتے ہیں کہ ایسا ہی آدمؑ اور ابوبکرؓ کا ذکر بھی پہلی پیشگوئی میں نہیں۔

(بدر ۲۱۔ اکتوبر ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۰، ۱۱)

سعیدوں کے ایک مورثِ اعلیٰ سعید کا قصہ قرآن کریم نے مکرر عبرت کے لئے بیان کر کے مشاہدہ کرایا ہے کہ ہمیشہ بُرے بھلوں پر حملہ آور ہوتے رہے مگر انجام کار بھلوں ہی کی فتحیابی ہوتی رہی اور اشقیاء ہمیشہ شقاوت کا نتیجہ پاتے رہے۔ اس سعید کا نام آدم علیہ السلام تھا اس کا مورثِ اعلیٰ ہونا یہود کو توریت سے اور عیسائیوں کو نیو ٹسٹمنٹ سے ظاہر ہے۔ عرب کے لوگوں کو اپنی قومی اور ملکی روایت اور یہود اور عیسائیوں کے قرب سے یہ قصہ معلوم تھا اور غالب عمرانات کے لوگ آدم علیہ السلام کے اس دشمن کی بدحالت سے واقف تھے اور ظاہر ہے کہ تمثیل سے بہتر اور نتائج کے دکھانے سے زیادہ کوئی عمدہ ذریعہ روحانی اور اخلاقی تعلیم کے لئے نہیں ہو سکتا۔

باری تعالیٰ نے ایک خاص مُلک اور ایک خاص زمین میں آدم علیہ السلام کو پیدا کرنا چاہا اور قبل اس کے کہ اللہ تعالیٰ آدمؑ کو خلیفہ اور امام اور دینی و دُنیوی بادشاہ بنا دے۔ اس ملک کے دیوتا اور سروں اور ملائکہ کو الہاماً آگاہ فرمایا کہ میں اس زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں..... اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً جب کہا تیرے رَبّ نے ملائکہ کو کہ میں اس سرزمین میں ایک خلیفہ بنانا چاہتا ہوں۔ الارض کا الف اور لام اگرچہ عموم اور استغراق کے معنے بھی دیتا ہے مگر خصوصیت کے معنے بھی دیتا ہے ہر دو معنے اپنے موقع پر کئے جاتے ہیں۔ یہاں آدم علیہ السلام کے ایک جگہ سے نکالے جانے اور دوسری جگہ چلا جانے سے صاف واضح ہوتا ہے کہ جہاں آدم علیہ السلام خلیفہ بنائے گئے تھے وہ ایک خاص مُلک تھا اور جہاں آدمؑ پیچھے روانہ کئے گئے وہ اَور مُلک تھا اِس لئے یہاں الف لام تخصیص کے معنے رکھتا ہے اور لفظ خلیفہ اور الارض کے معنے معلوم کرنے کے واسطے آیۂ ذیل کو پڑھنا چاہیئے :۔

یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ (صٓ: ۲۷)

اے داؤد ہم نے تجھ کو اِس زمین میں خلیفہ بنایا سو تو لوگوں میں حق حق فیصلہ دیا کیجو۔

اِس آیہ میں لفظ خلیفہ اور لفظ الارض سے اچھی طرح واضح ہو سکتا ہے کہ الف ولام خصوصیت

کے معنے دیتا ہے اور آگے چل کر لفظ جنت کی تحقیق میں ہم اور زیادہ تفصیل کریں گے۔ تفاسیر میں لکھا ہے :۔

فَهِمُوْا مِنَ الْخَلِيْفَةِ اَنَّهُ الَّذِىْ يَفْصِلُ بَيْنَ النَّاسِ۔ مَا يَقَعُ بَيْنَهُمْ مِنَ الْمَظَالِمِ وَيَرُدُّهُمْ مِنَ الْمَحَارِمِ وَالْمَآثِمِ۔ (قرطبی۔ ابن کثیر)

لفظ خلیفہ سے یہ سمجھا ہے کہ اس کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کے تنازعاتِ باہمی کو فیصل کرے اور ناکردنی امور سے انہیں باز رکھے۔

وَالصَّحِيْحُ اِنَّهُ اِنَّمَا سُمِّىَ خَلِيْفَةً لِاَنَّهُ خَلِيْفَةُ اللهِ فِىْ اَرْضِهٖ لِاِقَامَتِهٖ حُدُوْدَهٗ وَتَنْفِيْذِ قَضَايَاهُ۔ (فتح البیان)

اور دراصل یہ ہے کہ اُسے خلیفہ اِسی لئے کہا گیا ہے کہ وہ اللہ کا خلیفہ بن کر اُس کی زمین میں حدود قائم کرتا ہے اور اُور احکامات کو جاری کرتا ہے۔

اَلْخَلِيْفَةُ هُوَ مَنْ يَخْلُفُ غَيْرَهٗ وَالْمَعْنٰى خَلِيْفَةٌ مِنْكُمْ لِاَنَّهُمْ كَانُوْا سُكَّانَ الْاَرْضِ اَوْ خَلِيْفَةُ اللهِ فِىْ اَرْضِهٖ وَكَذٰلِكَ كُلُّ نَبِيٍّ نَحْوَيٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ۔ (تفسیر مدارک)

خلیفہ اسے کہتے ہیں جو کسی کا قائم مقام ہو۔ آیت کے معنی یہ ہیں کہ وہ تم میں کا خلیفہ ہے۔ کیونکہ وہ لوگ اس زمین کے باشندے تھے۔ اور یہ معنے بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ اللہ کا خلیفہ ہے اس کی زمین میں اور اِسی طرح ہر نبی اس کا خلیفہ ہے۔ مثلاً اے داؤد ہم نے تجھے اسی زمین میں خلیفہ بنایا۔

غرض اِس زمین کے تمام مقدس فرشتوں کے مقدس گروہ نے آدم علیہ السلام سے پہلی قوموں کی بداطواری اور کافروں، ڈشٹوں، ولیبیوں، شیطانوں اور آمروں کے بُرے کام اور بدچلنی دیکھی ہوئی تھی۔ عالم الغیب تو بجز ذاتِ پاک باری تعالیٰ کے کوئی بھی نہیں۔ اِلّا ماشاء اللہ۔ نہ انبیاء نہ اولیاء۔ وہ ملائکہ بھی ایسے ہی محدود العلم، محدود التجربہ مخلوق تھے۔ اپنی کم علمی اور غیب نہ جاننے کے باعث اور کچھ خلیفہ کے لفظ سے جس کے معنے نائب اور قائم مقام کے ہیں غلطی سے سمجھ بیٹھے کہ یہ آدم بھی آدم سے پہلی قوموں کی طرح فساد، قتل اور سفکِ دماء نہ کرے۔ اس آدم کی واقعی نیکی اور نیک چلنی کا ان کو علم نہ تھا اِس لئے باری تعالیٰ کی معلّی بارگاہ میں عرض کیا :

اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ۔

پہلے ہی سے فتنہ وفساد کی رویں اور شر کے طوفان تھوڑے چل رہے ہیں؟ یہ بھی تو کوئی ارپ قبیل ہی ہوگا۔ تیرا جلال ظاہر کرنے کو ہم بھی آخر ہیں ہی۔

بزرگوں، دیوتاؤں کا کام تو یہی تسبیحات و تحمیدِ الٰہی اور باری تعالیٰ کی عبادت ہوتی ہے۔ وہ بیچارے اللہ تعالیٰ کے علم وحکمت اور اس کے کاموں کے اسرار سے کیا واقف کہ فقط لسانی تحمید وتقدیس سے دنیوی انتظام اور دینی کام اس دارِ ناپائیدار کے نہیں چلتے۔ میرا یہ کہنا کہ آدم سے پہلے اور قومیں دُنیا میں آباد تھیں اوّل تو قرآن کریم کی اس آیت سے ظاہر ہے بلکہ مکذب نے بھی اس امر کو تکذیب میں تسلیم کیا ہے۔

فَسَجَدُوْا اِلَّا اِبْلِيْسَ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ۔

ان سب نے اطاعت کی مگر ابلیس نے ابا کیا اور گردن کشی کی اور باغیوں میں سے ایک وہ بھی ہوگیا۔

اور لفظ مِنْ کے معنے بعض کے ہوتے ہیں اور کَانَ ماضی کا صیغہ ہے اور اخبار الاوّل اور آثار الاوّل کی چوتھی فصل میں لکھا ہے:

رَوٰى مُجَاهِدٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ فِى الْاَرْضِ قَبْلَ الْجِنِّ خَلْقٌ يُقَالُ لَهُمُ الْجِنُّ وَالْبِنُّ وَالطِّمُّ وَالرِّمُّ وَانْقَرَضُوْا وَذُكِرَ غَيْرُهٗ اَنَّ اَوَّلَ مَنْ سَكَنَ الْاَرْضَ اُمَّةٌ يُقَالُ لَهُمُ الْجِنُّ وَالْبِنُّ ثُمَّ سَكَنَهَا الْجِنُّ فَاَقَامُوْا يَعْبُدُوْنَ اللّٰهَ زَمَانًا فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمْرُ فَفَسَدُوْا فَاَرْسَلَ اللّٰهُ اِلَيْهِمْ نَبِيًّا مِّنْهُمْ بِقَوْلِهٖ تَعَالٰى يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ وَقِيْلَ مَلِكًا مُّنْذِرًا يُقَالُ لَهٗ يُوْسُفُ فَلَمْ يُطِيْعُوْهُ وَقَاتَلُوْا فَاَرْسَلَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةَ فَاَجْلَتْهُمْ اِلَى الْبِحَارِ۔

مجاہد ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جن سے پہلے یہاں زمین پر ایک لوگ رہتے تھے جنہیں جن، بن، طم، رم کہتے تھے اور وہ سب ناپید ہوگئے اور ایک شخص کا قول ہے کہ زمین کے پہلے باشندے ایک قوم تھی جنہیں جن اور بن کہتے تھے۔ پھر اُس پر جن آباد ہوئے۔ کچھ دنوں تو اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے بنے رہے پھر لگے شرارتیں کرنے تو اللہ تعالیٰ نے انہی میں سے ان کی طرف ایک نبی بھیجا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے گروہِ جن وانس کیا تم میں سے تمہاری طرف رسول نہیں آئے کہتے ہیں ڈرانے والا بادشاہ۔ اس کا نام تھا یوسف۔ انہوں نے اُس کا کہنا نہ مانا اور اس سے لڑنے کو کھڑے ہوئے۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان پر فرشتوں کو بھیجا انہوں نے ان باغیوں کو سمندر کی طرف

نکال دیا۔

اور تفسیر فتح البیان میں ہے :۔

اَفْسَدَتِ الْجِنُّ فِی الْاَرْضِ فَبَعَثَ اِلَیْهِمْ طَائِفَةً مِنَ الْمَلَائِکَةِ فَطَرَدُوْهُمْ اِلَی الْبِحَارِ وَرُؤُوْسِ الْجِبَالِ وَاَقَامُوْا مَکَانَهُمْ۔ (فتح البیان)

انہوں نے زمین میں فساد برپا کیا اللہ تعالیٰ نے ان پر ملائکہ کو بھیجا وہ انہیں پہاڑوں اور سمندر کی طرف ہنکا کر ان کی جگہ آباد ہو گئے۔

اَسْکَنَ الْجِنَّ فِی الْاَرْضِ فَمَکَثُوْا فِیْهَا دَهْرًا طَوِیْلًا ثُمَّ ظَهَرَ فِیْهِمُ الْحَسَدُ وَالْبَغْیُ فَاَفْسَدُوْا فِیْهَا فَبَعَثَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِمْ جُنْدًا مِنَ الْمَلَائِکَةِ یُقَالُ لَهُ الْجِنُّ وَهُمْ خَزَّانُ الْجِنَانِ اشْتُقَّ لَهُمْ اِسْمٌ مِنَ الْجَنَّةِ رَأْسُهُمْ اِبْلِیْسُ وَکَانَ رَئِیْسَهُمْ۔

تفسیر سراج المنیر خطیب شربینی :۔

وَعَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ وَکَانَ الْجِنُّ بَنُو الْجَانِّ فِی الْاَرْضِ قَبْلَ اَنْ یُّخْلَقَ اٰدَمُ بِاَلْفَیْ سَنَةٍ فَاَفْسَدُوْا فِی الْاَرْضِ وَسَفَکُوا الدِّمَاءَ فَبَعَثَ اللّٰهُ جُنْدًا مِنَ الْمَلَائِکَةِ فَضَرَبُوْهُمْ حَتّٰی اَلْحَقُوْا لِجَزَائِرِ الْبُحُوْرِ۔ (ابن کثیر)

ان عبارات سے صاف واضح ہوتا ہے جیسے ہمیشہ فاتح لوگ قلبِ ملک پر قابض ہو جاتے ہیں ایسے ہی ملائکہ اور وہ دیوتا جن کے سامنے یا جن پر آدم علیہ السلام خلیفہ بنائے گئے شیاطین پر فاتح تھے اور شیاطین ذلیل اور خوار ہو کر دُور دُور بلاد میں بھاگ گئے اور امام الائمہ حضرت سیدنا امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے جیسے تفسیر کبیر میں لکھا ہے اس آدم علیہ السلام سے پہلے ہزار در ہزار آدم گذر چکے ہیں۔ حضرت شیخ محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ فتوحاتِ مکیہ کے باب حدوث الدنیا میں فرماتے ہیں "میں ایک دفعہ کعبہ کا طواف کرتا تھا۔ مجھے کچھ لوگ طواف کرتے ملے۔ ان کی حالت سے مجھے معلوم ہوا کہ یہ کوئی روحانی گروہ ہے۔" فَقُلْتُ لِوَاحِدٍ مِّنْهُمْ مَنْ اَنْتُمْ فَقَالَ نَحْنُ مِنْ اَجْدَادِكَ الْاَوَّلِ فَقُلْتُ کَمْ لَکُمْ مِنَ الزَّمَانِ وَالْمُدَّةِ فَقَالَ بِضْعٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اَلْفَ سَنَةٍ فَقُلْتُ لَیْسَ لِاٰدَمَ قَرِیْبٌ مِنْ تِلْكَ السِّنِیْنَ۔

فَقَالَ عَنْ اَیِّ اٰدَمَ تَقُوْلُ عَنْ هٰذَا الْاَقْرَبِ اِلَیْكَ اَوْ غَیْرِهٖ فَتَذَکَّرْتُ حَدِیْثًا مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ قَبْلَ اٰدَمَ الْمَعْلُوْمِ عِنْدَنَا مِائَةَ اَلْفِ

آدم۔

شیخ صاحب کہتے ہیں میں عالم کشف میں حضرت ادریس نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملا اور اس کشف کی صحت پر سوال کیا۔" فَقَالَ اِدْرِیْسُ صَدَقَ الْخَبَرُ وَصَدَقَ شُهُوْدُكَ وَمُكَاشَفَتُكَ" جب ملائکہ۔ دیوتا۔ نے اپنے اس غلط قیاس کے باعث وہ عرض کی جس کا ذکر آیت اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا میں گذرا تب باری تعالیٰ نے ملائکہ کو فرمایا اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

اللہ تعالیٰ علیم وخبیر کی غیب دانی پر غور کرو کیسی غیب دانی ہے اور وہ پاک ذات اپنے علم کے ساتھ کیسا محیط الکل ہے۔ کسی تاریخ سے قرآن کی کسی آیت سے معلوم نہیں ہوتا کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کسی قسم کا فساد فی الارض یا سفکِ دماء ہوا ہو۔ ملائکہ کا اعتراض حضرت آدمؑ پر تھا اور اعتراض بھی یہ کہ فساد فی الارض اور سفکِ دماء اس سے سرزد ہوگا مگر حضرت آدمؑ ان عیوب سے پاک اور بری نکلے۔ اگر حضرت آدمؑ کی اولاد میں سے کوئی شخص اُن کی طرز پر نہ چلا تو اس کے جرم سے حضرت قصوروار نہیں ہو سکتے۔ اولاد کے گناہ سے باپ کو بدنام کرنا اور بیٹے کے قصور پر باپ کو ملامت کے قابل بنانا بے انصافی ہے۔ باپ کی کرتوت سے بیٹا بدنام ہو تو ہو مگر بالعکس غلط ہے۔ ہاں حضرت آدمؑ شیطان کی ناراستی اور قسم پر دھوکا کھا جائے تو ممکن تھا کیونکہ نیکوں کے نیک گمان ہوتے ہیں۔ نیک آدمی فریبیوں کی باتوں پر اپنے نیک گمان کے سبب غلطی کھا سکتے ہیں۔

(تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۱۱۹ تا ۱۲۶ و ۱۲۷)

(البقرۃ: ۳۲ تا ۳۴)

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ قَالَ يٰٓاٰدَمُ

اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾

اللہ تعالیٰ نے ملائکہ، دیوتا اور سروں کو آدم کے خلیفہ بنانے پر جب یہ فرمایا اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ اِس دعوٰی کی نہایت لطیف دلیل بتائی۔ دعوٰی تو یہ فرمایا کہ بے ریب میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے اور اِس دعوٰی کا ثبوت یُوں دیا وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا آدم کو چیزوں کے نام سکھائے اس تعلیم سے جو اللہ تعالیٰ نے آدم کو دی۔ اتنا تو ثابت ہُوا کہ جو چیز آپ کو سکھائی گئی وہ فرشتے نہیں جانتے تھے اگر وہ جانتے تو اس چیز کے بتانے سے عاجز آ کر یہ نہ کہتے:

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا۔ تُو پاک ہے ہمیں کوئی عِلم نہیں مگر جتنا تُو نے ہمیں سکھایا۔

آدم کو ایسی بات تعلیم کر دینی جس کا عِلم فرشتوں کو نہ ہو ضرور اِس امر کا مثبت ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ کچھ جانتا ہے جسے فرشتے نہیں جانتے اگر فرشتے جانتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اگر آدم کو پڑھا دیا تھا گو ہم نے مانا کہ علیحدہ پڑھایا تھا تو واجب تھا کہ فرشتے بدوں اس کے کہ خدا سے پڑھتے بتلا دیتے اور اگر نہ بتلا سکے تو معلوم ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمودہ وَاَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ بالکل سچ تھا کہ فرشتے اس کے علوم سے بے خبر ہیں تو اس کے کسی فعل پر کسی کو خواہ ملائکہ کیوں نہ ہوں اعتراض کا موقع نہیں۔

(تصدیق براہینِ احمدیہ صفحہ ۱۲۷، ۱۲۸)

اَب ہر سہ گروہ (منعم علیہم، مغضوب علیہم اور ضالین مرتب) کا ذکر تمثیلی رنگ میں فرماتا ہے وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ یعنی یہ ایک سوال ہے مگر ہم آپ کو کُلی عیوب سے پاک جانتے ہیں۔ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ کا ثبوت عَلَّمَ اٰدَمَ سے دیا یعنی اس کو سکھا دیا فرشتوں کو نہ پڑھایا اور بتایا۔ دیکھو جسے ہم پڑھاتے ہیں وہی جانتا ہے دوسرا نہیں۔ ان مسمیات کو پیش کیا وہ نام کیا تھے اس کا تفحص بیہودہ ہے صوفیوں

نے اسماءِ الٰہی مراد لیئے۔ فلاسفروں نے ہر چیز کا رب النوع۔ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ۔ اللہ نے اپنی عظمت کا ذکر فرمایا کہ ہم سب کچھ جانتے ہیں یہ نہیں کہ فرشتے دل میں کوئی بُرا خیال رکھتے تھے۔
(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۳۶، ۴۳۷)

الاسماء: کچھ نام سکھا دیئے وہ نام کیا تھے اس پر لوگوں نے بحث کی ہے۔ صوفی تو کہتے ہیں اللہ نے اپنے نام سکھائے فلاسفر کہتے ہیں چیزوں کے نام اور خواص۔ یہ سب باتیں قیاسی طور پر کہی جاتی ہیں کسی وحی سے ثابت نہیں۔ پس میں اتنا کہوں گا کہ اللہ نے کچھ باتیں سکھائیں ان کو اللہ خوب جانتا ہے پھر فرشتوں سے کہا کہ کیا تم بتا سکتے ہو۔ اس پر ایک عیسائی نے اعتراض کیا ہے کہ اللہ نے ملائکہ سے ناانصافی کی کہ ان کو نہ بتایا اور آدم کو بتایا حالانکہ نادان نہیں جانتا کہ ثابت بھی یہی کرنا تھا کہ جسے میں علم دوں وہ عالم ہے اور جسے میں نہ دوں وہ جاہل ہے چنانچہ فرمایا ہے كُلُّكُمْ ضَالٌّ اِلَّا مَنْ هَدَيْتُهٗ كُلُّكُمْ عَارٍ اِلَّا مَنْ كَسَيْتُهٗ پہلے دونوں جاہل تھے اور دونوں تعلیم کے محتاج۔ آدم کو پڑھا دیا اسے آگیا ملائکہ کو نہ پڑھایا اسے نہ آیا چنانچہ فرشتوں نے خود اقرار کیا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا پھر فرمایا اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ خدا تعالیٰ زمین و آسمان کی چھپی ہوئی باتوں کو جانتا ہے وہ علیم و حکیم ہے۔ ایک بچہ درزی کو دیکھے کہ اس نے تمام تھان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے تو وہ گھبرا اُٹھتا ہے کیونکہ نہیں جانتا کہ یہ ٹکڑے ایک اعلیٰ ملبوس بننے والے ہیں اسی طرح اللہ کے مصالح اکثر نادانوں سے مخفی رہتے ہیں وہ ظاہری صورت دیکھ کر چلا اُٹھتے ہیں۔

گلستان میں ایک شخص کی حکایت ہے کہ وہ لنگڑا ہو گیا اور ایک دن بیگار میں لوگوں کو پکڑ رہے تھے اُسے چھوڑ گئے تو وہ خدا کا شکر بجالایا۔

قرآن شریف میں موسیٰ اور خضر کا قصہ ہے۔ خضر نے ایک کشتی کو عیب ناک کر دیا اور بعد میں اس کی حکمت ظاہر ہوئی۔

پس ہمیں چاہیئے کہ خدا کی حکمتوں پر ایمان لائیں اور اس کے حکم مانیں شیطان نے اپنی رائے کو ترجیح دی۔ اس نے انکار کیا۔ اکڑ بازی کی۔ کافر ہو گیا۔

بہت سے لوگ خدا کا فضل لے کر غضب کما لیتے ہیں بعض غضب تو نہیں کماتے مگر بھول جاتے ہیں۔ خدا کے انکار اور شرک وغیرہ کی سزائیں بعد الموت ہیں مگر شوخی، بےحیائی، کسی کو دُکھ دینا، کسی کی ہتک کرنا، اِن سب کے عذاب اِسی دُنیا میں بھی آتے ہیں جو محض خدا کے حقوق ہیں ان کے لئے فروگذاشت معاف کی جاتی ہے مگر حقوق العباد میں دست رس کرنے کی سزا بہت جلد ملتی ہے۔

بعض آدمیوں کو خدا تعالیٰ حُسن دیتا ہے مگر وہ اسی نعمت سے عورتوں کو اپنے اُوپر رجھا کر اپنے لئے موجبِ غضب بنا لیتے ہیں۔ دولتمند انسان کے پاس دولت ایک نعمت ہے مگر یہی نعمت خدا کا غضب بن جاتی ہے اگر اسے فضولیوں اور عیاشیوں میں صرف کیا جائے۔ یہی حال تندرستی، ذہانت، فراست، موزونیت طبع کا ہے کہ بعض ایسی باتوں میں لگ جاتے ہیں جو حُسن و عشق سے وابستہ ہیں۔ ایک گندی کتاب ہمارے بچپن کے زمانہ میں پڑھائی جاتی تھی جس کا نام بہار دانش ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ ایک شاگرد اپنے استاد کے آگے کس طرح اس کا ترجمہ کر سکتا ہے۔ غرض خدا تعالیٰ ذہن و ذکا، فہم و فراست، جاہ و جلال، حُسن و جمال دیتا ہے مگر انسان انعام لے کر غضب کے نیچے آجاتا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۱ر فروری ۱۹۰۹ء)

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۠ وَلَا تَقْرَبَا ھٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

اَب جو رکوع اس وقت پڑھتا ہوں اس میں نام لے کر ایک منعم علیہم گروہ کا ذکر ہے یعنی آدم اور ایک مغضوب علیہم یعنی شیطان کا اور بھول میں پڑنے والے گروہ ملائکہ کا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۱ر فروری ۱۹۰۹ء)

اللہ جو حکم دیتا ہے اس کے ساتھ کچھ نواہی بھی ہوتے ہیں یہاں اُسْكُنْ، كُلَا مِنْهَا رَغَدًا تو احکام ہیں اور لَا تَقْرَبَا نہی ہے۔

ھٰذِهِ الشَّجَرَةَ: ایک درخت سے منع کیا جو ان کے لئے مُضر تھا۔ بے جا تکلیف اٹھائی ان لوگوں نے جنہوں نے اس درخت کا نام ڈھونڈھا ہے۔ میرے اپنے ذوق کے مطابق یہ اعتقاد

ہے کہ ہر شخص کو کچھ حکم دیا جاتا ہے تو ساتھ ہی کچھ ممانعت بھی کی جاتی ہے کُلُوْا وَاشْرَبُوْا کے ساتھ وَلَا تُسْرِفُوْا فرمایا ہے ایسا ہی آدم کو کسی بات سے جو اس کے لئے مُضر تھی روکا۔

فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ایسا کروگے تو جان پر بوجھ ڈالوگے۔ آدم خدا کا مصطفٰے اور مجتبٰی تھا اور قرآن مجید میں آیا ہے ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ جس سے معلوم ہوا کہ برگزیدہ لوگ بھی ظالم ہیں مگر وہ ظالم نہیں جن کے ظلم کا نتیجہ بُرا ہے بلکہ وہ نفس پر رضاءِ الٰہی کے لئے ظلم کرتے ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۸ر فروری ۱۹۰۹ء)

چونکہ حضرت آدمؑ کی خلافت ان کی کمالِ علمی کے باعث ثابت ہوگئی اور علمی کمال بطریق اولیٰ تسبیح اور تحمید کا باعث ہوتا ہے جیسے قرآن کریم نے کہا اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا۔ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ تو حضرت آدمؑ ملائکہ سے بڑھ گئے اور ان پر فضیلت پاگئے جن باتوں پر خلافت کا مدار ہے اِس آیت میں بیان ہوئی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا۔ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ۔ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ (البقرۃ: ۲۴۸)۔

اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو حکم دیا کہ اس خلیفہ اور حاکم کی اطاعت کرو۔ الٰہی خلفاء کی تابعداری اور فرمانبرداری انسانی ضرورت، تمدن اور سیاست کا لابدی مسئلہ ہے اِسی واسطے جامع العلوم کتاب قرآن کریم اِس بارے میں حکم دیتی ہے اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ تمام مذاہب میں یہ امر مسلّم ہے کہ عبادت نام ہے اللہ تعالیٰ کی آگیا کے پالن کا۔ یعنی اس کا فرمانبردار ہونا۔ جب باری تعالیٰ نے ملائکہ کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو آدم کو سجدہ کرنا اور اس کی آگیا کا پالن کرنا درحقیقت باری تعالیٰ کی جناب کو سجدہ تھا نہ آدم کو جیسے ہے مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کے خلفاء کی فرمانبرداری بھی خود اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہوتی ہے اور حکامِ وقت کے بھلے حکموں اور اچھے ارشادوں کی اطاعت حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی ہی اطاعت ہوا کرتی ہے۔

سجدہ کا لفظ اِسلامی شرع میں ایک وسیع لفظ ہے اس کے معنے سمجھنے کے لئے اِن آیات و محاورات پر غور کرو وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (النحل: ۵۰) وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الرعد: ۱۶)

بعض آدمیوں کو خدا تعالیٰ حُسن دیتا ہے مگر وہ اسی نعمت سے عورتوں کو اپنے اُوپر رِجھا کر اپنے لئے موجبِ غضب بنا لیتے ہیں۔ دولتمند انسان کے پاس دولت ایک نعمت ہے مگر یہی نعمت

سجدہ کا لفظ عرب کی لُغت میں انقیاد اور فرمانبرداری کے معنے دیتا ہے۔ زید الخیل عرب کا ایک مشہور شاعر ایک قوم کی بہادری کا تذکرہ کرتا ہے اور کہتا ہے اس بہادر قوم کے سامنے ٹیلے اور پہاڑ سب سجدہ کرتے ہیں یعنی فرمانبردار ہیں ان میں سے کوئی چیز بھی اس قوم کو روک نہیں سکتی۔

بِجَمْعٍ تَضِلُّ الْبُلْقُ فِي حُجُرَاتِهِ وَتَرَى الْأُكْمَ فِيهَا سُجَّدًا لِلْحَوَافِرِ

وَالسُّجُودُ اَلتَّذَلُّلُ وَالْاِنْقِيَادُ بِالسَّعْيِ فِي تَحْصِيْلِ مَا يَنُوطُ بِهِ مَعَاشَهُمْ۔ فتح تفسیر مدارک میں ہے وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِاٰدَمَ اَيْ اَخْضَعُوا لَهُ وَاَقِرُّوا بِالْفَضْلِ لَهُ۔

غرض آدم علیہ السّلام وہاں رہے اور ہر طرح اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں زندگی بسر کرتے رہے اللہ تعالیٰ نے کہہ دیا تھا کہ انگور یا الشجر اور انجیر کے پاس بھی نہ جانا۔

وَقُلْنَا يَاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔

سعید بن جبیر۔ سدی شعبی۔ جعدہ بن ہبیرہ۔ محمد بن قیس۔ عبداللہ بن عباس۔ مرّہ ابن مسعود اور کئی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہی قول ہے کہ وہ انگور کا درخت تھا۔ مدارک میں لکھا ہے کہ یہی درخت تمام فتنوں کی جڑ ہے اور منذر بن سعید نے اپنی تفسیر میں ایسا ہی لکھا ہے جیسے امام ابن قیم نے حادی الارواح میں بیان کیا اور وہ جنت جس میں آدم علیہ السّلام رہے وہ زمین پر تھا غور کرو دلائل ذیل پر:

وَالْقَوْلُ بِاَنَّهَا جَنَّةٌ فِي الْاَرْضِ لَيْسَتْ بِجَنَّةِ الْخُلْدِ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَصْحَابِهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَهٰذَا ابْنُ عُيَيْنَةَ يَقُوْلُ فِيْ قَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ وَاَنَّ لَكَ اَنْ لَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى قَالَ يَعْنِيْ فِي الْاَرْضِ وَابْنُ عُيَيْنَةَ اِمَامٌ وَابْنُ نَافِعٍ اِمَامٌ وَهُمْ (اَيِ الْمُنْكِرُوْنَ) لَا يَاْتُوْنَنَا بِمِثْلِهِمَا۔*

---

*(ترجمہ از مرتب) اور یہ قول کہ "وہ جنت زمین پر ہے، اس سے مراد جنتِ خُلد یعنی ہمیشہ رہنے والی جنت نہیں ہے" یہ ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے رفقاء کا قول ہے۔ اور ابن عیینہ کے مطابق فرمانِ الٰہی: وَاَنَّ لَكَ اَنْ لَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى (کہ اس میں تو بھوکا و بے پوشاک نہ ہوگا) یعنی اس سرزمین میں۔ اور یاد رہے کہ ابن عیینہ اور ابن نافع ایسے امام

اور امام ابن قتیبہ نے اپنی کتاب معارف میں فرمایا ہے :۔

خَلَقَ اٰدَمَ وَزَوْجَهٗ ثُمَّ تَرَكَهُمَا وَقَالَ اعْتَمِرُوْا وَاكْثِرُوْا وَامْلَئُوا الْاَرْضَ وَ تَسَلَّطُوْا عَلٰى اَلْوَانِ الْحُجُوْرِ وَطَيْرِ السَّمَاءِ وَالْاَنْعَامِ وَعُشْبِ الْاَرْضِ وَشَجَرِهَا وَثَمَرِهَا فَاَخْبَرَ اَنَّهٗ فِى الْاَرْضِ ثُمَّ قَالَ وَنَصَبَ الْفِرْدَوْسَ فَانْقَسَمَ عَلٰى اَرْبَعَةِ اَنْهَارٍ۔ سَيْحُوْنَ۔ جَيْحُوْنَ وَدِجْلَةَ وَفُرَاتَ۔

وَقَالَ مُنْذِرُ بْنُ سَعِيْدٍ۔ هٰذَا وَهَبُ ابْنُ مُنَبِّهٍ يُحْكِيْ اَنَّ اٰدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ خُلِقَ فِى الْاَرْضِ وَفِيْهَا سَكَنَ وَفِيْهَا نُصِبَ لَهٗ الْفِرْدَوْسُ وَاِنَّهٗ كَانَ بِعَدْنٍ وَاِنَّ اَرْبَعَةَ الْاَنْهَارِ انْقَسَمَتْ مِنْ ذَالِكَ النَّهْرِ الَّذِيْ كَانَ يُسَمّٰى فِرْدَوْسَ اٰدَمَ وَتِلْكَ الْاَنْهَارُ مُضَافِى الْاَرْضِ لَا اِخْتِلَافَ بَيْنَ الْمُصَلِّيْنَ فِيْ ذَالِكَ فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِى الْاَبْصَارِ۔*

(تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۱۲۸ تا ۱۳۱)

اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ : یعنی اس نے سرکشی کی اور انکار کیا اور وہ کافروں میں سے تھا یا ہوا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہلاکت کو خود اس نے اپنی سرکشی سے خریدا۔ خدا نے اسے بجبر ہلاک نہیں کیا۔ (نور الدین صفحہ ۲۶)

پہلا گناہ دین میں خلیفۃ اللہ کے مقابل یہی تھا اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ۔ اس میں شک نہیں کہ سُنّت اللہ اسی طرح پر ہے کہ ماموروں پر اعتراض ہوتے ہیں اچھے بھی کرتے ہیں اور بُرے بھی مگر اچھوں کو رجوع کرنا پڑتا ہے اور بُرے نہیں کرتے مگر مبارک وہی ہیں جو اعتراض سے بچتے ہیں کیونکہ نیکوں کو

---

* خدا نے آدمؑ اور اس کی بیوی کو پیدا کر کے یہ کہتے ہوئے چھوڑ دیا کہ جاؤ آباد کاری کرو، کثرتِ اولاد سے زمین کو بھر دو اور مختلف پتھریلی سرزمین آسمان کے پرندوں، مویشیوں، نباتات، درختوں اور پھلوں پر غلبہ حاصل کرو۔ ابنِ قتیبہ نے بتایا کہ یہ اس کرّۂ ارض کے بارہ میں ذکر ہے۔ پھر کہا کہ اللہ نے فردوس قائم کیا اور یہ چار نہروں، سیحوں، جیحوں اور دجلہ و فرات میں تقسیم ہو گیا۔

اور منذر بن سعید نے کہا کہ وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ آدم علیہ السلام زمین میں پیدا کئے گئے اور اسی میں رہے اور اسی میں ان کے لئے فردوس بنائی گئی جو عدن میں تھی۔ اور فردوسِ آدم نامی دریا چار دریاؤں میں تقسیم ہوا اور یہ چاروں زمین میں واقع ہیں۔ اس بارہ میں اہلِ صلوٰۃ یعنی مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِى الْاَبْصَارِ۔

بھی آخر مامور کے حضور رجوع اور سجدہ کرنا ہی پڑا ہے۔ پس اگر یہ ٹک ٹک کی طرح بھی ہو پھر بھی اعتراض سے بچے کیونکہ خدا تو سجدہ کرائے بغیر نہیں چھوڑے گا ورنہ لعنت کا طوق گلے میں پڑے گا۔

(الحکم ۱۷ر جنوری ۱۹۰۳ء)

پہلا نافرمان جس کی تاریخ ہمیں معلوم ہے ابلیس ہے وہ کیوں نافرمان بن گیا اس کی خبر بھی قرآن شریف نے بتلائی ہے کہ اس نے اِبٰی اور استکبار کیا یعنی اس میں انکار اور تکبر تھا جس کی وجہ سے وہ اَسْلِمْ کی تعمیل نہ کرسکا۔ اِس وقت بہت لوگ ہیں کہ اس اِبٰی اور استکبار کی وجہ سے اَسْلِمْ کی تعمیل سے محروم ہیں کسی کو عقل پر تکبر ہے کسی کو علم پر کسی کو اپنے بزرگوں پر جو کہ ان کے نقصان کا باعث ہو رہا ہے اور جب کبھی خدا کے مامور آتے رہے ہیں یہی اباء اور استکبار اُن کی محرومی کا ذریعہ ہوتے رہے ہیں۔ انسان جب ایک دفعہ مُنہ سے نہ کر بیٹھتا ہے تو پھر اُسے دوبارہ ماننا مشکل ہو جاتا ہے اور لوگوں سے شرم کی وجہ سے وہ اپنی ہٹ پر قائم رہنا پسند کرتا ہے اس کا نتیجہ کھُلم کھُلا انکار اور آخرکار وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ کا مصداق بننا پڑتا ہے۔

(الحکم ۲۲ر فروری ۱۹۰۵ء نیز الحکم ۱۷ر مئی ۱۹۰۵ء)

اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ: اِس سے ظاہر ہے کہ اوّل انکار اور کبر ہی ایک ایسی شئے ہے جو کہ فیضانِ الٰہی کو روک دیتی ہے۔ طاعون کے گزشتہ دَورہ میں جو الہام حضرت اقدس کو ہُوا تھا اس میں بھی ایک شرط لگی ہوئی تھی کہ اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ اِلَّا الَّذِیْنَ عَلَوْا بِالْاِسْتِکْبَارِ۔ کبر تزکیۂ نفس کی ضِد ہے اور دونوں چیزیں ایک جا جمع نہیں ہو سکتیں۔

(الحکم ۲۴ر جنوری ۱۹۰۴ء)

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۪ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۷﴾

ان کو شیطان نے پھسلانا چاہا اور پھر ان کو جہاں وہ تھے وہاں سے نکال دیا۔

خازن کی تفسیر میں لکھا ہے:۔

اَزَلَّ ای اِسْتَزَلَّ اٰدَمَ وَحَوَّا وَدَعَاھُمَا اِلَی الزَّلَّۃِ وَھِیَ الْخَطِیَّۃُ (کتاب التاویل تفسیر خازن)
غرض آدم علیہ السلام اس ملک سے چل دئے اور کسی اور زمین میں جاکر آباد ہوئے۔ توریت شریف میں لکھا ہے "خداوند خدا نے آدم علیہ السلام کو پہلے باغ عدن میں رکھا کہ اس کی باغبانی اور نگہبانی کرے" (پیدائش ۲ باب ۱۸ اور پیدائش ۳ باب ۲۴) آیت میں ہے اس نے آدم کو نکال دیا اور باغ عدن کے پورب کی طرف کروبیوں کو چمکتی تلوار کے ساتھ چاروں طرف پھرتے تھے مقرر کیا۔ تو غالباً یہ وہ مکان تھے جہاں قائن جاکر آباد ہؤا۔ سو قائن خداوند کے حضور سے نکل گیا اور عدن سے پورب کی طرف نود کی زمین میں جا رہا" (پیدائش ۴ باب ۱۶) اور یہ بھی فرمایا کہ ہم اِس واسطے تم کو نکالتے ہیں کہ تم لوگوں میں باہمی عداوت ہے اور باہمی عداوت کا یہی نتیجہ ہوتا ہے کہ آخر کچھ قوموں کو نکلنا پڑتا ہے۔ سوچو آریہ ہند میں کس طرح آئے۔ مقامِ تامّل اور غور ہے۔ اب بھی اگر نااتفاقی علیہ الشیو کے باعث محرم۔ دسہرہ وغیرہ کے فسادات ہوتے رہے تو بہت ساروں کو حکم ہوگا پورٹ بلیئر چلے جاؤ اور یوں مجبوراً قُلْنَا اھْبِطُوْا بَعْضُکُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ (پورٹ بلیئر) مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ کی تعمیل کرنی پڑے گی۔

(تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۱۳۵، ۱۳۶)

فَاَزَلَّھُمَا الشَّیْطٰنُ: شیطان کو بھی ایک موقع معلوم ہؤا اس نے پھسلانا چاہا۔
عَنْھَا۔ اس درخت سے۔ قرآن مجید میں لکھا ہے کہ نَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَہٗ عَزْمًا (طٰہٰ:۱۱۶)
کچھ مدت کے بعد آدم حکمِ الٰہی کو بھول گئے اور یہ کسی انسان کے لئے موجبِ تعجب نہیں ہوسکتا ہم دیکھتے ہیں کہ آدمی نماز کے لئے بڑے اہتمام کے ساتھ گھر سے آتا ہے وضو کرتا ہے۔ پھر پہلی رکعت دوسری سے بالکل مختلف ہے پھر بھی بھول جاتا ہے۔ قرآن مجید کی آیات کا بھی یہی حال ہے۔ بعض وقت معمولی آیت قرأت کے وقت بھول جاتی ہے۔ روزہ رکھا جاتا ہے مگر بھول کر پانی پی لیتے ہیں یہ عجائباتِ قدرت ہیں۔
اَخْرَجَھُمَا: اللہ نے نکال دیا اس حالت سے جس میں وہ تھے۔ پھر خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ جب بعض تمہارے دشمن بھی ہیں تو تم چوکس رہو۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۸ر فروری ۱۹۰۹ء)

فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْہِ ؕ

البقرۃ: ۳۸

اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝۳۸ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۳۹

اِهْبِطُوْا: میرا ایمان ہے کہ یہ سزا نہیں۔ آدمؑ نے خدا سے کچھ باتیں سیکھیں جیسے حضرت ابراہیمؑ نے اِذِ ابْتَلٰی اِبْرٰھِیْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ یعنی کچھ احکام دیئے جن کو ابراہیمؑ نے پورا کیا تو امام بنایا گیا اسی طرح خدا نے حضرت آدمؑ کو درجات عطا فرمائے۔

هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ کے بعد قُلْنَا اهْبِطُوْا فرمانا اِس بات کی دلیل ہے کہ یہ بطور سزا ہرگز نہیں۔ یہ قرآن شریف کے سیاق کے بالکل خلاف ہے۔

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى: ہمارا ہدایت نامہ جب آئے تو قاعدہ یاد رکھو جو تابع ہوگا اس پر کوئی خوف و حزن نہیں۔ ہر زمانے میں ایک تغیّر آتا ہے اس تغیّر میں ایک قوم خوف و حزن میں ہوتی ہے۔

رسولِ کریمؐ جب مبعوث ہو کر پبلک میں آئے تو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا وعظ کیا۔ اس وقت دو مذہب تھے ایک موحّد دوسرے بُت پرست۔ ان میں سے جو متّبع تھے حضرت نبی کریمؐ کے وہ کامیاب ہوئے اور سارے عرب کو ساتھ ملا لیا مگر کافر اسی خوف و حزن میں رہے۔ عبداللہ بن اُبَیّ اور ابوجہل کو تھوڑا رنج تھا اور پھر کفّار کو کتنا حزن ہؤا ہوگا جبکہ دونوں کے بیٹے مسلمان ہوگئے۔

غرض جو فرمانبرداری اختیار کرتے ہیں وہ سُکھ پاتے ہیں اور جو مقابلہ کرتے ہیں وہ اصحابُ النّار جُل بُھن کے کباب ہو جاتے ہیں۔

ایک اعتراض کیا جاتا ہے کہ مومنوں کو بھی خوف و حزن ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مومنوں کے لئے یہ وعدہ ہے وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا۔ غرض یہ خوف و حزن ایک فریق کے لئے کامیابی کا موجب ہوتا ہے تو دوسرے کے لئے ناکامی کا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۸ فروری ۱۹۰۹ء)

آدمؑ نے اپنے ربّ سے کچھ کلمات سیکھے اور اس پر فضل ہؤا اور اللہ نے حکم دیا کہ اب

جب کبھی ہماری ہدایت پہنچے جو اس کے تابع ہوگا اس پر کسی قسم کا خوف و حزن طاری نہ ہوگا اور جو حکم کی خلاف ورزی کرے گا اسے نقصان پہنچے گا تم سب دل میں سوچو کہ تمہارا جی چاہتا ہے کہ تمہیں غم ہو خوف ہو۔ غموں اور خوفوں سے بچنے کا ایک ہی علاج ہے وہ یہ کہ ہدایت کی اتباع کرو اگر نہیں کروگے تو دکھ اٹھاؤگے۔ (الفضل ۲۴ ستمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

اِهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِیْعًا۔ یہاں سے سب کے سب نکل جاؤ۔

یہ حکم اللہ تعالیٰ کے فضل کا نشان تھا۔ حضرت آدمؑ غالباً ہند بلکہ سراندیپ میں چلے آئے جیسے جابر، ابن عمر، سیدنا علی اور جماعت صحابہ اور تابعین اور من بعدھم سے مروی ہے کیونکہ جس مکان پر کسی سے غلطی ہوتی ہے وہ منحوس جگہ اس قابل نہیں ہوتی کہ محتاط لوگ وہاں رہیں۔ علاوہ بریں ایسے مکان سے ہجرت کرنا آئندہ کے واسطے ہشیار اور خبردار بنا دیتا ہے۔

(تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۱۲۶)

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۱﴾

سارا قرآن شریف حقیقت میں الحمد کی تفسیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں تین گروہوں کا اور اپنی صفات میں سے چار صفات کا ذکر کیا ہے۔ ایک گروہ کا نام مُنعَم علیہم ہے۔ بہت سے لوگ منعَم علیہ ہوکر بھی مغضوب بن جاتے ہیں۔ مغضوب علیہ وہ ہوتا ہے جو علم پر عمل نہ کرے اور کسی سے بے جا عداوت رکھے۔ احادیث میں یہود بتائے گئے ہیں ان میں یہی بات ہے کہ بے جا عداوت رکھتے ہیں اور جو اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ہوکر علم نہیں رکھتے اور کسی سے بے جا محبت رکھتے ہیں وہ ضالین ہیں۔ احادیث میں ان کا نام عیسائی آیا ہے۔ یہاں یعقوب کا نام چھوڑ دیا ہے۔ اسرائیل کو یونانی زبان میں س کی بجائے ش بولتے ہیں۔ اشر کے معنے سپاہی، بہادر۔ خدا تعالیٰ نے یعقوب علیہ السلام کا یہ نام رکھا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کا بہادر سپاہی ہے۔ ماں باپ نے تو یعقوب نام رکھا تھا اللہ تعالیٰ نے اسرائیل نام رکھا۔ یہاں ہم کو بتایا کہ تم کن اسلاف کی اولاد ہو۔

انعامات کو یاد کرنے سے یہ فائدہ ہے کہ ہمارے احکامات کی بجا آوری میں سستی نہ کرو۔ ہمارے احکامات کی بجا آوری کا یہ نتیجہ ہوگا کہ جو نتائج پہلوں کو عطا ہوئے ہیں وہ تم کو بھی عطا ہو جائیں گے۔
بعض اوقات انسان کو ایک اور مشکل پیش آجاتی ہے وہ یہ کہ بعض آدمی غریب ہوتے ہیں ان کو فکر ہوتا ہے کہ ہم کسی بڑے آدمی کی مخالفت کریں تو ہم کو نقصان پہنچے گا۔
نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ: سب سے بڑی نعمت تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجودِ مبارک تھا۔
اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ: میرے وعدوں کے پابند ہو جاؤ۔ جو میں نے ان پر ثمرات عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے وہ میں دے دوں گا۔
چونکہ کسی شرعی حکم پر عمل کرنے میں بعض آدمیوں کو مشکلات ہوتی ہیں اور بڑے آدمیوں کا خوف ہوتا ہے کہ شاید وہ تکلیف دیں۔ اس لئے فرماتا ہے اِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ڈر صرف میرا ہی رکھو۔ انسان حق بات کا اظہار بوجہ مالی ضعف یا ضعفِ جاہ و جلال یا ضعفِ علم و ہمت کر نہیں سکتا۔ مثلاً ایک آدمی غریب ہے اپنا جتھا نہیں رکھتا پس وہ دوسروں کا محتاج ہے۔ فرماتا ہے اگر تم اظہارِ حق میں کسی کی پرواہ نہ کرو تم میرے وفادار بنو اور میرا ڈر رکھو میں ضرور تمہاری مدد کروں گا۔ یہ ضعفاء کے لئے ہے۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۸ فروری ۱۹۰۹ء)
قرآن سنانے والوں کو یہودیوں، عیسائیوں میں قرآن سنانے کا کم موقع ملتا ہے پس جہاں یہ ذکر ہے وہاں مسلمانوں کو متنبہ کرنا مقصود ہے۔ پس مسلمان کو چاہیئے کہ جن ناپسند کاموں کی وجہ سے یہودی عیسائی عذاب پانے والے ہوئے ان سے بچے اور جن پسندیدہ کاموں کے سبب انعام پائے وہ کرے۔
اس قوم کے مورثِ اعلیٰ کا نام نہیں لیا بلکہ لقب بیان کیا ہے اس سے ان کو شرم اور جوش دلانا مقصود تھا۔
عربی زبان میں اسرائیل کے معنے ہیں خدا کا بہادر سپاہی۔ اس نام سے یہ غیرت دلائی کہ تم بھی اللہ کے بہادر بنو۔ ہماری سرکار سید الابرارؐ سے بڑھ کر اور کون اللہ کا پہلوان ہے۔ پس اتنے بڑے انسان کی اُمت اور اولاد ہو کر ہم نفس و شیطان کے مقابلہ میں بزدلی دکھائیں تو ہم پر افسوس ہے.....
نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وہ نعمت کیا تھی۔ دوسری جگہ فرمایا کہ تم میں سے انبیاء و ملوک

بنائے اور وہ کچھ دیا جو دوسروں کو نہ دیا گیا۔

پس اے مسلمانو تم اپنی حالت پر غور کرو کہ تم پر بھی یہ انعام ہو چکے ہیں۔ اِس کتاب پر ایمان لاؤ کیونکہ اِس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ تمام نصائح کی جامع ہے۔ اگر کسی اگلی کتاب میں تحریف ہو چکی ہے تو یہ اسے صاف کرتی ہے۔ (بدر ۲۶ر نومبر ۱۹۰۸ء صفحہ ۳)

اِس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوبؑ کی اولاد کو یعنی نوع اسرائیل کو بہادر سپاہی کے بیٹوں سے خطاب کیا مسلمانوں کو عبرت چاہیئے کہ تم بھی کسی بہادر سپاہی کی قوم ہو۔ محمد رسول اللہؐ تمہارا امام تھا۔ صحابہ کرامؓ اور تابعین کی اولاد ہو۔ تمہیں یاد ہے تم پر کیا کیا فضل ہوئے پہلا فضل تو یہی ہے کہ تم کچھ نہ تھے۔ پیدا ہوئے پھر مسلمان ہوئے۔ قرآن جیسی کتاب تمہیں دی گئی۔ محمد رسول اللہ جیسا خاتم النبیینؐ رسول عطا فرمایا۔ تمہیں سمجھانے کے لئے متنبہ کرنے کے لئے دوسروں کے حالات سُناتا ہے کہ ایک قوم کو ہم نے بڑی نعمتیں دیں۔ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ (نحل : ۱۱۳) اس قوم نے اللہ کی نعمتوں کی کچھ قدر نہ کی تو ہم نے ان کو بھوک کی موت مارا۔ بھوک کی موت۔ بہت ذِلت کی موت۔ بہت دُکھ کی موت ہوتی ہے۔ مَیں نے ان اپنی آنکھوں سے بھوک کی موت مرتے لوگ دیکھے ہیں۔ دُودھ ان کے مُنہ میں ڈالیں تو وہ بھی حلق سے نیچے نہیں اُترتا۔ کشمیر میں خطرناک قحط پڑا کا فر تو سؤر بھی کھاتے ہیں ان کے باورچی خانہ کے اِردگرد لوگ جمع ہو جاتے کہ شاید کوئی چھیچھڑا مِل جائے۔ یہ حالت اضطراری تھی اِس لئے مسلمان معذور تھے۔ پندرہ بڑے بڑے غرباء خانے تھے اور رئیس چار سیر گیہوں خرید کر سولہ سیر کے حساب سے دیتا مگر پھر بھی خدا ہی دے تو بندہ کھائے بندے کی کیا ہی طاقت ہے کہ اِتنی دُنیا کی رزق رسانی کر سکے۔ غرض اللہ تعالیٰ ایک قوم کو نعمتیں یاد دلاتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے اَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ مجھ سے جو عہد کیا تھا وہ پُورا کرو تو مَیں وہ عہد پُورا کروں گا جو تم سے کیا تھا۔ اِس کا ذکر پہلے آچکا ہے چنانچہ فرمایا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (البقرہ : ۳۹) یعنی تم میری ہدایت کے پیرو بنو تو مَیں تمہیں لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ زندگی دوں گا۔ اس وقت کیسی مصیبت کے دن ہیں۔ سات کروڑ کے قریب مسلمان کہلاتے ہیں چھ کروڑ کے کان میں قرآن کبھی نہیں گیا ایک کروڑ ہوگا جو یہ سُنتا ہے کہ قرآن ہے مگر اسے سمجھنے کا موقع نہیں۔ پھر چند ہزار ہیں جو قرآن مجید با ترجمہ پڑھتے ہیں۔ اب یہ دیکھو کہ عمل درآمد کے لئے کس قدر تیار ہیں۔ مَیں نے ایک بڑے عالم فاضل کو دیکھا جن کا مَیں بھی شاگرد تھا۔ وہ ایک پُرانا عربی خطبہ پڑھ دیتے تھے۔ ساری عمر اسی میں گذار دی اور قرآن مجید

نہ سُنایا حالانکہ علم تھا، فہم تھا، ذہین و ذکی تھے، نیک تھے، دُنیا سے شاید کچھ بھی تعلق نہ تھا۔ پھر ان کی اولاد کو بھی مَیں نے دیکھا وہ بھی اسی خطبہ پر اکتفا کرتی۔ مَیں نے آنکھ سے روزانہ اِلتزام درس کا کہیں نہیں دیکھا۔ ان بعض مُلکوں میں یہ دیکھا ہے کہ کسی فِقہ کی کتاب کی عبارت عشاء کے بعد سُنا دیتے ہیں۔ پس مَیں تمہیں مخاطب کر کے سُناتا ہوں۔ اللہ فرماتا ہے ہمارے فضلوں کو یاد کرو اور میرے عہدوں کو پُورا کرو مَیں بھی اپنے عہد پُورے کروں گا۔ کبھی ملونی کی بات نہ کیا کرو اور گول مول باتیں کرنا ٹھیک نہیں۔ حق کو چھپایا نہ کرو بحالیکہ تم جانتے ہو۔ قرآن شریف میں دو ہی مضمون ہیں ایک تعظیم لِأمر اللہ۔ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کے ساتھ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اس کلمۂ توحید کی تکمیل کے لئے ہے۔ دوم شفقت علیٰ خلق اللہ۔ اِس مضمون کو کھول کر بیان فرماتا ہے کہ خدا کی تعظیم کے واسطے نمازوں کو مضبوط کرو اور باجماعت پڑھو۔ آجکل تو یہ حال ہے کہ امراء مسجد میں آنا اپنی ہتک سمجھتے ہیں۔ حِرفت پیشہ کو فرصت نہیں۔ زمیندار صُبح سے پہلے اپنے گھروں سے نکلتے ہیں اور عشاء کے قریب واپس آتے ہیں۔ ایک وقت کی روٹی باہر کھاتے ہیں۔ پھر واعظوں اور قرآن سُنانے والوں کو فرماتا ہے کہ لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھُول جاتے ہو علماء، فقراء، گدّی نشین سب کو ارشاد فرماتا ہے کہ بہادروں کے بیٹے بنو۔ منافق نہ بنو۔ حق میں باطل نہ ملاؤ۔ وفادار بنو تاکہ بے خوف زندگی بسر کرو۔ دوسروں کو سمجھانے سے پہلے خود نمونہ بنو۔ اگر تبلیغ میں کوئی مُشکل پیش آجائے تو استقلال سے کام لو۔ بدیوں سے بچو۔ نیکیوں پر جمے رہو۔ نمازیں پڑھ پڑھ کر۔ دعائیں مانگتے رہو اور یہ یقین رکھو کہ آخر اللہ کے پاس جانا ہے۔ زندگی کا کچھ بھروسہ نہیں۔ مَیں نے ایک شخص کو دیکھا بادشاہ کے پاس قلم و کاغذ لے کر گیا اِدھر پیش کیا اُدھر جان نکل گئی۔ ایک اَور شخص تھا بڑے شوخ گھوڑے پر سوار۔ میری طرف مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھایا۔ مَیں نے کہا آپ کا گھوڑا شوخ ہے۔ کہنے لگا ہاں ایسا ہی ہے۔ مَیں ادھر گھر پہنچا کہ مجھے اطلاع ملی کہ وہ مَر گیا۔ غرض یہ دوست، یہ احباب، یہ آشنا، یہ اقرباء، یہ مال یہ دولت، یہ اسباب یہ دکانیں، یہ ساز و سامان یہیں رہ جائیں گے۔ آخر کار با خداوند۔ اللہ تم پر رحم کرے۔

(الفضل یکم اکتوبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

۴۲ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۪ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ

ثَمَنًا قَلِيْلًا ۫ وَاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۲﴾

مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ۔ مُصَدِّقًا بعض عیسائیوں نے اعتراض کیا ہے کہ پھر مسلمان کیوں انجیل پر عمل نہیں کرتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم مصدق ہونے کو تیار ہیں بشرطیکہ انجیل وہ ہو جو عیسٰیؑ پر نازل ہوئی۔ اگر وہ انجیل ہو تو ہم اس کے مصدق ہیں۔

پھر کوئی چیز مصدق اُس چیز کے لئے ہو سکتی ہے جو تصدیق کی محتاج ہو۔ مثلاً سبت مناؤ یا یہ کرو تو یہ محتاجِ تصدیق نہیں۔ تصدیق کی محتاج پیشگوئیاں ہوتی ہیں اِسلام کی وجہ سے جو تغیر ان کے بلاد اور مذہب میں ہوا۔ عیسائیوں سے ہمارا سوال ہے کہ آیا اس کے متعلق کوئی پیشگوئی تمہاری کتابوں میں ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو وہ پوری ہو چکی۔

تصدیق کے دوسرے معنے سچ کو سچ کہنے والا۔ جھوٹ کو جھوٹ کہنے والے کو مصدق نہیں کہتے۔ پس جو ان کتابوں میں سچ ہے اس کو اپنی تعلیم میں لے کر سچا ثابت کر دیا اور جو جھوٹ ہے اسکی تکذیب کر دی۔ مثلاً یہود کہتے ہیں کہ خدا ایک ہے اور مسیحی کہتے ہیں کہ خدا تین ہیں۔ پس فرمایا:-

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ (مائدہ: ۷۴)

وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ یعنی تم پڑھے ہوئے کافر بنو گے تو اوّل درجہ کے کافر کہلاؤ گے۔ گو مُشرک پہلے کافر ہوئے تھے مگر وہ جاہل تھے۔ اِسی لئے پڑھے ہوؤں سے کہا کہ تم اوّل درجہ کے کافر بنو گے کیونکہ تم کو منہاجِ نبوّت کا علم ہے اور پھر کافر بنے۔

ثَمَنًا قَلِيْلًا کے یہ معنی نہیں کہ قرآن کی قیمت تھوڑی نہیں لینی چاہیئے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جھوٹے مسئلے بنا کے اپنی بڑائی یا دُنیا چاہنا بہت بُرا ہے۔ قرآن مجید میں آیا ہے کہ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ (النساء: ۷۸) جس سے ثَمَنًا قَلِيْلًا کے معنے کُھل سکتے ہیں۔

فَاتَّقُوْنِ: میرا تقویٰ اختیار کرو۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۸ر فروری ۱۹۰۹ء)

اوّل نمبر کے کافر نہ بنو یا پہلا بُرا نمونہ تم نہ بنو کہ دوسرے اس سے متاثر ہوں گے اور سب کا گناہ تمہارے ذمہ ہو گا۔ کلامِ الٰہی کی بے اَدبی نہ کرو۔ جس شخص نے "بہار دانش" لکھی ہے اُس سے کسی نے پوچھا کہ کیا کر رہے ہو؟ جواب دیا اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ کی تفسیر کر رہا ہوں۔ راگ والی کتاب کسی نے بنائی اور اُوپر لکھ دیا يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ (الزمر: ۱۹)۔ یہ سب لَا تَشْتَرُوْا

بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا کی خلاف ورزی ہے۔

(البقرۃ: ۴۳-۴۴)

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۴﴾

دُنیا میں ایک فرقہ ایسا بھی ہے کہ راستبازی ان کی فطرت میں داخل ہوتی ہے۔ ایک فرقہ وہ ہے جو حق کو باطل کے ساتھ ملا دیتا ہے اور پھر اپنے تئیں سچا ثابت کرنے کے لئے حق کو چھپا دیتا ہے بچے کا حال بیج کی مانند ہے کہ تخم اچھا ہو پر زمین اچھی نہ ہو۔ زمین اچھی ہو تو آب پاشی نہ ہو۔ آب پاشی ہو تو حفاظت نہ ہو۔ پس خوش قسمت انسان کو نیک ماں باپ، نیک ہم نشین، عمدہ تربیت و نگرانی حاصل ہوتی ہے۔ (بدر ۱۰؍ دسمبر ۱۹۰۸ء صفحہ ۲)

اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ: جب کہ تم پر حق واضح ہو چکا ہو۔ یہ سب علماء سے خطاب ہے کیونکہ ایسے لوگ علماء میں بہت ہیں۔ مثلاً ایک امیر شیعہ نے ایک عالم سے پُوچھا کہ کربلا جانا بہتر ہے یا مکّہ جانا۔ اُس نے جواب دیا مکّہ کے واسطے تو زادِ راہ اور امن کی شرط ہے اور کربلا کے واسطے یہ شرط نہیں۔ وہ کربلا کی اتنی عظمت؟ اور اس کی طرف جان جوکھوں میں ڈال کر جانا۔ یہ سُنکر سُبحان اللہ پڑھتا چلا گیا۔ بعد میں کسی دوست نے پُوچھا کیوں حضرت یہ کیا فرمایا۔ کہنے لگے کہ اس نے دھوکہ کھایا۔ میرا مطلب یہ تھا کہ کربلا جانا ثابت ہی نہیں۔ دیکھو اگر اسے حق کہنا منظور رہوتا تو ایسے مشتبہ لفظ نہ بولتا۔

پھر فرمایا کہ نمازیں سنوار کر پڑھو اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ مَیں نے بہت کم عالموں کو زکوٰۃ دیتے دیکھا ہے۔ ان میں زکوٰۃ کا رواج کم ہے

اِرْكَعُوْا: فرمانبرداروں کے ساتھ ہو جاؤ۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۸؍ فروری ۱۹۰۹ء)

اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ: نماز کو قائم کرو۔ بعض کام روزمرّہ کی عادت بن جاتے ہیں۔ پھر ان کا لطف نہیں رہتا۔ دیکھا گیا ہے کہ زبان سے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی ہو رہا ہے مگر قلب کی توجّہ کام کی طرف ہے۔

پس نماز کو سنوار کر پڑھو اور جو معاہدہ نمازیں کرتے ہو عملی زندگی میں اس کا اثر دیکھو۔ زبان سے کہتے ہو اِيَّاكَ نَعْبُدُ ہم تیرے فرمانبردار ہیں مگر کیا فرمانبرداری پر ثابت قدم ہو؟ پھر واعظوں کو

ڈانٹا ہے کہ تم دوسروں کو نیکی کی نسبت کہتے ہو اور اپنے تئیں بھلاتے ہو۔ پس تم دونوں سنانے والے اور سننے والے ثابت قدمی سے کام لو اور دعا کرو۔ نماز پڑھو کہ یہ دونوں کام خاشعین پر گراں نہیں۔

جن کو اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے کا یقین ہو وہی حقیقی خشوع کر سکتے ہیں۔

(بدر ۱۰ر دسمبر ۱۹۰۸ء صفحہ ۲)

اللہ تعالیٰ ان آیات میں اپنے احسانات یاد دلاتا ہے کیونکہ انسان کی فطرت ہے کہ اپنے احسان کرنے والے کا شکرگذار ہوتا ہے اور اس کی فرمانبرداری کرتا ہے اور اس کو خوش رکھنا اپنا فرض جانتا ہے پس اللہ تعالیٰ انسان کو کہتا ہے کہ تم خدا کے ناشکرے کس طرح بنتے ہو۔ اپنا حال تو دیکھو تم مُردہ تھے، بے جان ذرّات تھے، تمہارا نام و نشان نہ تھا خدا نے تمہیں زندہ، جاندار بنایا پھر تم مر جاؤ گے پھر زندہ کئے جاؤ گے اور خدا کی طرف پھیرے جاؤ گے۔ پھر احسانِ الٰہی کو یاد کرو کہ اس نے زمین کی تمام اشیاء تمہارے فائدہ کے واسطے بنائیں۔ پھر تم زمین سے لیکر آسمان تک بلکہ عرش تک نگاہ ڈالو ہر امر میں خدا تعالیٰ کے تمام کاموں کو حکمت سے پُر پاؤ گے۔ کوئی بات ایسی نہیں ہے جس میں کوئی کمزوری یا خرابی نگاہ میں آسکے اور خدا سب باتوں کا علیم ہے وہ تمہارے افعال کو دیکھ رہا ہے اور اُن سے باخبر ہے۔

(بدر ۱۷ر ستمبر ۱۹۰۸ء صفحہ ۲)

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتٰبَ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۴۵﴾

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ: ایسے نہ بنو کہ لوگوں کو تو نیکی کا حکم کرو اور اپنے تئیں ترک کر دو۔

تَنْسَوْنَ کے معنے ترک کر دینے کے ہیں۔ قرآن شریف میں ایک جگہ آیا ہے نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ (التوبۃ: ۶۷)

أَفَلَا تَعْقِلُونَ: تم کیوں نہیں رُکتے۔ عقل ایک صفت ہے۔ انسان اپنے تئیں بدیوں سے روک سکتا ہے۔

یہ دو گروہ ہوئے ضعفاء اور علماء۔ اب تیسرے گروہ کا ذکر آتا ہے یہ اُمراء کا گروہ ہے۔ ہمارے ملک میں اِن لوگوں کے لئے تو گویا کوئی شریعت ہی نہیں اور نہ کوئی واعظ ہے۔ ہر قسم کی بدی ان کیلئے مباح ہے۔ ان کی مجلسوں والے نرے خوشامدی ہیں۔ ایک امیر نے بینگن کی تعریف کی۔ حاضرینِ مجلس نے

بھی ہاں میں ہاں ملائی۔ دوسرے دِن اُس نے بینگن کی مذمت کی تو وہ بھی مذمت کرنے لگا۔ ایک دوست نے کہا کہ یہ کیا ہے کہنے لگا مَیں تو امیر کا نوکر ہوں بینگن کا نوکر نہیں۔ پس امراء کو خصوصیت سے حکم دیتا ہے کہ روزے رکھو، نماز پڑھو۔ یہ طریق مشکل ہے مگر خشوع اختیار کرنے والوں کو نہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۸ فروری ۱۹۰۹ء)

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝۴۵ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝۴۶

اِنَّهَا کی ضمیر مؤنث ہے جو صبر و صلوٰۃ کی طرف پھرتی ہے۔ عربوں میں قاعدہ ہے کہ مذکر و مؤنث مل جاویں تو مذکر کو ترجیح دیتے ہیں لیکن اگر علیحدہ مؤنث و مذکر کو ضمیر پھرتا ہو تو مؤنث ہوگا۔ قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا (التوبۃ: ۳۴) ھا ضمیر فِضَّةَ کے لحاظ سے مؤنث آیا ہے حالانکہ اشارہ دونوں کی طرف ہے۔ یہ انگریزوں میں بھی رواج ہے کہ ہاتھ ملانے، خطاب کرنے میں عورتوں کو مقدم کرتے ہیں۔ عرب کے شعراء کا بھی یہی مسلک ہے۔ ایک شعر ہے ؎

وَمَا ذِكْرُ الرَّحْمٰنِ يَوْمًا وَلَيْلَةً   مَلَكْنَاكَ فِيْهَا لَمْ تَكُنْ لَيْلَةُ الْبَدْرِ

اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ: یقین کرتے ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۸ فروری ۱۹۰۹ء)

اِسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ میں بھی صبر کے معنے روزے کے کئے گئے ہیں۔ روزے کے ساتھ دُعا قبول ہوتی ہے۔

(بدر ۱۷ جون ۱۹۰۹ء صفحہ ۲)

يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝۴۷

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ : اللہ تعالیٰ مخاطب کرتا ہے ایک قوم کو کہ تم بہادر سپاہی کی اولاد ہو اور بہادر بنو۔

مَیں سمجھتا ہوں تمہیں بھی مخاطب کر کے یہی کہتا ہے۔ تم اپنے بزرگوں کو دیکھو کہ کس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرامؓ نے اسلام کی اشاعت میں اپنی جان تک لڑا دی۔ صحابہؓ ایسے بہادر تھے کہ ایک دفعہ نبی کریمؐ نے ان سے کہا دریا کے کنارے پر جاؤ کچھ کام ہے۔ تین سَو آدمی روانہ ہوئے اور مَیں حیران ہُوا کہ یہ نہیں پُوچھا کہ ہماری رَسد کا کیا انتظام ہوگا۔ کچھ کھجوریں مدینہ سے لے گئے جو رستے ہی میں ختم ہوگئیں۔ جب کچھ پاس نہ رہا تو کیکر کے پتّے پھانک کر گزارہ کرتے رہے۔ پھر ایک وہیل مچھلی مِل گئی جس پر تین سَو آدمیوں نے سترہ روز تک گزارہ کیا۔ دیکھو اتّباع۔ کیا محبت تھی جو ان لوگوں میں تھی اَب مَیں دیکھتا ہوں کہ کسی کو مالی نقصان ہی پہنچ جائے یا عزت میں فرق آجاوے یا کسی کے خیال کے خلاف ہی کوئی حکم شرعی ہو تو اسے گراں گزرتا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۸ ؍فروری ۱۹۰۹ء)

اللہ تعالیٰ ہمارا مالک۔ ہمارا خالق۔ ہمارا رازق۔ کثیر اور بے انتہاء انعام دینے والا مولیٰ فرماتا ہے کہ میری نعمتوں کو یاد کرو۔ انسان کے اندر قدرت نے ایک طاقت ودیعت رکھی ہے کہ جب کوئی اُس کے ساتھ احسان کرتا ہے تو اس کے اندر اپنے مُحسن کی محبت پیدا ہوتی ہے جُبِلَتِ الْقُلُوْبُ عَلٰی حُبِّ مَنْ اَحْسَنَ اِلَیْھَا۔ اور ایسا ہی اُس آدمی سے اُس کے دِل میں ایک قِسم کی نفرت اور رنج پیدا ہوجاتا ہے جس سے اُس کو کسی قسم کی تکلیف یا رنج پہنچے اور یہ ایک فطرتی اور طبعی تقاضا انسان کا ہے پس اسی فطرت اور طبیعت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ اِس مقام پر فرماتا ہے کہ اللہ کریم کے احسانوں کا مطالعہ کرو اور ان کو یاد کرکے اس مُحسن اور مُنعم کی محبت کو دل میں جگہ دو۔ اُس کے بیشمار اور بےنظیر احسانوں پر غور تو کرو کہ اُس نے کیسی منوّر اور روشن آنکھیں دیں جن سے وسیع نظارۂ قدرت کو دیکھتے اور ایک حظّ اُٹھاتے ہیں۔ کان دئے جن سے ہر قسم کی آوازیں ہمارے سُننے میں آتی ہیں۔ زبان دی جس سے کیسی خوشگوار اور عمدہ باتیں کہہ کر خود بخود خوش ہوسکتے ہیں۔ ہاتھ دئے کہ جن سے بہت سے فوائد خود ہم کو اور دوسروں کو پہنچتے ہیں۔ پاؤں دئے کہ جن سے چل پھر سکتے ہیں۔ پھر ذرا غور تو کرو کہ دُنیا میں اگر کوئی شخص کسی کے ساتھ اَدنیٰ سا احسان بھی کرتا ہے تو وہ اس کا کس قدر ممنون ہوتا ہے اور ہر طرح سے اس احسان کو محسوس کرتا ہے۔

.....غرض کُل دُنیا کی نعمتوں سے جو انسان مالامال ہو رہا ہے یہ اس کی ہی ذرّہ نوازیاں ہیں۔ جسمانی نعمتوں اور برکتوں کو چھوڑ کر اَب مَیں ایک عظیم الشان نعمت رُوح کے فطرتی تقاضے کو پُورا کرنے والی

نعمت کا ذکر کرتا ہوں۔ وہ کیا۔ یہ اُس کا پاک اور کامل کلام ہے جس کے ذریعے سے انسان ہدایت کی صاف اور مصفا راہوں سے مطلع اور آگاہ ہوُا اور ایک ظلمت اور تاریکی کی زندگی سے نکل کر روشنی اور نور میں آیا۔ ایک انسان دوسرے انسان کی باوجود ہم جنس ہونے کے رضاء سے واقف نہیں ہو سکتا تو پھر اللہ تعالیٰ کی رضاء سے واقف ہونا کس قدر محال اور مشکل تھا۔ یہ خدائے تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے کہ اس نے اپنی رضاء کی راہوں کو بتلانے اور اپنی وراء الوراء مرضیوں کو ظاہر کرنے کے لئے انبیاء علیہم السّلام کا سلسلہ قائم فرمایا ..... یہ احسان ہے اللہ تعالیٰ کا جو اسلام سے مخصوص ہے کہ بھولی بسری متاع اللہ تعالیٰ جیسا وقت ہوتا ہے اس کے لحاظ سے اُس کا یاد دلانے والا بھیج دیتا ہے۔ یہ انعام ہے۔ یہ فضل اور احسان ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کا ..... اِس آیت میں خدا تعالیٰ اُس فطرت کے لحاظ سے جو انسان میں ہے ارشاد فرماتا ہے کہ میری نعمتوں کو یاد کرو جو مَیں نے تم پر کی ہیں۔ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ بنی اسرائیل کو کہتا اور مسلمانوں کو سُناتا ہے کہ اور مَیں نے تم کو دُنیا میں ایک قِسم کی بزرگی عطا فرمائی ہے۔ خدا تعالیٰ کے حکموں پر چلنے والا آسمانی اور پاک علوم سے دلچسپی رکھنے والا جیسی زندگی بسر کر سکتا ہے اُس سے بہتر اور افضل وہم میں بھی نہیں آ سکتی۔ منافق کا نفاق جب ظاہر ہوتا ہے تو اس کو کیسی شرمندگی اُٹھانی پڑتی ہے۔ جھُوٹ بولنے والے کے جھُوٹ کے ظاہر ہونے پر وعدہ خلافی کرنے والے کے خلاف وعدہ پر ان کو کیسا دُکھ ہوتا ہے مگر محمد رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے مذہبی حیثیت سے اپنے پاک اور ثابت شدہ بیّن اور روشن عقائد اور اصولِ مذہب کے لحاظ سے کُل دُنیا پر فضیلت رکھتے ہیں۔ کیا خدا تعالیٰ کے حضور کوئی صرف دعویٰ سے افضل ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ خدا تعالیٰ مخفی در مخفی ارادوں اور نیّتوں کو جانتا ہے اس کے حضور نفاق کام نہیں آ سکتا بلکہ مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ (الشعراء: ۹۰) کام آتا ہے۔

(الحکم ۳ر مارچ ۱۸۹۹ء صفحہ ۳ تا ۵)

قرآن کریم عجیب عجیب پیرائے میں نصیحتیں فرماتا ہے۔ بہادر سپاہی کی اولاد تم بھی غور کر لو۔ کوئی اپنے آپ کو سیّد سمجھتا ہے وہ اپنے بڑوں کی بہادری پر کتنا فخر کرتا ہے۔ کوئی قریشی کہلاتا ہے وہ سیّدوں کو اپنی جُزو قرار دیتا ہے۔ اِسی طرح کوئی مُغل ہے۔ کوئی پٹھان، کوئی شیخ۔ غرض مخلوق کے تمام گروہ اپنے آپ کو کسی بڑے آدمی سے منسوب کرتے ہیں مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ بڑا آدمی کیوں بنا۔ اپنے اعمال سے۔ پس اگر تم ان اعمال کے خلاف کرو گے تو کیا بڑے بن سکتے ہو۔ ہرگز نہیں۔ جو بہادری انسان کو بڑا بنا سکتی ہے کیا اُس بہادری کو ترک کر دینا انسان کو بُزدل نہیں بنا سکتا ....

پس میرے پیارو! اگر تم بڑوں کی اولاد ہو اور خدا نے تمہیں تیرہ سو برس سے عزت دی تو بڑوں کے کاموں کو نا بود کرنے والے نہ بنو۔ تم خود ہی بتاؤ کہ وہ شرک کرتے، جھوٹ بولتے، دھوکا کرتے، وہ دوسروں کو دکھ دیتے تھے؟ ہرگز نہیں۔ تو کیا تم ان افعال کے مرتکب ہو کر بڑے بن سکتے ہو؟ بنی اسرائیل کو تو خدا نے شام میں بڑائی دی تھی مگر اسلام نے یہاں تک معزز کیا کہ تمہیں سارے جہان کا عظیم انسان بنا دیا۔ اِس نعمت کا شکر کرو کیونکہ آیت نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ تمہیں انعاماتِ الٰہی یاد دلانے کے لئے نازل ہوئی ہے۔ اگر تم ان انعاماتِ الٰہی کی ناقدری کرو گے تو اس کا وعید تیار ہے کیونکہ جس طرح نیکی کا پھل اعلیٰ درجے کا آرام ملتا ہے ایسا ہی بدی کا پھل بھی ذلت و ادبار کے سوا کچھ نہ ہو گا۔ یہود کو کفرانِ نعمت کی سزا میں پہلے مدینہ سے نکالا گیا تو لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ ..... وَاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ (الحشر : ۱۲) کہنے والے کچھ کام نہ آئے۔ پھر جب مدینہ سے نکالے گئے تو ان کا کوئی مددگار نہ ہوا۔ اسی طرح مسلمانوں کے ساتھ بھی معاملہ ہوا۔ سپین سے ایک دن نکال دیئے گئے۔ لاکھوں لاکھ جنہوں نے جانے سے ذرا چوں وچرا کی ان کو عیسائی بنا لیا گیا۔ اَب سیاحوں سے پوچھو اسلام کا وہاں نام ونشان تک نہیں۔ مسجدیں ہیں اور چند عدالت کے کمرے۔ وہ تمہارے رُلانے کے لئے رکھ چھوڑے ہیں.....

غرض اگر بنی اسرائیل کو یہ احسان یاد دلایا ہے تو مسلمانوں کے فرعون کو خشکی میں غرق کر کے اس کے بعد کئی انعامات الٰہیہ ہوئے۔ اَب اگر وہ ناشکری کریں گے تو سزا پائیں گے۔ جس طرح حضرت موسیٰؑ کو چالیس روز خلوت میں رکھا اُسی طرح ہماری سرکارؐ بھی غارِ حرا میں رہے۔

(الفضل ۸، اکتوبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

۴۹ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝

احمدی قوم پھر قادیان کے رہنے والے خصوصیت سے اس پر غور کریں۔ ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ کوئی جی کسی جی کے کام نہیں آسکتا۔ والدہ کو کتنی محبت ہوتی ہے مگر ذرا بچے کے پیٹ میں

دَردُ اُٹھے وہ اس دَرد کو بانٹ ہی نہیں سکتی۔ سب سے زیادہ محبت کرنے والے تو پیر ہوتے ہیں۔ ان پیروں میں سے سب سے بزرگ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے ہمیں ہڈکنے مُوتنے کی جانچ سکھائی۔ پھر ہم نے اپنے امام کو دیکھا میں بیمار ہوتا تو وہ میرے لئے قربانیاں کرتے اور بار بار مکان کی تبدیلی کراتے اور دَم بدم خبر منگواتے۔ ایسا دَرد کسی میں ہو سکتا ہے؟ پھر جب وہ فوت ہونے لگے تو ہم نے کیا کرلیا۔ بعض وقت سفارش بھی کام دے جاتی ہے مگر ایک وقت سفارش بھی نہیں مانی جاتی۔ مؤاخذہ الٰہی کا وقت ایسا آتا ہے کہ وَلَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ۔ یہاں شفاعت کی مطلق نفی نہیں ہے کیونکہ اِلَّا بِاِذْنِهٖ کا اِستثناء دوسرے مقام پر موجود ہے۔ وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی (الانبیاء: ۲۹) قرآن میں آچکا ہے۔ دیکھو یہودیوں پر ایک وقت آیا کہ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِیْعُ فِیْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ (الحشر: ۱۲) کہنے والے بھی اُن کے کام نہ آسکے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۸ فروری ۱۹۰۹ء)

اللہ تعالیٰ کے اِنعام کو یاد کرکے مومن اِس بات کو سوچے کہ ایک وقت آتا ہے۔

وَاتَّقُوْا یَوْمًا: ایک وقت آتا ہے کوئی دوست، آشنا، اپنا بیگانہ کچھ کام نہیں آتا۔ دُنیا میں نمونہ موجود ہے انسان بیمار ہوتا ہے تو ماں باپ بھی اس کی بیماری کو نہیں بٹا سکتے۔ یہ نمونہ اِس بات کا کہ یہ سچی بات ہے کہ خدا تعالیٰ کی پکڑ کے وقت کوئی کام نہیں آتا۔ کسی کی سفارش اور رجُرمانہ کام نہیں آتا اِسلئے اُس دن کے لئے آج سے ہی تیار رہو۔ پس خدا تعالیٰ کے فضل کو یاد کرکے محبتِ الٰہی کو زیادہ کرو اور غفلتوں اور کمزوریوں کو چھوڑ دو اور اپنے وعدوں کا لحاظ کرو کہ "دین کو دُنیا پر مقدم رکھیں گے"۔ رنج و راحت، عُسر و یُسر میں قدم آگے بڑھائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور بھائیوں سے محبت کریں گے۔ پھر کہتا ہوں کہ یہ بڑی خطرناک بات ہے کہ جو وعدوں کے خلاف کرتا ہے وہ منافق ہوتا ہے۔ جھوٹ اور وعدوں کی خلاف ورزی کرتے کرتے انسان کا انجام نفاق سے مبتلی ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھ کو اور آپ کو اِس سے بچائے اور صدق، اِخلاص اور اعمالِ حسنہ کی توفیق دے۔ آمین

(الحکم ۳ مارچ ۱۸۹۹ء صفحہ ۶)

لَا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ: جب مدینہ کے بنی اسرائیل کو بھگایا تو وہ جلاوطن ہوئے یقیناً یہی دِن مراد ہے قیامت کا ذکر نہیں۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۳)

۵۰ وَاِذْ نَجَّیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ

سُوٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ

نِسَآءَكُمْ ۚ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۵۰﴾

يَسْتَحْيُوْنَ: عورتوں کو زندہ رکھتے۔ دوسرے معنے میرے نزدیک یہ ہیں کہ ان کے حیا کو سلب کرتے۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۸؍ فروری ۱۹۰۹ء)

بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ: انعام
(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۳۷)

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ

اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۱﴾

فَرَقْنَا بِكُمْ: دریا کو تمہارے لئے الگ کر دیا۔ کس طرح کیا؟ دوسری آیت میں فرمایا ہے فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِى الْبَحْرِ يَبَسًا (طٰهٰ: ۷۸) ایک راستہ اِس دریا میں خشک نکال دیا ہے۔

اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ: ایک فضل تو یہ تھا کہ دشمن کو ہلاک کر دیا اب دوسرا فضل یہ ہوا کہ دشمن کو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہلاک کیا۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۸؍ فروری ۱۹۰۹ء)

تَنْظُرُوْنَ میں ایک خاص لذت ہے۔ دشمن کو ہلاک تو کیا مگر آنکھوں کے سامنے۔ دشمن تو مرا ہی کرتے ہیں مگر آنکھوں کے سامنے کسی دشمن کا ہلاک ہونا ایک لذیذ نظارہ ہے جو آخر اس متقی کو نصیب ہوا۔
(بدر ۲۳؍ جنوری ۱۹۰۸ء)

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ

اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۳﴾

وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ: اور تم مشرک ہو گئے۔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (لقمٰن: ۱۴)

تَشْكُرُوْنَ: تاتم قدر کرو۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۸ فروری ۱۹۰۹ء)
عَفَوْنَا: اِس لئے کہ اس شرک سے توبہ کرلی۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۳۷)

وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۞ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۞

اَلْفُرْقَانَ: وہ مدد جس سے دشمن اور موسیٰؑ کے درمیان فیصلہ ہوا وہ یہی کہ فرعون غرق ہوگیا اور بنی اسرائیل نجات پاگئے اور عمدہ ملکوں کے وارث ہوئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک زمانہ میں طُور پر تشریف لے گئے۔ ایک شریر آدمی نے بچھڑا بنایا اور ان لوگوں سے کہا کہ یہی موسیٰؑ کا معبود تھا وہ بھُول کر پہاڑ پر چلا گیا۔ تم لوگ غالباً تعجب کرو کہ ایک قوم بچھڑے کو کیونکر خدا ٹھہرا سکتی ہے۔ سو مَیں تمہیں سُناتا ہوں کہ دیکھو آجکل ہندو کیسے ذہین اور چالاک ہیں پھر بھی پتھروں کو معبود سمجھتے ہیں۔ بچھڑے میں تو پھر ایک آواز تھی پتھر میں یہ بات بھی نہیں۔ پھر پتھروں پر ہی اِکتفا نہیں بلکہ جمنا جی، گنگا جی اور اِس قسم کی کئی ندیوں کی پرستش کرتے ہیں۔ خیر یہ تو ہندو ہیں مسلمانوں کا حال بھی اچھا نہیں۔ لاہور دارالسلطنت ہے اس کی نسبت دارا شکوہ لکھتے ہیں کہ یہاں تیس ہزار حفاظ قرآن شریف موجود ہیں باوجود اِس کے پھر علم قرآن ایسا مفقود ہے کہ وہاں بھی گھوڑے شاہ کی خانقاہ ہے پھر اِس قسم کی ہزاروں قبریں ہیں جن پر ٹلیاں یا تسے چڑھتے ہیں۔ اِس کی وجہ کیا ہے صرف یہی کہ کوئی قوم خواہ کس قدر اچھی ہو جب بُروں سے اس کا تعلق ہو تو ان کی رسم وعادات نیکوں میں بھی رواج پذیر ہو جاتی ہیں۔ دیکھو مسلمان جانتے ہیں کہ صبر بھی اچھی چیز ہے اور یہ بھی جانتے ہیں کہ بے صبری کا نتیجہ کچھ بھی نہیں اور پھر یہ بھی جانتے ہیں کہ چیخ کر رونا جائز نہیں

باوجود اس کے شیعہ کو دیکھ کر سُنّی بھی محرم میں روتے پیٹتے ہیں اور تعزئے بناتے ہیں۔ میں نے تعزیہ بنانے والوں کو پُوچھا ہے کہ یہ واقعی امام حسینؑ کی قبر ہے تو وہ کہتے ہیں۔ نہیں۔ پھر جب یہ جتایا گیا کہ جو دن امام حسینؑ کے قبر بنانے کا ہے اس دن تم اس قبر کو توڑتے ہو تو وہ بہت نادم ہوئے۔

غرض انسان کی غیرت اُٹھ جاتی ہے اور وہ بدی کو نیکی سمجھنے لگ جاتا ہے۔ یہاں بنی اسرائیل نے بھی ایسا ہی کیا کہ فرعونیوں میں بہتے رہتے وہ اپنے خدا کو بھول گئے اور گائے کی عظمت ان کے دِلوں میں گھر کر گئی اور وہ اس کی پوجا کرنے لگ گئے تو خدا نے فرمایا تُوْبُوْٓا اِلٰی بَارِئِکُمْ تم اپنے گھڑنے والے کی پرستاری کرو۔

فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ: اِس کے معنے میرے نزدیک یہ ہیں کہ اِس جُرم کے جو سرغنہ ہیں ان کو قتل کر دو۔ جو عام تھے ان کو خدا نے معاف فرما دیا جیسے کہ آگے فرمایا فَتَابَ عَلَیْکُمْ۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۸؍ فروری ۱۹۰۹ء)

اَلْفُرْقَانُ: جب دشمن کی کمر ٹوٹ جائے۔

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ (الانفال: ۴۲)

بڑے تعجب کی بات ہے کہ لوگ شرارتیں کرتے ہیں لیکن سمجھتے نہیں۔ موسٰیؑ نے اپنی قوم کو کہا یٰقَوْمِ اِنَّکُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَکُمْ بِاتِّخَاذِکُمُ الْعِجْلَ (البقرۃ: ۵۵) تم نے بچھڑے کو خدا بنا لیا اور اپنے اُوپر ظلم کیا حالانکہ خدا کے تم پر بڑے بڑے احسان ہیں فَتُوْبُوْٓا اِلٰی بَارِئِکُمْ اپنے پروردگار کی طرف توجہ کرو اور اللہ نے انسان پر بڑے بڑے فضل و احسان کئے ہیں۔ اس کے قابو میں انسان نے ہر چیز کر دی ہے۔ ہاتھی جیسا بڑا جانور انگوٹھے کے اشارہ پر چلتا ہے۔ اُونٹ کو ایک نکیل کے اشارہ سے چلا لیتا ہے۔ اِسی طرح پر ہزاروں کام جانوروں سے نکالتا ہے۔ طوطے سے توپ بندوق چلوا لیتا ہے۔ بعض لوگ اَحْسَنِ تَقْوِیْم کے یہ معنے کرتے ہیں کہ انسان کو خوبصورت بنایا مگر بعض انسان تو سیاہ رنگ اور بدصورت بھی ہوتے ہیں بلکہ اِس کے معنے یہ ہیں کہ ہر چیز کو اس کے قابو میں کر دیا۔ سرکس میں کسی نے تماشا دیکھا ہوگا کہ کیسے کیسے کام جانوروں سے لیتے ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے احسان ہیں۔ ہر قوم میں غریب سے غریب اور امیر سے امیر لوگ موجود ہیں لیکن اُمراء کو خیال تک نہیں آتا کہ ہم پر بڑا احسان ہوا ہے۔ اِس زمانہ کا بڑا بچھڑا روپیہ ہے جس کے پاس یہ ہوا اس کی بڑی عزت و توقیر ہوتی ہے۔ اگر وہی روپیہ والا انسان غریب ہو جاوے تو اُسے پوچھتا بھی کوئی نہیں۔ روپے کے پیچھے خواہ نماز روزہ بھی جائے مگر کوئی پرواہ نہیں۔ (الفضل ۱۵؍ اکتوبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَى اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمُ الصَّاعِقَةُ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ﴿٥٦﴾ ثُمَّ بَعَثْنَاكُم مِّن بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٥٧﴾ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ ۖ كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ۖ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٥٨﴾

جَهْرَةً : خدا کو کھلا دیکھ لیں یا یہ بات کھل کر کہہ دی۔

مَوْتِكُمْ : غشی از صاعقہ۔

ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ : مصیبتوں کے وقت بادلوں کا سایہ بھیجا۔

مَنّ : جو رزق بلا محنت کسی انسان کو ملے۔ اَلْكَمْأَةُ مِنَ الْمَنِّ (کھمبی) لڑکے جو روٹی کھاتے ہیں میرے خیال میں وہ بھی من ہے کیونکہ ان کو وجہ معاش کے لئے کچھ پریشانی نہیں اٹھانی پڑتی۔

سَلْوٰی : عربی زبان میں شہد کو بھی کہتے ہیں جو جنگلوں میں بافراط مل جاتا تھا اور چھوٹے چھوٹے پرندوں کو بھی کہتے ہیں۔

ظَلَمُوْنَا : ہمارا نقصان نہیں کیا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۸ فروری ۱۹۰۹ء)

نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً : یہ گستاخی کی۔

اَلصَّاعِقَةُ : عذاب (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۳۴۷)

سخت محنت کے بغیر جو رزق ملتا ہے اس کو عربی میں من کہتے ہیں اس لئے لکھا ہے اَلْكَمْأَةُ مِنَ الْمَنِّ یعنی کھمبی بھی مَنّ سے ہے اور ترنجبین۔ اور اسی کے معنے ہیں شیرخشت اور تمام جنگل کی اشیاء۔ ان سب کو مَنّ میں داخل کیا گیا ہے۔ ایک دفعہ پنجاب میں قحط پڑا تھا۔ بہت بڈھے ابھی تک اس کو جاننے

والے موجود ہیں اس میں (مَزکُن) نام ایک بُوٹی بہت پیدا ہوئی تھی اسی پر لوگوں کا گزارہ تھا۔ اِسی واسطے اس سال کو مَزکن کا سال کہتے ہیں۔ اِسی طرح خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو جنگل کے درمیان مصیبت کے ایام میں جنگلی اشیاء سے سہارا بخشا ہے اور بُھوک کے عذاب سے ہلاک نہ ہونے دیا۔۔۔۔۔

بنی اسرائیل چالیس برس اس ملک میں رہے جو ملکِ فلسطین اور بحیرہ قلزم کے درمیان ہے۔ انسانی ضرورتیں بغیر پانی کے پُوری نہیں ہوسکتیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان دنوں ضروری وقتوں پر مینہ برسائے یہ ان پر خاص فضل تھا اور کرم کی نگاہ تھی۔ ورنہ خشک سالیوں میں ہلاک ہو جاتے۔

جب موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں مشکلات پیش آویں تو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملات سے وہ مشکل بخوبی حل ہوسکتی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بسط کے ساتھ قرآن کریم میں صرف اِسی واسطے ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو موسیٰ علیہ السلام کا مثیل قرار دیا گیا ہے چنانچہ آپ کیلئے ضرورت کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے بادل کا سایہ کر دیا جیسے کہ غزوۂ بدر اور احزاب میں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح بارش کی سخت ضرورت پیش آئی تو اُس وقت خدا تعالیٰ نے بارش کے ذریعہ مومنوں کو ہلاکت سے محفوظ رکھا۔ اِستسقاء کی نماز ایسے ہی وقتوں کے لئے مسنون ہے۔

(نورالدین ایڈیشن سوم صفحہ ۱۶۷، ۱۶۸)

اِنتشاری بجلی سے ہلاکت اور نقصان اگر تم نے نہیں سُنا تو کسی سائنسدان سے دریافت کرو اور کچھ ہم بھی بتا دیتے ہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ جس وقت جنابِ موسیٰ علیہ السلام چند منتخب لوگوں کو طُور کے قریب لے گئے اُس وقت پہاڑ پر آتش فشانی ہو رہی تھی اور بجلیاں اپنی چمک دمک دکھلا رہی تھیں۔ جناب موسیٰ علیہ السلام نے حسبِ ارشادِ الٰہی قوم کو روک دیا تھا کہ پہاڑ کے اُوپر کوئی نہ جاوے اور ہم نے ظاہر کا لفظ اِس لئے استعمال کیا ہے کہ بائیبل کو قرآن پر دھرم پال نے ترجیح دی ہے پس اُس نے بائیبل کو پڑھا ہوگا۔ کتاب خروج میں مفصل موجود ہے اور قرآن کریم کے اِن کلماتِ طیّبات پر اعتراض کیا ہے۔ اوّل: فَاَخَذَتۡکُمُ الصّٰعِقَۃُ وَ اَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ پکڑ لیا تم کو کڑک نے اور حال یہ ہے کہ تم دیکھتے تھے۔ دوم: ثُمَّ بَعَثۡنٰکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَوۡتِکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ پھر اُٹھایا تم کو تمہاری موت کے بعد تاکہ تم قدردانی کرو۔

صَاعِقَہ، صَعَق سے نِکلا ہے۔ صَعَق کے معنی میں لکھا ہے:-

اَلصَّعقُ اَنۡ یُّغۡشٰی عَلَیۡہِ مِنۡ صَوۡتٍ شَدِیۡدٍ یَسۡمَعُہٗ وَرُبَّمَا مَاتَ مِنۡہُ (مجمع البحار)

صعق یہ ہے کہ بیہوشی پڑ جاوے کسی پر کسی سخت آواز سے جس کو اس بیہوش ہونے والے شخص نے سُنا اور

کبھی اس سے موت بھی ہو جاتی ہے۔

قرآن کریم میں آیا ہے :۔

وَخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا فَلَمَّآ اَفَاقَ (الاعراف : ۱۴۳) موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے پس جب افاقہ آیا۔

پھر مجمع البحار میں لکھا ہے :۔

یُنْتَظَرُ بِالْمَصْعُوْقِ ثَلَاثًا مَالَمْ یَخَافُوْا عَلَیْهِ نَتْنًا وَهُوَ الْمَغْشِیُّ عَلَیْهِ اَوْ مَنْ یَّمُوْتُ فَجْاءَةً وَلَا یُعْجَلُ دَفْنُهٗ۔

جس پر صاعقہ گرے اس کو تین دن تک دفن نہ کیا جاوے جب تک سڑ جانے کا ڈر نہ ہو۔ اور یہ وہ ہے جس پر غشی ہو یا اچانک مر جاوے دفن میں جلد بازی نہ کی جاوے۔

مفردات راغب میں لکھا ہے اَلصَّاعِقَه تین قسم کا ہوتا ہے :

اوّل موت۔ فرمایا ہے فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ (الزمر : ۶۹)

دوّم عذاب۔ فرمایا ہے اَنْذَرْتُکُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ (فصلت : ۱۴)

سوّم آگ۔ فرمایا یُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَیُصِیْبُ بِهَا مَنْ یَّشَآءُ (الرعد : ۱۴)

اِس بیان سے اِتنا معلوم ہو گیا کہ صاعقہ بیہوشی، موت، عذاب اور نار کو کہتے ہیں۔ دوسرا لفظ قابلِ غور مَوت کا لفظ ہے۔ مَوت کے معنی مجمع البحار میں جو لغت قرآن وحدیث کی جامع کتاب ہے یہ ہیں :۔

۱۔ موت کے معنے سو جانا۔ حدیث میں آیا ہے اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا۔

۲۔ موت کے معنی سکون۔ کیا معنی حرکت نہ کرنا۔ مَاتَتِ الرِّیْحُ ہوا ٹھہر گئی۔

۳۔ موت حیٰوۃ کے مقابلہ میں ہوا کرتی ہے اور حیٰوۃ کے معنی میں آیا ہے قوّتِ نامیہ کا بڑھنا۔ قرآن کریم میں آیا ہے یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (الحدید : ۱۸) زمین کو اللہ تعالیٰ اُس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے۔

۴۔ قوّتِ حِسّیہ کے زوال پر موت بولتے ہیں۔ قرآن کریم میں آیا ہے یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا (مریم : ۲۴) کیا معنے۔ بچہ جننے سے پہلے میری قوّتِ حسّیہ نہ رہتی کہ درد تکلیف دِہ ہوتا۔

۵۔ جہل و نادانی کو موت کہتے ہیں۔ قرآن میں یہ معنی آئے ہیں اَوَمَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰهُ (الانعام : ۱۲۳)

۶۔ حُزن۔ خوف مکدّر کو موت کہتے ہیں۔ قرآن میں یہ محاورہ آیا ہے یَاْتِیْهِ الْمَوْتُ مِنْ کُلِّ مَکَانٍ (ابراھیم : ۱۸) ہر طرف سے اس پر خوف اور غم آتے تھے۔

۷۔ احوالِ شاقہ۔ فقر۔ ذلت۔ سوال کرنا۔ بڑھاپا اور معصیت وغیرہ کو موت کہتے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے اَوَّلَ مَنْ مَاتَ اِبْلِیْسُ اور آیا ہے اَللَّبَنُ لَا یَمُوْتُ۔ زندہ سے جو جُزو الگ ہو وہ مُردہ ہے مگر دُودھ۔ بال۔ اُون مُردہ نہیں ہوتے۔

یہ موت کے معنے ہوئے۔ اور اسی طرح مُفرداتِ راغب میں موت کے بہت معنے بتائے ہیں۔ اور تیسرا لفظ بعث کا ہے۔ بعث کے معنی بھیجنا۔ قرآن میں ہے وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا (النحل : ۳۶)

۲۔ اُٹھانا۔ قرآن میں ہے ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ (الکھف: ۱۲) حدیث میں ہے فَبَعَثْنَا الْبَعِیْرَ۔

۳۔ متوجہ کرنا۔ قرآن میں ہے وَلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ (التوبة : ۴۶) لیکن خدا نے انہیں متوجہ کرنا نہ چاہا۔

۴۔ جگا دینا۔ اَتَانِیْ اٰتِیَانِ۔ فَبَعَثَانِیْ اَیْ اَیْقَظَانِیْ مِنَ النَّوْمِ۔ انہوں نے مجھے نیند سے جگالیا

۵۔ بھڑک اُٹھنا۔ قرآن میں ہے اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا (الشمس ۱۲) جب کہ اُن میں کا بدبخت بھڑک اُٹھا اور

۶۔ بعث بمقابلہ موت کے بھی ہوتا ہے اِس لئے جس قدر موت کے معنی ہیں ان کے مقابلہ میں بعث ہوگا۔ قرآن میں ہے بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ (البقرة : ۵۶)

صَاعِقَہ : موت اور بعث کے معنی جب معلوم ہوئے اور سمجھے گئے تو معلوم رہے کہ صاعقہ کے دو طریق ہیں۔ اس کا آنا اور گرنا۔ اس میں تو نقصان کم پڑتا ہے اور ایک دو تین سے زیادہ آدمی اس سے نہیں مرتے۔ دوسرا واپس ہونا اور اس کا اِنتشار کرنا۔ واپسی کے وقت بجلی یا صاعقہ بہت کم لوگوں کو دُکھ دیتی ہے غشی ہوتی۔ ہڈیاں ٹوٹتی۔ نغاظات نکلتے ہیں۔

اَب ہر دو آیہ کریمہ کے معنی بتاتے ہیں مگر اِتنا اور یاد رہے کہ یہاں جنابِ الٰہی نے اَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ فرمایا ہے اَهْلَكَهُمُ الصَّاعِقَةُ نہیں فرمایا۔ پھر اس کے ساتھ بتایا ہے کہ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ اِس کے کیا معنے کہ جنہیں بجلی یا صاعقہ نے پکڑا وہ دیکھ رہے تھے۔ لہٰذا اِس آیہ شریفہ اَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ (البقرة : ۵۶) کے یہ معنے ہوئے کہ تم کو خاص صاعقہ نے پکڑ لیا اور تم دیکھ رہے تھے۔ خاص کا ترجمہ ہم نے لفظ الۡ سے لیا ہے جو اَلصَّاعِقَہ کے پہلے ہے اور اس صاعقہ سے مراد وہ صاعقہ ہے جو رجعت کے وقت اِنتشار کرتی ہے اور دوسری آیتِ کریمہ کا ترجمہ یہ ہے ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ (البقرة : ۵۷) پھر اُٹھایا ہم نے تم کو تمہاری موت کے بعد۔ چونکہ موت کے معنی میں دُکھ

اور تکلیف بھی آیا ہے اِس لئے یہاں تکلیف ہی لیں گے کیونکہ معانی مختلفہ میں حسب قرینہ و امکان معنی کئے جاتے ہیں۔....

حضرت موسٰی علیہ السلام کی قوم صاعقہ میں سخت مُبتلا ہوئی اور امیدِ زیست نہ رہی اور ایک قسم کی موت ان پر طاری ہوگئی تو جناب موسٰیؑ کی اس قوم پر الٰہی رحم ہوُا اور آخروہ بچ گئی۔

(نورالدین طبع سوم صفحہ ۱۶۴ تا ۱۶۷)

وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ نَغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ ۚ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٩﴾

وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا: کسی بستی میں جاؤ تو پکا عہد کر لو کہ فرمانبردار ہو کر رہیں گے اور خللِ امن کے مُرتکب نہ ہوں گے۔

حِطَّةٌ: توبہ کرنے سے پہلے ہم تمہارے گناہ بخش دیں گے۔ اور سُجَّدًا کا اجر نَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ سے ظاہر ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۸ فروری ۱۹۰۹ء)

وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ ۖ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۖ قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَشْرَبَهُمْ ۖ كُلُوا وَاشْرَبُوا مِنْ رِزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٦١﴾

وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَن نَّصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنبِتُ الْأَرْضُ مِن بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ۖ قَالَ أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ ۚ اهْبِطُوا مِصْرًا فَإِنَّ لَكُم مَّا سَأَلْتُمْ ۗ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ ۗ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿٦١﴾

وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ : دُنیا میں قحط پڑتے ہیں ان کے دُور کرنے کے لئے دو[2] راہیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ مدبّرانِ ملک نے مِل کر سوچا کہ اب کیا تدبیر کریں اور پھر جو مجموعی طور سے رائے قائم ہو اس پر عمل کیا چنانچہ اس زمانے میں ریل گاڑی کو قحط کا علاج سمجھا گیا تاکہ جس جگہ پیداوار ہو وہاں سے اس جگہ فوراً پہنچائی جاوے جہاں پیداوار نہیں ہوئی پھر گرانی وارزانی کی اطلاع جلد بہم پہنچانے کے لئے تار ایجاد کی گئی۔

دوسری تجویز یہ ہے کہ جنگلوں کو آباد کر دیا تاکہ لوگوں کے لئے کافی غلّہ بہم پہنچ سکے۔ ایک دُنیادار تو اِس سے زیادہ کچھ نہیں کرسکتا مگر انبیاء کی راہ ان راہوں سے علیحدہ ہے۔ وہ ہر مصیبت کا علاج

اللہ کے حکم کے ماتحت کرتے ہیں۔ دیکھو بعض صحابہ کرامؓ کو جب کفار سے تکالیف پہنچیں تو وہ اور ملکوں کو ہجرت کر کے چلے گئے مگر نبی کریمؐ خود نہیں گئے بلکہ ایک دن حضرت ابوبکرؓ کے گھر گئے اور فرمایا کہ ہم اور آپ اکٹھے چلیں گے۔ مَیں امید کرتا ہوں کہ خدا مجھے بھی ہجرت کا حکم دے۔ اَوروں نے اگرچہ اپنے ارادے اور تکالیف سے سفر کیا مگر نبی کریمؐ حکمِ الٰہی کے منتظر رہے۔ اسی طرح آپؐ کے زمانہ میں قحط ہؤا آپؐ اَور بھی تدابیر کر سکتے تھے مگر انبیاء کا طریق دعا ہے اسی پر عمل کیا چنانچہ موسیٰ علیہ السّلام کی قوم کو بھی جب ایسی مصیبت پیش آئی تو انہوں نے پانی مانگا قوم کے لئے۔ کِس سے؟ چونکہ یہ بات بدیہی ہے کہ ایک نبیؑ اللہ ہی سے مانگتا ہے اِس لئے اللہ کا ذکر نہیں کیا۔ اس پر ہم نے الہام کیا۔

اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ: اس کے کئی معنے ہیں سبھی معنے صحیح ہوں گے۔ ایک تو یہ کہ اس پہاڑ پر تم اپنا عصا مارو۔ وہاں بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور یہ امر ممکن ہے کیونکہ زمین کے اندر پانی چلتا ہے اور جہاں اللہ کی مرضی ہو پھوٹ نکلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کو کشفِ صحیح عطاء کیا۔ آپ کو جب اعلامِ الٰہی سے معلوم ہؤا کہ یہاں کوئی پانی قریب ہی جاتا ہے تو برچھا مارا اور اس سے پانی پھوٹ نکلا۔ میرے خیال میں فلسفی کا اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ مگر ایک اَور معنے بھی مجھے پسند ہیں وہ یہ کہ لے جا اپنی جماعت کو پہاڑ پر۔

عَصا کے معنے عربی زبان میں جماعتِ اسلام یعنی فرماں بردار جماعت کے ہیں۔ لاٹھی کو بھی اِس لئے عصا کہتے ہیں کہ اس پر اُنگلیوں کی جماعت اکٹھی ہوتی ہے۔

لَا تَعْثَوْا: جب گھر سے بِلا محنت کھانا ملے اور پیٹ بھر جائے تو بعض لوگ فرمانبرداری کی قدر نہیں کرتے اور ان کے دماغ میں باغیانہ خیالات اُٹھتے ہیں پس وہ امن میں خلل ڈالتے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ نے انہیں بے محنت رزق دیا تو بجائے شُکر فساد نہ کرو۔ عثی سخت فساد کو کہتے ہیں۔ لَا تَعْثَوْا بہت شرارت نہ کرو۔

لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تمہارے پانی ہی کا اِنتظام نہیں کیا بلکہ تمہیں اپنی جناب سے طیّب کھانا بھی دیا۔ طَعَامٍ وَّاحِدٍ ایک ہی طرز پر یعنی جنگل سے۔

یا یہ کہ منّ جو انہیں ملتی تھی وہ ہمیشہ ہی ملتی۔ سلوٰی کی نسبت تورات میں لکھا ہے کہ چند روز ملی۔

بَقْلِهَا: ترکاریاں زمین کی۔

قِثَّآئِهَا: ککڑیاں زمین کی۔

فُوْمِ لہسن کو کہتے ہیں اور گیہوں کو بھی۔ میری سمجھ میں انہوں نے اِن چیزوں کا ذکر کر کے زمیندارہ

چاہا۔

بِالَّذِی : بدلے اِس کے۔

خَیْرٌ : یہ خیر کیا تھی ؟ سُنو! مجھے اِن معنوں پر یقین ہے کہ وہ خیر فرعون کی غلامی اور ماتحتی سے چھُڑا کر جہاں ان کی صحت و قوای جسمانی میں فتور آگیا۔ آزادی اور جنگل اور پہاڑوں کی رہائش اور بے محنت رزق کی بخشش تھی۔ خدا کا مقصود یہ تھا کہ ان میں حُریّت کی رُوح بھر جائے اور پھر یہ فاتح بنیں مگر انہوں نے اس انعامِ الٰہی کی قدر نہ کی اور یہ کہا کہ زمینداره کریں گے۔

بعض حدیثوں سے ثابت ہے کہ آپؐ نے ایک گھر میں زمیندارہ کے آلات دیکھے تو فرمایا ذِلّت کے سامان ہیں۔ اِس ارشادِ نبویؐ سے یورپ کی قوموں نے نفع اُٹھایا۔ دیکھو کہ جنگلوں (ہندوستان کے۔ ناقل) کو آباد کر دیا ہے مگر وہ زمینیں ہمیں دیتے ہیں۔ انگریزوں کو عمومًا نہیں دلاتے۔ یہ اسلئے کہ انہوں نے دیکھ لیا مسلمانوں کی چار قومیں سیّد، مغل، پٹھان، ترک فاتح ہو کر آئیں لیکن آکر زمیندارہ شروع کر دیا تو آخر کار کمزور ہوگئیں۔ کیونکہ وہی زمین جو کسی مورثِ اعلیٰ کے پاس ہزار بیگھ تھی اولادیں تقسیم ہوتے ہوتے ہر ایک کے پاس چار چار بیگھ رہ گئی جس سے قوت لایموت بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔

خَیْرٌ : حضرت موسٰیؑ نے کہا کہ اچھا جو کچھ تم نے چاہا وہ ہم نے دیا۔ جاؤ کوئی گاؤں آباد کر لو۔ مگر ان سے یہ معاہدہ کر لیا کہ شام کے فتح ہونے تک دوسری قوم کے ساتھ رہیں گے۔

ضُرِبَتْ : لگادی گئی۔

ذِلَّةٌ : دن بدن کم ہونے لگے۔ ذِلّت کے معنے کمی کے ہیں۔

مَسْکَنَةٌ : بے دست و پا ہوگئے۔ زمیندارہ چھوڑ کر کہیں نہ جا سکتے تھے۔ پھر یہ غضب زمیندارہ سے نازل نہیں ہوُا بلکہ اِس لئے کہ وہ آیات اللہ کا کفر کرتے۔ انبیاء کے قتل کی تدبیریں کرتے رہتے۔ یہ جُرأت کیوں ہوئی؟ پہلے چھوٹی چھوٹی نافرمانیاں کرتے تھے جن سے جُرأت بڑھتے بڑھتے یہاں تک نوبت پہنچی۔ اِس بات کا تماشا میں نے آگ سے دیکھا ہے کہ پہلے ایک دیا سلائی ہوتی ہے جس کی تیلی کے ایک کنارہ پر آگ مخفی ہوتی ہے کہ ذرا گھسنے سے وہ بھڑک اُٹھتی ہے اور پھر بڑھتے بڑھتے وہ مکانوں اور شہتیروں کو جلا سکتی ہے۔ اِسی طرح گناہ پہلے تھوڑا سا ہوتا ہے پھر بڑھتے بڑھتے فسق و فجور تک نوبت پہنچتی ہے پھر اس سے کفر تک۔ یہاں تک کہ دوزخ کی آگ اس کا انجام ہے۔ تم اپنے تئیں پہلے ہی سے بچاؤ۔ ہلاکت میں نہ پڑو۔ بنی اسرائیل کی مثال سے عبرت پکڑو۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۸ رفروری ۱۹۰۹ء)

اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ : اِس کے دو معنی ہیں عصا پتھر پر مارو۔ پانی کا چشمہ کُھل گیا۔ اللہ صاحبِ کشف کو آگاہ فرما سکتا ہے کہ اِس پتھر کے نیچے پانی کا سوتا ہے۔ ۲۔ پہاڑ پر جماعت کو لے جاؤ۔
فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۔ مُشرکوں مجرموں کو قتل کرو۔
بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ : بتا دیا کہ مغضوب علیہم کا ذکر تھا۔
(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۳۴۷)

فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا : اپنی جماعت کو لے کر پہاڑوں پر چلا جا۔ وہاں کیا دیکھتا ہے کہ بارہ ۱۲ چشمے جاری ہیں۔
اِس آیت میں تین لفظ ہیں ان کے معنی سُنو :۔
۱۔ ضَرْب ۔ اِيْقَاعُ شَيْءٍ عَلٰى شَيْءٍ ۔ مِنْهُ ضَرْبُ الرِّقَابِ ثُمَّ ضَرْبُ الْخَيْمَةِ وَضَرْبُ الذِّلَّةِ۔
ضرب کے معنے ہیں ایک چیز کا دوسری پر مارنا۔ گردن کا مارنا۔ خیمہ کا لگانا اور ذِلّت کی مار مارنا اِسی سے نکلا ہے۔
۲۔ وَالضَّرْبُ فِي الْاَرْضِ ۔ اَلذِّهَابُ فِيْهِ وَمِنْهُ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ وَاضْرِبُوْا مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا ۔ وَمِنْهُ ضَرَبَ يَعْسُوْبُ الدِّيْنِ ۔ اَيْ اَسْرَعَ الذِّهَابَ فِي الْاَرْضِ فِرَارًا مِنَ الْفِتَنِ ۔ (لسان، تاج، مجمع البحرین)
اور ضَرْب کے معنی ہیں زمین میں جانا اور اسی سے ہے جب تم زمین میں جاؤ اور زمین کی مشرق و مغرب میں جاؤ اور اسی محاورہ سے ہے یعسوب دین چلا یعنی فتنوں سے بھاگ کر جلدی کہیں کو نکل گیا۔ (یعسوب الدین مولیٰ مرتضیٰ علیہ السلام کا لقب ہے۔
۳۔ وَالضَّرْبُ الْاِقَامَةُ حَتّٰى ضَرَبَ النَّاسُ بِعَطَنٍ اَيْ رَوِيَتْ اِبِلُهُمْ حَتّٰى بَرَكَتْ وَاَقَامَتْ
اور ضرب کے معنی ہیں اقامت کرنا۔ محاورہ ہے لوگوں نے اپنے اپنے ڈیروں میں آرام کیا۔ کیا معنی؟ اُونٹ پانی پی کر بیٹھ گئے اور ٹھہرے۔ اپنے آپ کو زمین میں ٹھہرایا۔
يُقَالُ ضَرَبَ بِنَفْسِهِ الْاَرْضَ ۔ اَيْ اَقَامَ وَالضَّرْبُ يَقَعُ عَلٰى كُلِّ فِعْلٍ وَعَلٰى جَمِيْعِ الْاَعْمَالِ اِلَّا قَلِيْلًا (تاج، لسان)
ضَرَبَ کا لفظ ہر فعل پر اور تمام اعمال پر بجز زندک کے اطلاق پاتا ہے (پس) ضَرَبَ کے معنے ہوئے کسی چیز کا کسی پر ڈالنا۔ کہیں جانا۔ کہیں اقامت کرنا یا کوئی کام کرنا۔
۲۔ اَلْعَصَا : جَمَاعَةُ الْاِسْلَامِ ۔

قاموس اور صحاح میں ہے: شَقَّوْا عَصَا الْمُسْلِمِیْنَ اَیْ اِجْتِمَاعَھُمْ وَاِئْتِلَافَھُمْ مسلمان لوگوں کے اتفاق اور باہمی محبت اور اُلفت کو توڑ دیا انہوں نے اور لاٹھی کو اس لئے عصا کہتے ہیں کہ اس پر اُنگلیاں اور ہاتھ جمع ہوتے ہیں۔

۳۔ حجر کے معنے وادی، ویلی (VALLY یعنی وادی۔ ناقل)۔ پتھر۔ حدیث جساسہ و دجال میں ہے یَتْبَعُہٗ اَھْلُ الْحَجَرِ اَیْ اَھْلُ الْبَادِیَۃِ۔

پس آیت کا ترجمہ ہؤا پس کہا ہم نے لے جا اپنی فرمانبردار جماعت کو یا جا ساتھ اپنی فرمانبردار جماعت کے فلاں وادی میں۔ پس چل رہے تھے وہاں بارہ چشمے۔

(نور الدین ایڈیشن سوم صفحہ ۱۵۷، ۱۵۸)

اِس رکوع شریف میں ہم لوگوں کو آگاہ کیا گیا ہے کہ انسان دُنیا میں کس طرح ذلیل ہوتے ہیں۔ کس طرح مسکین بنتے ہیں اور کس طرح خدا تعالیٰ کے عتاب کے نیچے آتے ہیں۔ کس طرح ابتداء اور انتہا ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ دُنیا میں ہیں جب وہ بدی کرنا چاہتے ہیں اگر وہ نیکوں کے گھر پیدا ہوئے ہیں یا کسی نیکی کی کتاب پڑھتے اور مطالعہ کرتے ہیں تو پہلے پہل ان کو حیاء مانع ہوتا ہے اور وہ بدی میں مضائقہ کرتے ہیں۔ پہلے چھپکے سے ایک چھوٹی بدی کر لی پھر اس بدی میں تکرار کرتے ہیں۔ پھر بدی میں ترقی کرتے ہیں۔ رفتہ رفتہ بدیوں میں کمال پیدا کر لیتے ہیں۔ کُل جہان میں دیکھو بدی اسی طرح آتی ہے کبھی یکدم نہیں آتی۔ حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کو کہتے ہیں کہ جو ہم کہتے ہیں وہ مان لو۔ انہوں نے جواب دیا یہ تو ہم سے نہیں ہو سکتا۔ نافرمانی کا نتیجہ کیا ہؤا ذلیل اور مسکین ہو گئے.....

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ: پہلے انسان اَدنیٰ نافرمانی کرتا ہے پھر ترقی کرتا کرتا حد سے بڑھ جاتا ہے..... حضرت موسیٰؑ کی قوم باوجود کمزور ہونے کے پانی تک کے لئے اجازت مانگتی ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے خدا سے دعا کی۔ حکم ہؤا پہاڑ پر جاؤ وہاں پانی بہتا ہے پیو۔ ایک کھانے پر بس نہیں کی۔ کہنے لگے۔ دعا کریں ہم کھیتی باڑی کریں۔ ترکاریاں، ککڑیاں، لہسن، مسور اور پیاز کھائیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یہ بڑی غلطی ہے۔ یہ اَدنیٰ چیزیں ہیں۔ یہ تو تمہاری محنت سے مِل سکتی ہیں۔ کم عقلو! چھوٹے کاموں میں لگ جاؤ گے تو حکومت کس طرح کرو گے۔ ان میں سے جو کمزور تھے ان کو حکم دیا کسی گاؤں میں جا کر آباد ہو۔ فُوْمِھَا کا ترجمہ بعض نے گندم کیا ہے یہ غلط ہے مَیں کبھی نہ کروں گا۔ مَیں نے ایک کتاب دیکھی اگرچہ وہ مجھے ناپسند آئی مگر مَیں نے اس کو خرید لیا۔ رات کو مجھے رؤیا ہؤا کہ ایک بازار ہے اس میں بہت خوبصورت پیاز اور لہسن خرید لیا۔ جب جاگ آئی تو زبان پر فُوْمِھَا تھا تو سمجھ

آئی کہ لہسن پر خوب ہاتھ مارا۔ (الفضل ۲۲ر اکتوبر ۱۹۱۳ء)

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

یہاں تین باتوں کا ذکر آیا ہے ایک تو یہ کہ اسلام کے بعد دوسروں کے ساتھ تعلقات کیسے ہوں۔ دوم ایمان کے بعد ہمارا عمل درآمد کیا ہو۔ سوم یہ کہ اگر کہا نہ مانوگے تو حال کیا ہوگا۔

فرماتا ہے جو لوگ کسی قسم کے ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں خواہ دہریہ ہی ہوں غرض پابند ہوں کسی چیز کے اصل کے۔ پھر وہ خواہ یہودی ہوں یا عیسائی ہوں یا صابی۔ جو کوئی اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان لاتا ہے۔

اِن دو باتوں کا ذکر اِس لئے کیا کہ ایمان کی جڑ اللہ پر ایمان ہے اور ایمان منتہی آخرت پر ایمان اور جو آخرت پر ایمان لاتا ہے اس کا نشان بھی بتا دیا کہ (وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَهُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ) (الانعام: ۹۳) وہ ایک تو تمام قرآن مجید پر ایمان لاتا ہے دوم اپنی صلوات کی محافظت کرتا ہے۔ آج ہی ایک نوجوان سے مَیں نے پوچھا نماز پڑھتے ہو؟ اُس نے کہا صبح کی نماز تو معاف کرو...... باقی پڑھتا ہوں۔ یہ مومن کا طریق نہیں۔ ایک مقام پر فرمایا أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ (البقرۃ : ۸۶) پس تمام کتاب پر ایمان و عمل موجب نجات ہے۔ اِس آیت میں اللہ نے بتا دیا ہے کہ ایک ہندو، ایک عیسائی، ایک چوہڑا، ایک چمار جب لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ پڑھ لیتا ہے اور یومِ آخرت کا قائل ہو جاتا ہے تو وہ مسلمان بنتا ہے اور پھر تم سب ایک ہو جاتے ہو۔ یہ اخوت اسلام کے سوا کسی مذہب میں نہیں۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ شرفاء، حکماء، غرباء، ایک صف میں مِل کر کھڑے ہوتے ہیں۔ اِس فرمانبرداری کا نتیجہ بھی بتا دیا کہ وہ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ زندگی بسر کرتا ہے۔ (الفضل ۵۔ نومبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ: چونکہ اس وقت ایک مذہبی جنگ شروع تھی اِس واسطے تمام قومیں خوف کی حالت میں تھیں کہ خدا جانے ہمارا مذہب اور ہماری عزت باقی رہتی ہے یا نہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو مومن ہیں ان کا نشان یہ ہے کہ ان کے لئے کوئی ڈر نہیں اور ان میں حزن باقی نہ رہے گا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۸ فروری ۱۹۰۹ء)

بعض لوگ قرآن مجید کی اِس آیت اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (البقرة: ۶۳) سے غلط فہمی میں پڑے ہیں۔ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ جو لوگ مسلمان ہوں، یہودی ہوں، صابی ہوں، جو ایمان لائیں اللہ پر اور روزِ آخرت پر اور عمل کریں نیک۔ پس ان کے لئے رَبّ کے حضور اَجر ہے۔ نہ ان کو خوف ہے نہ حُزن۔ مطلب یہ ہے کہ پس اللہ کو مان لینا اور روزِ آخرت پر ایمان نجات کے لئے کافی ہے مگر یہ ان کی غلطی ہے کیونکہ قرآن مجید کے متعدد مقامات پر اِس مسئلہ کو واضح کیا گیا ہے کہ یومِ آخرت پر ایمان کن لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۷ نمبر ۷ صفحہ ۳۲۴)

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَاۤ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۶۴﴾

اور جب لیا ہم نے مضبوط وعدہ تمہارا اور اُوپر رکھا تم پر طُور کو۔ لو جو دیا ہم نے تمہیں قوت سے اور عمل کرو جو اس میں ہے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

دوسرے مقام پر رَفَعْنَا کے بدلہ آیا ہے نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْۤا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ (الاعراف: ۱۷۲) مجاہد جو قرآن کے معانی بیان کرنے میں عظیم الشان تابعی ہے اس نے کہا ہے نَتَقْنَا کے معنے زَعْزَعْنَا کے ہیں۔ زَعْزَعْنَا کے معنے ہوئے ہلا دیا ہم نے۔ اور فراء نے کہا ہے نَتَقْنَا کے معنی رَفَعْنَا کے ہیں اور رَفَعْنَا کے معنے ہیں اُوپر رکھا ہم نے۔ کیا تم نے نہیں سُنا کہ راوی لاہور کے نیچے بہتی ہے اور لاہور راوی کے اُوپر آباد ہے۔ ٹیمس لندن کے نیچے بہتا ہے۔ پہاڑوں میں ایسے

نظارے عام ہیں کہ پہاڑ سر پر ہوتا ہے اور اگر زلزلہ پہاڑ میں آرہا ہو اور پہاڑ آتش فشاں ہو تو اور بھی وہ نظارہ بھیانک ہو جاتا ہے.....

معنی آیت کے اِس صورت میں یُوں ہوئے (وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ) جب بلند کیا تم پر اس چیز کو جو طُور میں نازل ہوئی۔ آگے کا فقرہ اس معنی کی طرف راہ نمائی بھی کرتا ہے خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَافِيْهِ۔ لو جو دیا ہم نے تم کو بڑی قوت سے اور عمل در آمد میں لاؤ جو اس میں ہے۔

(نور الدین (ایڈیشن سوم) صفحہ ۱۵۸، ۱۵۹)

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿۶۶﴾ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۷﴾

لَقَدْ عَلِمْتُمْ: خاسروں میں سے ہونے کی ایک مثال دیتا ہے کہ جو لوگ اللہ کے حکم کو نہیں مانتے وہ کس طرح دُکھوں میں مُبتلا ہوتے ہیں۔ عَلِمْتُمْ یعنی تمہیں یہ واقعہ خوب معلوم ہے۔

اعْتَدَوْا مِنْكُمْ: خدا کے حکموں سے نکل کر کام کیا اور الٰہی حد بندیوں کو توڑ دیا۔

فِي السَّبْتِ: سبت کے معنے ہیں آرام، راحت، آسُودگی۔ لُغت میں ہے اَلسَّبْتُ: اَلرَّاحَةُ۔ اکثر لوگ جب خدا انہیں دولت و مال، جاہ و جلال، جتھا، صحت عافیت دیتا ہے تو اس آسُودگی میں خدا کو راضی کرنے کی بجائے ناراض کر لیتے ہیں اور قسم قسم کی بدیاں اور حق تلفیاں کرتے ہیں اور اس آرام میں حدودِ الٰہیّہ سے نکل جاتے ہیں۔ سَبت کے ایک اَور معنے بھی ہیں۔ وہ ایک دن کا نام ہے جیسے ہمارے ہاں جمعہ ہے۔ یہودیوں میں بھی ہفتہ ایک دن ایسا مقرر کیا گیا تھا جس میں ارشادِ الٰہی تھا کہ شکار نہ کرو۔ وہ یُوں کرتے تھے کہ گڑھوں میں مچھلیوں کو روک لیتے تھے اور دوسرے دن اُٹھا لاتے اور کہتے آج تو سبت نہیں ہے۔ شریعت کے احکام میں کئی لوگ ایسے حیلے بنا لیتے ہیں جس سے ظاہری طور پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا مگر خدا تو ان کے دِلوں کی نیّتوں کو خوب جانتا ہے اس کو یہ لوگ

کیونکر دھوکہ دے سکتے ہیں۔ یاد رکھو اِس آیت میں یہ نصیحت ہے کہ مُرَفَّہ الحال ہو کے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو ناراض کرے تو وہ بھی بُرا اور خدا نے جو عبادت کے وقت مقرر کر رکھے ہیں ان میں حیلہ گریوں سے کام لے تو وہ بھی بُرا پس اِن دونوں باتوں سے بچو۔ دیکھو ایک قوم نے ایامِ راحت اور یومِ عبادت کی قدر نہ کی۔ حکمِ الٰہی کی بجا آوری میں طرح طرح کے حیلے کئے تو اللہ نے ان کو یہ عذاب دیا کہ بندروں کی طرح ذلیل بنا دیا۔ وہ احکام کو ٹال کر اپنی عزت چاہتے تھے مگر خدا نے انہیں ذلیل کر دیا اور یہ واقعہ ایسا خطرناک ہُوا کہ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا کہ اسے دہشت بنا دیا اُن لوگوں کے لئے جو اس وقت موجود تھے اور ان کے لئے بھی جو پیچھے آئیں گے۔

پارہ ۹ رکوع گیارہ اور پھر پارہ ۶ رکوع ۱۳ میں فرمایا ہے کہ یہ لوگ کس طرح بندر بنائے گئے۔

(۱) فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ۔ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ وَقَطَّعْنٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ؗ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۔ (الاعراف: ۱۶۷ تا ۱۶۹)

پس جب ممنوعہ امور کو گردن کشی سے کرنے لگے تو ہم نے کہا ہو جاؤ تم بندر ذلیل۔ اور جب تیرے رب نے آگاہ کر دیا کہ ان (یہود) پر ایسے لوگوں کو مسلط رکھے گا جو قیامت تک انہیں بڑے بڑے دُکھ پہنچاتے رہیں تحقیق تیرا رب جلد اعمال کا بڑا نتیجہ دینے والا ہے اور بات یہ ہے کہ وہ بخشنے والا مہربان بھی ہے۔ اور ہم نے انہیں گروہ درگروہ بنا کر ملک میں مُنتشر کر دیا۔ ان میں سے بعض نیکوکار ہو گئے اور انہی میں سے بعض اَور طرح کے رہے اور انہیں ہم نے دُکھوں سُکھوں سے آزمایا تا کہ رجوع کریں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۵ فروری ۱۹۰۹ء)

(۲) قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓـئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ۔ وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ۔ وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ (المائدۃ: ۶۱ تا ۶۳)

مَیں تمہیں آگاہ کروں کہ اللہ کے حضور بدتر بدلہ پانے والا کون ہے وہی گروہ جسے اللہ نے اپنی رحمت سے دُور کیا اس پر غضب نازل کیا جن کو بندر اور سؤر بنایا کیونکہ انہوں نے طاغوت کی فرمانبرداری

کی۔ انہی لوگوں کا بُرا ٹھکانا ہے اور سیدھے راستے سے بہت دُور ہیں۔ جب وہ تمہارے پاس آتے تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے حالانکہ وہ کُفر سے بھرے ہوئے آئے اور اسی کے ساتھ نکل گئے اور اللہ جانتا ہے جسے وہ چھپاتے ہیں اور تُو ان میں سے بہت کو دیکھے گا کہ گناہ اور زیادتی میں اور حرام خوری میں پیش دستی کرتے ہیں۔ بہت بُرا ہے وہ امر جو وہ کر رہے ہیں۔ اِس سے صاف ثابت ہوُا کہ ان کی شکلیں مسخ نہیں ہوئیں۔ وہ لوگ گائے کی پرستش کرتے تھے خدا نے ان سے دُرشتی گائے ذبح کرائی۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۵ر فروری ۱۹۰۹ء)

اور تم جان چکے ہو ان لوگوں کو جنہوں نے تم میں سے ہفتے کے دِن میں زیادتی کی پس ہم نے کہا اُن کو ذلیل بندر ہو جاؤ۔

سَبت لُغت میں آرام کو کہتے ہیں۔ دیکھو قاموس۔ اَلسَّبتُ اَلرَّاحَۃُ۔ اور ہفتے کے دِن کو بھی کہتے ہیں۔ یہودی آرام کے دِنوں میں یا یُوں کہو سَبت کے دن خداوند خدا کی نافرمانی کرتے اور ان کی سرکشی اور بغاوت پر جب باری تعالیٰ کا غضب بھڑکتا تو ذلیل اور خوار ہو جاتے اور ان کی حالت اس ذِلت اور ادبار کی وجہ سے گویا بندروں، سؤروں اور کُتوں کی سی ہو جاتی۔ اسی مجاز کو قرآن کریم بیان کرتا اور اہلِ کتاب کو جو زمانہ نبوی میں تھے ان کے اسلاف کا عبرت انگیز حال یاد دلا کر نصیحت دیتا ہے ....
... ایسے مجازوں کو جو کتبِ الہامیہ میں خصوصاً اور ہر زبان میں عموماً مستعمل ہوتے ہیں حقیقت اور نفس الامری سمجھ لینا غلطی ہے اور یہ خوش فہمی انہیں حضراتِ نصاریٰ سے ہی مخصوص ہے۔

(فصل الخطاب جلد اوّل ایڈیشن دوم صفحہ ۱۴۹، ۱۵۰)

چونکہ یہود کو سبت کی حفاظت کی تاکید شدید تھی جیسا خروج باب ۲۰ آیت ۹ اور باب ۳۵ سے پایا جاتا ہے مگر وہ شریر قوم بخلاف حکمِ ربانی بغاوت اور عصیان کرتی تھی اِس لئے غضبِ خداوندی ان پر نازل ہوتا اور وہ ذلیل و مردُود ہو جاتے اور اس کو سؤر اور بندر کے استعارے میں مجازاً ذکر کیا ہے۔

(فصل الخطاب جلد اوّل ایڈیشن دوم صفحہ ۱۵۱)

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖٓ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَۃً ۗ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا ھُزُوًا ۗ قَالَ

أَعُوذُ بِاللّٰهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجٰهِلِينَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا
ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ
إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ۖ عَوَانٌ بَيْنَ
ذٰلِكَ ۖ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ﴿۶۸﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا
رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا
بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِينَ ﴿۶۹﴾
قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ إِنَّ الْبَقَرَ
تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ۖ وَإِنَّا إِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُونَ ﴿۷۰﴾
قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُولٌ تُثِيرُ
الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ
فِيهَا ۚ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۚ فَذَبَحُوهَا وَمَا
كَادُوا يَفْعَلُونَ ﴿۷۱﴾

مُسَلَّمَةٌ : اِن کاموں (تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ) سے بچی۔

بے داغ ۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۵ فروری ۱۹۰۹ء)

انبیاء بنی اسرائیل شرک اور بُت پرستی کے دشمن تھے ۔ بعض نادان فرقوں میں ایک گائے کی پرستش ہوتی تھی اور وہ ان میں درشنی گائے تھی چنانچہ تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ اور لَاذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَّاشِيَةَ فِيْهَا (سے) اس کا صاف پتہ لگتا ہے ۔ اس کا ذبح کرنا بُت پرستی کی جڑ کاٹنی تھی۔ (نورالدین ایڈیشن سوم صفحہ ۱۶۸)

فرعون ..... کے آباء و اجداد گائے کی پرستش کرتے تھے ۔ اسکندریہ میں ایک لائبریری تھی اس کو بروچیم کہتے تھے ۔ بروچیم بَیل کا نام ہے ۔ اِس لائبریری کے آگے ایک بَیل بنا ہوُا تھا لائبریری کی حفاظت کے لیئے ۔ مؤرخوں کا اِس میں اختلاف ہے کہ بنی اسرائیل مصر میں ڈھائی سَو سال رہے یا چار سَو سال ۔ خیر یہ تمہاری دلچسپی کی بات نہیں ۔ اور فرعون کے سر کا تاج بھی گؤ مکھی کا تھا اور اس کا ثبوت قرآن سے یُوں ملتا ہے کہ جب بنی اسرائیل وہاں سے آئے تو یار بن کر سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے زیرِ اثر تھے ۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بعد انہوں نے بچھڑے کی پرستش کی ۔ گائے کو تو پہلے ہی مانتے تھے ..... انبیاء کو تو شرک سے نفرت ہی ہوتی ہے ۔ موسیٰ علیہ السلام کو بچھڑے کی پرستش بُری لگی ..... سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ گائے کی قربانی کرو ۔ عادت بُری بَلاء ہے ۔ لگے ایسچ پیچ بنانے ۔ سیدھی بات تھی گائے ذبح کر دیتے ..... موسیٰؑ اتنا بڑا اولوالعزم نبی تھا کتنے نشان دکھلائے ۔ فرعون کی غلامی سے بچایا ۔ یدِ بیضاء عصا ، جراد ، وباء ، قمل ، طوفان وغیرہ وغیرہ دکھائے ۔ فرعون غرق ہوُا ۔ اسی دریا سے بنی اسرائیل بچ کر نکل آئے ۔ ان کے دِل میں کوئی اَدب معلوم نہیں ہوتا اور کہنے لگے کیا آپ ہنسی کرتے ہیں ۔ کہا اَعُوْذُ بِاللّٰهِ یہ تو جاہلوں کا کام ہے ۔ ہماری سرکار نے فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم ، کہ مَیں تم سے بڑا عالم اور متقی ہوں ۔ ٹھٹھا یا مخول کرنا عالم کا کام نہیں ۔ مجھے یاد نہیں کہ کبھی درس میں یا طِب میں ٹھٹھا کیا ہو ۔ وہ بدمعاش خوب سمجھتے تھے کہ سیدنا موسیٰؑ کی کیا غرض تھی مگر رسم کے خلاف کرنا بھی مشکل تھا اِسی لئے

خوئے بد را بہانہ ہا بسیار

کہتے ہیں ۔

اُدْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؛ یہ تمسخر ہے ۔ جواب ملا ۔ گائے ہے نہ بچھیا ہے اور نہ بڑھیا اور جوان ہے جو حکم ہوُا ہے اس پر عمل کرو ۔ شریر پابند رسوم و عادات بھلا کیسے جلد سیدھا ہو ۔ لگے پوچھنے کہ اس کا رنگ کیسا ہو ۔ علاج تو یہ تھا کہ دو جُوت لگا دیتے مگر انبیاء رحیم کریم ہوتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ زرد رنگ اور شوخ ڈھڈھا رنگ ہے یعنی گوڑھا گورا ۔ خوش کرتی ہے دیکھنے والوں کو ۔

کیا معنی؟ درشنی گائے ہے۔ ہندو ایسی عمدہ گھروں میں رکھتے ہیں اور ان کو گندھا آٹا کھلاتے ہیں۔ اب یہ بدبختی پیچھا نہیں چھوڑتی۔ کہتے ہیں حضور گائیں بہت ہیں۔ گوریاں بھی ہیں ذرا تفصیل سے پوچھو ہم کو تو شبہ پڑ گیا ہے۔ پھر تاڑ گئے کہ یہ شرک کو تو پسند نہ کرے گا۔ اور فرمایا کہ وہ ذلیل نہیں ہے۔ وہ تو کھا کھا کر اتنی موٹی ہوئی ہے کہ وہ زمین پر کُھر مارتی ہے کبھی کھیتی میں نہیں لگائی گئی اس میں کِلّا کوئی نہیں اور نہ داغ ہے۔

مجبور ہو گئے۔ آخر ذبح کرنی پڑی۔ آخر انبیاء علیہم السلام کے حضور کیا پیش جاتی۔ ایک اور بات سُناتا ہوں کہ جب انسان کسی جگہ کو آگ لگاتا ہے تو پہلے دیا سلائی کو جلاتا ہے۔ پہلے چیتھڑے اور کاغذ وغیرہ کو آگ لگاتا ہے۔ ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ بڑے بڑے کھنڈر تباہ کر دیں۔ اسی طرح افساد کے لئے بعض لوگ ایک امر کو دینی اور مذہبی امر تجویز کرکے اس سے افساد شروع کرتے ہیں اور شاید ان کی اتنی عقل ہوتی ہے یا یہ ان کی بدعادت ہے اس کو پُورا کرنے کو ایک ایمانی امر تجویز کرتے ہیں اِس لئے مَیں اوّل اپنا ایمان ظاہر کرتا ہوں۔ ہمارے ایمان میں جو کچھ ہے یہ ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور گواہ رہو قیامت کے دِن پوچھے جاؤ گے کہ کوئی معبود برحق، محبوب، مطلوب حقیقی جس کے آگے کامل اطاعت کریں، تذلّل اختیار کریں اللہ ہے۔ اس کے مقابل میں کوئی نہیں۔ ربّ، رحمٰن، رحیم، مالکِ یوم الدین اس کی صفتیں ہیں۔ لاکھوں فرشتے اس نے بنائے ہیں جو اسکے کارخانے میں اس کے حکم کے ماتحت کارکن ہیں۔ ان کی معرفت حکمِ الٰہی آتا ہے اور بالواسطہ بھی آتا ہے اور جن کے پاس آتا ہے اگر وہ مامور ہوں تو وہ رسول کہلاتے ہیں اور سب کے سردار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس کے بعد دوزخ، جنّت، پُل صراط، قیامت برحق ہیں۔ (الفضل ۱۲، ۱۷ نومبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِیْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۷۳﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ یُحْیِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَیُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۴﴾

وَ اِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا : ایک یہودی عورت نے ایک مُسلم عورت کو مار دیا۔ قریب المرگ حالت میں بتا گئی میرا قاتل کون ہے۔ پس حکم ہُوا اس کو مار دو۔
بِبَعْضِهَا : بعض کے بدلے میں۔ اِس لئے فرمایا کہ (ا) کوئی خواہ سَو کو مارے آخر اسی ایک قاتل کو قتل کیا جائے گا۔ (ب) دوم۔ مُجرم کا اِرتکاب خدا جانے کتنی بار کر چکا ہے اور اَب پکڑا گیا۔
یُحْیِ اللّٰہُ الْمَوْتٰی : وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ اس قاتل کو مارنے سے آئندہ قتل ہونیوالے بچ گئے۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ نیز دیکھیں ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۵ ر فروری ۱۹۰۹ء)
مَیں نے اِس آیت پر غور کیا ہے وَ اِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا یہ ایک سیدھی بات ہے۔ اِس کے معنے "تم نے ایک آدمی کو مار ڈالا" آدمی کو تو مارا ہی کرتے ہیں۔ یہ ترجمہ اِس کا صحیح نہیں۔ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ تم نے ایک جی (یا جان) کو مارا پھر اپنے آپ سے ہٹانے لگے کہ ہم نے نہیں مارا معلوم ہُوا کہ وہ جان ایسی نہ تھی جس کا وہ بہادری کا کام سمجھ کر اقرار کرتا۔
کعب بن اشرف مارا گیا۔ اس کے قاتل کا پتہ پوچھنے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَیں نے مارا ہے۔ ابو رافع مارا گیا اس کے لئے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم نے اس کو مارا ہے۔ کُشت وخون جیسا کہ آجکل سرحدیوں، وزیریوں اور محسودیوں وغیرہ میں ہے ایسا ہی عرب میں تھا۔ سب کے نزدیک عورت کا مارنا بہت معیوب ہے۔ ابوسفیان نے کہا تھا کہ آپ اِس لڑائی میں عورتوں کو بھی مقتول پائیں گے مگر مَیں نے یہ حکم نہیں دیا۔
مَیں ایک دفعہ ایک رئیس کے ساتھ جس کے ساتھ انگریز بھی تھے سؤر کے شکار میں گیا۔ سامنے سے ایک سؤر آیا۔ اس کا گھوڑا اس سے ڈر گیا۔ جُھک کر گھوڑے کو ایک طرف دوڑا کرلے گیا۔ ایک مسخرہ انگریز بھی ان میں تھا اس نے اس رئیس کو کہا کہ وَل۔ آپ کا گھوڑا سؤر سے ڈر گیا تو اس رئیس نے کہا کہ آپ نے دیکھا نہیں۔ مَیں جُھکا تھا مَیں نے دیکھا کہ وہ سؤر کی مادہ سؤرنی تھی۔ ہم سپاہی مادہ کو نہیں مارا کرتے۔ تو اس انگریز نے دوسرے انگریز کو کہا شکر ہے ہم نے اس کو نہیں مارا ورنہ ہماری تو بدنامی ہوتی۔
اِس آیت میں جس نفس کا ذکر ہے وہ عورت ہے۔ مرد کو اگر مارتے تو کچھ حرج نہ تھا۔ تحقیقات کرنے پر انہوں نے ایک دوسرے پر تھوپا۔ آخر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے سارے بدمعاشوں کو جمع کیا اور اس عورت کے آگے سب کو پیش کیا۔ وہ بول تو نہ سکتی تھی مگر قوتِ ممیزہ اس میں تھی۔ جب قاتل کو اس کے سامنے لایا گیا تو اُس نے سر سے اشارہ کیا کہ یہی ہے۔ اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے کئی پیچوں سے اس عورت پر پیش کیا مگر وہ اس کو پہچان لیتی۔ اس کا ذکر بخاری شریف میں ہے۔
اس بدمعاش نے اس عورت کا سر دو پتھروں کے درمیان کچل دیا تھا (کچھ زیور کے لالچ سے)۔
وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ : اللہ اس بات کو نکالنے والا تھا آخر وہ بات نکل آئی۔
فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا : تب ہم نے اس قاتل کو مارنے کا حکم دیا اور یہ اس کے بعض کا بدلہ تھا۔ اس نے پہلے بھی کئی بدمعاشیاں کیں اور آگے بھی وہ کرتا۔ اِس لئے یہ سزا اس کے بعض کی ہے۔
اور جگہ فرمایا وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ (البقرة: ۱۸۰) بدلہ لینے میں تمہارے لئے حیات ہے یُحْیِ کا لفظ رکھا ہے یہ ان کی بے حیائی ہے کہ انہوں نے عورت کو مارا۔ عورت کو مارنا کوئی بہادری نہیں۔
(الفضل ۱۹ر نومبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵ نیز ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۵ر فروری ۱۹۰۹ء)

۷۵۔ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

يَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ : جب بعض پتھر ایسے ہیں کہ ان سے پانی نکلتا ہے تو مومن کے اندر سے تو اس سے بڑھ کر کچھ نکلنا چاہیئے یعنی اتنی ندیاں پھوٹ کر نکلیں کہ عالم سیراب ہو۔ پتھروں سے پانی نکل کر فارغ البالی، سرسبزی کا ذریعہ بنتا ہے تو مومن کے اندر سے بھی ایسے کلمات نکلنے چاہئیں جن سے رُوحانی سرزمین میں بہار آتی ہو۔
لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ : پتھر کے اُوپر سے گرنے کا نظارہ انسان میں خشیت پیدا کرتا

ہے یا ضمیر قلوب کی طرف ہو۔

وَمَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ: گناہ سے بچنے اور خشیت اللہ پیدا کرنے کا ایک ذریعہ یہی ہے کہ انسان کو یہ یقین ہو اللہ میرے کاموں سے بے خبر نہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۵ر فروری ۱۹۰۹ء)

مَیں اِس آیت کو سُنا کر افسوس کرتا ہوں مسلمانوں کو بتلایا تھا کہ تم ایسا کام نہ کرنا۔ صدہا قتل کرتے ہو ڈرتے نہیں۔ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ: تمہارے دِل سخت ہو گئے۔

بعض پتھروں سے نہریں چلتی ہیں اور ان سے نفع پہنچتا ہے مگر تم تو ان پتھروں سے بھی بد تر ہو تم جس قدر ہو تم میں سے ندیاں اور نہریں جاری ہوتیں اور کچھ نہیں تو پانی نکلتا۔ مَیں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ مَیں نے تمہیں سمندر کے سمندر سُنائے مگر تم بھی بھلا ور ہو۔ بعض ہیں کہ ان کے کانوں پر جُوں رینگتی ہی نہیں قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ خدا ساری قوم کو بُرا نہیں کہتا۔ بعض نیک بھی تو ہوتے ہیں جو اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ کے مصداق ہوتے ہیں۔

مِنْهَا میں جو ضمیر ہے اس میں اختلاف ہے۔ بعض پتھروں کی طرف پھیرتے ہیں بعض قلوب کی طرف۔ جیسے اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ (طٰہٰ: ۴۰) موسیٰؑ کو صندوق میں ڈال دو اور صندوق کو دریا میں ڈال دو۔

(الفضل ۱۹ر نومبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۶﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا

فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۝

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ : تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری بات مان لیں مگر یہ وہ لوگ ہیں کہ جس کتاب کو کلام اللہ مانتے ہیں اس کی بھی خلاف ورزی کر رہے ہیں بعد اس کے کہ اس کو خوب سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اس کی خلاف ورزی کوئی نیک نتیجہ نہیں رکھتی۔

لِيُحَآجُّوْكُمْ : حجت میں غالب آئیں گے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۵ فروری ۱۹۰۹ء)

انسان کے ذمہ تین طرح کے حقوق ہیں۔ اوّل : اللہ تعالیٰ کے۔ دوم : نفس کے۔ سوم : مخلوقات کے۔ اِن حقوق کے متکفل قرآن کریم اور احادیث صحیحہ ہیں۔ جنابِ الٰہی کے حقوق کو کون بیان کر سکتا ہے عقل میں تو نہیں آسکتے۔ جس طرح وہ وراء الوراء ہستی ہے اس کے حقوق بھی ویسے ہی ہیں۔ جب انسان ایک دوسرے انسان کی رضامندی کے طریقے کو بھی اچھی طرح نہیں جان سکتا تو خدا تعالےٰ کی رضامندی کے رستوں کو کب کوئی پا سکتا ہے اور جب انسان کے حقوق کو نہیں سمجھ سکتے تو خدا کے حقوق کو کس طرح سمجھ سکتے ہیں۔ مثلاً مَیں یہاں کھڑا ہوں تم میری رضامندی کی راہ کو نہیں جانتے۔ تو وہ ذات جو لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (شوریٰ : ۱۲) ہے اس کے حقوق کو کیونکر انسان سمجھ سکتا ہے۔

اِسی طرح انسان کے حقوق بھی ہیں۔ انسان بہت کچھ غلطیاں کر جاتا ہے۔ اِس لئے خدا تعالےٰ نے انسان کے لئے ایک قانون بنایا ہے۔ ایک صحابیؓ دن کو روزے رکھتے اور رات کو عبادت کرتے تھے۔ وہ حضرت سلمان فارسیؓ کے دوست تھے۔ ایک دفعہ سلمانؓ ان کے گھر تشریف لے گئے تو ان کی بیوی کے کپڑے خراب تھے۔ انہوں نے ان کی بیوی سے پوچھا کہ بھاوجہ صاحبہ آپ کی ایسی حالت کیوں ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میرے کپڑوں کی حالت کیونکر اچھی ہو تمہارے بھائی کو تو بیوی سے کچھ غرض ہی نہیں۔ وہ تو دن بھر روزے اور رات کو عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ حضرت سلمانؓ نے کھانا منگوایا۔ اس دوست کو کہا کہ آؤ کھاؤ۔ انہوں نے جواب دیا کہ مَیں روزے دار ہوں۔ تو حضرت سلمانؓ نے ناراضگی ظاہر کی تو مجبورًا اُس صحابیؓ نے آپ کے ساتھ کھانا کھا لیا۔ پھر حضرت سلمانؓ نے جب رات ہوئی تو چارپائی منگوا کر ان کو کہا کہ سو جاؤ۔ انہوں نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ مَیں رات کو عبادت کیا کرتا ہوں تو پھر حضرت سلمانؓ نے ان کو زبردستی سُلا دیا۔

صحابہؓ ایسے نہ تھے کہ اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ (النساء:۸۴) جب کوئی امن وخوف کی بات ہوتی تو اسے پھیلا نہ دیتے تھے۔ تم میں سے اکثر ایسے ہیں جو بات سُنی تو فوراً اس کو پھیلا دیتے ہیں۔

آخر ان کا معاملہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش ہوا تو آپؐ نے اُس صحابیؓ کو فرمایا کہ تمہارے متعلق ہمیں یہ بات پہنچی ہے تو انہوں نے یہ عرض کیا کہ بات تو جیسے حضورؐ کو کسی نے پہنچائی وہ صحیح ہے۔ تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا اِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا۔ یہ بھی فرمایا تھا وَلِعَيْنَيْكَ عَلَيْكَ حَقًّا۔ تیرے پر نفس کے بھی حقوق ہیں تیری بیوی کے بھی حقوق ہیں۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ (اس کی مراد اس سے یہ تھی) کہ میں تو خوب مضبوط ہوں آپؐ مجھے کچھ تو اجازت دیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا ایک مہینے میں تین روزے رکھ لیا کرو (چاند کی تیرہ، چودہ، پندرہ) اُس نے پھر کہا یا رسول اللہؐ (مطلب یہ تھا کہ میں بہت طاقتور ہوں آپؐ مجھے اور اجازت دیں) تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا دو دن افطار کر کے ایک دن روزہ رکھ لیا کرو۔ اُس نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ..... تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا۔ سب سے بڑھ کر تو صومِ داؤدی تھا۔ تم ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن افطار کر لیا کرو۔ پھر کہا یا رسول اللہؐ (مطلب یہ تھا کہ مجھے قرآن کریم کے روزانہ ختم کرنے کی تو اجازت فرما دیں) تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہفتہ میں ایک ختم کر لیا کرو۔ تو اُس نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا قرآن کریم کا ختم تین دن میں کر لیا کرو اِس سے جلدی کی بالکل اجازت نہیں ہے۔ جب وہ بوڑھے ہو گئے تو پھر ان کو اس سے تکلیف ہوئی اور اب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہوئے تھے۔ اب لگے رونے اور پچھتانے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کو اس وقت کیوں نہ مانا! جب ایسے ایسے صحابہؓ کو رضامندی کا پتہ نہیں لگ سکا تو تم کو کیوں کر لگ سکتا ہے؟

ہم بیمار ہو جاتے ہیں یا ہمیں کوئی خوشی ہوتی ہے تو تم میں سے بعض ایسے ہیں (جن کا ہم سے کوئی تعلق نہیں) کہ وہ ہماری رنج وراحت میں بالکل شریک نہیں ہوتے اور ہمیں پوچھتے تک نہیں۔

وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ: اور جب یہ آپس میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ دیکھو تم نے فلاں بات جو تم کو سمجھ آ گئی وہ کیوں بتلائی۔ اَب وہ تم کو خدا کے رُوبرو ملزم ٹھہرائے گا۔

اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ (البقرة: ۷۸) کہ یہ نہیں جانتے کہ اللہ اُن کے چھپے اور ظاہر اور ان کے سب بھیدوں کو جانتا ہے تو وہ پھر چھپاتے کس سے ہیں۔ (الفضل ۲۶ نومبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۷۸﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿۷۹﴾

اَمَانِیَّ : امانی کے تین معنے ہیں (۱) امانی جمع امید کی امیدیں (۲) امانی کے معنے تلاوت۔ (۳) امانی کے معنے اکاذیب[1]۔ اَن پڑھ اِن تینوں باتوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ جھوٹے خیالات، جھوٹی امیدیں۔ عبارت تو سن لیتے ہیں مگر مطلب نہیں سمجھتے۔

ثَمَنًا قَلِیْلًا : دُنیا۔ جیسا کہ فرمایا مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ (النساء : ۷۸) مطلب یہ کہ وہ دُنیا کے چند روزہ فائدہ کے لئے دین کو چھوڑتے ہیں۔

مِمَّا کَتَبَتْ اَیْدِیْهِمْ : بائیبل خصوصًا اس میں اناجیل اور اس کے ملحقات ترجمہ در ترجمہ اسکی مصداق ہو چکی ہے اور اب کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اصل کیا تھا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۵ فروری ۱۹۰۹ء)

یہ سچی بات ہے کہ ترجمہ مترجم کے ذاتی خیالات ہوتے ہیں۔ اب دیکھو نصاریٰ قوم تراجم کو لے کر کہتے پھرتے ہیں خدا کا کلام ہے۔ کتاب مقدس میں یوں لکھا ہے حالانکہ اصل کتاب کا پتہ بھی نہیں لگتا کہ کہاں گئی۔ بلکہ یہاں تک مشکلات میں پھنسے ہوئے ہیں کہ ابھی تک یہ فیصلہ بھی نہیں ہوا کہ وہ اصلی زبان جس میں انجیل تھی عبری تھی یا یونانی۔ حالانکہ مسیح علیہ السلام کے آخری کلمات ایلی ایلی لِمَا سَبَقْتَانِیْ اور ان کی قومی اور مادری زبان سے صاف طور پر یہ پتہ لگتا ہے کہ وہ عبرانی ہی تھی مگر یہ یونانی کہتے جاتے ہیں

---

[1] جھوٹی باتیں۔ مرتب

اصل یہ ہے کہ اصل کتاب کا پتہ ہی نہیں ہے۔ اب جو کچھ ان کے ہاتھ میں ہے وہ ذاتی خیالات ہیں۔
غرض اس قسم کا تو مذہب بگڑ رہا ہے اور پھر اس پر طرفہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے طریق اشاعت کی وجہ سے، کہیں خوبصورت عورتوں کے ذریعہ تبلیغ کر کے، کہیں ہسپتالوں کے ڈھنگ ڈال کر اخبارات اور رسالجات کی اشاعت سے کوئی قوم، کوئی خاندان ایسا نہیں چھوڑا جس میں سے کسی نہ کسی کو گمراہ نہ کر لیا ہو۔ (الحکم ۳۱ مارچ ۱۹۰۱ء صفحہ ۷)

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ۭ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْۗـــــَٔــتُهٗ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۳﴾

لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً: اس پر دعویٰ کہ ہم کو آگ نہ چھوئے گی وہ جھوٹ کہتے ہیں۔ ہم جناب الٰہی کا قاعدہ بتلاتے ہیں بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْۗـــــَٔــتُهٗ جنہوں نے بدیاں کیں اور ان کو ان کی بدیوں نے گھیر لیا تو وہی دوزخی ہیں اور وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جو لوگ ایمان لاتے اور عمل صالح کرتے ہیں ان کو دنیا میں بھی جنت اور آخرت میں بھی جنت ہے۔ (الفضل ۲۶ نومبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

اور کہتے ہیں ہم کو آگ نہ لگے گی مگر کئی دن گنتی کے۔ تو کہہ۔ کیا لے چکے ہو اللہ کے یہاں

سے فترار تو البتہ خلاف نہ کرے گا اللہ اپنا اقرار۔ یا جوڑتے ہو اللہ پر جو معلوم نہیں رکھتے۔ کیوں نہیں ؛ جس نے کمایا گناہ اور گھیر لیا اس کو اس کے گناہ نے۔ سو وہی ہیں لوگ دوزخ کے۔ اُسی میں رہیں گے۔ (فصل الخطاب حصہ دوم صفحہ ۱۰۳)

اِسی لئے فرقے یہود کے خلوت نشین اور بعضی بستی جنگلوں میں وحشیانہ زندگی بسر کرتے تھے اور عیسائی پوپوں کی طرح خداداد انعامات سے محروم تھے۔ (فصل الخطاب جلد ۲ صفحہ ۱۰۴۔ ایڈیشن دوم)

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْکُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۴﴾

حضرت نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے چالیس سال کی عمر میں اطلاع دی کہ خدا نے مجھے رسول بنایا۔ تیرہ برس آپ مکہ میں رہے۔ اس کے بعد جب آپ کی عمر ۵۳ سال کی ہوئی حکم الٰہی کے مطابق ہجرت کر کے چلے گئے۔ مکہ میں آپ کو کئی قسم کی سہولتیں تھیں۔ اول تو یہ کہ ایک ہی قسم کے مخالفین سے پالا پڑتا تھا یعنی مشرکوں سے، اور پھر بوجہ اس کے کہ آپ کا خاندان نہایت معزز تھا اور آپ کے قرابت دار بھی وہاں تھے کوئی ایذاء رسانی کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ آپ ان لوگوں کے رسم و عادات کو بھی سمجھتے تھے۔ آپ کے کئی پرانے دوست بھی تھے جو ہر وقت مدد کرتے۔ برخلاف اسکے مدینہ میں جب آپ آئے تو بڑی مشکلات پیش آئیں۔ پہلی مشکل تو یہ کہ مکہ کی مخالفت بدستور تھی (۲) پھر مدینہ میں بھی مشرکین موجود تھے (۳) ایک منافقوں کا گروہ بھی وہاں پیدا ہو گیا یہ بدذات گروہ بڑا خوفناک ہوتا ہے، اندر سے کچھ باہر سے کچھ۔ (۴) عیسائی بھی تھے (۵) بنو قینقاع یہودی بڑے شہدے اور اوباش تھے (۶) بنو نضیر (۷) بنو قریظہ۔ پھر ان کے علاوہ مدینہ کے اردگرد غطفان، معر کا گروہ تھا، بجے

یہاں ایک نکتہ یاد آگیا۔ ایک شیعہ نے مجھ سے کہا بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ (المائدۃ: ۶۸) سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بڑا خطرناک کام تھا۔ میں نے کہا کہ بیشک اتنی قوموں کی مخالفت میں پیغامِ الٰہی پہنچانا بڑا مشکل تھا یہی وجہ ہے کہ آپؐ کی تسلی کے واسطے وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدۃ: ۶۸) آیت نازل ہوئی)۔

مکہ کے لوگ تو ایسے تھے کہ نہ ان کے پاس کتاب نہ انبیاء کے علوم۔ نہ وہ اتنے چالاک۔ مگر مدینہ کا دشمن بڑا خطرناک اور چالاک دشمن تھا کیونکہ عیسائی اور یہودی سب پڑھے ہوئے تھے۔ ان کا ایک کالج بھی وہاں تھا جسے بَیت المدراس کہتے تھے۔ پھر ان میں رُہبان بھی تھے جو کچھ روحانی حالتیں بھی رکھتے تھے اور اپنا خاص اثر بھی۔ اِس واسطے حضرت نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تجویز کی کہ سب قوموں کو بُلایا اور ان سے کہا کہ تم جانتے ہو میں یہاں آکر آباد ہو گیا ہوں میری قوم کے لوگ میرے دشمن ہیں۔ تم جانتے ہو کہ اس قوم کا رُعب تمام علاقہ عرب پر ہے پس ان کے ساتھ اَور قومیں بھی مل کر ہمیں ایذاء پہنچائیں گی پس ضرور ہے کہ ہم بَیرونی دشمنوں سے بچنے کے لئے اتفاق کریں میں اس کے لئے چند شرائط پیش کرتا ہوں جن پر اگر ہمارا اتفاق ہو جائے تو کوئی فساد نہ رہے چنانچہ آپؐ نے ان کے سامنے عہد نامہ کا یہ مسودہ پیش کیا جو انہوں نے مان لیا اور جو اِس رکوع میں مفصّل مذکور ہے۔ اس میں حقوقِ الٰہی اور حقوق العباد دونوں آ گئے۔

لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ: یہی آپؐ کا اصل منشاء تھا جو ان سے منوا لیا کہ ہم لوگ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں گے۔ یہودیوں کے لئے اس کا مان لینا کوئی مشکل امر نہ تھا۔

بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا: یہ عام اخلاقی باتیں ہیں۔

قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا: خوش معاملگی کرنا۔ قُوْلُوْا حُسْنًا کے یہی معنے ہیں۔

اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ: اپنے اپنے طور سے نمازیں پڑھنا اور زکوٰۃ دیتے رہنا تو دینِ الٰہی کے متعلق معاہدہ ہُوا۔ اب دوسری طرف یہ وعدہ لیا (۱) تم اپنے خون نہ بہاؤ گے یعنی آپس میں نہ لڑو گے (۲) اپنے لوگوں کو گھروں سے باہر نکال کر انہیں دربدر نہ کراؤ گے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۵ فروری ۱۹۰۹ء نیز نورالدین صفحہ ۱۶)

خلاصہ دینِ انبیاء کیا ہے؟ تمام انبیاء کے دین کا خلاصہ یہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے وعدہ لیا ہے۔ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرنی بس یہی خلاصہ ہے تمام دینوں کا اور یہی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے معنے ہیں۔

عبادت کسے کہتے ہیں۔ لوگوں کو اِس کے معنے نہیں آتے۔ بعض اِس کے معنے بندگی کرنے کے کرتے ہیں اور بعض پرستش اور پُوجا کے کرتے ہیں۔ اس کے کئی ارکان ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بے نظیر تعظیم جیسی اس کی تعظیم کرے اَور کسی کی نہ کرے۔ مثلاً ہاتھ باندھنے۔ اس کے آگے جُھکنا (رکوع) اس کے آگے سجدہ میں گرجانا۔ حج کرنا۔ روزے رکھنا۔ اپنے مال میں سے ایک حصّہ اس کے لئے مقرر کردینا۔ اُٹھنے بیٹھنے میں اُس کا نام لینا۔ آپس میں ملتے وقت اس کا نام لینا جیسے السّلام علیکم ورحمۃ اللہ اور اس کی تعظیم میں قطعاً دوسرے کو شریک نہ کریں۔

دوسرا رکن۔ اس کی محبّت کے مقابلہ میں کسی دوسرے سے محبّت نہ کرنا۔

تیسرا رکن۔ اپنی نیازمندی اور عجز وانکساری کامل طور پر اس کے آگے ظاہر کرے۔

چوتھا رکن۔ یہ ہے کہ اس کی فرمانبرداری میں کمال کر دے۔ ماں باپ، مُحسن و مربّی، بھائی بہن، رسم ورواج اس کے مقابلہ میں کچھ نہ ہوں۔ لَا تَجۡعَلُوۡا لِلّٰهِ اَنۡدَادًا لَا تَعۡبُدُوۡا اِلَّا اللّٰهَ۔ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ بعض روپیہ سے محبّت کرتے ہیں۔ جو لوگ چوری، جھُوٹ، دغا سے کماتے ہیں وہ اللہ سے نہیں بلکہ روپیہ سے محبّت کرتے ہیں کیونکہ اگر اس کے دِل میں خدا کی محبّت ہوتی تو وہ ایسا نہ کرتا۔

اس سے اُتر کر ماں باپ کے ساتھ احسان ہے۔ بڑے ہی بدقسمت وہ لوگ ہیں جن کے ماں باپ دُنیا سے خوش ہوکر نہیں گئے۔ باپ کی رضامندی کو مَیں نے دیکھا ہے اللہ کی رضامندی کے نیچے ہے اور اس سے زیادہ کوئی نہیں۔ افلاطون نے غلطی کھائی ہے۔ وہ کہتا ہے "ہماری رُوح جو اُوپر اور منزّہ تھی ہمارے باپ اسے نیچے گرا کر لے آئے"۔

وہ جھُوٹ بولتا ہے۔ وہ کیا سمجھتا ہے کہ رُوح کیا ہے۔ نبیوں نے بتلایا ہے کہ یہاں ہی باپ نطفہ تیار کرتا ہے پھر ماں اس نطفہ کو لیتی ہے اور بڑی مصیبتوں سے اسے پالتی ہے۔ نَو مہینے پیٹ میں رکھتی ہے۔ بڑی مشقت سے حَمَلَتۡهُ كُرۡهًا وَّوَضَعَتۡهُ كُرۡهًا (احقاف: ۱۶) اسے مشقت سے اُٹھائے رکھتی ہے اور مشقت سے جَنتی ہے۔ اس کے بعد وہ دُو سال یا کم از کم پونے دو سال اسے بڑی تکلیف سے رکھتی ہے اور اسے پالتی ہے۔ رات کو اگر وہ پیشاب کر دے تو بستر کی گیلی طرف اپنے نیچے کر دیتی ہے اور خشک طرف بچے کو کر دیتی ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ اپنے ماں باپ (یہ بھی مَیں نے اپنے ملک کی زبان کے مطابق کہہ دیا ورنہ باپ کا حق اوّل ہے اِس لئے باپ ماں کہنا چاہیئے) سے بہت ہی نیک سلوک کرے۔ تم میں سے جس کے ماں باپ زندہ ہیں وہ ان کی خدمت کرے اور جس کا ایک یا دونوں وفات پا گئے ہیں وہ

ان کے لئے دعا کرے، صدقہ دے اور خیرات کرے۔

ہماری جماعت کے بعض لوگوں کو غلطی لگی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مُردہ کو کوئی ثواب وغیرہ نہیں پہنچتا۔ وہ جھوٹے ہیں ان کو غلطی لگی ہے۔ میرے نزدیک دعا، استغفار، صدقہ وخیرات بلکہ حج، زکوٰۃ، روزے یہ سب کچھ پہنچتا ہے۔ میرا یہی عقیدہ ہے اور بڑا مضبوط عقیدہ ہے۔

ایک صحابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری ماں کی جان اچانک نکل گئی اگر وہ بولتی تو ضرور صدقہ کرتی۔ اَب اگر مَیں صدقہ کروں تو کیا اُسے ثواب ملے گا۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ تو اس نے ایک باغ جو اس کے پاس تھا صدقہ کر دیا۔

میری والدہ کی وفات کی تار جب مجھے ملی تو اُس وقت مَیں بخاری پڑھا رہا تھا۔ وہ بخاری بڑی اعلیٰ درجہ کی تھی۔ مَیں نے اس وقت کہا اے اللہ میرا باغ تو یہی ہے تو پھر مَیں نے وہ بخاری وقف کر دی۔ فیروز پور میں فرزند علی کے پاس ہے۔

وَذِی الْقُرْبٰی: پھر حسبِ مراتب قریبیوں سے نیک سلوک کرو یتیموں اور مسکینوں سے نیک سلوک کرو۔

قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا: قَالَ کا لفظ عربی زبان میں فَعَلَ کے برابر لکھا ہے بلکہ اس سے وسیع لکھا ہے اس سے کم ضَرَبَ کا لفظ لکھا ہے۔ لوگوں کو بھلی باتیں کہو۔ بدمعاملگیاں چھوڑ دو۔ بدمعاملگیوں سے باز آجاؤ۔

وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ: نمازیں پڑھو اور زکوٰۃ دیا کرو۔

ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْکُمْ وَ اَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ: تم پھر جاتے ہو۔ باز نہیں آتے۔ اگر کسی کا روپیہ ہاتھ میں آگیا تو اسے شیرِ مادر سمجھ لیا اور اسے دینے میں آتے ہی نہیں۔ اللہ تم پر رحم کرے۔

(الفضل ۳۔ دسمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ لَا تَسْفِکُوْنَ دِمَآءَکُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَ اَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۵﴾ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ

اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ

دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ

اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ

تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ

مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ

يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا

تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۶﴾

وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ: تم نے اِس معاہدہ پر اپنی گواہیاں ثبت کر دیں۔ اِس سے آگے خدا تعالیٰ فرماتا ہے پھر تم وہی ہو کہ اپنے لوگوں کو قتل کرانا اور جلاوطن بنانا چاہتے ہو اِس طرح کہ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ بدکاری اور ظلم کے لئے ان کی پیٹھ بھرتے ہو۔ مدد دیتے ہو۔ قیدیوں کو تو چندہ دے کر چھڑاتے ہو مگر جو اس سے بُرا کام ہے جلاوطن کرانا اس سے باز نہیں آتے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۵ ر فروری ۱۹۰۹ء)

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ: یہ مرض آجکل بہت ساری ہے کہ ایک ہی کتاب کے بعض احکام کی تو تعمیل کی جاتی ہے بعض کی مطلق پرواہ نہیں کرتے۔ کئی لوگ ایسے ہیں جو نماز پڑھتے ہیں مگر زکوٰۃ کا خیال تک نہیں۔ روزے رکھتے ہیں مگر نہیں سوچتے کہ کسی پر ظلم کرنا بُرا ہے۔ یُوں تو تہجد گذار ہیں مگر لڑکیوں کو میراث دینے کی قسم ہے۔ یہ بہت بُری بات ہے اِس سے بچو ورنہ اسکی

سزا جہنم ہے۔

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ : یہ ایک پیشگوئی تھی جو اپنے وقت پر پوری ہوئی۔

(ضمیمہ اخبار بدرؔ قادیان ۲۵ فروری ۱۹۰۹ء)

اللہ تعالیٰ نے اپنے کامل احسان اور کامل فضل اور کامل رحمانیت سے مسلمانوں کو ایک کتاب دی ہے۔ اس کا نام قرآن ہے مَیں نے اس کو سامنے رکھ کر بائیبل اور انجیل کو پڑھا ہے اور ژندو اوستا کو پڑھا ہے اور ویدوں کو بھی پڑھا ہے وہ اس کے سامنے کچھ ہستی نہیں رکھتے۔ قرآن بڑا آسان ہے۔ مَیں ایک دفعہ لاہور میں تھا۔ ایک بڑا انگریزی خوان اس کے ساتھ ایک اور بڑا انگریزی خوان نوجوان تھا۔ ہم ٹھنڈی سڑک پر چل رہے تھے۔ اُس نے مجھے کہا کہ قرآن کریم میں آتا ہے وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ (القمر: ۴۱) مگر قرآن کہاں آسان ہے۔ ہم دوسری کتابوں کو جمع کرتے اور ان کی زبانوں کو سیکھتے کہ پہلے ہمیں ان کتابوں کا ملنا مشکل اور پھر ان زبانوں کا سیکھنا مشکل اور پھر ان کو ایک زبان میں کرنا مشکل۔ پھر اس کی تفسیر کون کرتا۔ قرآن کریم نے دعویٰ کیا ہے فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (البینۃ: ۴) جو کتاب دُنیا میں آئی اور جو اس میں نصیحتیں ہیں ان تمام کا جامع قرآن ہے باوجود اس جامع ہونے کے ایک ایسی زبان میں ہے جو ہر ایک ملک میں بولی جاتی ہے۔

قرآن کریم میں تین خوبیاں ہیں پہلی کتابوں کی غلطیوں کو الگ کرکے ان کے مفید حصّہ کو عمدہ طور پر پیش کیا ہے اور جو ضروریات موجودہ زمانہ کی تھیں ان کو اعلیٰ رنگ میں پیش کیا۔ اِس کے سوا جتنے مضامین ہیں اللہ کی ہستی، قیامت، ملائکہ، کتب، جزا و سزا اور اَخلاق میں جو پیچیدہ مسئلے ہیں ان کو بیان کیا جیسے کہ کوئی بدکار ہمارے مذہب پر ناپاک حملہ کرے تو اس کے مقابلے کے لئے فرمایا کہ ان کو گالیاں مت دو۔ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا ۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ (الانعام: ۱۰۹) پھر وہ اللہ کو اپنی نادانی کے سبب گالیاں دیں گے۔ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ (الانعام: ۱۰۹) ہر ایک اُمّت کے لئے وہ اعمال جو اس کے کرنے کے قابل تھے وہ اس کے سامنے خوبصورت کرکے پیش کئے گئے تھے مگر پھر اندھوں کے لئے روشنی کا کیا فائدہ۔ مَیں نے اس کا مقابلہ دوسری کتابوں سے کیا ہے۔ انجیل کو دیکھو وہ تو اس سے شروع ہوتی ہے کہ فلاں بیٹا فلاں کا اور فلاں بیٹا فلاں کا مگر قرآن کریم الحمد سے شروع ہوتا ہے اور انجیل کے آخر میں لکھا ہے کہ پھر اس کو یہودیوں نے پھانسی دے دیا۔ ہماری کتاب کے آخر میں قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔ مَلِكِ النَّاسِ۔ اِلٰهِ النَّاسِ (الناس ۲تا۴) لکھا ہے۔ بڑا افسوس ہے کہ مسلمانوں کے پاس ایک ایسی اعلیٰ کتاب ہے مگر وہ عمل درآمد کے لئے

بڑے کچے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر کوئی کسی کی انگلی بھر زمین ظلم سے لے لے گا تو قیامت کے دن سات زمینیں اس کے گلے کا طوق ہوں گی مگر اس پر کوئی عمل نہیں ہے۔ اسی طرح معاملات میں دیکھا جاتا ہے کہ ایک آدمی رات بھر سوچتا رہتا ہے کہ کسی کے گھر روپیہ ہو تو اس سے کسی طریق سے لیا جائے۔ پھر اگر کسی نہ کسی طریقہ سے لے لیتے ہیں تو پھر واپس دینے میں نہیں آتے۔ اسی طرح زنا، لواطت، چوری، جھوٹ، دغا، فریب سے منع کیا گیا تھا مگر آجکل نوجوان اسی میں مُبتلا ہیں۔ اسی طرح تکبّر اور بے جا غرور سے منع فرمایا تھا لیکن اس کے برخلاف مَیں دیکھتا ہوں کہ اگر کسی کو کوئی عمدہ بُوٹ مِل جاوے تو وہ اکڑتا ہے اور دوسروں کو پھر کہتا ہے او بلیک مَین (کالا آدمی) دوسروں کی تحقیر کرتا ہے اور بڑا تکبّر کرتا ہے۔

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکّہ سے مدینہ تشریف لے گئے تو مکّہ میں آپؐ کو بہت سی سہولتیں تھیں۔ مکّہ میں آپؐ کے چھوٹے بڑے، بوڑھے ادھیڑ ہر قسم کے رشتہ دار بھی تھے۔ اور آپؐ کے حمایتی بھی وہاں بہت تھے۔ مکّہ میں آپؐ کے دوست غمخوار بھی تھے اور آپؐ دشمنوں کو خوب جانتے تھے اور ان کی منصوبہ بازی کا آپؐ کو خوب علم ہو جاتا تھا اور آپؐ ان کی چالاکیوں اور اپنے بچاؤ کے سامان کو جانتے تھے۔ تو جب آپؐ مدینہ شریف میں تشریف لائے تو آپؐ کو اس دشمن کی شرارت کا کچھ علم نہ ہوتا تھا اور پھر آپؐ کے یہاں اَور بھی دشمن تھے۔ بنو قینقاع اور بنو قریظہ اور بنو نضیر آپؐ کے دشمن تھے اور پھر جہاں آپؐ اُترے تھے وہاں ابو عامر راہب جو بنی عمرو بن عوف میں سے تھا اس کا جتھا آپؐ کا دشمن تھا۔ یہود چاہتے تھے کہ ایران کے ساتھ مِل کر آپؐ کو ہلاک کروا دیں اور عیسائی قیصر کے ساتھ ملنا چاہتے تھے اور انہوں نے اپنے ساتھ غطفان اور فزارہ کو بھی ملا لیا تھا۔ یہ تو مشکلات آپؐ کو تھیں۔

اِس سے بڑھ کر یہ کہ یہاں ایک منافقوں کا گروہ بھی پیدا ہو گیا تھا۔ ان منافقوں نے عجیب عجیب کارروائیاں کیں۔ وہ آپؐ کے پاس بھی آتے تھے اور آپؐ کے دشمنوں کے پاس بھی جاتے تھے۔ اور بارھویں بات جو اس سے بھی سخت تھی وہ یہ کہ مکّہ والے اَن پڑھ تھے اور وہ بے قانون تھے۔ ان کا مقابلہ صرف عقل سے ہی تھا مگر یہاں تمام اہلِ کتاب پڑھے لکھے ہوئے تھے اور ان کے پاس بڑی بڑی کتابیں تھیں تورات اور انجیل اور اس کے سوا اَور بھی کتابیں ان کے پاس تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوچا کہ مدینہ میں مشکلات بہت ہیں اِس لئے آپؐ نے عیسائیوں اور مشرکوں سے معاہدہ کروا دیا کہ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ آپس میں خوں ریزی نہ کرنا وَلَا تُخْرِجُوْنَ

اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ایک دوسرے کو اپنے ملک سے نکالنا نہیں ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ تم نے اقرار تو کیا۔ (وَ اَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ) اور تم گواہی دیتے ہو۔

جیسے تم نے ہمارے ہاتھ پر اقرار کیا کہنا تو آسان تھا مگر معاملات میں دین کو دُنیا پر مقدم کر کے دکھلانا۔ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ پھر تم وہی ہو کہ تم نے وعدہ تو کیا مگر ایفا نہ کیا اور تم خون ریزی کرتے ہو وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ اور تمہیں اس سے منع کیا تھا کہ کسی کو اپنے گھر سے نہ نکالنا مگر تم ان کو ان کے گھروں سے باہر نکالتے ہو۔ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ ان کی پیٹھ بھرتے ہو ظلم اور زیادتی سے کبھی کبھی کوئی نیک کام بھی کر لیتے ہو۔ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ اگر کوئی قیدی آجاوے تو اُسے چھڑا دیتے ہو حالانکہ تمہیں اس سے منع کیا گیا تھا۔ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ کتاب کے بعض حصے پر تو ایمان لاتے ہو اور بعض سے انکار کرتے ہو۔ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ تم تو دُنیا کی عزت بڑھانے کے واسطے ایسا کرتے ہو۔ مگر پھر ایسوں کی جزا یہ ہے کہ وہ ذلیل ہوں گے۔ آخرت کی ذلت تو ہو گی ہی وہ دُنیا میں بھی ذلیل ہوں گے اور سخت ذلّت اُٹھائیں گے اور ان کو سخت سے سخت عذاب ملے گا اور آخرت میں بھی ان کو سخت عذاب میں دھکیلا جائے گا۔ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ اللہ تمہاری کرتوتوں سے غافل نہیں ہے۔ (الفضل ۱۰، دسمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

کیا اِس تحریر کا کچھ حصہ مانتے ہو اور کچھ سے انکاری ہو گئے ہو پس کوئی نہیں سزا اس کی جو ایسا کرے تم میں سے مگر یہ کہ ذلیل ہو اِس دُنیا میں اور قیامت کے دن بڑے عذاب کی طرف بھیجے جاویں گے اور اللہ غافل نہیں تمہاری کرتوتوں سے۔

مدینہ کے بارعب بنی اسرائیل اور یہود کو یہ خطاب ہے۔ یہ لوگ مدینہ کے نواح میں خیبر۔ فدک وغیرہ کے مالک تھے اور بڑے جاہ وحشم کی جماعت تھی۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان سے معاہدہ کیا تھا۔ آخر ان بدعہدوں نے اس عہد نامہ کے بعض حصوں کی خلاف ورزی کی اور یہاں تک گستاخی میں بڑھے کہ استیصالِ اسلام کی دھمکیاں دیں۔ ان کے متعلق یہ آیت قرآن کریم میں ہے۔ اِس میں دوٗ خبریں دی ہیں اوّل تو یہ کہ اس بدعہدی پر تم دُنیا میں ذلیل ہو گے اور یہ امر بظاہر محال تھا کیونکہ ایک طرف کمزور قلیل جماعت اسلام کی اور مقابلہ میں یہ زبردست زمینوں کے مالک۔ تجارتوں میں ممتاز۔

دوسری خبر یہ ہے کہ قیامت میں تم پر عذاب ہو گا۔ یہ دوٗ اطلاعیں قبل از وقت دی گئیں۔ پھر تیسری بات یہ ہے کہ وہ قوم بارعب وصاحبِ جاہ وحشم مع تمام قبائل عرب کے جن کو احزاب کہتے

ہیں مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے مگر آخر وہ یہود عرب سے جلاوطن کئے گئے۔ ان کا نام بنونضیر اور بنوقینقاع تھا اور بنوقریظہ کے یہود بالغ سب کے سب مارے گئے۔ دیکھو دُنیوی خبر اور اخروی خبر دو خبریں تھیں اور ان کے مقابلہ میں دو واقعات تھے جن کے متعلق دو خبریں تھیں۔ ایک خبر نے اپنے واقعہ کے ساتھ صداقت کی مُہر لگا دی ہے کہ دوسری خبر عذابِ قیامت بھی اپنے واقعہ کو ضرور لائے گی۔

(دیباچہ نور الدین صفحہ ۳۴، ۳۵)

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؗ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۸۶﴾

مدینہ طیبہ میں ایک شخص ایک مسلمان کے ہاتھ سے اتفاقیہ طور پر مارا گیا۔ یہ واقعہ گزر گیا مگر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تمام شہر کے لوگوں کو بُلا کر فرمایا کہ ہم مقتول کے وارثوں کو خوں بہا دینا مناسب سمجھتے ہیں تاکہ اس کی قوم کے لوگ ہماری مخالفت نہ کریں مگر امنِ عامہ کے شریک اس دیت کے دینے میں شریک نہ ہوئے بلکہ ایک مسلمان عورت تکلا سیدھا کرانے کے لئے قینقاع (جو لوہار تھے) کے محلہ میں گئی۔ وہ گھونگٹ نکالے ہوئے تھی۔ شریر لوہار نے کہا کہ یہ کپڑا کیوں مُنہ پر ڈالے ہوئے ہو۔ اُس نے جواب دیا۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں پردہ کا حکم دیا ہے۔ اس پر اس بدمعاش نے شرارت سے لوہے کی ایک میخ پچھلی طرف کپڑے میں ٹھونک دی۔ عورت اُٹھنے لگی تو اس کا کپڑا بھی پھٹ گیا اور گھونگٹ بھی اُتر گیا۔ یہ حالت دیکھ کر بجائے اس کے کہ معذرت کرتے انہوں نے تمسخر اُڑایا۔ عورت نے گھبرا کر کہا کہ کوئی ہے جو میری مدد کرے۔ ادھر سے ایک مسلمان بھائی نے یہ بات سُن لی وہ مدد کو دَوڑا۔ آپس میں وہاں لڑائی چھڑ گئی جس سے ایک قتل ہو گیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب خبر بھیجی تو فرمایا کہ ہم نے بیرونی انتظام کے لئے یہ معاہدہ کیا تھا۔ تم اندرونی معاملات میں ایسے تیز ہو جاتے ہو کہ قتل تک نوبت پہنچ گئی ہے۔ جب وہ بہت تنگ ہوئے تو مدینہ چھوڑ کر چلے گئے۔

ادھر بنو نضیر سے ایک حماقت ہوئی کہ کسی اپنے معاملہ کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو

اپنے محلہ میں بُلا لیا اور وہاں ایک شخص کو سکھایا کہ جب دیوار کے پاس بیٹھے ہوں تو تم اُوپر سے چکّی کا پاٹ گرا دو۔ آپؐ کو ان کی بدنیتی کی خبر کسی نہ کسی طرح مِل گئی اِس لئے آپؐ یکدم اُٹھ کر چلے گئے اور ان کا داؤ نہ چل سکا۔ یہ بات بڑھ گئی۔ ان میں کچھ شاعر بھی تھے وہ مکہ میں گئے اور وہاں کے سرداروں کو جاکر بھڑکایا اور بعض نے مسلمان عورتوں سے تغزّل کیا۔ اِس لئے بنو نضیر کو حکم ہؤا کہ یہاں سے چلے جاؤ جلاوطن کر دیا گیا حالانکہ ان سے معاہدہ کیا جا چکا تھا کہ وہ ایسے کام نہ کریں گے جس سے جلاوطنی کرنی پڑے۔ ادھر مکہ والوں نے پیغام بھیجا کہ تم ان مسلمانوں کی عورتوں کو مارو اور ہم باہر سے لشکر لے کر اُن پر حملہ کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ ایک اپنے ساتھ گردونواح کی قوموں کو جمع کر لائے سورہ احزاب میں اس کا ذکر ہے۔ آخر خدا تعالیٰ نے اس لڑائی سے مسلمانوں کو بچا لیا۔ جب وہ لوگ چلے گئے تو آپؐ نے بنو قریظہ سے پوچھا کہ تم پہلے دو واقعے قینقاع اور بنو نضیر کے دیکھ چکے ہو اور پھر بھی شرارتوں سے باز نہ آئے اور اب تمہارے حق میں ایک فیصلہ کرتا ہوں جو تمہیں ماننا پڑے گا۔ بدقسمت انسان نیک کی بات کو نہیں مانتا اِس لئے انہوں نے کہا ہمیں سعد بن معاذ کا فیصلہ منظور ہے نہ آپ کا۔ اس نے کہا میری رائے تو یہ ہے کہ جنگ کے شرکاء کو قتل کر دیا جاوے۔ یہ فیصلہ انہیں چارو ناچار منظور کرنا پڑا۔ جن کو قتل کی سزا دی گئی ان کی تعداد کم از کم دوسو پچاس اور زیادہ سے زیادہ نوسَو کی بتائی (گئی ہے)۔

خیر یہودیوں کے فرقے تو اِس طرح تباہ ہوئے۔ باقی رہے عیسائی ان کا لاٹ پادری عامر تھا اُسنے لوگوں کو خوب سُنایا کہ مَیں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھا ہے کہ وہ پراگندہ (حال) اور ملک بملک اکیلا پھرتا ہؤا مر جائے گا۔ آپؐ نے فرمایا خواب تو سچ دیکھا ہے مگر میرا نہیں اپنا بد انجام دیکھا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہؤا۔ وہ مکہ گیا اِس خیال سے کہ کچھ انتظام مسلمانوں کے خلاف کروں مگر وہاں اس نے شراب پی کر بدمستی کی تو نکالا گیا مگر روما چلا گیا۔ وہاں بادشاہ کو سکھایا مگر بادشاہ کسی امر پر ناراض ہؤا راتوں رات نکل بھاگنا پڑا اور آخر اسی طرح مارا گیا۔ حدیث میں وَحِیْدًا وَّطَرِیْدًا عَشَرِیْدًا آیا ہے۔

اب میدان صاف تھا۔ دو گروہ رہ گئے ایک منافقوں کا اور دوسرے مسلمانوں کا۔ منافقوں کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ورلی زندگی کو اختیار کر لیا اِس لئے ان سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا اور نہ وہ مدد دئے جائیں گے چنانچہ جب ان لوگوں کی تباہی آئی کوئی ان کا حامی و ناصر نہ رہا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۵, فروری ۱۹۰۹ء)

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں نصیحت کرتا ہے بایں طور کہ جو اگلی قوموں کی بُرائیاں اور خوبیاں ہیں ان کا بیان کرتا ہے تاکہ مسلمان ان بُرائیوں سے بچیں۔ اِس کا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ ان عذابوں سے محفوظ

رہیں گے جو ان بُرائیوں کی وجہ سے ان پر نازل ہوئے اور ان خوبیوں کو اختیار کریں جن کی برکت سے ان پر طرح طرح کے انعام ہوئے۔

اِن آیات میں یہودیوں کے متعلق فرمایا کہ بہت سے لوگ وَرلی زندگی کو پسند کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ موجودہ حالت اچھی رہے پس وہ اس آواز کی طرف رغبت کرتے ہیں جو چند منٹ کے لئے لُطف دے اور وہ نظارہ اُن کے مرغوبِ خاطر ہوتا ہے جو عارضی ہو لیکن اس سچے سرور کی پرواہ نہیں کرتے جو دائمی ہے اور جس پر کبھی فنا نہیں ہوتی۔

ایسے لوگوں کے لئے بھی دین کو دُنیا پر مقدم کرنا ایک عذاب ہو جاتا ہے اور وہ ہر لحظہ، ہر گھڑی ان کو دُکھ دیتا رہتا ہے اور کسی وقت بھی کم نہیں ہوتا۔ چونکہ عاقبت انہوں نے پسند نہیں کی وہ خدا سے بُعد میں ہوتے ہیں۔ جو عذاب ہے وہ اس سے معذّب ہوتے ہیں لیکن اس قسم کے عذابوں کے وعدے ہر مذہب میں نہیں۔ اِسلام کی خصوصیت ہے کہ جس عذاب کا وعدہ دیا جاتا ہے اس کا نمونہ دُنیا میں بھی دکھایا جاتا ہے تاکہ یہ عذاب اس آنے والے عذاب کے لئے ایک ثبوت ہو۔

دیکھو وہ قوم جس میں آج اچھے لڑکے نہیں ان پر کبھی وہ وقت بھی آجاتا ہے کہ ان میں اچھے لڑکے پیدا ہوں۔ وہ قوم جن میں زور آور نہیں ایک وقت ان پر آتا ہے کہ ان میں زور آور پیدا ہوں اگر ان کے پاس آج سلطنت نہیں تو اس زمانہ کی امید کی جاسکتی ہے جب ان میں بھی امارت آجائے۔ ہندوؤں کی حیات گزشتہ و موجودہ پر غور کرو۔ جب ہم بچے تھے تو یہ ہندو اتنے تعلیمیافتہ نہ تھے کہ معلّم بن سکیں اِسی لئے اکثر مسلمان معلّمین نظر آتے تھے پھر ہمارے دیکھتے دیکھتے یہ تعلیم میں اِس قدر ترقی کر گئے ہیں کہ اَب معلّم ہیں تو ان میں سے۔ افسر ہیں تو ان میں سے۔ وہ اپنی طاقت پر اَب یہاں تک بھروسہ رکھتے ہیں کہ ہم کو اِس ملک سے نکال دینے یا گورنمنٹ پر دباؤ ڈال دینے پر تُلے بیٹھے ہیں۔ اِس بات کا ذکر مَیں نے صرف اِس لئے کیا ہے کہ قوموں میں جہالت کے بعد علم آجاتا ہے۔ زوال کے بعد ترقی ہو سکتی ہے اور ایسا ہوتا رہتا ہے مگر خدا تعالیٰ فرماتا ہے ایک قوم ہے (یہود) جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کیا تھا ہم نے ان کو یہ سزا دی کہ اَور قوموں میں تو تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں مگر ان میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی اور ان کا کوئی ناصر و مددگار نہ ہوگا چنانچہ یہودیوں کی کوئی مقتدرانہ سلطنت رُوئے زمین پر نہیں۔ چپّہ بھر زمین پر بھی ان کا تسلّط نہیں۔ اگر ان کو تکلیف دی جاوے تو کوئی نہیں جو ان کی حامی بھرے۔ تیرہ سَو برس سے خدا کا یہ کلام سچّا ثابت ہو رہا ہے۔ پس ہمیں اِس سے یہ سبق لینا چاہیئے کہ خدا کے خلاف جنگ نہ کریں اور ہرگز ہرگز وَرلی زندگی کو مقدم نہ کریں ورنہ لَا يُنْصَرُوْنَ

کی سزا موجود ہے۔ (بدر ۲۴۔ دسمبر ۱۹۰۸ء صفحہ ۲)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۡ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۡ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۸﴾

ہم نے تو ان لوگوں کی بہتری کے لئے موسیٰؑ کو کتاب دی۔ پھر اَور رسول بھیجے۔ اخیر میں عیسیٰ بن مریم کو کُھلے نشانات کے ساتھ مبعوث کیا اور اسے اپنے کلامِ پاک سے مؤید کیا۔ پھر بھی اکثر لوگوں کی عادت ہے کہ جب کوئی رسول آیا اور اُس نے اُن کی خواہشوں کے خلاف کہا تو یہ اکڑ بیٹھے۔ پھر بعض کی تکذیب کی اور بعض کے قتل کے منصوبے کرنے لگے مگر اس کا انجام ان کے حق میں اچھا نہیں ہُوا۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو فہم عطا کرے۔ عاقبت اندیشی دے۔ یہ دُنیا چند روزہ ہے۔ سب یار و آشنا الگ ہونے والے ہیں ہاں کچھ دوست ایسے ہیں جو دُنیا و آخرت میں ساتھ ہیں۔

(بدر ۳۱۔ دسمبر ۱۹۰۸ء صفحہ ۲)

کیسا اللہ کا فضل اور اس کا رحم اور اس کی غریب نوازی ہے کہ ہمیشہ اپنا پاک کلام ہماری تہذیب کے لئے بھیجتا رہتا ہے۔ اگر کسی آدمی کے نام وائسرائے یا حاکم یا کسی امیر کا خط آجاوے تو وہ اس سے بڑا خوش ہوتے ہیں اور اس کی تعمیل کو بہت ضروری سمجھتے ہیں اور اس کی تعمیل کرتے ہیں مگر قرآن کریم جو ربّ العٰلمین اور تمام جہان کے مالک و خالق کا حُکم نامہ ہے اس کی لوگ پرواہ نہیں کرتے اور ہمیشہ اس کی مخالفت ہی کرتے ہیں۔

کوئی موسیٰؑ پر ہی مدار نہ تھا وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ اس کے بعد بھی رسول آتے رہے سلیمانؑ داؤدؑ بھی اِس کے بعد ہی آئے عیسیٰ بن مریم کو بھی کُھلے کُھلے نشانات اور تعلیمیں جن پر کوئی

اعتراض نہ آتا تھا دئے۔ وہ اخلاقی تعلیم تھی۔ مان لیتے تو کیا حرج تھا۔

پھر جب تعلیم آئی بِمَا لَا تَهْوٰى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ تم اسے پسند نہیں کرتے اور تم اسے اپنے مناسب حال بناتے ہو۔ فَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ایک کو تو تم نے جھٹلایا وَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ اور ایک کو اب قتل بھی کرنا چاہتے ہو۔ (الفضل ۱۷ دسمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے موسیٰ کو بھیجا اور پھر اس کے بعد کئی رسول اور بھیجے حتیٰ کہ عیسیٰ کو بھیجا اَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ اور اسے اپنے کلام سے مؤید کیا۔ پارہ ۲۵ سورہ شوریٰ کے آخری رکوع کی آیت وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا سے معلوم ہوتا ہے کہ رُوح سے مراد کلام ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۵ فروری ۱۹۰۹ء)

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾

غُلْفٌ: جس کا ختنہ نہ ہو اس پر ایک پردہ رہ جاتا ہے۔ اَغْلَف وہ شخص جو نامختون ہے۔ دوسرے معنے غلاف میں ہیں جیسے کہ آیا ہے قُلُوْبُنَا فِيْۤ اَكِنَّةٍ (حٰمٓ السجدة: ۶) تیسرے معنے ہم بڑے مکرم معظم لوگ ہیں جن پر کسی کا اثر نہیں ہوتا۔

فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ: کم ہی ایمان لاتے ہیں یہ محاورہ ہے یعنی ایمان نہیں لاتے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۵ فروری ۱۹۰۹ء)

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ: عربی زبان میں نامختون کو غلف کہتے ہیں اور عرب لوگ نامختون کو اچھا نہ جانتے تھے مگر انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کے لئے اس لفظ کو بھی اپنے لئے پسند کیا اور کہا کہ ہمارے دل نامختون ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ یہ تمہارے کفر کے سبب تم پر لعنت ہوئی۔ (الفضل ۱۷ دسمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

بہت سے لوگ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ (المؤمن: ۸۴) پر نازاں ہوتے ہیں اور نئی ہدایت کے ماننے سے پس و پیش کرتے ہیں وہ کہتے ہیں قُلُوْبُنَا غُلْفٌ یعنی ہمارے دِل نامختون ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے یہ بات نہیں بلکہ کفر کے سبب ان پر لعنت پڑ گئی۔

(بدر ۲۸ جنوری ۱۹۰۹ء صفحہ ۹)

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۚ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۰﴾

مُصَدِّقٌ : ایسے لوگوں کی وہ کتابیں تھیں جن میں کچھ باتیں آئندہ کی نسبت لکھی ہوئی تھیں۔ قرآن کریم سے ان کی تصدیق ہوگئی۔ چنانچہ تورات استثناء ۱۸ : ۱۸ میں مذکور ہے کہ جب حضرت موسیٰ کے ساتھ جانے والوں نے گھبرا کر کہا کہ اے خدا ہم تیری آواز سننا نہیں چاہتے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب وحی تم میں نہیں بلکہ تمہارے بھائیوں میں اُترے گی اور پھر اس رسول کے نشان بتائے۔ (۱) وہ بُت پرستی کا دشمن ہوگا (۲) بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے ہوگا (۳) اپنا کلام اُسکے مُنہ میں ڈالوں گا (۴) جو کہے وہ مانیو ورنہ دُکھ پاؤ گے (۵) جو کہے گا وہ پورا ہوگا (۶) وہ موسیٰ کا مثل ہوگا۔ اعمال حواریوں میں اِس مسئلہ کو بالکل حل کر دیا گیا ہے جہاں لکھا ہے کہ تم دعائیں کرو۔ ضرور ہے کہ مسیح کے دوبارہ آنے سے پہلے وہ باتیں پوری ہو جاویں جو ہمارے باپ دادا کو کہی گئیں۔ اِس سے صاف ثابت ہے کہ یہ پیشگوئی مسیح کے حق میں نہ تھی۔

يَسْتَفْتِحُوْنَ : یہ باتیں تم کافروں پر کھولا کرتے تھے اور ان کے مقابلہ میں فتوحات کی دعائیں کیا کرتے تھے۔

مَا عَرَفُوْا : دوسری جگہ فرمایا يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ (البقرۃ : ۱۴۷)

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۵ فروری ۱۹۰۹ء)

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ : جب ان کے پاس اللہ کی کتاب آئی جو اس کتاب کی اور پیشگوئیوں کی تصدیق کرتی ہیں جو تمہارے پاس ہیں۔

تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد آمد کی خبر دے رہے تھے جیسا میں نے اپنے زمانہ میں دیکھا کہ لوگ مہدی کے لئے رو رو کر دعائیں کرتے تھے مگر وہ آیا بھی اور چلا بھی گیا مگر کسی کو خبر نہ ہوئی

......اصل بات یہ ہے فَلَمَّا جَآءَ هُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ۔ آئے۔ پر انکار ہی ہوتا ہے۔ پھر دل لعنتی ہو جاتے ہیں ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ (الفضل ۱۷؍ دسمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

انسان میں ایک مرض ہے جس میں یہ ہمیشہ اللہ کا باغی بن جاتا ہے اور اللہ کے رسول اور نبیوں اور اس کے اولوالعزموں اور ولیوں اور صدیقوں کو جھٹلاتا ہے۔ وہ مرض عادت، رسم و رواج اور دَم نقد ضرورت یا کوئی خیالی ضرورت ہے۔ یہ چار چیزیں مَیں نے دیکھا ہے چاہے کتنی نصیحت کرو جب وہ اپنی عادت کے خلاف کوئی بات دیکھے گا یا رسم کے خلاف یا ضرورت کے خلاف تو اس سے بچنے کے لئے کوئی نہ کوئی عذر تلاش کرلے گا۔ مَیں نے کئی آدمیوں کو دیکھا ہے انکو کسی بُرائی یا بدعادت سے منع کیا جاوے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم کتنی نیکیاں کرتے رہتے ہیں۔ یہ بدعادت ہوئی تو کیا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بدی ان کی بدی نہیں معلوم ہوتی۔

انبیاء اور خلفاء اور اَولیاء اور ماموروں کی مخالفت کی یہی وجہ ہے۔ یہ قرآن کریم آیا اور اس نے ان کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہی پہلے لوگوں سے بیان کیا کرتے تھے مگر جب قرآن شریف آیا كَفَرُوْا بِهٖ انہوں نے اس کا انکار کردیا فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تو اللہ سے وہ بعید ہوگئے۔ ایک آدمی جب جھوٹ بولنے لگتا ہے تو پہلے تو مخاطب کو کہتا ہے کہ میری بات کو جھوٹا نہ سمجھنا مَیں تمہیں سچ سچ بتاتا ہوں مَیں تو جھوٹے کو لعنتی سمجھتا ہوں مگر ہوتا دراصل وہ خود ہی جھوٹا ہے۔

(الفضل ۲۴؍ دسمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۚ وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۱﴾

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ: یہ بہت بُری بات ہے۔ وہ اللہ کا انکار کرتے ہیں صرف بغاوت کی وجہ سے۔

داؤد و سلیمان کا انکار کیا اور ان کی مخالفت کی۔ اِس وجہ سے ان پر لعنت پڑی اور وہ تتر بتر ہو گئے۔ ہسپانیہ میں اللہ کی مخالفت ہوئی۔ ان پر عذابِ الٰہی نازل ہوا۔ مسلمانوں کو وہاں سے نکال دیا گیا۔ صرف عمدہ عمدہ کتابیں لے جانے کی اجازت دی گئی۔ مگر ان کتابوں کے تینوں جہاز جو انہوں نے بھرے تھے بمع آدمیوں کے غرق کر دیئے گئے۔ بغداد میں احکامِ الٰہی کا مقابلہ کیا گیا تو ان کا نام و نشان مٹا دیا لَهُمْ دَارُ السَّلَامِ عِنْدَ رَبِّهِمْ کے تفاؤل پر اُس کا نام دار السلام رکھا گیا تھا۔ عیسائیوں نے مسیح کی مخالفت کی۔ ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا اور ان پر غضب نازل ہوا۔ ان کی کتاب میں لکھا تھا کہ اگر تم آخری نبی کو مان لوگے تو تم کو اجر ملے گا اور تم کو نجات دی جائے گی مگر انہوں نے نہ مانا اِس لئے ان کو عذابِ مہین ہوگا۔ (الفضل ۲۴۔ دسمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ : مسیح کی مخالفت کا غضب پھر اس نبی کی مخالفت کا غضب۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۵ فروری ۱۹۰۹ء)

عَذَابٌ مُّهِينٌ : یہ سزا ہے استکبار کی جس کی وجہ سے انکار کیا۔
(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۳۸)

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا نُؤْمِنُ بِمَا أُنزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُونَ بِمَا وَرَاءَهُ ۚ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۗ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ أَنبِيَاءَ اللَّهِ مِن قَبْلُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٩٢﴾

وَهُوَ الْحَقُّ : اور وہ حق ہے اگر کتاب سچی بھی ہو اور آپ کے کلام کی تصدیق کرنے والی بھی ہو تو پھر کیوں نہ مانے۔

تَقْتُلُونَ : مقابلہ کرتے رہے۔ اگر کہیں کہ وہ نبی نہ تھے تو اس کے جواب میں فرمایا کہ اچھا

موسیٰ کو تو سب نبی مانتے ہو پس تم نے اس کی کیوں حکم عدولی کی۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۵ فروری ۱۹۰۹ء)

فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ : دیکھو متی باب ۲۳ آیت ۳۷۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۳۸)

جہاں تک تاریخ پتہ دے سکتی ہے اللہ تعالیٰ کے مُرسل و مامور اپنے اعداء کے سامنے ناکام ہو کر نہیں مرتے اور نہ ہلاک ہوتے اور نہ مارے جاتے ہیں۔ مامورین کے ساتھ جدال وقتال ہوتا ہے ..... مگر یہ مقاتلہ ومقابلہ کرنے والے ناکام ونامراد مرتے ہیں اور مامور لوگ اللہ کے فضل سے مظفر و منصور اور کامیاب ہو کر دُنیا سے جاتے ہیں۔ (نورالدین صفحہ ۱۴۷)

وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ : اور جب ان کو کہا جاوے کہ اس کتاب کو مانو جس کو اللہ نے اُتارا ہے تو وہ کہتے ہیں ہم اس کو مانتے ہیں جو ہمارے اُوپر اتاری گئی۔ حالانکہ وہ بھی ایک حق ہے۔

فرمایا: اگر تم اس کو ماننے والے ہوتے تو تم نبیوں کا مقابلہ کیوں کرتے۔ وہ اگر کہیں کہ ہم ان کو نبی نہیں سمجھتے تو فرمایا کہ موسیٰ بھی تو توحید لائے تھے تم نے ان کا کیوں انکار کیا۔

(الفضل ۲۴ دسمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝۹۳ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۗ وَاُشْرِبُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ

اِيَّمَا نُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۴﴾

عَصَيْنَا : مان تو لیا مگر ہم سے اس پر عمل نہیں ہو سکتا۔

اُشْرِبُوْا : رَچ گئی تھی۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۵ر فروری ۱۹۰۹ء)

ایک پہاڑی پر جس کا نام حراء ہے ہماری سرکار سے بھی اللہ نے کلام کیا۔ ایسا ہی حضرت موسیٰؑ سے بھی ایک پہاڑ پر کلام ہوا جس کا نام طُور ہے۔ رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ کے معنے ہیں کہ اس کے دامن میں سب قوم کو کھڑا کیا۔ جیسے بولتے ہیں لاہور شہر راوی کے اُوپر ہے۔ ایسا ہی ہجرت کی ایک حدیث میں ہے فَرُفِعَتْ لَنَا صَخْرَةٌ تو اس کے یہ معنے نہیں کہ پہاڑ اُکھیڑ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُوپر رکھ دیا گیا۔

خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ : جیسے بنی اسرائیل کو تورات مُحکم پکڑنے کا حُکم تھا ایسا ہی ہمیں قرآنِ مجید کے بارے میں حکم ہے۔ اگر مانو گے تو فائدہ ہو گا نہ مانو گے تو گھاٹا ہی گھاٹا ہے۔ عورتوں کا بڑا حصّہ تو قرآن سُنتا ہی نہیں۔ امیر بھی بدبختی سے قرآن نہیں سُن سکتے نہ باجماعت نماز پڑھ سکتے ہیں۔ زمینداروں کو فرصت نہیں۔ فصلِ خریف سے فراغت پا کر کماد پیڑنے کا موسم آجائے گا۔ پھر ہم سے سوال کئے جاتے ہیں کہ سفر میں روزہ معاف ہے تو کٹائی کے موقع پر بھی کر دیجئے حالانکہ مَیں ایسا مجتہد نہیں۔ تمہیں دُنیا میں خبر ہے یہود نے کیا کیا؟ انہوں نے سَبت، خواہ ہفتہ میں ایک دن عبادت کا، اسکے معنے کرو، خواہ آرام کے معنے لو، میں بے اعتدالی کی۔ آرام میں۔ آسُودگی میں انسان اپنے مولیٰ، اپنے حقیقی محسن کو بھول جاتا ہے۔ مَیں نے اپنی اولاد کے لئے بھی دولت کی دعا نہیں کی۔ اِس اعتداء کی پاداش میں ان کو ایسا ذلیل کیا جیسے بندر، کہ قلندر کے نچانے پر ناچتا ہے۔ یہی حال آج مسلمانوں کا ہے۔ ان کا اپنا کچھ بھی نہیں انگریزوں کے نچانے پر ناچتے ہیں۔ جو لباس ان کا ہے وہی یہ اختیار کرتے ہیں۔ جو فیشن وہ نکالتے ہیں، جو ترقی کی راہ بتلاتے ہیں بِلا سوچے سمجھے اس پر چل پڑتے ہیں۔ ایسی حالت میں کب لَا خَوْفٌ وَلَا يَحْزَنُوْنَ ہو سکتے ہیں۔ یہ حالت کیوں ہوئی اِس لئے کہ خدا کی کتاب کو چھوڑ دیا۔

میرے پیارو! تم خدا کی کتاب پڑھو۔ اس پر عمل کرو!! (الفضل ۵ر نومبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ

خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۶﴾

تَمَنَّوُا الْمَوْتَ : اِس کے دو معنے ہیں۔ دونوں پسند ہیں۔ ایک تو یہ کہ تم سب مِل کر اس نبی کے مَرنے کی دعائیں کرو اور پھر دیکھو کہ یہ دعا مقبول ہوتی ہے یا نہیں یا اُلٹی تم پر پڑتی ہے یا وہ جنگ کر لو جو ایک گروہ کو فنا کر دے۔ موت بمعنی جنگ۔ قرآن کریم میں بھی آیا ہے۔ چنانچہ فرمایا وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ (اٰلِ عمران: ۱۴۴)۔ (ضمیمہ اخبار بدرؔ قادیان ۲۵ فروری ۱۹۰۹ء)

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾

وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا : یہ تو زیادہ جینے کی حرص میں مجوسیوں سے بھی بڑھے ہوئے ہیں جن میں ایک دعائیہ فقرہ ہے کہ ہزار سال بزی۔ (ضمیمہ اخبار بدرؔ قادیان ۲۵ فروری ۱۹۰۹ء)

لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ : ہزار سال بزی (۲) یاجوج ماجوج کے خروج کی بابت پیشگوئی ہے کہ ہزار سال بعد ہو گی بعض کہتے تھے اس وقت تک جئیں۔ پھر تو مان لیں۔ فرمایا یہ بات عذاب سے نہیں بچا سکتی۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۳۸)

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى

قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۸﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۹﴾

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ : لوگ کس طرح اللہ کی بات سے محروم رہتے ہیں اور کیونکر راستبازوں کے دشمن ہوجاتے ہیں اور کس طرح ضد اور عداوت بے جا کلمات کے لئے جرأت دلاتی ہے۔ اِن تین باتوں کا بیان اِس رکوع میں ہے۔

بہت سے لوگ ملائکہ کے مُنکر ہیں۔ بعض مسلمانوں نے بھی ان پر ایمان لانے کو اِتنا ضروری نہیں سمجھا حالانکہ تمام نیک تحریکوں کے سرچشمے یہی ہیں۔ علمِ عقائد میں ایک کتاب 'کتاب التوحید' مَیں نے دیکھی ہے جس میں اس نیک بخت نے ملائکہ کا ذکر نہیں کیا۔ مَیں ملائکہ کی نسبت کچھ تفصیل سے بیان کرنا چاہتا ہوں کیونکہ ان پر ایمان نے مجھے بہت بڑا فائدہ پہنچایا ہے۔

اِس دُنیا میں کوئی مسبّب بغیر ان سبب نہیں۔ ایک چیز دوسری چیز سے پیدا ہوتی ہے۔ اس زمانہ کے فلاسفر بھی اِس بات کو مانتے ہیں۔ پس خیال کرو کہ بعض وقت بیٹھے بیٹھے آدمی کے دل میں نیک کام کیلئے ایک لہر اُٹھتی ہے اور ایک نیکی کے کرنے کے لئے جوش پیدا ہوجاتا ہے اور اس میں جدید تحریک نظر آتی ہے۔ حالانکہ انسان اور اس کا علم اور اس کے قویٰ پہلے سے موجود تھے مگر یہ تحریک یکدم پیدا ہوتی ہے جس سے معلوم ہوُا کہ کوئی نہ کوئی وجود اس کا محرّک ہے۔ پس ایسی تحریک کرنے والے کا نام حدیث و قرآن کی رُو سے مَلک ہے۔ مَلک کو علم ہوتا ہے اِس لئے وہ حسبِ موقع و محل ایک کام کی تحریک کرتا ہے جو انسان فوراً اس پر عمل کرتا ہے (ہمارے حضرت اقدسؑ اپنے قلبِ صافی میں جس وقت کسی کام کی تحریک پاتے تو اس وقت خواہ رات کے بارہ بجے ہوں اس کے کہنے میں مشغول ہوجاتے اور مشکلات کی پرواہ نہ کرتے) تو مَلک کو اس شخص کے ساتھ ایک محبت پیدا ہوجاتی ہے اِس لئے وہ اَور تحریکیں کرتا ہے اور پھر دوسرے ملائکہ کو بھی جو اس کے قریب ہوتے ہیں اطلاع دیتا ہے کہ یہ قلب اِس قابل ہے کہ ہم اسے

نیک تحریکیں کرتے رہیں۔ اِس طرح تمام ملائکہ حتّٰی کہ ملاءِ اعلیٰ میں اس کی نسبت ایک توجہ پیدا ہوتی ہے اور اس کا تعلق بڑھتے بڑھتے وہ زمانہ آتا ہے کہ تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا (حٰمٓ السجدۃ : ۳۱) یہ بالکل سچی بات ہے جو مَیں نے کہی تم تجربہ کرکے دیکھ لو۔

پھر احادیث سے معلوم ہے کہ تمام ملائکہ کا آفیسر جبرائیل امین ہے یعنی تمام محکمے نیکیوں کی تحریک کے جو قلب سے متعلق ہیں ان کا افسر جبرائیل ہے چنانچہ قرآن مجید میں عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِيْنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ (التکویر : ۲۱،۲۲) آیا ہے۔ رسول کریمؐ نے فرمایا اُوْتِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ میری تعلیم تمام دُنیا کی پاک تعلیموں کی جامع ہے کیونکہ تمام نیکیوں کی تحریکوں کے آفیسر کا تعلق میرے قلب سے ہے۔ جامع کے یہ معنے ہیں کہ دُنیا میں کوئی ایسی صداقت (جو قلبی اور رُوحانی ہو) نہ ہو گی جس کے لئے قرآن مجید سے کوئی آیت نہ ملے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جبرائیل کا کوئی دشمن ہو سکتا ہے جبکہ وہی نیک تحریکوں کا سرچشمہ ہے۔ اِسی نے نازل کیا ہے یہ قرآن تیرے قلب پر۔ آئندہ جو ہو گا وہ دُنیا دیکھ لے گی مگر موجودہ تعلیمات دُنیا میں جس قدر ہیں ان ساری پاک تعلیموں اور نیک تحریکوں کا عطر نکالو پھر محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیم سے مقابلہ کرو تو وہ سب کچھ اس میں موجود ہو گا اور مَیں (نورالدین) اِس بات کا گواہ ہوں کہ مَیں نے ساری بائیبل کو دیکھا ہے اور تین (سام یجر اور رگ) ویدوں کو خوب سُنا ہے پھر دساتیر کو بہت توجہ سے پڑھا ہے اور برہموؤں کی کتابوں کو دیکھا یہی کتابیں میرے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کی ہیں۔ اِن سب میں کوئی ایسی صداقت نہیں جو قرآن مجید میں نہ ہو اور پھر اتم نہ ہو۔ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ۔ پھر فرماتا ہے کہ جو اگلی کتابوں میں سچ ہے اس کی تصدیق کرنے کے علاوہ اس میں اَور بھی کچھ ہدایتیں ہیں جو پچھلی کتابوں میں نہیں۔ ایک بات سُناتا ہوں۔ اگلی کتابوں میں جو نصائح ہیں ان پر دلائل نہیں۔ چنانچہ ان میں لکھا ہے خدا ایک ہے۔ زمین و آسمان میں تیرے لئے کوئی دوسرا خدا نہ ہو۔ پڑوسی کی مدد کر۔ سبت منا۔ مبارک وہ جو غریب دِل ہیں۔ اِس قسم کی تعلیمات ہیں مگر ان کے ساتھ دلائل کوئی نہیں مگر قرآن شریف میں یہ خاصہ ہے کہ ایک طرف دعوٰی ہے دوسری طرف اس کے دلائل بھی ساتھ دیئے ہیں۔ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ

بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (البقرۃ : ۱۶۵) میں آیات سے مراد دلائل ہیں۔

یہ قرآن مجید پہلے مصدّق ہوُا۔ پھر اِس میں نئی باتیں بھی ہیں۔ یہ بھی تو کئی پہلو سے اِس کا کمال ہے۔ اب عملی پہلو میں اِس کا ثبوت لو۔ وہ یہ کہ قرآن کریم پر عمل کرو تو دُنیا کے فاتح بن جاؤ گے چنانچہ صحابہؓ کی ذات میں یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔ بُشْرٰی کی ایک تشریح یہ بھی ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۵؍ فروری ۱۹۰۹ء)

مِیْکٰلَ: ان تمام ملائکہ کا آفیسر ہے جن کے علوم دماغ سے وابستہ ہیں مثلاً ریاضی، موسیقی، ہندسہ، جبرو مقابلہ) اور طبعیات (اسٹرانومی، کیمیا) یہ علوم الٰہیات سے کم درجہ پر ہیں اِس لئے جلد سمجھ میں آجاتے ہیں۔ مگر جُوں جُوں علوم اعلیٰ ہوتے جاتے ہیں تو باریک بھی ہوتے جاتے ہیں۔ ایک دفعہ ایک اپنے عزیز کو مَیں نے وہ لیکچر سُننے کے لئے بھیجا جو سُورج گرہن کو دیکھ کر ایک انگریز نے دینا تھا۔ وہ لڑکا کہنے لگا مَیں نے تو کچھ نہیں سمجھا۔ پھر اس نے اپنے ماسٹر سے پوچھا تو اس نے کہا۔ پانچ سال مَیں اس کی صحبت میں رہوں تو اس کی باتیں سمجھنے کے قابل ہو سکتا ہوں۔ غرض دُنیا میں کئی قسم کے علوم ہیں اور وہ تمام علوم ملائکہ کی معرفت لوگوں پر کُھلے ہیں۔ وہ الٰہیات کے ہوں یا طبیعات کے، دونوں کا انکار ملائکہ اور ملائکہ کے آفیسرز جبرائیل و میکائیل کا انکار ہے۔ پھر رسولوں کا انکار ہے جو ان ملائکہ کی تحریکات کے مَہبط ہیں۔ پھر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار ہے جو تمام رسولوں کے کمالات کے جامع ہیں اور ایسے لوگوں کا اللہ تعالیٰ مخالف ہے۔ اور پھر ایسا کُفر کرنے والوں کا ایک نشان ہے کہ وہ سب بدعہد ہیں اور فاسق و فاجر، اور یہ کُھلی ہوئی بات ہے کیونکہ جبرائیل و میکائیل کا دشمن وہی ہوگا جو دین و دُنیا کے متعلق عمدہ اور نیک تحریکوں کا مخالف ہو اور وہ فاسق و فاجر کے سوا کون ہو سکتا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۱۔ مارچ ۱۹۰۹ء)

مَیں نے بارہا سُنایا ہے کہ مَلک پر ایمان لانے کا منشاء کیا ہے۔ صرف وجود کا ماننا تو غیر ضروری ہے۔ اِس طرح تو پھر ستاروں، آسمانوں، شیطانوں کا ماننا بھی ضروری ہوگا۔ پس ملائکہ پر ایمان لانے سے یہ مراد ہے کہ بیٹھے بیٹھے جو کبھی نیکی کا خیال پَیدا ہوتا ہے اُس کا محرک فرشتہ سمجھا جائے اور اس پر عمل کیا جاوے کیونکہ جب وہ تحریک ہوتی ہے تو وہ موقع ہوتا ہے نیکی کرنے کا۔ اگر انسان اس وقت نیکی نہ کرے تو مَلک اُس شخص سے محبت کم کر دیتا ہے۔ پھر نیکی کی تحریک بہت کم کرتا ہے اور جُوں جُوں انسان بے پرواہ ہوتا جائے وہ اپنی تحریکات کو کم کرتا جاتا ہے اور اگر وہ اس تحریک پر عمل کرے تو پھر مَلک اَور بھی زیادہ تحریکیں کرتا ہے اور آہستہ آہستہ اس شخص سے تعلقاتِ محبت قائم

ہوتے جاتے ہیں بلکہ اور فرشتوں سے بھی یہی تعلق پیدا ہو کر تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ (حٰمٓ السجدۃ:۳۱)
کا وقت آ جاتا ہے۔

یہاں خدا تعالیٰ نے خصوصیت سے دو فرشتوں کا ذکر کیا ہے اس میں ایک نام جبرائیل ہے۔
دوسرے مقام پر اس کے بارے میں فرمایا ہے

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ۔ ذِىْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِى الْعَرْشِ مَكِيْنٍ۔ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ۔
(التکویر: ۲۰ تا ۲۲)

یعنی وہ رسول ہے اعلیٰ درجہ کی عزت والا۔ طاقتوں والا۔ رتبے والا۔ اور ملائکہ اس کے ماتحت چلتے ہیں۔ اللہ کی رحمتوں کے خزانہ کا امین ہے۔ پس جب یہ امر مسلّم ہے کہ تمام دنیا میں ملائکہ کی تحریک سے کوئی نیکی ہو سکتی ہے اور ملائکہ کی فرمانبرداری مومن کا فرض ہے تو پھر اس ملائکہ کے سردار کی تحریک اور بات تو ضرور مان لینی چاہیئے۔ چونکہ یہ تمام محکموں کا افسر ہے اس کی باتیں بھی جامع ہیں پس ہر ایک ہدایت کی جڑ بھی جبرائیل ہے جس کی شان میں ہے فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ (البقرۃ:۹۸) یعنی اس کی تمام تحریکوں کا بڑا مرکز حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب ہے۔

پس ہمہ تن اس کے احکام کے تابع ہو جاؤ کیونکہ یہ جامع تحریکات جمیع ملائکہ ہے اور اس لحاظ سے قرآن شریف جامع کتاب ہے جیسا کہ فرماتا ہے فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (البيّنة:۴)

تو گویا جو جبرائیل کا منکر ہے وہ اللہ کا دشمن ہے۔ پھر اللہ کے کلام کا کافر ہے۔ پھر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف ہے۔ پھر ایک اور مَلک کا ذکر فرمایا ہے۔ جہاں تک میں نے سوچا ہے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی دعا رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (البقرۃ:۲۰۱) سے یہ مسئلہ حل ہوتا ہے کہ انسان کو دو ضرورتیں ہیں ایک جسمانی جیسے عزت، اولاد۔ ان کے اخراجات۔ کھانے کے لئے چیزیں۔ ایک روحانی۔ جبرائیل کے بعد ایسی تحریکوں کا مرکز میکائیل ہے۔ اللہ نے دین بنایا دنیا بھی بنائی۔ یہ جہان بھی بنایا وہ جہان بھی۔ دونوں تحریکوں کا مرکز ہمارے نبی کریمؐ کا قلب مبارک تھا۔ اسی لئے فرمایا اُوْتِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ قرآن شریف میں دنیا و دین دونوں کے متعلق ہدایتیں ہیں۔

بہت سے لوگ ہیں کہ جب فرشتوں کی تحریک ہوتی ہے تو وہ اس تحریک کو پیچھے ڈال دیتے ہیں اور اللہ کی نیک آیات کو واہیات بتاتے ہیں۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ جب قبض وغیرہ ہو تو انسان میکائیلی تحریکوں کے ماننے کو تیار ہو جاتا ہے مگر جب روحانی قبض ہو تو پھر کہتے ہیں کہ خیر اللہ غفور رحیم

ہے۔اس کی جڑ یہ ہے کہ انسان اپنی خواہشات کو مقدم کرلیتا ہے۔ (بدر ۴ر فروری ۱۹۰۹ء صفحہ ۳)

لِجِبْرِيْلَ: اس کا ذکر دانیال بابت آیت ۱۲ میں ہے۔ جابرایل۔ خدا کا مقرب۔ دینیات کا مرکز جبرائیل ہے اور دنیوی کارخانہ کا میکائیل۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۳۸)

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۚ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۚ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۚ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۚ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۗ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۚ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

جب آدمی میں آسائش آجاتی ہے تو وہ ہر نئی چیز میں بڑی دلچسپی لیتا ہے اور اس انہماک میں پھر جائز و ناجائز امر کو نہیں دیکھتا حتیٰ کہ جس طرح شیعہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کو بُرا کہتے ہیں اور خارجی اہلِ بیت کو۔ اسی طرح وہ ایک دوسرے پر نکتہ چینی کرنے لگ جاتے ہیں مگر اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہوتا شیعہ نے اِس نکتہ چینی سے کیا فائدہ اُٹھایا۔ اِسی طرح حضرت داؤدؑ کے بیٹے سلیمانؑ برگزیدہ نبی تھے مگر ان لوگوں نے ان کی بھی عیب چینی شروع کر دی اور ان سے ایسی باتیں منسوب کیں جو ایک نبی کی شان سے بالکل بعید ہیں۔ اس کی اصلیت یہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے عہد میں جب ان کو آسودگی ہوئی تو ہندوستان، چین اور مصر سے نئے نئے آدمی وہاں جا آباد ہوئے اور ان لوگوں کی دلچسپی کے لئے عجیب عجیب فن پیش کئے جن میں وہ ایسے مشغول ہوئے کہ سب کچھ بھول گئے۔

جیسا کہ انسان کی عادت ہے کہ جب ایک طرف متوجہ ہو تو دوسری طرف توجہ ضرور کم ہو جاتی ہے اسی طرح بنی اسرائیل کی خدا کی طرف توجہ کم ہو گئی اور ان بے ہودہ باتوں کی طرف بڑھ گئی اور ایسی بڑھی کہ اس کا اثر مسلمانوں تک بھی پہنچا نقشِ سلیمانی، سحر ہاروت ماروت اور ایسی کتابیں اسی بے ہودگی اور لغویت کی یادگار ہیں اور غضب یہ ہے کہ یہ کفر سلیمانؑ پر تھوپا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ سلیمانؑ نے یہ کفر نہیں کیا اور ہرگز نہیں کیا۔ آپ پر جو الزام لگائے گئے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ بلقیس نام ایک ملکہ پر عاشق ہو گئے اور پھر اس کو راضی کرنے کے لئے بُت پرستی بھی کی۔ یہ سب جھوٹ ہے۔ خدا نے اصل واقعہ سورۂ نمل رکوع ۸ میں بیان فرمایا ہے اور وہاں ظاہر کر دیا ہے کہ وہ ملکہ تو خود مسلمان ہوئی اور عُذر خواہ ہو کر سلیمانؑ کے دربار میں آئی۔ قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ بعض وقت انبیاء کی نسبت جو الفاظ بولے جاتے ہیں ان سے ان کی تعریف مقصود نہیں ہوتی بلکہ صرف اس الزام کا اُٹھانا ہوتا ہے جو اُن پر لگایا گیا ہے یہاں مَا کَفَرَ اِسی لئے آیا ہے۔

وَلٰكِنَّ الشَّیٰطِیْنَ كَفَرُوْا یُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ: وہ قومیں جو اللہ سے بہت دُور تھیں (الشَّیٰطِیْنَ کے یہاں یہی معنی ہیں) جب وہ ملکِ سلیمانؑ میں آئیں تو بنی اسرائیل کو اپنے ڈھب کا پاکر اپنی طرف متوجہ کر لیا اور انہیں سحر کی تعلیم شروع کر دی۔ سحر کہتے ہیں دِل رُبا باتوں کو خواہ از قسم عملیات ہوں یا شعبدہ بازی یا تسخیر کُلُّ مَا دَقَّ وَلَطُفَ مَأْخَذُهٗ جس کی دریافت نہایت باریک در باریک ہو۔

اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا بھی آیا ہے اِس لئے ناول بھی سحر میں داخل ہے۔ بعض ناول ایسے ہوتے ہیں کہ انسان بغیر ختم کرنے کے ہاتھ سے چھوڑ ہی نہیں سکتا۔ حضرت عمرؓ سے کسی نے پوچھا تھا آپ کی طبیعت میں وہ تیزی نہیں رہی جو زمانۂ جاہلیت میں تھی۔ آپ نے جواب دیا۔ تیزی تو وہی ہے مگر اَب وہ کفار کے مقابلہ میں دکھائی جاتی ہے۔ اِسی طرح جن لوگوں کو لکھنا آتا ہے اور طبیعت موزوں واقع ہوئی ہے وہ ناول نویسی کی طرف متوجہ ہو گئے ہیں۔ ایسے شغلوں میں پڑ کر انسان اپنی کتاب سے بے خبر ہو جاتا ہے اور اکثر اَوقات یہ بھی نہیں سمجھا جاتا کہ میری روحانی حالت دن بدن بگڑ رہی ہے۔

اس کے بعد ایک اَور نصیحت فرمائی وہ یہ کہ اِنسان جب کسی کے ساتھ دشمنی کرتا ہے تو پھر اس دشمنی کے بڑھانے یا اس سے اِنتقام لینے کے لئے اپنے دشمن کی باتیں سُنتا اور اس کے خلاف منصوبے کرتا اور اپنے ساتھ اَور لوگوں کو ملاتا ہے۔ ہر وقت اس کو یہی دھت لگی رہتی ہے اور وہ اپنے دین سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ بنی اسرائیل جب قید تھے وہ زمانہ دانیال، عزرا، حزقیل اور یرمیاہ وغیرھم انبیاء کا تھا۔ جب بابل میں گئے تو بابل والے آسودہ تھے اور آسودگی کی وجہ سے طرح طرح کے گندوں میں مُبتلا۔ دانیال باب۱ درس ۱۶ اور باب۵ درس ۲، ۳ میں شراب پینے کا ذکر ہے۔ اللہ نے ہاروت ماروت دو فرشتے نازل کئے۔ ہرت کہتے ہیں زمین کو صاف کرنے کو۔ مرت کہتے ہیں نشیب و فراز دبا کر درخت گھاس کٹوا کر صاف میدان کر دینے کو۔ ان فرشتوں کے ذریعہ یسعیاہ کو آگاہ کیا کہ یہ لوگ خراب ہو گئے ہیں اِس واسطے تم اَور کسی سلطنت سے گانٹھو اور اس کے ذریعے سے ان کو ہلاک کر دو۔ یہ علم ملائکہ کے ذریعے ان پر نازل ہوا چنانچہ مید و فارس کے بادشاہوں سے دوستی لگا کر بنی اسرائیل نے بابل والوں کو تباہ کر دیا۔ بابل بڑا شہر تھا۔ یہ بھاری آبادی تھا۔ کوئی پچاس ساٹھ میل میں۔ چونکہ بابل کی تباہی میں اللہ نے فارس کے بادشاہوں کے ذریعہ سے فضل کیا اِس لئے بنی اسرائیل کے تعلقات فارس والوں سے قائم رہے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں آئے تو یہودیوں نے چاہا کہ پھر فارس کے بادشاہ کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی جماعت کا استیصال کریں چنانچہ فارس کے بادشاہ نے اپنے یمنی گورنر کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار بھی کرنا چاہا مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان فرستادوں سے کہا کہ جس نے تمہیں میری گرفتاری کے لئے بھجوایا ہے اُس کو میرے خدا نے اسی کے بیٹے کے ہاتھ سے ہلاک کروا دیا ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ لیکن چونکہ یہ ایک نبی کا مقابلہ تھا اِس لئے اس میں ناکام رہے۔ اللہ تعالیٰ اِن آیات میں انہی واقعات کی طرف ایماء فرماتا ہے۔

وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ: پیچھے پڑے ہوئے ہیں اس کے جو ایک زمانہ میں دو فرشتوں پر نازل ہوا تھا (ان فرشتوں کا کام تھا کہ بابل کو ویران کر کے صاف کر دیں اسی واسطے ان کو ہاروت و ماروت کہا گیا) اس وقت تو یہ کامیاب ہو گئے کیونکہ خدا کے منشاء کے ماتحت تھا مگر اب تو یہ کفر ہے کیونکہ ایک نبی کے مقابلہ میں ہے۔ اس وقت تو ہم نے ان کو ہدایت کر دی تھی کہ اسے بے موقع استعمال کر کے کافر نہ بننا اور دوسری یہ بات ہے کہ اپنی عورتوں کو بھی اس راز کی خبر نہ کرنا کیونکہ عورت کمزور ہے اس کے ذریعے بات نکل جاتی ہے یہ مطلب ہے یُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ کا۔ بس یہاں یہ بات ختم ہوئی۔ اب فرماتا ہے وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ اب یہ یہود پھر انہی باتوں کو تعلیم و تعلّم کرتے ہیں مگر بجائے فائدے کے نقصان اٹھاتے ہیں اس لئے کہ آگے تو ملائکہ کے ذریعہ یہ باتیں القاء ہوئی تھیں۔ چنانچہ يَتَعَلَّمُوْنَ کے ساتھ مِنْهُمَا (ان دو فرشتوں سے آیا ہے) اب یہ شیطانی القاء ہے۔ بہتر تھا کہ وہ ان شرارتوں کی بجائے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے اور دُنیا و آخرت میں فلاح پاتے۔ ایسی منصوبہ بازیوں کی کمیٹیوں کا سورۃ مجادلہ:۹ میں مفصّل ذکر ہے جہاں فرمایا اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ کیا تجھے معلوم نہیں ان لوگوں کا حال جن کو منصوبہ بازی کی خفیہ کمیٹیوں سے منع کیا اور وہ پھر وہی کہتے ہیں جن سے منع کئے جا چکے ہیں اور وہ خفیہ سازشیں کرتے ہیں۔ گناہ، سرکشی اور رسول کی مخالفت کی۔ اور پھر آگے چل کر ارشاد فرماتا ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ۔ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَاۗرِّهِمْ شَيْـــًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ (المجادلة: ۱۰، ۱۱)

سُنو! اے مومنو! جب کوئی تم خفیہ مشورہ کرو تو اس میں کوئی گناہ اور سرکشی کی اور رسول کی مخالفت کی بات نہ ہو بلکہ نیکی اور تقویٰ کے متعلق سرگوشی ہو۔ اُس اللہ سے ڈرو جس کے حضور اکٹھے کئے جاؤ گے یہ جو خفیہ انجمنیں ہیں یہ شیطانی کام ہے صرف مومنوں کو گھبراہٹ میں ڈالنے کے لئے مگر الٰہی اِذن کے سوا کوئی ضرر انہیں نہیں پہنچا سکتے اور اللہ تعالیٰ پر ہی چاہیئے کہ مومن توکّل کریں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۱ مارچ ۱۹۰۹ء)

يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ: فری میسنوں کے لاج کا نام جادو گھر اب تک مشہور ہے۔ ہاروت و

ماروت فرشتوں کے نام۔ ان کے ذریعے علم پاکر یہود نے دشمنوں پر فتح حاصل کر لی۔ ان کو بتایا گیا اب تم محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقابلہ میں ان ہتھیاروں سے کام نہیں لے سکتے کیونکہ الٰہی حکم سے یہ خفیہ کمیٹی نہیں۔ بَیْنَ الْمَرْءِ وَ زَوْجِهٖ۔ آجکل بھی فری میسن عورتوں کو شامل نہیں کرتے۔ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ اس کی تشریح اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى (المجادلة: ۹) میں پڑھو اس میں لَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْئًا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ بھی ہے۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۳۸، ۴۳۹)

بہت سے لوگ ہیں کہ جب فرشتوں کی تحریک ہوتی ہے تو وہ اس تحریک کو پیچھے ڈال دیتے ہیں اور اللہ کی نیک آیات کو واہیات بناتے ہیں۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ جب قبض وغیرہ ہو تو پھر کہتے ہیں کہ خیر اللہ غفور رحیم ہے۔ اس کی جڑ یہ ہے کہ انسان اپنی خواہشات کو مقدم کر لیتا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السّلام کے عہد میں جب لوگوں کو امن حاصل ہؤا اور مال ثروت کی فراوانی ہوئی تو ان میں نئی نئی تحریکیں ہونے لگیں۔ آسمانی کتب کا جو مجموعہ ان کے پاس تھا اس سے طبیعت اُکتا گئی تو کسی اَور تعلیم کی خواہش ہوئی مگر وہ تعلیم ایسی تھی جو خدا سے دُور پھینکنے والی تھی۔ نقش سلیمانی وغیرہ اسی تعلیم کی یادگار بعض مسلمانوں میں مروج ہے۔ بنی اسرائیل نے جب خدا کی کتاب سے دِل اُٹھایا تو ان لغو باتوں میں پڑ گئے جو بعض شیطانی اثروں کے لحاظ سے دِلرُبا باتیں بن گئیں۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا یہ سب اِس زمانہ کے شریروں کی کارروائی ہے سلیمان علیہ السّلام نے ان کو یہ تعلیم نہیں دی بلکہ ازخود یہ باتیں انہوں نے گھڑ لیں اور ایسی دِلرُبا باتوں کی اشاعت کی۔

(بدر ۴۔ فروری ۱۹۰۹ء صفحہ ۳)

اِنسان میں عجیب درعجیب خواہشیں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ جب وہ بچہ ہوتا ہے۔ پھر جب ہوش سنبھالتا ہے۔ پھر جب جوان ہوتا ہے۔ پھر جب بُری صحبتوں میں پھنستا ہے۔ جب اچھی صحبتوں میں آتا ہے۔ جب کامیاب زندگی بسر کرتا ہے۔ جب ناکام ہوتا ہے تو اس کے حالات میں تغیر پیش آتے رہتے ہیں۔ مَیں نے ایک خطرناک ڈاکو سے پوچھا کہ کبھی تمہارے دِل نے ملامت کی ہے تو وہ کہنے لگا کہ تنہائی میں ضرور ضمیر ملامت کرتا ہے مگر جب ہماری چار یاری اکٹھی ہوتی ہے تو پھر کچھ یاد نہیں رہتا اور نہ یہ افعال بُرے لگتے ہیں یہ سب صحبتِ بَد کا اثر ہے قرآن کریم میں كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (التوبة: ۱۱۹) کا اِسی واسطے حکم آیا ہے تاکہ انسان کی قوتیں نیکی کی طرف متوجہ رہیں اور نیک حالات میں نشوونما پاتی رہیں۔ غرض انسان کے دُکھوں میں اَور خیالات ہوتے ہیں سُکھوں میں اَور۔ اور کامیاب ہو تو اَور طریق ہوتا ہے اور ناکام ہو

تو اور طرز۔ طرح طرح کے منصوبے دِل میں اُٹھتے ہیں اور پھر ان کو پُورا کرنے کے لئے وہ کسی کو محرمِ راز بناتے ہیں اور جس کے بہت سے ایسے محرم راز ہوتے ہیں تو پھر انجمنیں بن جاتی ہیں اللہ تعالیٰ نے اِس سے روکا تو نہیں مگر یہ حکم ضرور دیا

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَنَاجَیْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَمَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ۔ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّیْطٰنِ لِیَحْزُنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَیْسَ بِضَآرِّهِمْ شَیْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ۔ (المجادلة : ۱۰،۱۱)

ایمان والو! ہم جانتے ہیں کہ تم منصوبہ کرتے ہو۔ انجمنیں بناتے ہو مگر یاد رہے کہ جب کوئی انجمن بناؤ تو گناہ، سرکشی اور رسول کی نافرماں برداری کے بارے میں نہ ہو بلکہ نیکی اور تقوٰی کا مشورہ ہو۔

بنی اسرائیل جب مصر کی طرف گئے تو پہلے پہل ان کو یوسف علیہ السّلام کی وجہ سے آرام ملا۔ پھر جب شرارت پر کمر باندھی تو فراعنہ کی نظر میں بہت ذلیل ہوئے مگر آخر خدا نے رحم کیا اور موسٰی علیہ السّلام کے ذریعہ سے ان کو نجات ملی یہاں تک کہ وہ فاتح ہو گئے اور وہ اپنے تئیں نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (المائدة : ۱۹) سمجھنے لگے لیکن جب پھر ان کی حالت تبدیل ہو گئی۔ ان میں بہت ہی حرام کاری، شرک اور بدذاتیاں پھیل گئیں تو ایک زبردست قوم کو اللہ تعالیٰ نے ان پر مسلط کر دیا۔

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَیْكُمْ عِبَادًا لَّنَاۤ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّیَارِ ؕ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا (بنی اسرآءیل : ۶)

ستر برس وہ اس بلاء میں مُبتلا رہے۔ آخر جب بابل میں دُکھوں کا زمانہ بیت ہو گیا اور ان میں سے بہت صلحاء ہو گئے حتّٰی کہ دانیال، عزرا، حزقیل، یرمیاہ ایسے برگزیدہ بندگانِ خدا پیدا ہوئے اور انہوں نے جنابِ الٰہی میں خشوع و خضوع سے دعائیں مانگیں تو ان کو الہام ہوا کہ وہ نسل جس نے گناہ کیا تھا وہ تو ہلاک ہو چکی اب ہم ان کی خبرگیری کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے کام دو طرح کے ہوتے ہیں ایک تو ایسے کہ ان میں انسان کو مطلق دخل نہیں۔ مثلاً اب سردی ہے اور آفتاب ہم سے دُور چلا گیا ہے پھر گرمی ہو جائے گی اور آفتاب قریب آجائے گا۔ یہ کام اپنے ہی بندوں کی معرفت کرایا اور ان لوگوں کو سمجھایا کہ یہ بادشاہ اب ہلاک ہونے والا ہے پس تم میدو فارس کے بادشاہوں سے تعلق پیدا کرو کیونکہ عنقریب یہ دُکھ دینے والی قوم اور ان کی سلطنت ہلاک ہو جائے گی۔ پس اللہ نے دو فرشتے ہاروت اور ماروت نازل کئے۔ ہرت کہتے ہیں زمین کو مصفّا کرنے کو اور مرت زمین کو بالکل چٹیل میدان بنا دینا۔ گویا یہ امران فرشتوں

کے فرض میں داخل تھا کہ یہ لوگ برباد ہو جائیں گے اور بنی اسرائیل نجات پا کے اپنے ملک میں جائیں۔

پس ہاروت ماروت نبیوں کی معرفت ایسی باتیں سکھاتے تھے اور ساتھ یہ ہدایت کرتے تھے کہ ان تجاویز کو یہاں تک مخفی رکھو کہ اپنی بیبیوں کو بھی نہ بتاؤ کیونکہ عورتیں کمزور مزاج کی ہوتی ہیں اور ممکن بلکہ اغلب ہے کہ وہ کسی دوسرے سے کہہ دیں۔ پس اس تعلیم کو پوشیدہ رکھنے کے لحاظ سے میاں بی بی میں بھی اِفتراق ہو جاتا تھا۔ یعنی میاں اپنی بیوی کو اس راز سے مطلع نہ کرتا تھا۔ اور پھر جب یہ بات پختہ ہو گئی تو میدو فارس کے ذریعہ بابل تباہ ہو گیا اور خدا نے بنی اسرائیل کو بچا لیا مگر جتنا ضرر دشمنوں کو پہنچایا گیا چونکہ اللہ کے اِذن سے تھا اِسی واسطے وہ اس میں کامیاب ہو گئے۔

اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو مکّہ والوں کو بڑا غیظ و غضب پیدا ہوا۔ پس انہوں نے یہودیوں سے دوستی گانٹھی اور یہودی وہی پرانا نسخہ استعمال کرنے لگے کہ آؤ کسی بادشاہ سے مِل کر اس محمدی سلطنت کا استیصال کریں اسی واسطے ایرانیوں سے توسل پیدا کیا۔ یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ ایرانیوں کے گورنر بعض عرب کے مضافات میں بھی تھے۔ انہوں نے اپنے بعض آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کرنے کے لئے بھی بھجوائے مگر کچھ کامیابی نہ ہوئی۔ اسکی وجہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آگے تو تم اے یہودیو! خدا کے حکم سے ایسے منصوبوں میں کامیاب ہوئے تھے۔ اب تم چونکہ یہ نسخہ اللہ تعالیٰ کے رسول کے مقابلہ میں استعمال کرتے ہو اِس لئے ہرگز کامیاب نہ ہو گے۔ چنانچہ چند آدمی شاہ فارس کی طرف سے گرفتار کرنے آئے آپؐ نے ان کو فرمایا میں کل جواب دوں گا۔ صبح آپؐ نے فرمایا کہ جس نے تمہیں میری طرف بھیجا ہے اُس کے بیٹے نے اسے قتل کر دیا ہے۔ وہ یہ بات سُنکر بہت حیران ہوئے۔

بات میں بات آ گئی ہے ہر چند کہ وہ ایسی عظیم الشان نہیں ہے۔ وہ یہ کہ جب دو ایلچی نبی کریمؐ کے حضور آئے تو صبح صبح داڑھیاں مُنڈوا کر آئے۔ آپؐ نے فرمایا یہ تم کیا کرتے ہو۔ ہم اِس امر کو کراہت کے ساتھ دیکھتے ہیں (جہاں اُوپر کا قصہ لکھا ہے وہاں یہ بات بھی ہے خیر) اور خائب و خاسر واپس پھرے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اَب یہ یہودی ایسی باتیں سیکھتے ہیں جو ان کو ضرر دیتی ہیں ان کے حق میں مفید بالکل نہیں ہیں۔ جو اَب یہ کرتے ہیں آخرت میں ان کے لئے کوئی حصّہ نہیں۔ ہاروت ماروت نے جو سکھایا تھا وہ چونکہ نبیوں کے حکم کے ماتحت تھا اِس لئے کامیابی کا موجب ہوا۔ لیکن اَب چونکہ اسکی نافرمانی میں وہ ہتھیار چلتا ہے اِس لئے کچھ کام نہ دے گا۔ کیا اچھا ہوتا کہ وہ ایسی بُری شئے کے بدلے

میں اپنی جانوں کو نہ بیچتے بلکہ اَب تو یہ ان کے لئے بہتر ہے کہ ایمان لائیں متقی بن جاویں تو اللہ کے ہاں بہت اجر پائیں۔ (بدر ۴۔ فروری ۱۹۰۹ء صفحہ ۳،۴)

سحر کے کئی ایک اقسام ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں (۱) ترکیب و تحلیل کا علم (۲) پولیٹیکل اکانومی۔ پالیٹکس (۳) ہاتھ کی چالاکی (۴) قوّتِ نفس رُوح جس میں توجہ سے کام لیا جاتا ہے۔ سلبِ امراض و محبت عداوت کے کام لئے جاتے ہیں۔ وہ توہمات یعنی اَرواح خبیثہ سے تعلق پیدا کرکے پھر ان سے کام لینا یہ تعلق پیدا کرنے اور پھر اس کو قائم رکھنے کے لئے عجیب عجیب کام ان کو کرنے پڑتے ہیں۔ ہر وقت جنبی رہتے ہیں۔ مرگھٹ کی آگ پر مُردوں کی کھوپریوں میں کھانا پکاتے ہیں۔ انسانی چمڑے پر بیٹھتے ہیں وغیرہ ذٰلک۔ ایسے لوگ بھی ہم نے بچشمِ خود دیکھے ہیں جو سُورج کو چڑھنے کے وقت سے ڈوبنے تک برابر دیکھتے رہتے ہیں پھر ان کی قوّتِ نفس بہت بڑھ جاتی ہے اور وہ غیر معمولی کام دُنیا میں کر سکتے ہیں۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۷ نمبر ۷ صفحہ ۳۲۵)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۵﴾ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۶﴾ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

قَدِيْرٌ ﴿١٠٦﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿١٠٧﴾ اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْــَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿١٠٨﴾ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۖۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٠٩﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿١١٠﴾

اللہ جل شانہٗ نے اِن آیات میں چند باتیں بطور نصیحت فرمائی ہیں۔ پہلی بات بہت سے

لوگ جن کے دلوں میں کینہ اور عداوت ہوتی ہے تو اپنے حریف کو ایسے الفاظ سے مخاطب کرتے ہیں جس میں ایک پہلو بدی کا بھی ہوتا ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ڈرپوک ہوتے ہیں کُھل کر کسی کو بُرا نہیں کہہ سکتے۔

رَاعِنَا ایک لفظ ہے جس کے کئی معنی ہیں۔ یہ رعونت، بُرائی، خود پسندی، حماقت کے معنوں میں بھی آتا ہے اور اس کے یہ معنے بھی ہیں کہ آپ ہماری رعایت کریں۔

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو یہ سکھایا ہے کہ ایسا لفظ اپنے کلام میں اختیار نہ کرو جو ذو معنی ہو بلکہ ایسے موقع پر اُنْظُرْنَا کہا کرو۔ اِس میں بدی کا پہلو نہیں ہے۔

ایک شخص نے مجھ سے اصلاح کا ثبوت قرآن مجید سے پوچھا میں نے یہی آیت پڑھ دی۔ اللہ تعالیٰ یہ نصیحت فرما کر متنبّہ کرتا ہے کہ جو لوگ انکار پر کمر باندھے ہیں اور حق کا مقابلہ کرتے ہیں وہ دُکھ دَرد میں مُبتلا رہتے ہیں۔

اس کے آگے کافروں کا رویّہ بتایا ہے کہ یہ اہلِ کتاب اور مشرکین تمہارے کسی سُکھ کو محض از رُوئے حَسد دیکھ نہیں سکتے۔ اس حَسد سے ان کو کچھ فائدہ سوا اِس کے کہ جَل بُھن کر کباب ہوتے رہیں نہیں پہنچ سکتا۔

یہ حَسد بڑا خطرناک مرض ہے اِس سے بچو۔ اللہ تعالیٰ کے علیم وحکیم ہونے پر ایمان ہو تو یہ مرض جاتا رہتا ہے۔ دیکھو مَلمل کا کپڑا ہے کوئی اسے سر پر باندھتا ہے۔ کوئی اس کی قمیص بناتا ہے۔ کوئی زخموں کے لئے پٹّی۔ سب جگہ وہ کام دیتا ہے اور سبھی جگہ واقعہ میں اس کی ضرورت ہے۔ اِسی طرح اگر انسان سمجھ لے کہ خدا تعالیٰ کے عجائباتِ قدرت سے جو کام ہو رہے ہیں وہ بِلا ضرورت وحکمت کے نہیں تو معترض کیوں ہو۔ اگر خدا تعالیٰ نے ایک قوم کو اپنی رحمتِ خاصّہ کے لئے چُن لیا ہے تو یہ کیوں جلتے ہیں؟ یہ تو عام قانونِ قدرت ہے کہ آج ایک درخت بغیر پُھول اور پَھل پتّوں کے بالکل سوختنی ہیئت میں کھڑا ہے۔ اَب بہار کا موسم آگیا تو اس میں پتّے لگنے شروع ہوئے پھر پُھول پھر پَھل۔ اِسی طرح قوموں کی نشو ونما ہے ایک وقت ایک قوم برگزیدہ ہوتی ہے لیکن جب وہ انعامات کے قابل نہیں رہتی تو خدا تعالیٰ دوسری قوم کو چُن لیتا ہے اور وہ پہلی قوم ایسی مِٹ جاتی ہے کہ بالکل بُھلا دی جاتی ہے یا اس کی حالت تبدیل ہو جاتی ہے۔ غرض اس جہان میں اِس طرح بہت تغیّر ہوتے رہتے ہیں۔ ایک شریعت دی جاتی ہے پھر اس کی بجائے دوسری۔ اِس بناء پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم کوئی نشانِ قدرت نہیں بدلتے اور نہ اسے ترک کرتے ہیں مگر کہ اس کی مثل یا اس سے اچھا لاتے ہیں

کیا تم کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اسی کا راج آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔ وہ حق و حکمت سے اس میں تبدیلیاں کرتا رہتا ہے۔ اس پر کسی کا بس نہیں چلتا۔ اس کے سوا کسی کو مدد گار اور کارساز نہ پاؤ گے۔ (بدر ۱۱ فروری ۱۹۰۹ء صفحہ ۲)

لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا: بعض لوگ شرارت کے طور پر ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں جو ذومعنی ہوتے ہیں۔ ہمارے ایک آشنا تھے۔ ان کی ایک کتاب جو مناظرہ کے متعلق تھی پڑھی۔ ایک جگہ یہ فقرہ لکھا تھا۔ آپ ہر ایک صداقت کو ایک ہی کولہو میں نہ پیڑیں۔ مَیں نے کہا کہ اِس محاورہ کے استعمال کی کیا ضرورت تھی؟ کہنے لگے کہ مخاطب تیلی ہے یہ اس پر چوٹ کی ہے! پھر ایک جگہ دکھائی جہاں لکھا ہؤا تھا کہ مَٹ کا ٹٹ ہی بگڑا ہؤا ہے اور بڑے فخر سے کہا کہ یہ شخص جس کے مقابلہ میں یہ تحریر ہے رنگریز ہے۔

میرے نزدیک یہ طریق اچھا نہیں متانت کے خلاف ہے۔ افسوس کہ مسلمانوں میں بھی یہ بُرائی پھیل گئی۔ ایک قصیدہ کے چند اشعار مجھے یاد ہیں جو اوّل سے آخر تک اسی قسم کی شرارت سے پُر تھے ایک مصرعہ تمہیں سُناتا ہوں

تا سرت باشد ہمیشہ تاجدار

یہاں تاجدار کے ایک معنے ظاہر ہیں اور دوسرے یہ کہ تا جدار یعنی تیرا سر دیوار سے ٹکر کھائے گیا ہو۔ اِس طرح کے کلام سے ہمارے سردار نے ہمیں منع کیا ہے چنانچہ وہ فرماتا ہے رَاعِنَا نہ کہو کیونکہ اِس کے معنے ایک تو یہ ہیں کہ ہماری رعایت کرو۔ ہم نہیں سمجھے دوبارہ سمجھا دو۔

سوم راعن کا لفظ عبرو میں گالی ہے۔ احمق، رعونت والے کو کہتے ہیں۔ اگر ایسی ضرورت پیش آجائے تو بجائے رَاعِنَا کے جو ذومعنی لفظ ہے اُنْظُرْنَا بولو جس کے معنے ہیں ہم غرباء کی طرف بھی آپ نظر رکھیں۔

ان منکروں کے لئے جو اِس قسم کے الفاظ نبی کریمؐ کے حضور بولتے ہیں دُکھ دینے والا عذاب ہے۔

اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا: یہ کافر دو قسم کے ہیں اہلِ کتاب (یہود، نصاریٰ، مجوس) دوسرے وہ جن کے پاس کوئی کتاب نہیں سُنی سُنائی باتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ غرض یہ دونوں گروہ پسند نہیں کرتے کہ تم پر کوئی ایسا امر اُتارا جائے جو خیر و برکت کا موجب ہو مگر اللہ تعالیٰ خصوصیت دے دیتا ہے اپنی رحمت سے جسے چاہے۔ مکّہ والوں نے کہا کہ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ (الزخرف: ۳۲)

مگران کا یہ اعتراض فضول تھا کیونکہ واقعات نے ثابت کر دیا کہ واقعی یہی مبارک وجود (حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اِس رسالت کا مستحق تھا۔ میرا اعتقاد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم انسانیت ہیں۔ نہ ایسا کوئی عظیم الشان ہوُا اور نہ ہوگا۔ ایک شخص نے مجھے پوچھا کہ اس کی کیا دلیل ہے؟ مَیں نے کہا کہ تم کسی اصلِ مذہبی کے قائل ہو یا نہیں۔ کہا۔ دعا کا قائل ہوں۔ مَیں نے کہا۔ دیکھو تم مانتے ہو کہ تمام مسلمان نماز پڑھتے ہیں اور زمین گول ہے۔ پس رُوئے زمین پر کوئی ایسا وقت نہیں گزرتا جب کوئی مسلمان نماز نہ پڑھ رہا ہو اور نماز میں درود شریف نہ پڑھتا ہو۔ پھر مَیں پوچھتا ہوں کیا دُنیا میں کوئی ایسا پیشوا ہے جس کے مرید ہر وقت اس کے علوِ مدارج کے لئے دعا کر رہے ہوں اور پھر اَلدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ کے مطابق وہ تمام نیکیاں جو یہ لوگ (مسلمان) کرتے ہیں حضور کے نامۂ اعمال میں بھی لکھی جاتی ہوں گی یا نہیں۔ پھر فضائلِ نبویؐ میں دوسری بات مجھے یہ سُوجھی ہے کہ دُنیا میں جس قدر مرکز ہدایت کے ہیں وہ دراصل صرف دُو ہیں ایک آتشکدۂ آذر اور دوؔم بیت المقدس۔ ان دونوں کا اثر عرب پر بالکل نہیں پڑا مگر ہمارے سردارؐ نے عرب والوں کو اپنا دین منوا لیا اور پھر ان کے ذریعہ ان دونوں مرکزوں (بیت المقدس، آتشکدہ آذری) پر بھی فتح پائی۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا: نسخ کے معنے ہیں نقل کے۔ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ اور نسخ کے معنے ہیں مٹا دینے کے جیسے فرمایا اِذَا تَمَنّٰۤى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِىْۤ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ (الحج: ۵۳) نُنْسِهَا نکلا ہے نسیان سے۔ اِس صورت میں اس کے معنے ہیں "ہم بھلا دیتے ہیں" یا نسأ بمعنی تاخیر ہے۔ اِس صورت میں اِس کے معنے ہیں "ہم مؤخر کر دیتے ہیں۔"

سو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر ہم کسی چیز کو بدلاتے یا مٹاتے ہیں یا بالکل بھلاتے اور کسی دوسرے سے تاخیر میں ڈال دیتے ہیں تو اس میں ہمارے مصالح ہوتے ہیں۔

اس کی مثال سُنئے! قرآن مجید میں ایک تعلیم ہے يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ۔ قُمْ فَاَنْذِرْ۔ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ (المدثر: ۲تا۴) اور پھر اخیر میں کھانے پینے کے احکام نازل فرمائے اور ارشاد کیا اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (المائدۃ: ۴) تو اب پہلی تعلیم کو جو مقدم کیا اور دوسری کو مؤخر تو خاص مصلحت سے ہے (یعنی پہلے عقیدہ درست ہو جاوے پھر شریعت نازل ہو)۔

دوسری مثال یہ ہے کہ بعض مذاہب ایسے ہیں جو بالکل نسیًا منسیًا ہو گئے اور بعض ایسے جن کے اصول کچھ تو موجود ہیں مگر بہت کچھ تبدیل ہو گئے۔

پھر آیت کے معنے علاوہ کلامِ الٰہی کے مطلق نشان بھی ہیں مثلاً خزاں میں درختوں کے پتے مِٹ جاتے ہیں پھر ان جیسے یا ان سے بہتر پیدا کرتے ہیں۔

نفسِ نسخ کے متعلق بحث فضول ہے کیونکہ یہ ممکن ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ کارخانۂ ہستی میں ایسا ہوتا رہتا ہے۔ ہاں یہ بات کہ (قرآن مجید میں نسخ ہے یا نہیں؟) اس کے متعلق جہاں تک میرا فہم ہے میں یہی کہوں گا کہ آج تک کوئی ایسی آیت نظر نہیں آئی جو منسوخ اور موجود فی القرآن ہو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زبان سے بھی کوئی ایسا لفظ مروی نہیں جس سے ایسی آیات کا موجود فی القرآن ہونا پایا جاتا ہو۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: فرمایا کہ اس نسخ (تغیر) کا سبب ہم نہیں بلکہ تمہارے حالات میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے اس لئے ہمیں احکام میں تغیر کرنا پڑتا ہے۔

كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ: موسٰی علیہ السلام سے کیا سوالات ہوئے؟ ایک کا ذکر سورۂ نساء پارہ ۶ کے پہلے رکوع میں ہے جہاں فرماتا ہے فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً (آیت ۱۵۴)

حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ: اس وقت تک کہ اور حکومت تمہیں دے تمہیں چاہیئے کہ درگذر سے کام لو اور نماز سنوار کر پڑھتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ زکوٰۃ ہر ایک دے سکتا ہے۔ یہ بھی زکوٰۃ ہے کہ کوئی اپنے نفس کا تزکیہ کرے پھر کسی کو نیک بات بتانا یہ بھی زکوٰۃ ہے۔ نیا لباس ملے تو پرانا کسی غریب کو دینا یہ بھی زکوٰۃ ہے اور ایک وہ زکوٰۃ ہے جو مشہور ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان
۱۱ر مارچ ۱۹۰۹ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ

رَبِّہٖ ۪ وَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۱۱۳﴾

قَالُوۡا لَنۡ یَّدۡخُلَ الۡجَنَّۃَ : آدمی جب اکیلے بیٹھتے ہیں تو دوسروں کی عیب چینی کرنے لگ جاتے ہیں اور پھر اپنے تئیں کچھ سمجھنے لگتے ہیں یہاں تک کہ دوسروں کی حقارت سما جاتی ہے اور کہتے ہیں کہ ہم ہی جنت میں جائیں گے۔ یہ صرف ہوائی باتیں ہیں۔

ھَاتُوۡا بُرۡھَانَکُمۡ : برہ کے معنے ہیں قطع کے۔ اگر تم سچے ہو تو کوئی دلیل قاطع یا حُجّتِ نیّرہ پیش کرو اور بَرْھَنَ کے معنے "ظاہر کیا" کے ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۱۔ مارچ ۱۹۰۹ء)

بَلٰی مَنۡ اَسۡلَمَ وَجۡہَہٗ لِلّٰہِ : اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بنیں اور اسکے حکم کے مقابل کسی اَور حکم کی پرواہ نہ کریں۔ فرمانبرداری کا اثر اور امتحان مقابلہ کے وقت ہوتا ہے۔ ایک طرف قوم اور رسم و رواج بُلاتا ہے دوسری طرف خدا تعالیٰ کا حکم ہے۔ اگر قوم اور رسم و رواج کی پرواہ کرتا ہے تو پھر اُس کا بندہ ہے اور اگر خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتا ہے اور کسی بات کی پرواہ نہیں کرتا تو پھر خدا تعالیٰ پر سچا ایمان رکھتا ہے اور اس کا فرمانبردار ہے اور یہی عبودیّت ہے۔ قرآن مجید نے اِسلام کی یہی تعریف کی ہے۔ مَنۡ اَسۡلَمَ وَجۡہَہٗ لِلّٰہِ وَھُوَ مُحۡسِنٌ۔ سچی فرمانبرداری یہی ہے کہ انسان کا اپنا کچھ نہ رہے۔ اس کی آرزوئیں اور امیدیں، اس کے خیالات اور افعال سب کے سب اللہ تعالیٰ ہی کی رضا اور فرمانبرداری کے نیچے ہوں۔ میرا اپنا تو یہ ایمان ہے کہ اس کا کھانا پینا، چلنا پھرنا سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہو تو مسلمان اور بندہ بنتا ہے۔

خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری اور رضامندی کی راہوں کو بتانے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ چونکہ ہر شخص کو مکالمہ الٰہیہ کے ذریعہ الٰہی رضامندیوں کی خبر نہیں ہوتی ہے۔ اگر کسی کو ہو بھی تو اُس کی وہ حفاظت اور شان نہیں ہوتی جو خدا تعالیٰ کے ماموروں اور مُرسلوں کی وحی کی ہوتی ہے اور خصوصًا سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ جس کے دائیں بائیں، آگے پیچھے ہزاروں ہزار ملائکہ حفاظت کے لئے ہوتے ہیں اِس لئے کامل نمونہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں اور وہی مقتداء اور مطاع ہیں۔ پس ہر ایک نیکی تب ہی ہو سکتی ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہو اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتّباع کے نیچے ہو۔ (بدر ۵ مارچ ۱۹۰۸ء صفحہ ۶،۵)

خدا تعالیٰ سے غافل اور بے پرواہ نہ ہو یہ منشائے اِسلام ہے۔ پس یاد رکھو کہ عقائد کے لحاظ سے دُنیا میں بےنظیر چیز اسلام ہے۔ مَیں راستی سے کہتا ہوں کہ ایمان کے لحاظ سے، اعمال کے لحاظ سے

دُنیا میں کوئی مذہب اِسلام سے مقابلہ نہیں کرسکتا مگر مَیں یہ بھی ساتھ ہی کہوں گا کہ اسلام ہو دعوائے اسلام نہ ہو۔ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ کا مصداق ہو۔ ساری توجہ خدا تعالیٰ ہی کی طرف لگادیوے اور ایسے طریق پر کہ گویا وہ خدا کو دیکھ رہا ہے یا کم از کم اِتنا ہی ہو کہ اِس بات کو کامل طور پر سمجھے کہ خدا مجھ کو دیکھ رہا ہے۔ خدا تعالیٰ کے انعام کو یاد کرکے اور یہ دیکھ کر کہ کیسی کتاب، کیسا مذہب اُس نے عطا کیا ہے۔ (الحکم ۳، مارچ ۱۸۹۹ء صفحہ ۵)

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۪ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

یہود کہتے ہیں نصاریٰ کچھ بھی نہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں یہود کچھ بھی نہیں حالانکہ وہ کتاب (مقدس) کو پڑھتے ہیں۔ نادان ایسا ہی کہا کرتے ہیں۔ یہود نے کہا عیسائی کچھ راہ پر نہیں اور عیسائیوں نے کہا یہود کچھ راہ پر نہیں حالانکہ ممکن ہے بلکہ واقعی یُوں ہے کہ عیسائیوں میں بہت سی خوبیاں ہوں پس یہود کا عام طور پر یہ کہنا کہ عیسائی کچھ راہ پر نہیں غلطی اور ناسمجھی ہے۔ ایسا ہی ممکن ہے بلکہ واقعی ہے کہ یہود میں کچھ بھلائی بھی ہو۔ پس عیسائیوں کا علی العموم یُوں کہہ دینا کہ یہود کچھ بھی راہ پر نہیں بڑی ناسمجھی اور بے انصافی ہے۔ غرض علی العموم کسی مذہب کو یُوں کہہ دینا کہ وہ بالکل ہی بھلائی سے مبرّا ہے کوئی عِلمی بات نہیں۔ (تصدیق براہینِ احمدیہ صفحہ ۲۵)

ہمیں تو قرآن کریم یہود و نصاریٰ کے اِس قول کو نصیحت کے طور پر ہمیں بتاتا ہے۔ قَالَتِ الْیَھُوْدُ

لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (پ بقرہ) یہود نے کہا نصرانی کچھ بھی نہیں نصرانیوں نے کہا یہود کچھ بھی نہیں حالانکہ کتاب پڑھتے ہیں۔ اِس طرح تو بے علم لوگوں نے کہا ہے یا کیا ہے۔

(دیباچہ نورالدین صفحہ ۸ ایڈیشن سوم)

یہ ایک عیب ہے کہ کوئی شخص دوسرے کی نسبت رنج پیدا کر لیتا ہے۔ اگر آدمی حد سے بڑھ جائے تو یہ بھی ایک قسم کا جنون ہے۔ ایسا ہی نصاریٰ اور یہود میں رنج پیدا ہو گیا کیونکہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو حقارت سے دیکھا اور رنج کیا تھا اِس لئے نصاریٰ ان پر عیب جوئی کرتے ہیں، اور ایک دوسرے کو لاشئ یقین کرتے ہیں۔

وَهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ: حالانکہ وہ کتاب پڑھتے ہیں اور پڑھے ہوؤں کا یہ حال ہے۔ ایسا ہی آجکل مولوی، وہابی یا حنفی اور یا دوسرے متفرق الطریق لوگ دوسروں پر اس قدر فتوے لگاتے ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔ پھر وہ سب پڑھے ہوئے۔ اَب جاہلوں کی بات تو سمجھتے نہیں۔ اَب ان کو سمجھائے کون۔

فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ: یہ لوگ جو مسجدوں سے منع کرتے ہیں آخر ذلیل ہوں گے۔ کامیابی کا مُنہ نہ دیکھیں گے۔ (ضمیمہ اخبار بدرؔ قادیان ۱۱ مارچ ۱۹۰۹ء)

عیب چینی کی راہ بہت ہی خطرناک راہ ہے عیسائیوں نے اس راہ پر قدم مار انقصان اُٹھایا۔ ایک نبی کی معصومیت کے ثبوت کے لئے سب کو گنہ گار قرار دیا۔ پھر آریہ نے بھی یہی طریق اختیار کیا۔ وہ بھی دوسرے مذاہب کو گالیاں دینا جانتے ہیں۔ پھر شیعہ ہیں وہ بھی خلفائے راشدین پر تبرہ بھیجنے کے گناہ میں پڑ گئے۔ ایک دفعہ امرتسر میں مَیں نے ایک شخص کو قرآن کی بہت ہی باتیں سُنائیں میرا ازاربند اتفاق سے ڈھیلا ہو گیا۔ آخر اُس نے مجھ پر یہ اعتراض کیا کہ تمہارا پاجامہ ٹخنوں سے کیوں نیچا ہے مَیں نے کہا اِتنے عرصہ سے جو تم میرے ساتھ ہو تمہیں کوئی بھلائی مجھ میں نظر نہیں آئی سوائے اُس عیب کے اور یہ عیب جو تم نے نکالا یہ بھی ٹھیک نہیں کیونکہ حدیث میں جَرَّ ثَوْبَهٗ خُيَلَاءَ آیا ہے اور یہاں اِس بات کا وہم تک نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

قَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۔

گویا اِس طرح کہنا لَا يَعْلَم لوگوں کا دستور ہے۔ عیب شماری کی طرف ہر وقت متوجہ رہنا ٹھیک

نہیں کچھ اپنی اصلاح بھی چاہیئے۔ ہمیشہ کسی دوسرے کی عیب چینی سے پہلے اپنی گزشتہ عمر پر نگاہ ڈالو کہ ہم نے اتباعِ رسولؐ پر کہاں تک قدم مارا اور اپنی زندگی میں کتنی تبدیلی کی ہے۔ ایک عیب کی وجہ سے ہم کسی شخص کو بُرا کہہ رہے ہیں۔ کیا ہم میں بھی کوئی عیب ہے یا نہیں اور اگر اس کی بجائے ہم میں یہ عیب ہوتا اور ہماری کوئی اس طرح پر غیبت کرتا تو ہمیں بُرا معلوم ہوتا یا نہیں ..... عیب شماری سے کوئی نیک نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ کسی کا عیب بیان کیا اور اُس نے سُن لیا۔ وہ بُغض وکینہ میں اَور بھی بڑھ گیا تمہیں کیا فائدہ ہؤا؟ بعض لوگ بہت نیک ہوتے ہیں اور نیکی کے جوش میں سخت گیر ہوتے ہیں اور امر بالمعروف ایسی طرز میں کرتے ہیں کہ گناہ کرنے والا پہلے تو گناہ کو گناہ سمجھ کر کرتا تھا پھر جھنجھلا کر کہہ دیتا ہے کہ جاؤ ہم یُونہی کریں گے۔ (بدر ۲۸؍جنوری ۱۹۰۹ء صفحہ ۹)

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓىٕكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْهَاۤ اِلَّا خَآىٕفِیْنَ ؕ۬ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۱۵﴾

خَآىٕفِیْنَ: خدا کا خوف دل میں رکھ کر اَدب وتعظیم وعاجزی سے آتے اور کسی کا نقار دل میں نہ ہوتا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۱۔مارچ ۱۹۰۹ء)

اِلَّا خَآىٕفِیْنَ: اللہ کے خوف سے معمور ہو کر آئے۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۳۹)

افسوس کہ لوگ اگر ذرا بھی آسودگی پاتے ہیں تو مخلوقِ الٰہی کو حقارت سے دیکھتے ہیں۔ اس کا انجام خطرناک ہے۔ ان لوگوں میں تحقیر کا مادہ یہاں تک بڑھ جاتا ہے کہ اگر کسی کی طاقت مسجد کے متعلق ہے تو وہ ان لوگوں کو جو اس کے ہم خیال نہیں مسجد سے روک دیتا ہے اور یہ نہیں سمجھتا کہ آخر وہ بھی خدا ہی کا نام لیتا ہے۔ ایسا کر کے وہ اس مسجد کو آباد نہیں بلکہ ویران کرنا چاہتا ہے۔ بارھویں صدی تک اِسلام کی مسجدیں الگ نہ تھیں بلکہ اس کے بعد سُنّی اور شیعہ کی مساجد الگ ہوئیں پھر

وہابیوں اور غیر وہابیوں کی اور اب تو کوئی حساب ہی نہیں۔ ان لوگوں کو شرم نہ آئی کہ مکہ کی مسجد تو ایک ہی ہے اور مدینہ کی بھی ایک ہے۔ قرآن بھی ایک، نبی بھی ایک، مُرشد بھی ایک، پھر ہم کیوں ایسا تفرقہ ڈالتے ہیں۔ ان کو چاہیئے کہ مسجدوں میں خوفِ الٰہی سے بھرے داخل ہوتے۔

صرف اسی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مسجد میں آئے اور جماعت ہو رہی ہو تو وقار اور سکینت سے آئے اور ادب کرے جیسا کہ کسی شہنشاہ کے دربار میں داخل ہوتا ہے لیکن وہ اگر خوفِ الٰہی سے کام نہیں لیتے اور مسجدوں میں نماز پڑھنے سے روکتے ہیں اُن کے لئے دُنیا میں بھی ذِلّت ہے اور آخرت میں بھی بڑا عذاب ہے۔ یاد رکھو کسی کو مسجد سے روکنا بڑا بھاری ظلم ہے۔ اپنے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے طرزِ عمل کو دیکھو کہ نصرانیوں کو اپنی مسجد مبارک میں گرجا کرنے کی اجازت دے دی۔

صحابہ کرامؓ کو تسلّی دیتا ہے کہ اگر تمہیں مسجد میں داخل ہونے سے روکتا ہے تو کچھ غم نہ کرو مَیں تمہارا حامی ہوں جس طرف تم گھوڑوں کی باگیں اُٹھاؤ گے اور مونہہ کرو گے اسی طرف میری بھی توجہ ہے چنانچہ جدھر صحابہؓ نے رُخ کیا فتح و ظفر استقبال کو آئے۔ یہ بڑا اعلیٰ نسخہ ہے کہ کسی کو عبادت گاہ سے نہ روکو اور کسی مخلوق کی تحقیر نہ کرو۔ مگر اس سے یہ مطلب نہیں کہ دُنیا میں امر بالمعروف نہ کرو۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ صرف حُسنِ سلوک اور سلامت رَوی سے پیش آؤ۔ جو کسی کی غلطی ہو اس کی فوراً تردید کرو۔ مثلاً عیسائی ہیں جب وہ کہیں کہ خدا کا بیٹا ہے تو ان کو کہو خدا تعالیٰ اس قسم کی احتیاج سے پاک ہے۔ جب آسمان و زمین میں سب کچھ اسی کا ہے اور سب اس کے فرماں بردار ہیں تو اس کو بیٹے کی کیا ضرورت ہے۔ (بدر ۱۸ فروری ۱۹۰۹ء صفحہ ۲)

البقرۃ

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۶﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ۚ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضِ ۚ وَاِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۸﴾

اور اللہ کی ہے مشرق اور مغرب۔ سو جس طرف تم مُنہ کرو دونوں ہی (طرف) متوجہ ہے اللہ۔
(فصل الخطاب حصّہ دوم صفحہ ۱۲۹)

فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ : جدھر تم توجہ کرو گے ادھر ہی خدا کی بھی توجہ ہوگی کیونکہ مشرق و مغرب اسی کا ہے۔

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا : اتخاذِ ولد کی تردید فرماتا ہے۔ ایک یہ فرما کر کہ سُبحانہٗ۔ دوم لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ سوم كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ۔ چہارم بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا۔

قَضٰى کے معنے ایک تو اَمَرَ دوم خَلَقَ سوم اَخْبَرَ چوتھا فارغ ہُوا۔ اِس کی مثال فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ (الاحقاف: ۳۰)
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۱ مارچ ۱۹۰۹ء)

اَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ : جس طرف تم مُنہ کرو اُسی طرف خدا کا مُنہ پاؤ گے۔
(نورالدین صفحہ ۴۳)

فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ : جدھر تم (صحابہؓ) توجہ کرو اُدھر جنابِ الٰہی کی توجہ ہوگی۔ ملک فتح ہو جائے گا۔ وحدتِ وجودی غلطی پر ہیں۔

سُبْحٰنَهٗ : عقائدِ باطلہ عیسائیوں کے مطابق کامل قدوس نہیں بن سکتا۔

كُنْ فَيَكُوْنُ : مرنے کے بعد زندہ وہی کرتا ہے۔
(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۳۹)

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَاۤ اٰيَةٌ ۗ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ۭ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ قَدْ

بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۹﴾

لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ ۔ یعنی اللہ ہمیں کیوں الہام نہیں کرتا۔ اِس کی مثال یہ ہے جیسے کوئی جاہل جٹ کہے کہ بادشاہ پیادوں کی معرفت احکام بھیجتا ہے خود کیوں ہم سے مطالبہ نہیں کرتا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۱ر مارچ ۱۹۰۹ء)

يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ

اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۲﴾

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَـيْـــًٔـا وَّلَا

يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ

يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

الحمد شریف میں تین قوموں کا ذکر ہے ایک اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کا۔ ایک مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کا اور ایک ضَاۗلِّيْنَ کا۔ قرآن کریم نے یہاں تک ان تین گروہوں کا رنگ برنگ میں ذکر کیا ہے۔

رکوع اوّل میں بتایا کہ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کا دوسرا نام متّقین ہے ان کو انعام ملتا ہے۔ اُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ پھر مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کا ذکر فرمایا ہے اور ان کا وعید بیان کیا۔ وَلَھُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ پھر ضَاۗلِّيْنَ کا ذکر کیا اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ ان کی سزا ہے۔ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُھُمْ رکوع سوم میں فرمایا ہے کہ قرآن کریم پر عمل کرنے سے مُنعم علیہم بن جاؤ گے اور اس کے خلاف کرنے کی سزا دوزخ کی آگ ہے۔ وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ۔ پھر ضَاۗلِّيْنَ کا ذکر فرمایا کہ مَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ۔ رکوع چہارم میں ایک مُنعم علیہ (آدم) ایک مغضوب و ضال شیطان

کا قصہ بیان کیا۔ پھر رکوع ۵ میں بنی اسرائیل کا ذکر شروع کیا اور اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے ظاہر کر دیا کہ وہ ایک منعم علیہ قوم تھی۔ پھر قسم قسم کے انعاموں کا جو ان پر ہوئے مذکور ہے اور ساتھ ہی ان اسباب کا ذکر فرماتا ہے جن سے یہی منعم علیہ قوم مغضوب علیہ بنی۔ ازاں جملہ گائے کی پرستش، موسیٰؑ کی فرمانبرداری چھوڑ کر زمیندارہ پسند کرنا۔ چھوٹے چھوٹے گناہوں کی پرواہ نہ کرنا۔ یہاں تک کہ کفر و قتل انبیاء تک نوبت پہنچ گئی۔ پھر سلیمانؑ کے زمانہ میں امن و آسودگی میں بجائے شکرِ الٰہی کے بغاوت و عملیات و خفیہ کمیٹیوں کی طرف مائل ہونا مسیح کا انکار۔ پھر اس رسول علیہ السلام کا انکار۔ اب اس رکوع ۱۵ میں یہ قصہ ختم ہوتا ہے۔

فرماتا ہے کہ او بہادر سپاہی کی اولاد! میں نے تمہیں ہم عصر لوگوں پر بہت سی بزرگیاں دیں پر تم نے اس بزرگی کی شان کو قائم نہ رکھنا چاہا تم اس دن سے ڈرو جب کہ کوئی جی کسی کے کام نہ آئیگا چنانچہ بنی قریظہ قتل ہوئے۔ سعد بن معاذ کو انھوں نے خیرخواہ سمجھا پر اس نے بھی ان کے خلاف ہی رائے دی۔ بنی نضیر کا تعلق عبداللہ بن اُبی سے تھا اس نے کہا بھی۔ وَلَئِنْ قُوتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ (حشر: ۱۲) مگر موقع پر نہ کوئی سفارش کر سکا اور نہ ہی نصرت دے سکا۔

وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ کیسی عظیم الشان پیشگوئی ہے۔ تیرہ سو برس گذر چکے مگر لَا يُنْصَرُونَ کا فتوای ایسا اٹل فتوای ہے کہ اب تک کوئی قوم بنی اسرائیل کی نامرد دُنیا میں نہیں۔ جتیہ بھر کہیں ان کی سلطنت نہیں ہے۔ جس ملک میں جاتے ہیں ایسے اسباب مہیا ہو جاتے ہیں کہ ذلیل ہو کر نکلنا پڑتا ہے اس کی جڑ یہ ہے کہ یہ سُود خوار قوم ہے۔ جب لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کے پنجے سے چھٹکارا نہیں ہو سکتا تو اپنے بادشاہوں کے پاس چغلیاں کھاتے ہیں اور پھر انہیں حکم ہوتا ہے نکل جاؤ۔ میں اکثر مخالفانِ اسلام کو چیلنج دیا کرتا ہوں کہ ایسی پیشگوئی کسی قوم کی نسبت کر دکھاؤ۔ راست بازوں سے مقابلہ کرنا بڑا خطرناک ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۱ مارچ ۱۹۰۹ء)

اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ: یہ اس پہلی بات کو دُہرایا ہے لیکچرار کو بھی ایسا ہی چاہیئے کہ بات کی تشریح کر کے پھر خلاصہ دُہرا دے۔

لَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ اور رکوع ۶ میں لَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ یعنی شفاعت پہلے ہے اِس کی وجہ یہ ہے دُنیا میں دو قسم کے آدمی ہیں۔ پہلے وہ شفاعت کی طرف جھکتے ہیں۔ جب اُس نے کام نہ دیا تو جُرمانہ بھرنے پر بھی حاضر۔ دوسرے اس کے خلاف ہیں۔

اس کے بعد اَور سلسلہ اَنْعَمْتُ کا لیا ہے۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ ۹ صفحہ ۴۳۹)

وَاِذِ ابۡتَلٰۤی اِبۡرٰہٖمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّہُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیۡ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَہۡدِی الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۲۵﴾

اِذِ ابۡتَلٰۤی اِبۡرٰہٖمَ رَبُّہٗ: اب بنی اسرائیل کے بعد ایک اَور سلسلہ کی طرف متوجہ ہوا ہے۔ وہ بھی اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ تھے مُنعَم ہونے کے بعد ان میں سے بھی مغضوب و ضال ہو گئے۔

ابتلٰی: عربی زبان میں کہتے ہیں کسی چیز کے ظاہر کر دینے کو۔ قرآن شریف میں یہ محاورہ ہے یَوۡمَ تُبۡلَی السَّرَآئِرُ فَمَا لَہٗ مِنۡ قُوَّۃٍ وَّلَا نَاصِرٍ (الطارق: ۱۰، ۱۱) اَبۡلَاہٗ: اَظۡھَرَ رَدَاءَتَہٗ وَجَوۡدَتَہٗ فلاں چیز کے ردّی یا جید ہونے کو ظاہر کیا۔ پس اللہ نے ابراہیمؑ کو کچھ احکام دئے (کَلِمٰتٍ کے یہی معنے ہیں) جو انہوں نے پُورے کئے۔ تو ان کا جید ہونا ظاہر ہو گیا۔

ایک دوسرے مقام پر فرمایا ہے جَعَلۡنَا مِنۡہُمۡ اَئِمَّۃً یَّہۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا لَمَّا صَبَرُوۡا وَکَانُوۡا بِاٰیٰتِنَا یُوۡقِنُوۡنَ (السجدۃ: ۲۵) یعنی ہم امام اُس وقت بناتے ہیں جب انسان احکامِ الٰہی پر ثابت قدم ہو جاوے اور ہماری آیات پر پُورا یقین رکھے۔ غرض جب ابراہیمؑ کے جید ہونے کو ظاہر کر دیا تو ارشاد ہُوا کہ مشرک اس عہد کے لائق نہیں۔ اِس سے معلوم ہُوا کہ آپ کی قوم میں ایسے لوگ بھی ہونے والے تھے۔ اِنِّیۡ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا میں تمہیں نمونہ اور مقتداء بنانے والا ہوں۔ آپ نے اپنی اولاد کے بارے میں دریافت کیا تو ارشاد ہُوا کہ مُشرک اِس عہد کے لائق نہیں۔ اِس سے معلوم ہُوا کہ آپ کی قوم میں ایسے لوگ بھی ہونے والے تھے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۱۔ مارچ ۱۹۰۹ء)

وَاِذۡ جَعَلۡنَا الۡبَیۡتَ مَثَابَۃً لِّلنَّاسِ وَ اَمۡنًا ؕ وَاتَّخِذُوۡا مِنۡ مَّقَامِ اِبۡرٰہٖمَ مُصَلًّی ؕ وَ عَہِدۡنَاۤ اِلٰۤی اِبۡرٰہٖمَ وَاِسۡمٰعِیۡلَ اَنۡ طَہِّرَا بَیۡتِیَ

لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۶﴾

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ: بیت اللہ کو لوگوں کے لئے جھنڈ در جھنڈ آنے کی جگہ بنایا۔ (نورالدین صفحہ ۲۵۰)

مَثَابَةً: ایسا بنایا کہ یہاں لوگ آتے رہیں گے۔ ثُبَةٌ کہتے ہیں جماعت کو۔ ثاب ایک جماعت کو جو دوسری جماعت سے آکر مل جائے۔ يَثُبُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ۔ مَثَابَةً کے دوسرے معنے ثواب کی جگہ۔ یہاں دونوں معنے صحیح ہیں۔

عَهِدْنَآ: مضبوط وعدہ لیا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۸ مارچ ۱۹۰۹ء)

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى: جس مقام پر ابراہیمؑ نے نماز پڑھی اس درجہ کی تم فرماں برداری کرو اور عبادت کرو۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ ۹ صفحہ ۴۳۹)

طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ کا مطلب یہ ہے کہ مکہ معظمہ کو بت پرستی اور بتوں سے پاک کر دو۔ (نورالدین صفحہ ۵۳)

ستھرا رکھو اِس میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے۔ (نورالدین صفحہ ۲۵۰)

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۷﴾

اور جب کہا ابراہیمؑ نے اے رب کر اِس شہر کو امن کا اور روزی دے اِس کے لوگوں کو میوے جو کوئی ان میں یقین لاوے اللہ پر اور پچھلے دن پر۔ (فصل الخطاب حصہ دوم صفحہ ۲۰)

رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا: واقعی بیت اللہ امن کا گھر بنا کر يُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ

حَوْلِهَا (عنکبوت: ۶۸) وَ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ (قریش: ۵) کا نظارہ پیش نظر ہے .....

چونکہ حضرت ابراہیمؑ لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ سے سمجھ گئے تھے کہ یہاں کچھ شریر بھی ہوں گے اِس لئے عرض کیا کہ وَارْزُقْ اَھْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْھُمْ بِاللّٰہِ یعنی مومنوں کو رزقِ طیب دے۔ اللہ نے فرمایا۔ نہیں۔ ہم رحمٰن ہیں اِس لئے ہم کافر کو بھی روٹی دیں گے مگر دُنیا میں۔ مومن کی طرح آخرت میں بھی نہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۸۔ مارچ ۱۹۰۹ء)

وَارْزُقْ اَھْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْھُمْ : یہ قید حضرت ابراہیمؑ نے پچھلے خوف سے لگائی کہ وہاں وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ کے جواب میں لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ فرمایا تھا مگر یہ قیاس غلط نکلا۔ فرمایا وَمَنْ کَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِیْلًا کافر کو بھی رزق دوں گا۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۳۹، ۴۴۰)

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ، رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا، اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ، وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا، اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۲۹﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِكَ وَیُعَلِّمُھُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَیُزَكِّیْھِمْ، اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۳۰﴾

السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ : دعائیں سُنتا ہوں۔ دلوں کے بھیدوں، ضرورتوں، اخلاص کو جانتا ہے۔
مَنَاسِكَنَا : طریقِ عبادت۔
تُبْ : رجوع برحمت کر۔
يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ : تم قرآن سُنتے ہو یہ بھی ابراہیمؑ کی دُعا کا اثر ہے۔
حِكْمَةَ کے معنی ہیں پکی بات۔ عربوں نے اس کے معنے لئے ہیں جو بات انسان کو معزز بنانے والی اور فصیح باتوں سے ہٹانے والی ہو (پارہ ۱۰ رکوع ۳ میں اس کی تشریح ہے)
اِن آیات میں شیعہ کا رَدّ بھی ہے کہ جو رسول آئے گا وہ تزکیہ نفوس کرے گا۔ گنہ گاروں کو پاک انسان بنا دے گا مگر شیعہ کے عقائد کے مطابق آدم سے لیکر قیامت تک کوئی گناہ ایسا نہیں ہو سکتا جن کا اِرتکاب صحابہؓ نے نہ کیا ہو۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۸ مارچ ۱۹۰۹ء)
رکوع ۱۵ میں حضرت ابراہیمؑ نے یہ دعائیں کیں:۔ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا ملا کر ایک پھیرے میں ایک دعا۔ اب بھی سات طواف ہیں۔ وَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ (یہ پیشگوئی ہے جو پوری ہوئی۔
(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۰)
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اِس مسجد (خانہ کعبہ) کی تعمیر کے وقت سات دعائیں کی ہیں:۔
اوّل : رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا
دوم : رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا یعنی اے ہمارے ربّ اپنا ہی ہمیں فرمانبردار بنا دے اور ہماری اولاد سے ایک گروہ معلّم الخیر تیرا فرمانبردار ہو اور دکھا ہمیں اپنی عبادت گاہیں اور طریقِ عبادت۔
سوم : وَاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (ابراھیم : ۳۶) بچالے مجھے اور میری اولاد کو کہ بُت پرستی کریں۔
چہارم : وَارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ اور رزق دے مکہ والوں کو پھلوں سے۔
پنجم : فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ (ابراھیم : ۳۹) کچھ لوگوں کے دِل اس شہر کی طرف جھکا دے۔
ششم : وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا ان میں عظیم الشان رسول بھیج۔
ہفتم : اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا (ابراھیم : ۳۶) اِس شہر کو امن والا بنا۔
اور قرآن کریم میں ان دعاؤں کے قبول ہونے کا ذکر آیاتِ ذیل میں ہے جو سات ہیں:

اوّل: جَعَلَ اللّٰهُ الْکَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ (المآئدة: ۹۸) اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو عزّت والا اور حُرمت والا بنایا۔

دوم: وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ (البقرة: ۱۳۱) اور بے رَیب برگزیدہ کیا ہم نے اسے اِسی دُنیا میں اور بے رَیب آخرت میں سنوار والوں سے ہے۔

سیوم: طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ (البقرة: ۱۲۶) سُتھرا رکھو اِس میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اِعتکاف کرنے والوں اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لئے۔
اور فرمایا وَهُدًى لِّلنَّاسِ ہدایت کا مقام ہے لوگوں کے لئے۔

چہارم: اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ (قریش: ۵) کھانا دیا ان کو بھوک کے بعد۔

پنجم: وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ (البقرة: ۱۲۶) بیت اللہ کو لوگوں کیلئے جُھنڈ دجُھنڈ آنے کی جگہ بنایا۔

ششم: هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (الجمعة: ۳) اللہ وہ ہے ..... جس نے بھیجا مکہ والوں میں رسول انہی میں سے۔ پڑھتا ہے ان پر اللہ کی آیتیں۔ پاک کرتا ہے انہیں اور سکھاتا ہے ان کو کتاب وحکمت۔

ہفتم: وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا (آل عمران: ۹۸) اور جو داخل ہوُا مکہ میں ہوُا امن پانے والا۔
سات دعائیں حضرت ابراہیمؑ علیہ السّلام وبرکاتہٗ نے مانگیں اور ساتوں قبول ہوئیں۔

(نور الدین صفحہ ۲۴۹، ۲۵۰)

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (الآية) اِس وصیّت پر غور کرکے ہمیں اندازہ کرنا چاہیئے کہ ہم اپنی اولاد کے لئے کیا خواہش کرتے اور کیا ارادہ رکھتے ہیں۔

(الحکم ۱۷ جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۲)

اور جب اُٹھانے لگا ابراہیمؑ بنیادیں اس گھر کی اور اسمٰعیلؑ۔ اے ہمارے ربّ قبول کر ہم سے تُو ہی ہے اصل سُنتا، جانتا۔ اے رَبّ ہمارے اور کر ہم کو حکم بردار اپنا اور ہماری اولاد میں بھی ایک اُمّت حکم بردار اپنی اور بتا ہم کو دستور حج کرنے کے اور ہم کو معاف کر۔ تُو ہی ہے اصل معاف کرنے والا مہربان۔

اے رَبّ ہمارے اور اُٹھا ان میں ایک رسول انہیں میں کا۔ پڑھے ان پر تیری آیتیں اور سکھاوے ان کو کتاب اور پکی باتیں اور ان کو سنوارے۔ تُو ہی ہے زبردست حکمت والا۔

اِن آیاتِ قرآنی (۱۲۷ تا ۱۳۰) کو آیاتِ توریت سے تطبیق دی جاتی ہے۔ توریت میں لکھا ہے حضرت حق سبحانہٗ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ سے آپ کے پلوٹھے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کی نسبت وعدہ فرمایا:

"مَیں نے تیری دعا اسمٰعیلؑ کے حق میں قبول کی۔ دیکھ مَیں اُسے برکت دوں گا اور اسے بُردمند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اُس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور اس سے بڑی قوم بناؤں گا۔"

کتبِ سابقہ کے ناظرین اور الہامی مضامین پر گہری نگاہ کرنے والے اگر انصاف سے دیکھیں تو یہ پیشگوئی صاف محمدؐ بن عبداللہ بن اسمٰعیل بن ابراہیم کے حق میں ہے۔ اِس بشارت میں کئی امور غور طلب ہیں۔

اوّل:- "برکت دوں گا، بُردمند کروں گا، بہت بڑھاؤں گا" نہایت انصاف سے دیکھنے کو مجبور کرتے ہیں اور بڑی بلند آواز سے کہتے ہیں کہ اسمٰعیلی وعدوں کو جسمانی مت کہو۔ صرف جسمانی وعدے میں برکت اور فضیلت نہیں بلکہ بالکل نہیں۔ وہ تو موت کے گہرے کنوئیں میں رہنے کا باعث ہے۔ منصفو! کیا اگر ابراہیمؑ کی اولاد بُت پرست، رہزن، چور، جاہل، بدتہذیب، قمارباز، زانی، مکّار، بدکار ہی رہتی تو حضرت اسمٰعیلؑ کو کوئی عاقل کہہ سکتا کہ تُو بُردمند ہوُا، تجھے برکت ملی، تجھے فضل عطا ہوُا، تجھ سے بڑی قوم بنی۔ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان کی اولاد میں ایک زبردست رسول پیدا ہوُا جس نے اُس متفرق گروہ کو ایک قوم بنایا۔ اِسی کے وسیلے سے وہ قوم بُردمند ہوئی اور اُسے یہاں تک بڑھایا کہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ کہہ کر اَبدالآباد تک ہر مُلک اور ہر جنس کی آئندہ آنے والی نسلوں کو اُن کی ترقی کا ضمیمہ بنایا۔ فداہ ابی و امی صلی اللہ علیہ وسلم۔

دوم:- جو بشارات عہدِ جدید میں حواریوں اور اناجیل کے مصنفوں نے مسیح کی نسبت خیال کر کے مندرج کی ہیں وہ سب کی سب اَدنیٰ لگاؤ اور ابہام سے بڑھ کر کوئی وقعت نہیں رکھتیں۔ یہاں نہ صرف لگاؤ ہی لگاؤ بلکہ تصریح و توضیح موجود ہے کہ بنی اسمٰعیل (قومِ عرب) فضیلت والے، برکت والے، بُردمند۔ امام قوم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد برکت مہد میں ہوئے۔

سوم:- فضیلت اُسی وقت پوری فضیلت ہوتی ہے جب اپنے اقران و امثال پر ہو اور تمام عالم شاہد ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عرب اور حجاز والوں نے بنی اسرائیل پر کبھی علو حاصل نہیں کیا۔ متعصب عیسائی نبیؐ عرب کی بشارات پر ہمیشہ اعتراض کرتے رہے ہیں جو یہودیوں کے

اُن اعتراضوں سے کہ بشاراتِ مسیح پر انہوں نے کئے ہیں زیادہ زور آور نہیں ہیں چنانچہ اس بشارت پر یہ اعتراض کیا ہے "اسحاقؑ کی نسبت روحانی وعدہ ہے اور اسمٰعیلؑ کی نسبت جسمانی" اگرچہ اس کا جواب ابھی ہو چکا ہے اِلّا مزید توضیح کے لئے کسی قدر تفصیل کی جاتی ہے۔

ہم اسمٰعیلی اور اسحاقی وعدوں کو بمقابلہ یک دگر توریت سے جمع کر کے ناظرین باانصاف کے سامنے پیش کرتے ہیں اور ان کے نورِ ایمان اور انصاف سے پوچھتے ہیں کہ کس طرح سے وہی وعدہ اسمٰعیلؑ کے حق میں تو جسمانی اور اسحٰقؑ کے رنگ میں رُوحانی ہو سکتا ہے اور چونکہ باری تعالیٰ کے وعدے ابراہیمؑ کے ساتھ دو طرح کے ہیں ایک عام طور پر ابراہیمؑ کی اولاد کے لئے اور ایک خاص طور پر اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ کے لئے۔ اِس لئے قبل از مقابلہ ہم مشترکہ وعدے بیان کریں گے کیونکہ وہ وعدے جیسے اسحٰقؑ کے حق میں ہیں ویسے ہی اسمٰعیلؑ کے حق میں بھی ہیں۔ اگر اُن سے اسحٰقؑ کو ترجیح ہو سکے تو انہیں سے اسمٰعیلؑ کو بھی ہو سکتی ہے۔ اگر یہ وعدے روحانی ہیں تو اسحٰقؑ اور اسمٰعیلؑ دونوں کے لئے اور اگر جسمانی ہیں تو بھی دونوں کے لئے۔ اور اگر عام ہیں۔ رُوحانی ہوں یا جسمانی۔ تو بھی دونوں کیلئے۔

مُشترکہ وعدے

۱۔ "جب ابراہیمؑ کنعان میں پہنچا تو خدا نے کہا یہ زمین مَیں تیری اولاد کو دوں گا" (پیدائش ۱۲: ۷)

۲۔ "جب ابراہیمؑ لُوط سے جُدا ہوئے خدا نے کہا آنکھیں کھول چاروں طرف کی زمین تیری اولاد کو دوں گا" (پیدائش ۱۳ باب ۱۴ تا ۱۶)

۳۔ "مصر سے فرات تک کی زمین مَیں تیری اولاد کو دوں گا" (پیدائش باب ۱۵: ۱۸)

۴۔ "تیری اولاد کو وسیع اور بے شمار کروں گا" (پیدائش باب ۱۵: ۵)

۵۔ "جب ابراہیمؑ ننانوے برس کے ہوئے خدا نے وعدہ کیا کہ تجھے زیادہ سے زیادہ کروں گا۔ تجھ سے قومیں پیدا ہوں گی اور بادشاہ ہوں گے اور کنعان کی زمین بوراثت دائمی تجھ کو دوں گا" (پیدائش ۱۷ باب ۶ تا ۸)

یہ وہ وعدے ہیں جو ابراہیمؑ کی اولاد کے لئے مشترکہ ہیں اور یہ خدا کے سچے وعدے دونوں بھائیوں اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ کے حق میں ظاہر ہوئے۔ کنعان کا ملک ایک زمانے تک بنی اسحٰقؑ کے قبضے میں رہا پھر تیرہ سَو برس سے آج تک بنی اسمٰعیلؑ یا اُن کے خادموں کے قبضے میں ہے۔ ایسا ہی وہ ملک جو لُوط کے جُدا ہوتے وقت ابراہیمؑ نے دیکھا اور ایسے ہی مصر سے فرات تک کا ملک

دونوں صاحبوں کو ملا۔ اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ سے ابراہیمؑ کی اولاد بہت بڑھی۔ اُن سے قومیں پیدا ہوئیں۔ بادشاہ نکلے۔ کنعان کے مالک ہوئے۔ کوئی تخصیص بنی اسحٰقؑ کے لئے اس میں نہیں بلکہ زبور ۱۵ : ۹ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسحٰقؑ سے جسمانی وعدہ تھا کیونکہ لکھا ہے کہ "عہد جو ابراہیمؑ سے ہوا اور اسحٰقؑ سے اُس کی قسم کھائی اور بنی اسرائیل سے دائمی باندھا گیا اور یعقوبؑ سے بطور قانون کے مقرر ہوا وہ کنعان کی زمین دینے کا وعدہ تھا۔"

خاص خاص مگر ہم معنی وعدوں کا بیان

پیدائش	باب ۱۷-۱۹	خاتون سارہ آپ کی اولاد بیشمار ہوگی۔
″	باب ۱۶-۱۰	خاتون ہاجرہ آپ کی اولاد بیشمار ہوگی۔
″	باب ۲۵-۱۱	آپ کے فرزند اسحٰقؑ کو برکت دی اللہ تعالیٰ نے۔
″	باب ۱۷-۲۰	آپ کے فرزند اسمٰعیلؑ کو برکت دی اللہ تعالیٰ نے۔
″	باب ۲۱-۱	آپ کے دَردوغم کو سُنا اللہ نے۔
″	باب ۱۶-۱۱	آپ کے دَردوغم کو سُنا اللہ نے۔
″	باب ۲۶-۲۴	آپ کے فرزند کے ساتھ خدا تھا۔
″	باب ۲۱-۲۰	آپ کے فرزند کے ساتھ خدا تھا۔
″	باب ۱۰-۲۵	یہ تقسیم اللہ تعالیٰ نے زمانۂ یقطان میں کردی تھی۔
″	باب ۱۷-۸	آپ کی اولاد کو زمینِ کنعان دی گئی۔
″	باب ۱۵-۱۸	آپ کی اولاد کو زمینِ عرب عنایت ہوئی۔
″	باب ۱۷-۱۹	آپ کے فرزند کا اللہ تعالیٰ نے نام رکھا۔
″	باب ۱۷-۱۱	آپ کے فرزند کا اللہ تعالیٰ نے نام رکھا۔
″	باب ۱۷-۱۶	آپ کا فرزند بادشاہوں اور قوموں کا باپ ہوا۔
″	باب ۱۷-۲۰-۲۵-۲۶	آپ کا فرزند بادشاہوں اور قوموں کا باپ ہوا۔
″	باب ۱۵-۴	آپ کا فرزند پلوٹھا اور وعدۂ وراثت اور تسلی کا پہلا مصداق تھا۔

سارہ ہاجرہ

″	باب ۱۶-۱۲	آپ کو برکت دی گئی اور آپ کو بتایا گیا کہ وہ عربی ہوگا۔

اُردو ترجموں میں لفظ وحشی اور جنگلی لکھا ہے جو ٹھیک لفظ عربی یا اُمّی کا مترادف ہے (دیکھیں تو اہلِ کتاب اسے کیونکر گوارا کر سکتے ہیں) پیدائش ۱۷ باب ۱۵ آپ کے فرزند کے باعث آپ سرے سے سرہ ہوئیں۔ پیدائش ۱۷ باب ۱۵ آپ کے فرزند کے باعث آپ کے شوہر کا نام ابرام سے ابرہام ہوُا۔ (فصل الخطاب حصّہ دوم صفحہ ۲۰ تا ۲۴)

دعاؤں سے کبھی گھبرانا نہیں چاہا۔ان کے نتائج عرصہ دراز کے بعد بھی ظہور پذیر ہوتے ہیں لیکن مومن کبھی تھکتا نہیں۔قرآن شریف میں دعاؤں کے نمونے موجود ہیں ان میں سے ایک ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہے وہ اپنی اولاد کے لئے کیا خواہش کرتے ہیں۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ

اِس دعا پر غور کرو حضرت ابراہیمؑ کی دعا روحانی خواہشوں اور خدا تعالیٰ کے ساتھ آپ کے تعلقات بنی نوع انسان کی بھلائی کے جذبات کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے۔وہ دعا مانگ سکتے تھے کہ میری اولاد کو بھی بادشاہ بنا دے مگر وہ کیا کہتے ہیں۔اے ہمارے رَبّ میری اولاد میں انہیں میں کا ایک رسول مبعوث فرما۔اس کا کام کیا ہو؟ وہ ان پر تیری آیات تلاوت کرے اور اس قدر قوّتِ قدسی رکھتا ہو کہ وہ ان کو پاک و مطہّر کرے اور ان کو کتاب اللہ کے حقائق و حِکَم سے آگاہ کرے۔اسرارِ شریعت ان پر کھولے۔

پس یہ ایسی عظیم الشان دُعا ہے کہ کوئی دعا اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی اور ابتدائے آفرینش سے جن لوگوں کے حالاتِ زندگی ہمیں مِل سکتے ہیں۔کسی کی زندگی میں یہ دعا پائی نہیں جاتی۔حضرت ابراہیمؑ کی عالی ہمّتی کا اِس سے خوب پتہ چلتا ہے۔پھر اِس دعا کا نتیجہ کیا ہوُا اور کب ہوُا۔عرصہ دراز کے بعد اس دعا کے نتیجہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسا انسان پیدا ہوُا اور وہ دُنیا کے لئے ہادی اور مصلح ٹھہرا۔قیامت تک رسول ہوُا اور پھر وہ کتاب لایا جس کا نام قرآن ہے اور جس سے بڑھ کر کوئی رُشد، نور اور شفا نہیں ہے۔ (الحکم ۱۰ مارچ ۱۹۰۴ء صفحہ ۴)

یہ ایک دعا ہے جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے جناب ربّ العزّت اور ربّ العالمین اللہ جلّ شانہٗ کے حضور مانگی ہے۔اِس سے ظاہر ہے کہ اِس دُنیا میں اِسلام کے آنے اور اس کے ثمرات کے ظہور کے لئے اللہ تعالیٰ کے فضل سے حضرت ابراہیمؑ کے ذریعہ ایک دعا کی تقریب پَیدا کر دی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تُو ہمارا ربّ اور مربّی اور مُحسن ہے۔تیری عالمگیر ربوبیّت سے جیسے جسم کے قویٰ کی پرورش ہوتی ہے۔عمدہ اور اعلیٰ اخلاق سے انسان مزیّن ہوتا ہے ویسے ہی ہمارے رُوح کی بھی

پرورش فرما اور اعتقادات کے اعلیٰ مدارج پر پہنچا۔ اے اللہ اپنی ربوبیت کے شان سے ایک رسول ان میں بھیجیو جو کہ مِنْهُمْ یعنی انہی میں کا ہو اور اس کا کام یہ ہو کہ وہ صرف تیری (اپنی نہیں) باتیں پڑھے اور پڑھائے اور صرف یہی نہیں بلکہ ان کو سمجھا اور سکھلا بھی دے۔ پھر اس پر بس نہ کیجیو بلکہ ایسی طاقت، جذب اور کشش بھی اسے دیجیو جس سے لوگ اس تعلیم پر کاربند ہو کر مزکی اور مطہر بن جاویں۔ تیرے نام کی اس سے عزت ہوتی ہے کیونکہ تو عزیز ہے اور تیری باتیں حق اور حکمت سے بھری ہوئی ہوتی ہیں۔ اس دعا کی قبولیت کس طرح سے ہوئی وہ تم لوگ جانتے ہو اور یہ صرف اس دعا ہی کے ثمرات ہیں جس سے ہم فائدے اٹھاتے ہیں۔ (الحکم ۲۴ر جنوری ۱۹۰۴ء)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سات دعائیں کیں :-

۱۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ ۲۔ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۳۔ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا ۴۔ وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۵۔ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ ۶۔ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ۷۔ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۔

۱۔ اے ہمارے رَبّ ہم کو اپنا فرمانبردار بنالے۔ ۲۔ ہماری اولاد میں سے ایک فرمانبردار جماعت جو دوسرے کے لئے امام ہو۔ بنا۔ ۳۔ ہمیں اپنی عبادت کے طریقے سکھا۔ اس میں تنبیہ ہے اس بات کی طرف کہ کوئی مَن گھڑت طریق مقبول نہیں ہے۔ ۴۔ اور ہماری فرمانبرداری میں جو غلطیاں یا کمزوریاں ظاہر ہوں ان سے درگذر فرما۔ ۵-۶-۷۔ اور پھر ان میں ایک رسول مبعوث کر جو ان کو کتاب اور پختہ باتیں سکھائے اور ان کا تزکیہ کر۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۶ نمبر ۹ صفحہ ۳۵۶)

وَمَنْ يَرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ ۚ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا ۖ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۳۱﴾ إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ ۖ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۳۲﴾

دُنیا کے لوگ عزت چاہتے ہیں۔ اولاد چاہتے ہیں۔ کامیابی چاہتے ہیں۔ ذکرِ خیر چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام نعمتوں سے ابراہیمؑ کو متمتع کیا۔ ان کی اولاد دیکھو کہ کوئی حساب نہیں۔ عظمت کا یہ حال ہے کہ مسلمان، یہودی، صابی، پارسی، عیسائی باوجود بہت سے اختلاف کے ان کو یکساں معزز ومکرم مانتے ہیں افسوس کہ بعض لوگوں نے باوجود صِدِّیْقًا نَّبِیًّا نصّ صریح کے بعض روایات کی بناء پر انہیں جھوٹ بولنے کا الزام دیا ہے۔ تورات میں ہے کہ جو تیری بے اَدبی کرے گا مَیں اُسے ذلیل کروں گا۔ جو تیرے لئے برکت مانگے گا مَیں اسے برکت دوں گا اِسی لئے اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ پڑھنے کی ہدایت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسے عدیم النظیر انسان کی مِلّت سے کون یَرْغَبُ بے رغبتی کرتا ہے۔

مِلَّۃ : اللہ تعالیٰ کوئی شریعت کسی نبی کی معرفت یا نبیوں کی معرفت قوم کو دیتا ہے جس کے ذریعے سے اس قوم کے آگے خدا کے قریب پہنچ سکیں تو اس کا نام مِلّۃ ہے۔

دین وملت میں یہ فرق ہے کہ دین کی نسبت اللہ اور لوگوں کی نسبت ہو سکتی ہے یعنی دین اللہ مگر ملت اللہ نہیں کہتے۔

سَفِہَ : جو کپڑا بُرا بنا ہؤا ہو اُسے سفیہ کہتے ہیں۔ ثَوْبٌ سَفِیْہٌ۔ ایسے ہی جو مہار خراب ہو اسے بھی سفیہ کہتے ہیں۔ زِمَامٌ سَفِیْہٌ۔ غرض سفیہ کا اطلاق اوچھے، کم عقل اور اُس شخص پر ہوتا ہے جو دین و دُنیا میں ناعاقبت اندیشی سے کام لے۔ لَا تُؤْتُوا السُّفَھَآءَ اَمْوَالَھُمْ قرآن شریف میں آیا۔ ابراہیمؑ میں یہ خوبی بدرجہ کمال تھی۔ وہ یہ ہے کہ جب اللہ نے اُسے فرمایا اَسْلِمْ فرماں بردار بن جا تو اس نے پوچھا نہیں کہ کس بات میں۔ بلکہ کہہ دیا اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ مَیں پہلے فرمانبردار ہو چکا کیونکہ مَیں یقین رکھتا ہوں کہ میرا رَبّ جو کچھ کہے گا وہ ربوبیّت کی شان سے کہے گا اور اس حکم میں میری ہی تربیت منظور ہوگی۔ پھر یہ کہ اپنی جان تک ہی اس تعلیم کو محدود نہیں رکھا بلکہ اپنی اولاد کو بھی اسی مِلّت کی وصیّت کی۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۸؍ مارچ ۱۹۰۹ء)

دیکھو خدا نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو بطور نمونہ پیش کیا ہے اور فرماتا ہے کہ ابراہیم علیہ السّلام کے دین کو کوئی نہیں چھوڑ سکتا مگر وہی جو سفیہ ہو۔ ابراہیم علیہ السّلام کو خدا نے برگزیدہ کیا۔ یہ سنوار والے لوگوں میں سے تھا۔ تمام محبتوں، عداوتوں اور تمام افعال میں اَدنیٰ کو اعلیٰ پر قربان کرنے کا لحاظ رکھو پھر تمہیں ابراہیم علیہ السّلام سا انعام دیں گے۔ فرمانبرداروں کی راہ اختیار کرو۔ مَیں تو حضرت صاحب کی مجلس میں بھی قربانی ہی سیکھتا رہتا تھا۔ جب وہ فرماتے تو مَیں یہ دیکھتا تھا کہ آیا یہ عیب مجھ میں

تو نہیں؟ (بدر ۲۱ جنوری ۱۹۰۹ء صفحہ ۸)

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ الخ: ہر ایک سلیم الفطرت انسان کے قلب میں اللہ تعالیٰ نے یہ ایک بات محبت کے طور پر رکھ دی ہے کہ وہ ایک مجمع کے درمیان معزز ہو جاوے۔ گھر میں اپنے بزرگوں کی کوئی خلاف ورزی اِس لئے نہیں کی جاتی کہ گھر میں ذلیل نہ ہوں۔ ہر ایک دُنیا دار کو دیکھتے ہیں کہ محلہ داری میں ایسے کام کرتا ہے جن سے وہ باوقعت انسان سمجھا جاوے۔ شہروں کے رہنے والے بھی ہتک اور ذلّت نہیں چاہتے۔ پھر اس مجمع میں جہاں اوّلین و آخرین جمع ہوں گے۔ اس مقام پر جہاں انبیاء و اَولیاء موجود ہوں گے وہاں کی ذِلّت کون عاقبت اندیش سلیم الفطرت گوارا کر سکتا ہے کیونکہ عزّت و وقعت کی ایک خواہش ہے جو انسان کی فطرت میں موجود ہے۔ اِس آیت میں اللہ تعالیٰ ایک نظیر کے ساتھ اس خواہش اور اس قاعدہ کو جس کے ذریعہ انسان معزز ہو سکتا ہے بیان کرتا ہے۔ نظیر کے طور پر جس شخص کا ذکر یہاں کیا گیا ہے اُس کا نام ہے ابراہیم علیہ السّلام۔

اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو کیسی عزت دی۔ یہ اس نظارہ سے معلوم ہو سکتا ہے جو خدا نے فرمایا وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ہم نے اس کو برگزیدہ کیا دُنیا میں اور آخرت میں بھی سنوار والوں سے ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کے مکالمات کا شرف رکھنے والے، شریعت کے لانے والے، ہادی و رہبر، بادشاہ اور اسی قسم کے عظیم الشّان لوگ ابراہیم علیہ السّلام کی نسل سے ہوئے۔ یہ ابراہیم علیہ السّلام کی اولاد کیلئے نتیجہ دکھایا ہے۔ حضرت موسیٰؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت مسیح علیہ السّلام سب حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے تھے اور حضرت اسمٰعیلؑ اور ہمارے سیّد و مولیٰ ہادیٔ کامل صلی اللہ علیہ وسلم اسی کی اولاد سے ہیں۔

ایک اَور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ابراہیمؑ اور اس کی اولاد کو بہت بڑا ملک دیا مگر غور طلب امر یہ ہے کہ جڑ اس بات کی کیا ہے؟ کیا معنی؟ وہ کیا بات ہے جس سے وہ انسان اللہ تعالیٰ کے حضور برگزیدہ ہوا اور معزز ٹھہرایا گیا۔ قرآن کریم میں اِس بات کا ذکر ہوتا ہے جہاں فرمایا ہے اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ جب ابراہیمؑ کے رَبّ نے اس کو حکم دیا کہ تُو فرمانبردار بن جا تو حضرت ابراہیمؑ عرض کرتے ہیں مَیں رب العٰلمین کا فرمانبردار ہو چکا کوئی حکم نہیں پوچھا کہ کس کا حکم فرماتے ہو۔ کسی قسم کا تامل نہیں کیا فرمانبرداری کے حکم کے ساتھ ہی وہ بول اُٹھے کہ فرمانبردار ہو گیا۔ ذرا بھی مضائقہ نہیں کیا اور نہیں خیال کیا کہ عزت پر یا مال پر صدمہ اُٹھانا پڑے گا یا احباب کی تکالیف دیکھنی پڑیں گی۔ کچھ بھی نہ پوچھا۔ فرمانبرداری کے حکم کے ساتھ اقرار کر لیا کہ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ یہ ہے

وہ اصل جو انسان کو خدا تعالیٰ کے حضور برگزیدہ اور معزز بنا دیتی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کا سچا فرماں بردار ہو جائے۔

فرمانبرداری کا معیار ہے ایک طرف انسان کے نفسانی جذبات کچھ چاہتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے احکام کچھ اَور۔ اَب دیکھیں کہ آیا خدا تعالیٰ کے احکام کو انسان مقدم کرتا ہے یا اپنے نفسانی اغراض کو۔ اِسی طرح رسم و رواج، عادات، کسی کا دباؤ، حسب جاہ و رعایت قانون قومی ایک طرف کھینچتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا حکم ایک طرف۔ اس وقت دیکھنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے حکم کی طرف جھکتا ہے یا اس پر دوسرے امور کو ترجیح دیتا ہے۔ اَب اگر اللہ تعالیٰ کے احکام کی قدر کرتا اور اُن کو مقدم کر لیتا ہے تو یہی خدا کی فرمانبرداری ہے.....

حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے خود بھی خدا تعالیٰ کی اطاعت کی اور انہی باتوں کی وصیت اپنی اولاد کو بھی کی اور یعقوبؑ نے بھی یہی وصیت کی کہ اے میری اولاد اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایک عجیب دین کو پسند کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر وقت فرمانبرداری میں گزارو۔ چونکہ موت کا کوئی وقت معلوم نہیں ہے اِسی لئے ہر وقت فرمانبردار رہو تا کہ ایسی حالت میں موت آوے کہ تم فرمانبردار ہو۔ میری تحقیقات میں یہی بات آئی ہے کہ سچی تبدیلی کر کے اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی دعا کرے۔ (الحکم ۲۴ر مئی ۱۹۰۱ء)

اِن آیتوں میں ان کلماتِ شریفہ میں اللہ تعالیٰ ایک شخص کی راہ پر چلنے کی ہدایت فرماتا ہے اور وہ انسان اس قسم کا ہے جس کو ہر مذہب و ملّت کے لوگ عموماً یا غالباً عظمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں وہ کون؟ ابوالانبیاء۔ حنفاء کا باپ۔ ابراہیم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام۔ یہ ابراہیمؑ وہ ہے جس کی نسبت اِس سے پہلے فرمایا وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ کہ جب ابراہیمؑ کو اس کے ربّ نے چند باتوں کے بدلے انعام دینا چاہا تو اُس نے اس کو پورا کر دکھایا۔

اللہ تعالیٰ جب انسان کو سچے علوم عطا کرتا ہے اور اس کا ان علوم کے مطابق عمل درآمد ہو پھر اس میں قوّتِ مقناطیسی پیدا ہو جاتی ہے اور نیکیوں کا نمونہ ہو کر دوسروں کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ یہ درجہ اس کو تب ملتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کا وفادار بندہ ہو اور اس کی فرمانبرداری میں ایسا ثابت قدم اور مستقل مزاج ہو کہ رنج میں راحت میں، عُسر میں یُسر میں، باساء میں ضرّاء میں، غرض ہر حالت میں قدم آگے بڑھانے والا ہو اور اللہ جلّ شانہٗ کی وفاداری میں چست ہو۔ اس کو حاجتیں پیش آتی ہیں مگر وہ اس کے ایمان کو ہر حال میں بڑھانے والی ہوتی ہیں کیونکہ بعض وقت حاجت پیش آتی ہے تو دعا کا دروازہ اس پر کھلتا ہے اور توجہ اِلی اللہ اور تضرّع اِلی اللہ کے دروازے اُس پر کھلتے ہیں اور اس طرح

پر وہ حاجتیں مال و جان کی ہوں عزت و آبرو کی ہوں۔ غرض دُنیا کی ہوں یا دین کی اس کے تقرب الی اللہ کا باعث ہو جاتی ہیں کیونکہ جب وہ دعائیں کرتا ہے اور ایک سوز و رقت اور دل گداز طبیعت سے باب اللہ پر گرتا ہے اور اس کے نتیجہ میں کامیاب ہو جاتا ہے تو بابِ شکر اُس پر کھلتا ہے اور پھر وہ سجداتِ شکر بجالا کر ازدیادِ نعمت کا وارث ہوتا ہے جو ثمراتِ شکر میں ہیں اور اگر کسی وقت بظاہر ناکامی ہوتی ہے تو پھر صبر کے دروازے اس پر کھلتے ہیں اور رضا بالقضاء کے ثمرات لینے کو تیار ہوتا ہے اِسی طرح یہ حاجتیں جب کسی بدبخت انسان کو آتی ہیں اور وہ مالی، جانی یا اَور مشکلات میں مُبتلا ہوتا ہے تو یہ حاجتیں اَور بھی اس کی اور مہجوری کا باعث ہو جاتی ہیں کیونکہ وہ بیقرار مُضطرب ہو کر قلق کرتا اور ناامید اور مایوس ہو کر مخلوق کے دروازہ پر گرتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ سے ایسا بیگانہ اور ناآشنا ہوتا ہے کہ ہر قسم کے فریب و دغا سے کام لینا چاہتا ہے اگر کبھی کامیاب ہو جائے تو اس کو اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت کے ذکر اور اس کی حمد و ستائش کا موقع نہیں ملتا بلکہ وہ اپنی کرتوتوں اور فریب و دغا اور چالبازیوں کی تعریف کرتا اور شیخی اور تکبر میں ترقی کرتا اور اپنی حیل و تجاویز پر عجب و ناز کرتا ہے۔ اگر ناکام ہوتا ہے تو رضا بالقضاء کے بدلے اس کی مقادیر کو کوستا اور بُری نگاہ سے دیکھتا اور اپنے رب کا شکوہ کرتا ہے۔ غرض یہ حاجتیں تو سب کو ہیں اور انبیاء، اولیاء و صدیقوں اور تمام مُنعَم علیہ گروہ کے لئے بھی مقدر ہوتی ہیں مگر سعید الفطرت کے لئے وہ تقرب اِلی اللہ کا باعث ہو جاتیں اور اس کو مزید انعامات کا وارث بنا دیتی ہیں اور شقی مُضطرب ہو کر قلق کرتا ہے اور ناکام ہو کر سخط علی اللہ کر بیٹھتا ہے کامیابی پر وہ مُبتلا فی الشرک ہو جاتے ہیں اور ناکامی پر مایوس۔

مشکلات اور حوائج کیوں آتے ہیں۔ ان میں باریک در باریک مصالح الٰہیہ ہوتے ہیں کیونکہ مشکلات میں وسائط کا مہیا کرنا تو ضروری ہوتا ہے۔ اِس سے پتہ لگ سکتا ہے کہ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً (النساء:۸۶) کا ثواب لینا بھی کیسی نعمتِ الٰہی ہے اور پھر ان میں حکمت ہوتی ہے کہ ان خدمات کے ثمرات مساعی جمیلہ ان کی فِکر اور محنت پر اللہ تعالیٰ کو انعام دینا منظور ہوتا ہے اور اِس طرح پر نہ سُننِ الٰہی باطل ہوتے ہیں اور نہ سلسلہ علم ظاہری کا باطل ہوتا ہے۔

غرض سچا اور پکا مومن وہ ہوتا ہے جیسا کہ حضرت امام نے شرائط بیعت میں لکھا ہے کہ رنج میں، راحت میں، عُسر میں، یُسر میں قدم آگے بڑھاوے اِس کا مطلب یہ ہے کہ جب ان امور کا پیش آنا ضروری ہے تو ہر ایک حالت میں فرمانبردار انسان کو چاہیئے کہ ترقی کرتا رہے اور دعاؤں کی طرف توجہ کرے تا کامیابی کی راہیں اسے مِل جائیں اور یہ ساری باتیں ابراہیمی مِلت کے اختیار کرنے سے

پیدا ہوتی ہیں۔

ابراہیمی مِلّت کیا ہے۔یہی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کہا اَسْلِمْ تُو فرمانبردار ہو جا۔انہوں نے کچھ نہیں پُوچھا یہی کہا اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

اِسلام کسی دعوٰی کا نام نہیں بلکہ اسلام یہ ہے کہ اپنی اصلاح کرکے سچا نمونہ ہو صلح و آشتی سے کام لے۔فرمانبردار ہو۔سارے اعضاء قلب، زبان، جوارح، اعمال و اموال انقیادِ الٰہی میں لگ جائیں۔ مُنہ سے مسلمان کہلا لینا آسان ہے۔شرک، حرص، طمع اور جھوٹ سے گریز نہیں۔ زنا، چوری، غفلت اور کینہ، ایذا و رسانی سے دریغ نہیں۔پھر کہتا ہے مَیں فرمانبردار ہوں۔یہ دعوٰی غلط ہے۔کیسا عجیب زمانہ تھا جب یہ دعوٰی کہ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ۔ نَحْنُ لَهٗ عَابِدُوْنَ عَلٰی رُؤُوْسِ الْاَشْهَادِ کئے جاتے تھے۔ایسے پاک مدعیوں کی طرح مومن بننا چاہیئے جن کی تصدیق میں خدا نے بھی فرمایا کہ ہاں سچ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے مخلص عابد ہیں۔مومن کو اَسْلِمْ کہنے کے ساتھ ہی اَسْلَمْتُ کہنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔یہی نکتہ معرفت کا ہے جو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے اور اسی کے نہ سمجھنے کی وجہ سے فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ (مؤمن: ۸۴) کے مصداق ہو جاتے ہیں.....مَیں پھر کہتا ہوں کہ مِلّتِ ابراہیمؑ بڑی عجیب راحت بخش چیز ہے۔وہ ملّت و سیرت کیا ہے؟ اَسْلِمْ فرمانبردار ہو کر چلو۔قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔پھر اس ملّت اور سیرت کو چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شفا بخش رحمت اور نور پایا تھا اِس لئے نہ صرف اپنے ہی لئے اس کو پسند کیا بلکہ وَصّٰی بِهَا اِبْرٰهٖمُ الآیہ اِسی سیرت اور ملّت کی ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کو وصیت کی۔ (الحکم ۱۷ر جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۴)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عمل درآمد اور ان کی تعلیم کا خلاصہ قرآن شریف نے اِن آیات میں بیان فرمایا ہے کہ جیسا اس کے رَبّ نے اُسے کہا اَسْلِمْ تُو فرمانبردار ہو جا تو ابراہیمؑ نے کوئی سوال کسی قسم کا نہیں کیا اور نہ کوئی کیفیت دریافت کی کہ مَیں کِس امر میں فرمانبرداری اختیار کروں بلکہ ہر ایک امر کے لئے خواہ وہ کسی رنگ میں دیا جائے اپنی گردن کو آگے رکھ دیا اور جواب میں کہا اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔کہتے ہیں مَیں تو ربّ العٰلمین کا تابعدار ہو چکا۔ابراہیم علیہ السلام کی یہی فرمانبرداری اپنے رَبّ کے لئے تھی جس نے اُسے خدا کی نظروں میں برگزیدہ بنا دیا۔وہ لوگ جو ابراہیمؑ کا دین یعنی ہر طرح اپنے آپ کو خدا کے سپرد کرنا اختیار نہیں کرتے غلطی کرتے ہیں اور اِسی لئے اللہ تعالیٰ ان کو سفیہ قرار دیتا ہے۔خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اسے دُنیا میں بھی برگزیدہ کیا۔پس وہ لوگ جو کہ دُنیا میں ترقی کرنا چاہتے ہیں وہ غور کریں کہ خدا کی فرمانبرداری سے وہ ابراہیمی مراتب حاصل کر سکتے ہیں

ہر ایک قسم کی عزت ابراہیم علیہ السلام کو حاصل ہے اور یہ سب کچھ اَسْلَمْتُ کا نتیجہ ہے ..... یہ ایک خطرناک مرض ہے کہ بعض لوگ ماموریں کے انذار اور عدمِ انذار کی پرواہ نہیں کرتے۔ اُن کو اپنے علم پر ناز اور تکبر ہوتا ہے اور کہتے ہیں کہ کتابِ الٰہی ہمارے پاس بھی موجود ہے۔ ہم کو بھی نیکی بدی کا علم ہے۔ یہ کونسی نئی بات بتانے آیا ہے کہ ہم اس پر ایمان لاویں۔ اِن کم بختوں کو یہ خیال نہیں آتا کہ یہود کے پاس تو تورات موجود تھی۔ اس پر وہ عمل درآمد بھی رکھتے تھے۔ پھر ان میں بڑے بڑے عالم، زاہد اور عابد موجود تھے۔ پھر وہ کیوں مردُود ہو گئے۔ اِس کا باعث یہی تھا کہ تکبر کرتے تھے۔ اپنے علم پر نازاں تھے اور وہ اطاعت جو کہ خدا تعالیٰ اَسْلِمْ کے لفظ سے چاہتا تھا ان میں نہ تھی۔ ابراہیمؑ کی طرزِ اطاعت جو کہ خدا تعالیٰ اَسْلِمْ کے لفظ سے چاہتا تھا ان میں نہ تھی۔ ابراہیمؑ کی طرزِ اطاعت ترک کر دی۔ یہی بات تھی کہ جس نے ان کو مسیح علیہ السلام اور اس رحمۃٌ للعالمین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے سے جس سے توحید کا چشمہ جاری ہے باز رکھا ..... ابراہیم علیہ السلام اسلام کی وجہ سے دُنیا میں معزز و مکرم ہوئے ..... مسلمان بنو۔ اَسْلِمْ کی آواز پر اَسْلَمْتُ کا جواب عمل سے دو۔ دوست احباب رشتہ داروں اور عزیزوں کو نصیحت کرو کہ اسلام اپنے عمل سے دکھاؤ تمہیں خدا تعالیٰ نے بہت عمدہ موقع دیا ہے کہ ایک شخص خدا تعالیٰ کی طرف سے اپنے وقت پر آیا جو راستبازوں کا پورا نمونہ ہے اور تم میں موجود ہے وہ تم سے بھی چاہتا ہے کہ تم دین کو دُنیا پر مقدم کرو۔ اس پر عمل کرو گے تو ناکام نہ رہو گے۔ مومن کبھی ناشاد نہیں رہ سکتا بلکہ سدا ہی بہشت میں رہتا ہے۔ اس کو دو بہشت ملتے ہیں دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

(الحکم ۲۲؍فروری ۱۹۰۵ء صفحہ ۷، و ۱۷؍مئی ۱۹۰۵ء صفحہ ۶)

جو قربانی کرتا ہے اللہ اس پر خاص فضل کرتا ہے۔ اللہ اس کا ولی بن جاتا ہے پھر اسے محبت کا مظہر بناتا ہے۔ پھر اللہ انہیں عبودیت بخشتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جس میں لامحدود ترقیاں ہو سکتی ہیں چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی کہا گیا اَسْلِمْ تو انہوں نے کہا اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ خیر جب یہ عبودیت کا تعلق مستحکم ہو جاتا ہے تو پھر اس میں عصمت پیدا ہوتی ہے اور خدا اسے تبلیغ کا موقع دیتا ہے پھر اس کو ایک قسم کی وحدت ہو جاتی ہے خواہ کوئی مانے یا نہ مانے۔ اس میں ایک ہمدردی پیدا ہوتی ہے اور وہ قول موجہ سے لوگوں کو امر بالمعروف کرتا ہے پھر وقت آتا ہے جب حکم ہوتا ہے کہ لوگوں سے یُوں کہو۔ جُوں جُوں ترقی کرتا جاتا ہے خدا کا فضل اور درجات بڑھتے جاتے ہیں۔

(بدر ۲۱؍جنوری ۱۹۰۹ء صفحہ ۸)

رشک (غِبْطَۃ) تمام انسانی ترقیات کی جڑ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر رشک کرنا ہے تو ابراہیمؑ

سے کرو۔ دیکھو اُس نے اپنے اخلاص و وفا کے ذریعے کیسے کیسے اعلیٰ مدارج پائے۔ ابراہیمؑ کی ملت سے کون بے رغبت ہو سکتا ہے مگر وہی جس کی دینی و دُنیوی عقل کم ہو۔ اُس کی ملت کیا تھی بس حنیف ہونا۔ حنیف کہتے ہیں ہر امر میں وسطی راہ اختیار کرنے والے کو۔ عربی زبان میں جس کی ٹانگیں ٹیڑھی ہوں اُسے احنف کہتے ہیں۔ اِس واسطے حنیف کے معنے میں بعض لوگوں کو دھوکا ہوا ہے حالانکہ ایسے شخص کو احنف بطور دعا و فال نیک کہتے ہیں۔ ہمارے ملک میں ہر چہ گیرد علتی علت شود کے مریض سید سے کے معنے بھی اُلٹے ہی لیتے ہیں جس آدمی کو سیدھا کہا جاوے گویا اس کے یہ معنے ہیں کہ تم بڑے بیوقوف ہو۔

ابراہیمؑ کی راہ یہ ہے کہ افراط تفریط سے بچے رہنا۔ کسی کی طرف بالکل ہی نہ جھکنا بلکہ دین و دُنیا دونوں کو اپنے اپنے درجہ کے مطابق رکھنا چنانچہ

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (البقرۃ:۲۰۲)

ایک ہی دعا ہے۔ رابعہ بصری ایک عورت گزری ہے ایک دن کسی شخص نے اُن کے سامنے دُنیا کی بہت سی مذمت کی۔ آپ نے توجہ نہ فرمائی لیکن جب دوسرے دن پھر تیسرے دن بھی یونہی کہا تو آپ نے فرمایا اس کو ہماری مجلس سے نکال دو کیونکہ یہ مجھے کوئی بڑا دُنیا پرست معلوم ہوتا ہے جبھی تو اِس کا بار بار ذکر کرتا ہے۔ پس ایک وسطی راہ اختیار کرنا جس میں افراط تفریط نہ ہو ابراہیمی ملت ہے مومن کو یہی راہ اختیار کرنا چاہیئے اور مَیں خدا کی قسم کھا کر شہادت دیتا ہوں کہ ابراہیمؑ کی چال اختیار کرنے سے نہ تو غریب الوطنی ستاتی ہے نہ کوئی اَور حاجت۔ نہ انسان دُنیا میں ذلیل ہوتا ہے نہ آخرت میں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَإِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ وہ دُنیا میں بھی برگزیدہ لوگوں سے تھا اور آخرت میں بھی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ دُنیا میں کیسی ذلت ہو آخرت میں عزت ہو اور بعض آخرت میں کسی عزت کے طالب نہیں یا تھوڑی چیز پر اپنا خوش ہو جانا بیان کرتے چنانچہ ایک دفعہ مَیں نے ایک کتاب میں پڑھا کہ کوئی بزرگ لکھتے ہیں کہ ہمیں تو بہشت میں پھونس کا مکان کافی ہے اور دُنیا کے متعلق لکھا ہے کہ یہاں کفار کوٹھیوں میں رہتے ہیں مسلمانوں کے لئے کچے مکانوں میں رہنا اِسلامیوں کی ہتک ہے۔ اَب مَیں پُوچھتا ہوں کہ جب اِس دُنیا میں وہ اپنی ہتک پسند نہیں کرتا تو اُس عالم میں اپنا ذلیل حالت میں رہنا اُسے کس طرح پسند ہے؟ یہ خیال ابراہیمی چال کے خلاف ہے!

ابراہیمؑ نے جن باتوں سے یہ اِنعام پایا کہ دُنیا و آخرت میں برگزیدہ اور اعلیٰ درجہ کا معزز انسان

ہوئا وہ بہت لمبی ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے ایک ہی لفظ میں سب کو بیان کر دیا کہ

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

پھر انسان کو اپنی بہتری کے ساتھ اپنی اولاد کا اِتنا فِکر ہوتا ہے کہ دن رات اُن کے فکر میں مرتے ہیں اور بعض ایسے کہ اولاد کے متعلق اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

(بدر ۸/۱۶۔ اپریل ۱۹۰۹ء صفحہ ۲)

اِسلام کی حقیقت یہی ہے کہ انسان اپنی ساری قوتوں اور طاقتوں کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے اور اپنی گردن فرمانبرداری کے لئے رکھ دے۔ اپنی خواہش، اپنا ارادہ کچھ باقی نہ رہے اور یہی مومن ہونے کے معنے ہیں۔

اگر مسلمان مسلمان کہلا کر ایمان باللہ کا دعویٰ کر کے اللہ تعالیٰ کے احکام کا جُوآ اپنی گردن پر نہیں رکھتا اور اپنی خواہش اور ارادے کو چھوڑ کر خدا تعالیٰ کی مرضی اور حکم کا پابند اور مطیع نہیں ہوتا تو اس کو اپنے اندر غور کرنا چاہیئے کہ اسلام اور ایمان کے لوازم سے اس نے کیا لیا۔

اور اِس بات کا معلوم کرنا کہ آیا مَیں نے خدا تعالیٰ کے ہاتھ اپنی جان اور مال کو بیچ دیا ہے یا نہیں بڑی صفائی کے ساتھ ہو سکتا ہے اور بہت ہی آسان ہے اگر وہ اپنے ارادوں، اپنی خواہشوں، اپنے دوستوں، اپنی ملکی رسم و رواج، قومی عادات اور شعائر کو مقدّم کرتا ہے اور الٰہی قوانین اور فرامین کی اتنی بڑی پرواہ نہیں کرتا کہ رسم و رواج یا سوسائٹی اور برادری کے اصولوں پر اللہ تعالےٰ کی باتوں کو مقدّم کرے تو اس کو سمجھ لینا چاہیئے کہ اس نے کچھ بھی نہیں بیچا یا کہو کہ مومن اور مسلمان کہلانے کے ساتھ اپنی جان و مال کو بیچ کر بھی اس پر ناجائز تصرّف کیا ہے۔

پس یہ ایک بہت خطرناک اور نازک مقام ہے۔ مسلمان یا مومن باللہ کہلانا آسان ہو تو ہو مگر بننا کارے دارد۔ مسلمان بننے کا نمونہ ابراہیم علیہ السّلام کی زندگی کو دیکھو۔ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

پھر مسلمان بننے کا کامل نمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مشاہدہ کرو۔

غرض مومنوں کے جان و مال اللہ تعالیٰ نے خرید لئے ہیں اور اس کے معاوضہ میں وہ فوزِ عظیم اور وہ عظیم الشان اَبدی راحت اور آسائش کا مقام اللہ نے دیا ہے جس کو جنّت کہتے ہیں۔ اَب جبکہ مومن اپنے ایمان کے اقرار کے ساتھ اپنے جان اور مال بیچ چکے تو پھر اللہ تعالیٰ کی راہ میں ان کے خرچ کرنے سے مضائقہ کیا؟ (الحکم ۱۰ مارچ ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۱)

وَوَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ؕ

اصطفٰی : پسند کیا۔

لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ : موت اختیار میں نہیں۔موت سے پہلے بیہوشی ہو جاتی ہے۔ایسی ایسی حالتوں میں موت آتی ہے کہ اس سے پہلے ایک منٹ اپنے انجام کی خبر نہیں ہوتی۔پھر انسان پر کئی قسم کی حالتیں آتی ہیں باوجود اِس کے ارشاد ہے اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔اِس میں نکتہ یہ ہے کہ انسان موجودہ حالت میں ترقی کرے اور آئندہ بھی نیکی کا ارادہ رکھے جو لوگ کہتے ہیں کہ بدی کرکے توبہ کرلیں گے یا آئندہ من جائیں گے وہ غلطی کرتے ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۸۔ مارچ ۱۹۰۹ء)

ابراہیمؑ کا پوتا یعقوبؑ اپنی اولاد کو مخاطب کرکے کہتا ہے يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ اے میری اولاد اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایک دین برگزیدہ کیا ہے فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ پس تم کو تاکید کرتا ہوں کہ تمہاری موت نہ آوے مگر ایسے رنگ میں کہ تم مسلمان ہو اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے ہو۔

انسان کو موت کا وقت معلوم نہیں اور پتہ نہیں اس وقت حواس درست ہوں یا نہ ہوں اور پھر یہ امر اختیاری نہیں اِس لئے یہ عُقدہ کس طرح حل ہو۔ایک صحیح حدیث نے اِس مسئلہ میں میری راہنمائی کی ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان جب عمل کرتا ہے تو فرشتے اس کے اعمال کو لکھتے جاتے ہیں سعادت کے اعمال بھی اور شقاوت کے اعمال بھی۔اور موت کے قریب اُن کی میزان کی جاتی ہے اور پھر وہ مقادیرِ الٰہیہ سبقت کرتی ہیں۔اگر وہ لوگوں کی نظروں میں نیک تھا پر اللہ سے معاملہ صاف نہیں یا اللہ سے معاملہ صاف ہے مگر لوگوں کی نگاہ میں نہیں تو وہ کتاب باعث ہوتی ہے کہ اس کا خاتمہ اللہ کی رضا یا سخط پر جیسی صورت ہو، ہو۔پس ہر روز اپنے اعمال کا محاسبہ چاہیئے۔ایک صحابیؓ نے ہماری سرکار صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ جاہلیت میں ہم نے کچھ صدقات کئے تھے کیا وہ بابرکات ہوں گے؟

ارشاد ہوا کہ اَسْلَمْتَ عَلٰی مَا اَسْلَفْتَ یہ اسلام ان ہی کی برکت سے تجھے نصیب ہوا ہے موت علی الاسلام اس طرح نصیب ہوسکتی ہے کہ انسان ہر روز محاسبہ کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ سے اپنا معاملہ صاف کرے اگر تعلقاتِ صحیحہ نہ ہوں تو توبہ کے دروازے بند ہوجاتے ہیں۔ (الحکم، ۱۰ جنوری ۱۹۰۳ء)

میرے ایک شیخ تھے وہ فرمایا کرتے تھے کہ غَایَةُ الْعِلْمِ حَیْرَةٌ۔ غرض وہ بات جو خدا تعالیٰ کو پسند ہے جس سے وہ راضی ہوتا اور اپنے فضلوں سے انسان کو بہرہ مند کرتا ہے وہ نہ بہت باتوں سے مل سکتی ہے نہ بہت کتابوں کے پڑھنے سے بلکہ وہ بات تعلق رکھتی ہے دِل سے۔ وہ اس کی ایک کیفیت ہے جس کو عام الفاظ میں وفاداری، اخلاص اور صدق کہہ سکتے ہیں اور یہ کیفیت پیدا ہوتی ہے ماموروں کی اطاعت اور سچی پیروی سے..... ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام جس کی نسل سے ہونے کا آج سب سلطنتیں فخر کرتی ہیں اس نے اس راہ کو اختیار کیا۔ اس نے صدقِ دل سے اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہا اور اسی ایک امر کی اولاد کو وصیت کی۔ نتیجہ کیا ہوا خدا تعالیٰ نے اسے ایسا معزز و مکرم بنایا کہ اس کی اولاد کی گنتی تک نہیں ہوسکتی۔ وہ بادشاہ جو اس کے مقابلہ میں اٹھا آج کوئی اُس کا نام تک بھی نہیں جانتا۔

یقیناً سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کسی کا احسان اپنے ذمہ نہیں رکھتا وہ اس سے ہزاروں لاکھوں گنا زیادہ دے دیتا ہے جس قدر کوئی خدا کے لئے دیتا ہے۔ دیکھو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مکہ میں ایک معمولی کوٹھا چھوڑا تھا لیکن خدا تعالیٰ نے اس کی کس قدر قدر کی۔ اس کے بدلہ میں اسے ایک سلطنت کا مالک بنا دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک اُونٹ چرانے والے کو ایک وسیع مُلک کا خلیفہ بنا دیا۔ جنابِ علیؓ نے خدمت کی اس کی اولاد تک کو مخدوم بنا دیا۔ غرض مَیں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے حضور صدق و اخلاص سے چھوٹی سے چھوٹی خدمت بھی ہزاروں گنا بدلہ پاتی ہے۔ وہ تھوڑی سی بات کا بہت بڑا اجر دے دیتا ہے پھر اس کے ساتھ سچا رشتۂ عبودیت قائم کرتا ہے اس کے عظمت و جلال سے ڈر جاتا ہے۔ دین کو دُنیا پر مقدم کرتا ہے جیسا کہ تم نے اپنے مُرشد و مولیٰ مہدی و مسیح کے ہاتھ پر اقرار کیا ہے تو خدا تعالیٰ اس کی تائید اور نصرت میں ایسا لگ جاتا کہ ؎

برکسے چوں مہربانی مے کنی   از زمینی آسمانی مے کنی

کا اسے سچا مصداق بنا دیتا ہے اِس لئے ضرورت اِس امر کی ہے کہ تم سچ مُچ وہ نمونہ دکھاؤ جو ابراہیم علیہ السلام نے دکھایا۔ کہنے والوں کی آج کمی نہیں۔ تم سے تمہارا اسلام عمل چاہتا ہے عملی حالت درست ہوگی تو خدا تعالیٰ کے بڑے بڑے انعام و اکرام تمہارے شاملِ حال ہوجائیں گے۔ وہ ہزاروں ہزار

ابراہیمؑ بنا سکتا ہے تم ابراہیم بنو بھی۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ابراہیمؑ اور اس کے خاندان نے یہ مجرب نسخہ بتایا کہ تمہاری موت ایسی حالت میں ہو کہ تم مسلمان ہو۔ موت کا کیا پتہ کہ کب آجاوے۔ ہر عمر کے انسان مرتے ہیں بچے، بوڑھے، جوان، ادھیڑ عمر۔ موسم میں جو تغیر ہو رہا ہے وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے انذار ہے۔ شروع سال میں زمینداروں سے سُنا تھا کہ وہ کہتے تھے کہ اس قدر غلہ ہوگا کہ سما نہ سکے گا مگر اب وہی زمیندار کہتے ہیں کہ سردی نے فصلوں کو تباہ کر دیا ہے۔ آئندہ کے لئے خطرات پیدا ہو رہے ہیں اس لئے یہ وقت ہے کہ تم خدا تعالیٰ سے صلح کر لو اور اس ایک ہی مجرب نسخہ کو ہمیشہ مدّنظر رکھو۔

لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ؛ موت کی کوئی خبر نہیں۔ اِس لئے ضروری ہے کہ ہر وقت مسلمان بنے رہو۔ یہ مت سمجھو کہ چھوٹے سے چھوٹے عمل کی کیا ضرورت ہے اور وہ کیا کام آئے گا۔ نہیں۔ خدا تعالیٰ کسی کے عمل کو ضائع نہیں کرتا ..... ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میں جب کافر تھا تو اللہ کی راہ میں خیرات دیا کرتا تھا کیا اُس خیرات کا بھی کوئی نفع مجھے ہوگا۔ فرمایا اَسْلَمْتَ عَلٰی مَا اَسْلَفْتَ تیری وہی نیکی تو تیرے اِس اسلام کا موجب ہوئی۔ خدا تعالیٰ پر سچا ایمان لاؤ اور اس کی سچی فرمانبرداری کے نمونے سے ثابت کرو۔ ٹھیک یاد رکھو کہ ہر نیک بیج کے پھل نیک ہوتے ہیں بُرے بیج کا درخت بُرا پھل دے گا۔؎

گندم از گندم بروید جو ز جو   از مکافاتِ عمل غافل مشو

(الحکم ۱۷ ۔ مئی ۱۹۰۵ء صفحہ ۶)

تنہائی میں بیٹھ کر اگر ایک شخص کے دِل میں یہ خیالات پیدا ہوتے ہیں کہ ایسا مکان ہو، ایسا لباس ہو، ایسا بسترا ہو، ایسے ایسے عیش وعشرت کے سامان موجود ہوں، اِس اِس طرح کے خوشکن آواز میسّر آجاویں تو اس کی موت مسلمان کی موت نہیں ہو سکتی۔ مومن اور مسلمان انسان کی تو ایسی حالت ہو جانی چاہیئے کہ مرتے وقت کوئی غم اور اندیشہ نہ ہو۔ اِسی واسطے فرمایا لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ یعنی فرمانبردار ہو کر مرو۔ کِس کو خبر ہے کہ موت کے وقت اس کی ہوش بھی قائم ہوگی یا نہیں۔ کئی مرنے کے وقت خراٹے لیتے ہیں۔ دہی بلونے کی آواز نکالتے ہیں اور طرح طرح کی سانس لیتے ہیں۔ کئی کُتّے کی طرح ہاہا کرتے ہیں۔ جب یہ حال ہے اور دوسری طرف خدا بھی کہتا ہے کہ مسلمان ہو کر مَرو۔ ایسے ہی رسولؐ نے بھی کہا۔ تو یہ کس کے اختیار میں ہے کہ ایسی موت مَرے جو مسلمان کی موت ہو گھبراہٹ کی موت نہ ہو؟ اس کا ایک سِر ہے کہ جب انسان سُکھ میں اور عیش وعشرت اور ہر طرح کے آرام میں ہوتا ہے۔ سب قویٰ اس میں موجود ہوتے ہیں۔ کوئی مصیبت نہیں ہوتی۔ اس وقت استطاعت

اور مقدرت ہوتی ہے جو خدا کے حکم کی نافرمانی کرکے حظِ نفس کو پورا کرے اور کچھ دن کے لئے اپنے نفس کو آرام دے لے۔ پر اگر اس وقت خدا کے خوف سے بدی سے بچ جاوے اور اسکے احکام پر نگاہ رکھے تو اللہ ایسے شخص کو وہ موت دیتا ہے جو مسلمان کی موت ہوتی ہے۔ اگر وہ اس وقت مرے گا جبکہ مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ یعنی جب اس کی ترازو زوروالی ہوگی تو وہ بامُراد ہوگا اور مسلمان کی موت مرے گا ورنہ ہم نے دیکھا ہے کہ مرتے وقت عورتیں پوچھتی ہی رہتی ہیں کہ میں کون ہوں؟ دوسری کہتی ہے دس خاں میں کون ہوں؟ تیسری پوچھتی ہے دستو خاں جی میں کون ہُوں؟ اور اسی میں ان کی جان نکل جاتی ہے۔ (الحکم ۲۱ ؍ اگست ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۱)

ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کی بہتری چاہی تو اس کے لئے ایک وصیت کی يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ اے میرے بچو! اللہ نے تمہارے لئے ایک دین پسند فرمایا پس تم فرمانبرداری کی حالت میں مرو۔ کئی لوگ ایسے ہیں جو گناہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پھر توبہ کریں گے مگر یہ غلطی ہے کیونکہ عمر کا کچھ بھروسہ نہیں۔

(بدر ۸ ؍ ۱۵ ؍ اپریل ۱۹۰۹ء صفحہ ۲)

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ۭ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝۱۳۳

کیا تم حاضر تھے جس وقت پہنچی یعقوبؑ کو موت؟ جب کہا اپنے بیٹوں کو کہ تم کیا پوجوگے میرے پیچھے؟ بولے ہم عبادت کریں گے تیرے اور تیرے باپ دادوں کے رب کی۔ ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ کا وہی ایک رب ہے اور ہم اسی کے حکم پر ہیں۔ (فصل الخطاب حصہ اوّل صفحہ ۵)

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ (الآیہ) تم تو موجود تھے تمہارے اسلاف گواہی دیتے ہیں کہ یعقوبؑ نے آخر وقت کیا ارشاد کیا۔ کس کی اطاعت کروگے؟ انہوں نے کہا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ ہم اللہ کے فرمانبردار

ہوں گے جو تمہارا اور اسحٰقؑ اور ابراہیمؑ کا معبود تھا۔ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ہم ہمیشہ اسی کے فرمانبردار رہیں گے۔ پس یہ حق وصیت کا ہے اور تمام وعظوں کا عطر اور اصل مقصد یہی ہے جو تمہارے سامنے پیش کیا ہے اور یہ وصیت ہے اس شخص کی جو ابوالانبیاء اور ابوالحنفاء ہے۔

اور اسی کی وصیت کو مَیں نے تمہارے سامنے پیش کیا ہے پس تم اپنے کھانے پینے، لباس، محبت، رنج، راحت، عُسر، یُسر، افلاس، دولتمندی، موت اور مرض، مقدمات و صُلح میں اس اصول کو مدِنظر رکھو کہ اللہ کی فرمانبرداری سے کوئی قدم باہر نہ ہو پس یہ وصیت تمام وصیتوں کی ماں ہے اللہ تعالیٰ تمہیں توفیق دے کہ ہر حال میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری مدِنظر ہو اور یہ ہو نہیں سکتی جب اللہ تعالیٰ سے بغاوت ہو اور یہ بھی بغاوت ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک کو بڑا بناتا ہے اور اس کو برگزیدہ کرتا ہے مگر یہ اس کی مخالفت کرتا اور اس سے انکار کرتا ہے۔ برہموؤں نے اسی قسم کا دعویٰ کیا ہے جو وہ رسالت اور نبوت کے مُنکر ہیں۔ یہ بغاوت ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ مطاع ہو اور وہ گویا ارادۂ الٰہی کا دشمن اور باغی ہے۔

پس اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی دعا کرو علوم پر نازاں اور گھمنڈ نہ کرو۔ رنج راحت میں اور عُسر یُسر میں قدم آگے بڑھاؤ۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۲۔ ۱۷ جنوری ۱۹۰۳ء)

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا : فرماتا ہے کہ یہودی و نصرانی بننے میں بھلائی نہیں بلکہ مومن کی شان یہ ہے کہ فرمانبرداری کرے جس جس وقت جناب الٰہی کوئی حکم دیں مان لے۔ اس میں ان لوگوں کا رَدّ بھی ہے جو کہتے ہیں کہ ہم اپنے نبی کو مانتے ہیں ہمارے پاس کتاب ہے ہمیں کسی اَور امام یا مجدد یا ہدایت یا وحی کی ضرورت نہیں۔ مومن کی شان تو یہ ہے کہ ہم ایمان لائے جو پہلے اُتر چکا اور جو اَب ہماری طرف اُترا ہم اَب بھی نہیں کریں گے کہ بعض احکام کو یا انبیاء کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں۔

سوائے اِسلام کے کسی نے اِس اصل سے فائدہ نہیں اُٹھایا کہ اپنے سے پہلے تمام انبیاء اور

ان کی تعلیمات کو بھی سچا مانتا ہے اور موجودہ کو بھی اور بعد آنے والی ہدایتوں پر بھی ایمان لانے کی ہدایت کرتا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۸ مارچ ۱۹۰۹ء)

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ: کہو ہم نے یقین کیا اللہ پر اور جو اُترا ہم پر اور جو اُترا ابراہیمؑ پر۔ (فصل الخطاب حصہ دوم صفحہ ۱۴۲)

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۸﴾

پھر اگر وہ بھی یقین لاویں جس طرح پر تم یقین لائے تو راہ پاویں اور اگر پھر جاویں تو اب وہی ہیں ضد پر۔ سو اب کفایت ہے تیری طرف سے ان کو اللہ اور وہی ہے سُنتا جانتا۔

(فصل الخطاب حصہ دوم صفحہ ۹۹)

فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ: یہ ایک پیشگوئی ہے کہ سارا جہان ایک طرف ہو اور تُو اکیلا ایک طرف۔ سب کے مقابلہ میں صرف ہم تیرے لئے کافی ہیں۔ رکوع اوّل میں ایک پیشگوئی ہے اُولٰٓئِكَ

ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ یعنی مظفر و منصور رہوں گے۔

دوسری پیشگوئی۔ بَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَھُمْ جَنّٰتٍ چنانچہ اِس دُنیا میں ان کو باغات ملے۔

تیسری پیشگوئی۔ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ چنانچہ وہ خوف جاتا رہا نہ صحابہؓ صرف خود امن میں ہوئے بلکہ دوسروں کے امن کا موجب ہوئے۔

چوتھی پیشگوئی۔ اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ جدھر صحابہؓ نے قدم اُٹھایا وہی ملک تصرف میں آیا۔

پانچویں پیشگوئی۔ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا چنانچہ ماننے والوں کو بشارتیں عطا ہوئیں اور منکروں کو سزائیں ہوئیں۔

چھٹی پیشگوئی یہ ہے جو اُوپر بیان ہوئی۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۸؍ مارچ ۱۹۰۹ء)

یُوں تو قرآن مجید کا لفظ لفظ اعجاز ہے اور آیت آیت نشان لیکن اِس سے پہلے پارہ میں یہ سات پیشگوئیاں بہت زبردست ہیں:۔

۱۔ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ۔ جو ایمان لائے جنہوں نے عمل صالح کئے ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بڑی بہہ رہی ہیں۔ دُنیا میں اِس کا نظارہ یُوں نظر آیا کہ وہ تمام ممالک جو بوجہ اپنے باغات اپنی زرخیز زمین اور چشموں اور نہروں کے مشہور رہیں مسلمانوں کے قبضے میں آئے اور ایک مُلک کے بعد دوسرا مُلک اسی جیسا جب فتح کرتے اور یہ فتوحات پیہم ہوتی تھیں تو اِس آیت کے معنے کُھلتے تھے۔ کُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْھَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا ھٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِھًا یعنی جب جنت سے کوئی پھل ان کو دیا جائے گا تو وہ پکار اُٹھیں گے یہ تو وہی ہے جو پہلے ہم کو دیا جا چکا ہے اور دیئے جائیں گے اس جیسا اَور۔

دوم۔ اُولٰٓئِكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ یعنی جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ اللہ کے دیئے سے دیتے ہیں اور جو ایمان لاتے ہیں اُس پر جو تیری طرف اُتارا گیا اور جو کچھ تجھ سے پہلے نازل کیا گیا اور آخرت پر یقین لاتے ہیں یعنی مسلمان ہی مظفر و منصور ہوں گے چنانچہ آخر ایک زمانہ نے دیکھا کہ صحابہؓ اپنے تمام مخالفین پر فتحیاب ہوئے اور اپنی ہر ایک آرزو میں کامیاب

ہوئے۔

سوم۔ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ جس قدر خوف صحابہؓ کو درپیش تھے آخر وہ سب کے سب جاتے رہے۔ وہ سعادت مند لوگ نہ صرف خود امن میں ہوئے بلکہ ایک جہان میں امن پھیلا۔ جو خوف پیش آیا وہ دُور کیا گیا اور کوئی حُزن نہ تھا جو ان کے لئے قائم رہتا۔

چہارم۔ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا۔ یعنی اے نبی ہم نے تجھے حق کے ساتھ بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بھیجا چنانچہ ماننے والوں کو بشارتیں عطا ہوئیں اور مُنکروں کو سزائیں ملیں۔ یہ نظارہ بھی ایک دُنیا نے دیکھا۔

پنجم۔ وَلِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ مشرق اور مغرب اللہ کا ہے پس اے صحابہؓ جدھر تمہارا رُخ اُدھر ہی اللہ کا رُخ۔ اللہ تعالیٰ کشائش والا اور جاننے والا ہے۔ اِس آیت میں جو پیشگوئی تھی وہ جس شان و شوکت سے پُوری ہوئی بڑے بڑے معاندین و مخالفین اس کے قائل ہیں۔ صحابہؓ کو خدا نے وہ عزم، وہ ہمت، وہ برکت دی کہ جدھر انہوں نے گھوڑوں کی باگیں اُٹھائیں۔ فتح و ظفر استقبال کو آئی جس ملک پر فوج کشی کی فوراً تصرف میں آیا۔

ششم۔ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا ھُمْ فِیْ شِقَاقٍ فَسَیَکْفِیْکَھُمُ اللّٰہُ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ یعنی اگر یہ کفار روگردانی کرتے ہیں تو سوا اس کے اَور کوئی بات نہیں کہ یہ پرلے درجے کی مخالفت و ضد میں ہے۔ ان سب کے لئے اللہ تجھے کافی ہے اور وہ سمیع علیم ہے۔

اللہ اللہ تمام عمائد و رؤساءِ مکہ بلکہ بڑی بڑی ملکِ عرب کی بہادر قومیں ایک طرف۔ عرب ہی کی نہیں بلکہ ان کے ساتھ ایران و شام والوں نے بھی بڑا بڑا زور لگایا اور انہوں نے اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ نہ صرف مال بلکہ اپنی جان تک ضائع کرنے سے انہوں نے دریغ نہیں کیا لیکن اِس ساری جدّ و جہد کا نتیجہ یہ نکلا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کامیاب ہوئے اور یہ تمام مخالفین ناکام۔ سارا جہان ایک طرف اور محمدِ عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک طرف۔ ایک اللہ نے سب کے مقابل میں کیسی کفایت کی۔ تاریخ عالم اِس پر شاہد ہے ہمیں ظاہر کرنے کی حاجت نہیں۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۷ نمبر ۷ صفحہ ۳۲۵ تا ۳۲۷)

صِبْغَۃَ اللّٰہِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَۃً

وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَهُوَ

رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ

وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾

صِبْغَةَ اللّٰهِ : الٰہی رنگ میں رنگین ہو جاؤ۔

اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ : مسلمانوں کے خدا پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ اسے تمام خوبیوں کا صاحب اور تمام عیبوں، نقصوں، کمزوریوں سے منزہ مانتے ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۸ر مارچ ۱۹۰۹ء)

الجزء الثانی

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ

عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ۚ قُلْ لِّلّٰهِ

الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا

لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ

عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۚ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ

كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ

يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ۚ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى

الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ

اِيْمَانَكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۴﴾

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ : یہ بڑی یاد رکھنے والی بات ہے کہ صرف عیب چینی بہت بُری بات ہے۔ مَیں چھوٹا بچہ تھا تو ایک کتاب مَیں نے پڑھی جس کا نام "دِل بہلاؤ" تھا۔ اس میں سے دُو کہانیاں مجھے یاد ہیں ایک یہ کہ حضرت مسیح کہیں جا رہے تھے آپ نے ایک مُردہ کُتا دیکھا تو کسی نے کہا کہ دیکھئے کیا خراب شکل ہے۔ آپ نے فرمایا اِس کے دانت بہت خوبصورت ہیں۔ کتاب والا اِس کہانی سے یہ عمدہ نتیجہ نکالتا ہے کہ اچھے آدمی خوبیوں کی طرف نظر رکھتے ہیں مگر بُرے جنہیں مَیں بدقسمت کہوں گا نکتہ چینیوں کی طرف جُھک جاتے ہیں۔

پھر ایک اَور کہانی لکھی ہے کہ ایک سؤر آتا تھا حضرت مسیح دیوار کی طرف ہو گئے اور کہا کہ آپ سلامتی سے نکل جاویں۔ کسی نے کہا کہ سؤر سے ایسا اَدب۔ فرمایا مَیں زبان کو درست رکھتا ہوں۔

تینؔ قومیں دُنیا میں ہیں ایک عیسائی۔ انہوں نے تمام انبیاء کے معاصی کو بیان کرنے کا ٹھیکہ لیا ہے۔ معصوم نبی کے نام سے جو رسالے نکلتے رہتے ہیں ان میں مقدس لوگوں کی اِس قدر عیب چینیاں ہوتی ہیں کہ ان کو دیکھ دیکھ کر ہماری کتابوں میں بھی بدگمانیاں پھیل گئی ہیں۔ اِس کا نتیجہ دیکھو کہ خود یہ قوم فسق وفجور میں مُبتلا ہو گئی ہے حتّٰی کہ شریعت کے قانون کا نام لعنت رکھا ہے اور زنا کوئی جُرم ہی نہیں۔

دوؔم۔ بدقسمتی سے مسلمانوں میں چند شریر النفس لوگوں نے دُنیا کے لئے دین کا جھوٹا پیرایہ اختیار کر کے غلط فہمیاں پھیلائیں اور مومنوں کے دُو فریقوں میں سے ایک کی عیب چینی کر کے ان میں فساد ڈلوا دیا۔ یہ لوگ تمام صحابہؓ، تابعینؒ، ازواج النبیؐ کو فاسق، فاجر، ظالم، کافر کہتے ہیں حتّٰی کہ ان کے ایک مفسّر نے لکھا ہے آدمؑ سے لیکر اینڈم تک کوئی گناہ نہیں جس کا مُرتکب عُمرؓ نہیں اور دوسرے بدبخت تمام اہلِ بیت پر تبرا کرتے ہیں۔

تیسری قوم آریہ کی ہے ان کی نظر بھی عیب ہی پر پڑتی ہے اپنی خوبی کے اظہار کا کوئی ذریعہ نہیں۔ ہاں دوسرے مقدسوں کو گالیاں سُناتے ہیں۔ اِس کی سزا انہیں یہ ملی کہ خود نیوگ کا مسئلہ ان میں جاری ہؤا جو فسق وفجور کی جڑ ہے۔

یہ تین قومیں مَیں نے دیکھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! کہ انہوں نے اس بدگوئی کا نتیجہ نیک نہیں

اُٹھایا۔ اَب مَیں دیکھتا ہوں کہ بہت سے لوگوں کو عیب شماری کا شوق ہے مگر مَیں سچ کہتا ہوں اور اپنے مشاہدہ سے کہتا ہوں کہ جو دوسروں کے عیب ازراہِ تحقیر نکالتا ہے وہ مرتا نہیں جب تک خود اس عیب میں مُبتلا نہ ہو جائے۔ اِس رکوع میں بھی ایسے ہی لوگوں کا ذکر ہے۔

سُفَهَآءَ: جمع سَفِیْہ۔ ثَوْبٌ سَفِیْنَۃٌ وہ ردّی کپڑا جو بہت ہی خراب ہو۔ سفیہ کہتے ہیں اُس شخص کو جو دینی دنیوی عقل عمدہ نہ رکھتا ہو۔ قرآن کریم میں ہے لَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمْ (النسآء:۶) یہ کام سفہاء کا ہے کہ دوسرے کی عیب شماری کرتے رہیں اور ہروقت اعتراض ہی کرتے رہیں۔۔۔۔۔

مَا وَلّٰىهُمْ: کس چیز نے ہٹا دیا ان کو۔

كَذٰلِكَ: بہ سبب ایسی ہی باتوں کے۔ اسی لئے انہی تدبیروں سے۔ یہاں كَذٰلِكَ کے یہی معنے ہیں۔

اُمَّةً وَّسَطًا: اعلیٰ درجہ کے لوگ۔

شُهَدَآءَ: نگران

لِنَعْلَمَ: تاہم دیکھیں۔

مِمَّنْ: ان لوگوں سے الگ کرکے۔

اِيْمَانَكُمْ: تمہاری نمازوں کو۔

حضرت نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) مکہ معظمہ میں تھے اس وقت بیت المقدس کی طرف مُنہ کرکے نماز پڑھتے تھے۔ ہرقوم میں ایک نہ ایک مسئلہ بہت عزیز ہوتا ہے اور اس پر سب قوم متفق ہوتی ہے۔ دیکھو ہندو ہیں ان میں جھوٹ، فریب، دغا، زنا، شراب سب کچھ ہے مگر ایک مسئلہ ہے ان میں قومیّت کا کہ برہمن کھتریوں سے بیاہ نہ کرے۔ کھتری شودروں سے الگ رہیں۔ اِس مسئلے کے کوئی خلاف نہیں کرتے۔

ایک مسلمان جھوٹ بول لے، چوری کرے، دغا دے، حرام خوری سے مال چھین لے سب کچھ کرے مگر مسلمان ہی سمجھا جاتا ہے لیکن اگر کوئی مسلمان سؤر کھالے تو مَیں نہیں سمجھتا اسے کوئی مسلمان سمجھے حالانکہ دوسری حرام چیزوں کے مرتکب ہونے سے ایسا نہیں سمجھا جاتا۔

اِسی طرح عرب والوں میں ایک مسئلہ تھا اور وہ مکہ معظمہ کی تعظیم کا تھا۔ وہ ہربدی کا ارتکاب کرلیتے تھے مگر کبھی مکہ پر چڑھائی نہ کرتے۔ چڑھائی تو درکنار اس کے حدود میں شکار نہ کرتے۔ کوئی پناہ لیتا تو پھر اس سے تعرض نہ کرتے۔ قرآن کریم میں اِسی لئے اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّ اٰمَنَهُمْ

مِّنۡ خَوۡفٍ (القریش : ۵) اور یُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنۡ حَوۡلِهِمۡ (العنکبوت : ۶۸) فرمایا۔ یہاں تک ادب تھا کہ مکہ میں آمد و رفت کے دنوں میں تمام جنگ موقوف ہو جاتے تھے۔

ایسے موقعہ پر اللہ نے دِل میں ڈالا کہ مکہ قبلہ ہونا چاہیئے مگر چونکہ وہاں بُت پرستی تھی اور یہ دین محض توحید تھا اِس لئے پہلے اجازت نہیں ملی۔ پھر جب مدینہ میں گئے تو وہاں یہودی بَیت المقدس کی تعظیم کرتے تھے۔ اس وقت ارشادِ باری تعالیٰ ہوُا کہ مکہ کو قبلہ بنایا جائے تا معلوم ہو کہ مَنۡ یَّتَّبِعُ الرَّسُوۡلَ۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۵۔ مارچ ۱۹۰۹ء)

دو قسم کے اہلِ مذاہب ہیں ایک اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرنے والے دوسرے مذاہب پر عیب چینی کرنے والے آخر الذکر جھوٹے ہیں۔ عَنۡ قِبۡلَتِهِمُ الَّتِیۡ كَانُوۡا عَلَیۡهَا یہ طعنہ دیا کفار نے کہ ان مسلمانوں کا مرکز تو مکہ تھا کیوں ان کو وہاں سے نکال دیا گیا۔ جواب دیا گیا مشرق و مغرب اللہ کا ہے عنقریب فتح ہوگا۔

شُهَدَآءَ : بادشاہ۔ سبعہ معلقہ کا ایک شعر اِس پر گواہ ہے۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۰)

اور وہ قبلہ جو ہم نے ٹھہرایا جس پر تو تھا نہیں مگر اسی واسطے کہ معلوم کریں کون تابع ہے رسول کا اور کون پھر جاوے گا اُلٹے پاؤں۔ (فصل الخطاب حصّہ دوم صفحہ ۱۲۹)

اور نہیں کیا تھا ہم نے وہ قبلہ جس پر تو تھا مگر اِس لئے کہ ظاہر ہو جاوے کہ کون رسول کے تابع ہے اُس سے جو پھر جاتا ہے ایڑی پر۔ (فصل الخطاب حصّہ دوم صفحہ ۱۷۱)

تحویلِ قبلہ کے بارے میں بہت سی بحثیں ہیں اور آجکل تو زیادہ تر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ مسلمان کعبہ کی عبادت کرتے ہیں جو بالکل غلط ہے کیونکہ عبادت تو یہ ہے کہ جلبِ نفع و دفعِ مضرت کے خیال سے کسی کی غایت درجہ تعظیم کی جائے اور کعبہ نہ تو نافع ہے نہ ضار۔ پس عبادت کعبہ کی نہیں کی جاتی بلکہ رَبّ الکعبہ کی۔

۲۔ ساری نماز پر اوّل سے آخر تک غور کر لو کعبہ کی مدح و ثناء اس میں کہیں بھی نہیں۔

۳۔ عبادت کی جاتی ہے اس کی جو حُسن و احسان کا سرچشمہ ہو، جو صمد ہو مگر کعبہ اس کا مصداق نہیں۔

۴۔ کسی کی طرف مُنہ کرنا یہ امر کوئی عبادت نہیں کہلاتا کیونکہ تمام آدمی آخر کسی نہ کسی طرف مُنہ کرکے ہی کھڑے ہوتے ہیں پھر نماز میں نیّت استقبال اِلی القبلہ شرط نہیں۔

۵- ایک حکم ہوتا ہے ایک حاکم۔ پس ہم تو حاکم کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں اور اِس طرح پر قبلہ رُخ نماز ادا کرنا خانہ کعبہ کی عبادت نہیں بلکہ اس حکم کے دینے والے کی عبادت ہے۔

۶- اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ میں اقرار کیا جاتا ہے کہ زبان و دیگر جوارح سے اُسے ربّ العٰلمین، الرحمٰن، الرحیم، مالکِ یوم الدین تیری ہی عبادت کرتا ہوں پس قبلہ رُخ ہونا کعبہ کی پرستش کس طرح بن سکتا ہے اور نماز شروع کرتے ہی اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ (الانعام: ۸۰) پڑھا جاتا ہے جس سے تمام ایسے اعتراض رفع ہو جاتے ہیں اور ان کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

۷- اِس کعبہ کی نسبت بائبل میں بھی بہت سی پیشگوئیاں پائی جاتی ہیں اور انہی میں حضرت ہاجرہؑ حضرت اسمٰعیلؑ اور پھر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ذکر ہے ملاحظہ ہو پیدائش باب ۱۶ آیت ۱۰ پھر خداوند کے فرشتے نے اسے (ہاجرہ کو) کہا کہ میں تیری اولاد کو بہت بڑھاؤں گا کہ وہ کثرت سے گنی نہ جائے۔ پھر دیکھو ۱۷ باب اور پھر ابراہیمؑ نے خدا سے کہا کہ اسمٰعیلؑ تیرے حضور جیتا رہے اور اسمٰعیلؑ کے حق میں میں نے تیری سُنی۔ دیکھو میں اسے برکت دوں گا اور اسے بہرہ مند کروں گا اور بہت بڑھاؤں گا۔

(ا) یسعیاہ باب ۴۲ پڑھئے "دیکھو میرا بندہ جسے میں سنبھالتا۔ میرا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے میں نے اپنی رُوح اس پر رکھی وہ قوموں کے درمیان عدالت جاری کرائے گا۔ وہ نہ چِلّائے گا اپنی صدا بلند نہ کرے گا اور اپنی آواز بازاروں میں نہ سُنائے گا۔ وہ مَسلے ہوئے سِینٹھے کو نہ توڑے گا اور دُھکتی ہوئی بتی کو نہ بُجھائے گا۔ وہ عدالت کو جاری کرائے گا کہ دائم رہے۔ اس کا زوال نہ ہوگا نہ مَسلا جائے گا جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے اور بحری ممالک اس کی شریعت کی راہ تکیں۔"

(ب) میں خداوند نے تجھے صداقت کے لئے بُلایا میں تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تیری حفاظت کروں گا اور لوگوں کے عہد اور قوموں کے نُور کے لئے تجھے دوں گا۔"

(ج) اے بحری ممالک اور ان کے باشندو! تم زمین پر سرتاسر اسی کی ستائش کرو۔ بیابان اور اس کی بستیاں قیدار کے آباد دیہات اپنی آواز بلند کریں گے۔ سلع کے بسنے والے ایک گیت گائیں گے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں گے۔ وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں گے۔ بحری ممالک میں اس کی ثناء خوانی کریں گے۔ خداوند ایک بہادر کی طرح نکلے گا۔ وہ جنگی مَرد کی مانند اپنی غیرت کو اسکائے گا۔ وہ چِلّائے گا۔ ہاں وہ جنگ کے لئے بُلائے گا۔ وہ اپنے دشمنوں پر بھاری کرے گا۔

(۵) خداوند اپنی صداقت کے سبب راضی ہؤا۔ وہ شریعت کو بزرگی دے گا اور اسے عزت بخشے گا۔

(۵) کیونکہ انہوں نے نہ چاہا کہ اس کی راہوں پر چلیں۔ وہ اس کی شریعت کے شنوانہ ہوئے اِس لیئے اس نے اپنے قہر کا شعلہ اور جنگ کا غضب اس پر ڈالا۔

یہ آیت پکار پکار کر بتلا رہی ہے کہ موسوی شریعت کے بعد پھر ایک کامل شریعت بنی آدم کو ملنے والی ہے اور وہ ملکِ عرب میں ہوگی اور نئے سرے سے خدا کی توحید قائم ہوگی جو اس کی مخالفت کرے گا وہ پیسا جائے گا اور ہلاک ہوگا۔

پھر پڑھو ساٹھواں باب۔ "مَیں اپنی شوکت کے گھر کو بزرگی دوں گا...... اس کے بدلے تُو ترک کی گئی اور تجھ سے نفرت ہوئی۔ ایسا کہ کسی آدمی نے تیری طرف گزر بھی نہیں کیا۔ مَیں تجھے شرافتِ دائمی اور پُشت در پُشت لوگوں کا سردار بناؤں گا...... آگے کو کبھی تیری سرزمین میں ظلم (بُت پرستی) کی آواز سُنی نہ جائے گی اور نہ کہ تیری سرحدوں میں خرابی یا بربادی کی۔ تُو اپنی دیواروں کا نام نجات اور اپنے دروازوں کا نام ستودگی رکھے گی...... تیرا سُورج پھر کبھی نہ ڈھلے گا اور تیرے چاند کو زوال نہ ہوگا کیونکہ خداوند تیرا اَبدی نُور ہوگا اور تیرے نام کے دن آخر ہو جائیں گے اور تیرے لوگ سب کے سب راستباز ہوں گے۔ وہ اَبد تک سرزمین کے وارث اور میری لگائی ہوئی ٹہنی اور میرے ہاتھ کی کاریگری ٹھہریں گے تاکہ میری بزرگی ظاہر ہو۔ ایک چھوٹے سے ایک ہزار ہوں گے اور ایک حقیر سے ایک قوی گروہ ہوگی۔ مَیں خداوند اس کے عین وقت میں یہ سب کچھ جلد کروں گا۔"

تمام قوموں کو دیکھ لو اور بیت اللہ صرف مسلمانوں ہی کے قبضے میں ہے اور وہیں سے بُت پرستی کا نام و نشان تک مٹایا گیا اور وہی ایک سے ہزار ہوئے اور حقیر تھے پھر قوی بنے۔ پھر اعمال باب۳ پڑھیئے "اور متوجہ ہو کہ تمہارے گناہ مٹائے جائیں تاکہ خداوند کے حضور سے تازگی بخش ایام آئیں اور یسوع مسیح کو پھر بھیجے جس کی منادی تم لوگوں کے درمیان آگے سے ہوئی۔ ضرور ہے کہ آسمان اسے لیئے رہے اس وقت تک کہ سب چیزیں جن کا ذکر خدا نے اپنے سب پاک نبیوں کی زبانی شروع سے کیا اپنی حالت پر آئیں کیونکہ موسیٰؑ نے باپ دادوں سے کہا کہ خداوند جو تمہارا خدا ہے تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لیئے ایک نبی میری مانند اُٹھائے گا۔ جو کچھ کہ وہ تمہیں کہے اس کی سب سُنو۔ اور ایسا ہوگا کہ ہر نفس جو اس نبی کی نہ سُنے وہ قوم میں سے نیست کیا جائے گا۔"

خوب غور کر کے دیکھ لو کہ مسیحؑ کے دوبارہ نزول سے پہلے حضرت موسیٰؑ کی پیشگوئی کے مطابق

بنی اسحٰقؑ سے نہیں بلکہ بنی اسمٰعیلؑ سے ایک نبی ضرور مبعوث ہونے والا تھا۔ یہ ایسی صاف اور صریح پیشگوئی ہے۔ اِس کی کوئی تاویل نہیں ہوسکتی۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۷ نمبر ۷ صفحہ ۳۲۸ تا ۳۳۱)

۱۴۵۔ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۵﴾

تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ: تیری توجہ اِس بات کی طرف کہ آسمان سے وحی نازل ہو اور آخری قبلہ کھلے۔
(اخبار بدر قادیان ۲۵ مارچ ۱۹۰۹ء)

تَقَلُّبَ وَجْهِكَ: جنابِ الٰہی سے کام کرانے کے لئے بڑی توجہ کی ضرورت ہے۔
اَنَّهُ الْحَقُّ: یعنی مکہ فتح ہو جائے گا۔
(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۰)

۱۴۶۔ وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ

اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۴۶﴾

بِکُلِّ اٰیَۃٍ : ۲۱ باب پیدائش۔ یسعیاہ: ۴۲، ۴۵، ۶۰۔ بیت اللہ کے اعزاز کی بہت سی پیشگوئیاں ہیں جو مکہ کے متعلق ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم خواہ کس قدر آیات پیش کرو یہ مانیں گے نہیں۔ تیری کیا مانیں جو ان میں اپنا اتفاق نہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۵ مارچ ۱۹۰۹ء)

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ ۭ وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْھُمْ لَیَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۷﴾

یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ : انسان بیٹے کو پہچانتا ہے اور اسے اپنا بیٹا مانتا ہے حالانکہ اگر شک کرنے لگے تو پھر مشکلات کا سامنا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ اس کے نطفے سے نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اتنی حد تک تو ہم سمجھا چکے ہیں کہ جتنی حد تک بیٹے کے لئے ثبوت درکار ہے اور اگر شک کرنے لگے تو پھر کئی شبہات ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۵ مارچ ۱۹۰۹ء)

یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ : قرائن سے اپنی اولاد کو پہچانتا ہے۔ شبہ تو ہو سکتا ہے۔
(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۰)

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ﴿۱۴۸﴾

اس سوال کے جواب میں کہ "ہادیٔ اسلام متشکک تھے" تحریر فرمایا :-

" بڑی دلیل سائل کی سورۂ بقرہ کی آیتِ ذیل ہے :

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ

سو اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ لَا تَکُوْنَنَّ نفی کا صیغہ ہے نہ نہی کا اور تاکید کے واسطے نونِ مشدد اس کے آخر زیادہ کیا گیا تو لَا تَکُوْنَنَّ ہو گیا۔ مشدد نون ماضی اور حال پر نہیں آ سکتا پس لَا تَکُوْنَنَّ

استقبال کا صیغہ ہو گا۔ اب اِس تحقیق پر آیت کے یہ معنے ہوں گے۔

یہ حق ہے تیرے رَبّ کی طرف سے (چونکہ الٰہی الہام اور دلائل سے یہ حق ثابت ہو گیا) تو تُو کبھی شک کرنے والوں میں سے نہ ہو گا۔

دوسرا جواب: ہم نے مانا لَا تَکُوْنَنَّ نفی نہیں نہی کا صیغہ ہے مگر ہم کہتے ہیں نہی دُو قسم کی ہوتی ہے ایک طلب ترک فعل۔ دوم طلب عدم فعل۔ سائل کا اِعتراض اِس صورت میں ہے کہ یہاں نہی کو بعرض طلب ترک فعل لیا جاوے جس کا یہ مطلب ہے کہ مخاطب فعل شک کو ترک کر دیوے مگر ہم کہتے ہیں یہاں شک معدوم ہے اور نہی کا منشاء یہ ہے کہ جیسے شک معدوم ہے آئندہ بھی معدوم رہے۔

تیسرا جواب: سائل۔ یہاں آیت فَلَا تَکُوْنَنَّ میں ایسا کون سا امر ہے جس کے باعث ہم کو خواہ مخواہ ماننا پڑے گا کہ لَا تَکُوْنَنَّ کے مخاطب ہادیٔ اِسلام ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہم کہہ سکتے ہیں بدلائل مذکورہ سابقہ حضور علیہ السّلام کو اپنی رسالت پر یقین تھا اور قرآن کریم میں اختلاف نہیں۔

اِس لئے ثابت ہُوا لَا تَکُوْنَنَّ کا مخاطب کوئی متردّد اور شک کرنے والا آدمی ہے نہ حضور علیہ السّلام۔

چوتھا جواب: ہم نے مانا اِس جُملہ لَا تَکُوْنَنَّ کے مخاطب ہمارے ہادی علیہ السّلام ہیں مگر عبری اور عربی کا طرزِ کلام باہم قریب قریب ہے اور کتبِ مقدسہ کا غیر محرّف حصّہ اور قرآن کریم دونوں ایک ہی متکلّم کے کلمات ہیں اور دونوں ایک ہی مخرج سے نکلے ہیں اور دونوں کا محاورہ ہے کہ اعلیٰ مورث کو مخاطب کیا جاتا ہے اور مراد اس مورث کی قوم ہوتی ہے۔ کسی کو خطاب کرتے ہیں اور کسی دوسرے کو مقصود بالخطاب رکھتے ہیں۔ دیکھو یرمیاہ۔ مانے کہ وہ دن بڑا ہے یہاں تک کہ اس کی مانند کوئی نہیں۔ وہ یعقوبؑ کی مصیبت کا وقت ہے (یرمیاہ ۳ باب ۷۔۱۰) اے میرے بندہ یعقوبؑ ہراساں مت ہو۔ (یرمیاہ ۴۶ باب ۲۸)

خداوند کا یہودہ کے ساتھ بھی ایک جھگڑا ہے اور یعقوبؑ کو جیسے اس کی روشیں ہیں ویسی سزا دے گا (ہوسیع ۱۲ باب ۲) دلاوری سے لبالب ہوں کہ یعقوبؑ کو اس کا گناہ اور اسرائیل کو اس کی خطا جتا دوں (میکاہ ۳ باب ۸) یعقوبؑ کی رونق کو اسرائیل کی رونق کی مانند پھر بحال کریگا (نحمیاہ ۲ باب ۲) اے کرازین (یہ ایک گاؤں کا نام ہے جو افسوس اور ملامت کے قابل نہیں) تجھ پر افسوس ہے۔ اے بیت صیداد (یہ بھی گاؤں ہے) تجھ پر افسوس (متی ۱۱ باب ۲۱) اے یروشلم۔ اے یروشلم (یہ بیت المقدس ہے) جو نبیوں کو مار ڈالتی ہے (متی ۲۳ باب ۳۷)

اَب اِس طرح کے محاورات قرآن کریم سے سُنو!

يَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ (الطلاق: ۲) اے نبی! جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو۔
يَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا (الاحزاب: ۲)
اے نبی خدا سے ڈر اور کفار کی فرمانبرداری اور منافقوں کی اطاعت مت کر۔ بیشک اللہ تعالیٰ جو کچھ تم (عام لوگوں کو خطاب) کرتے ہو اس پر خبردار ہے۔
وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ (الزخرف: ۴۶) پوچھ ان رسولوں سے جو تجھ سے پہلے گزرے۔ اِن مقامات میں دیکھ لو یَا کے لفظ سے مخاطب کون ہے اور طَلَّقْتُمْ سے کون۔ اِتَّقِ کے لفظ میں مخاطب کون اور تُطِعِ کے لفظ سے کون معلوم ہوتا ہے۔ مَنْ سے مراد کون ہے اور قَبْلِكَ کس کا پتہ دیتا ہے۔

پانچواں جواب: مَیں نے مانا لَا تَكُوْنَنَّ نہی کا صیغہ ہے اور نہی بھی بمعنی طلبِ ترک ہے اور یہاں مخاطب بھی سرورِ کائنات اور فخرِ موجودات ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) اور مراد بھی وہی ہیں مگر مَیں کہتا ہوں جب لَا تَكُنْ نہی کے صیغہ پر نون مشددہ تاکید کے لئے آیا اور نون تاکید مشدد ماضی اور حال پر ہرگز آتا نہیں جس فعل پر آتا ہے اس کو استقبالی فعل کر دیتا ہے پس لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ کے معنے یہ ہوں گے:

"اے محمدؐ تُو زمانہ ماضی اور حال میں شک کرنے والا نہیں رہا اَب آگے زمانہ استقبال میں بھی متردد اور متشکک نہ رہیو"۔ گویا یہ الٰہی دعا ہے جو یقیناً قبول ہے یا جس حالت میں تیری جبلت ہی ایسی تعلیم پر تردد والی نہیں تو اَب تو میرے مطالب، دلائل سے مدلل ہو چکے۔

چھٹا جواب: مَیں نے بفرضِ محال مان لیا تردد واقع ہوا تو کیا ایسا تردد حسبِ مسلمات عیسائیوں کے نبوت کے عہدہ سے معزول کر سکتا ہے؟ ہرگز ہرگز نہیں۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام کی توریت، کتاب خروج اور کتاب قاضی۔ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی نجات کے لئے منتخب فرمایا۔ تو حضرت موسیٰؑ فرماتے ہیں مَیں کون ہوں جو فرعون کے پاس جاؤں اور بنی اسرائیل کو مصر سے نکالوں؟ (خروج ۳ باب ۱۱) پھر موسیٰ علیہ السلام لگے عُذر کرنے کہ مَیں اچھی طرح بول نہیں سکتا اور پھر اللہ تعالیٰ نے بتاکید کہا کہ تُو جا مَیں تیرے ساتھ ہوں۔ پھر اپنی کمزوری پر ان سب باتوں پر بقول عیسائیوں کے اطمینان نہ ہوا تو عرض کیا کسی اَور کو مصر میں بھیج۔ تب باری تعالیٰ (موجودہ توریت کہتی ہے) کا غصہ موسیٰؑ پر بھڑکا۔ دیکھو تب خداوند کا غصہ موسیٰؑ پر بھڑکا (خروج ۴ باب ۱۴)
اور جدعون نے بھی جو کچھ کیا ہے وہ کتاب قاضی ۶ باب ۳۶۔ ۴۰ درس سے ظاہر ہے کیسے

امتحانات کرتا رہا۔ ذرا منصف عیسائی اِس پر پھر غور کریں۔

"ایک عیسائی کے تین سوال اور ان کے جوابات" صفحہ ۵۲ تا ۵۵)

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۗ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۴۹﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا: توجہ دو طرح کی ہے ایک یہ کہ کسی طرف کو مُنہ کرنا۔ دوسرے یہ کہ کسی کی پرستش کرنا۔ ایک شخص نے اعتراض کیا کہ مسلمان سنگِ اَسود کو بوسہ دیتے ہیں۔ مَیں نے کہا کیا تم کسی کے بوسہ لینے کو پرستش سمجھتے ہو؟ پھر اُس نے کہا کہ تم قبلہ کی طرف مُنہ جو کرتے ہو۔ مَیں نے کہا کہ تم میری طرف مُنہ کرکے کھڑے ہو کیا یہ پرستش ہے؟ پھر نماز کے تمام ارکان کی طرف خیال کرو کعبہ کی طرف مُنہ نہیں رہتا بلکہ رکوع میں زمین کی طرف ہوتا ہے۔ دائیں بائیں بھی مُنہ ہوتا ہے۔ پس کسی کی طرف مُنہ کرنا اَور بات ہے اور پرستش کرنا اَور بات۔ پھر یہ کہ مکّہ معظمہ کی نسبت نہ کوئی خواہش ہے نہ کوئی درخواست مکّہ معظمہ سے ہوتی ہے نہ کوئی اس سے اِلتجا کرتے ہیں ہاں حضرت نبی کریمؐ کے روضۂ مقدسہ کی طرف مُنہ کرکے نماز پڑھتے تو لوگ یہ خیال کر سکتے تھے کہ یہ نبی کی پرستش کرتے ہیں مگر جو لوگ مکّہ کے درمیان ہوتے ہیں ان کی اور خصوصاً حنفی مصلّی والوں کی تو مدینہ کی طرف پیٹھ ہوتی ہے۔

اِنسان کی ایک رُوح ہوتی ہے رُوح کا تو آگا پیچھا دایاں بایاں کچھ نظر نہیں آسکتا۔ پس جو عبادت رُوح سے متعلق ہے اس کے ساتھ جہات کو کوئی تعلق نہیں مگر جسم میں چونکہ جہات ہیں اسلئے اس کے لئے عبادت میں بھی ایک جہت کی ضرورت تھی۔ توجہ اِلی القبلہ سے یہی مقصود ہے کہ مسلمان

اپنی عبادت میں خدا تعالیٰ کے فرمان کی پابندی کر کے پورے موحد اور فرمانبردار ہونے کا ثبوت دیتا ہے کہ میری اپنی کوئی خواہش نہیں (حتیٰ کہ تیرے حضور کھڑا ہونے میں بھی) پھر یہ کہ مسلمان اِس لئے اِس طرف مُنہ کرتے ہیں کہ حکم مکہ سے صادر ہوُا اِس لئے اسی طرف توجہ کرتے ہیں۔ پھر یہ کہ یک جہتی بڑی اچھی چیز ہے۔ کوئی کسی طرف کوئی کسی طرف مُنہ کر لیتا تو یہ بات اچھی نہ ہوتی بلکہ یہ امر افتراق کا موجب ہو جاتا۔ عبادت کے لئے ایک نہ ایک جہت ضرور اختیار کرنی پڑتی ہے جنہوں نے خدا تعالیٰ کے حکم کو چھوڑا ان کو پتھروں اور درختوں کی پرستش کرنی پڑی ہے۔ ہندوؤں میں ایک فرقہ ہے جو لنگ پُوجا کرتے ہیں دوسرا گروہ جنیری کی پُوجا کرتا ہے۔ ایک ہندو رئیس نے ایک مندر بنایا اور اس میں تین لاکھ لِنگ اور تین لاکھ جنیری کی مورتیں بنا کر رکھیں۔ کیسا تعجب ہے۔

اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یَاْتِ بِکُمُ اللّٰہُ جَمِیْعًا: جہاں کہیں تم ہوگے اسی طرف مُنہ کر لوگے تو پھر گویا تم سب کو اکٹھا کیا۔ شاہ عبد العزیز صاحب نے جو ہمارے شیخ المشائخ ہیں ایک دلچسپ نکتہ لکھا ہے کہ خداوندِ کریم نے مکہ معظمہ ہمارا جائے توجہ بنایا۔ کعبہ میں چار مصلّی ہیں۔ حنفی لوگ کہتے ہیں (جن کا مصلّی شمالی جانب ہے) کہ ہم اسی طرف اور اسی طرز سے نماز پڑھتے ہیں جس طرف سے رسول کریمؐ نے پڑھی یعنی ہماری پیٹھ بھی اسی طرف رہتی ہے جدھر رسولِ کریمؐ نے کی۔ شافعی کہتے ہیں کہ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھٖمَ مُصَلًّی (البقرۃ: ۱۲۶) کی تعمیل ہم ہی کر رہے ہیں کیونکہ ہمارا مصلّی اس کے قریب ہے۔ حنبلی کہتے ہیں ہمارا مصلّی سنگِ اَسود کے قریب ہے۔ مالکی اِن سب کی تردید کرتے ہیں مگر تاہم ان سب کی توجہ ایک ہی طرف ہے مَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ میں غالباً انہی چار مصلّوں کی نسبت پیشگوئی تھی۔

اَلْمَسْجِدِ الْحَرَام: بعض ملکوں میں جب کسی غیر ملک کے لفظ جاتے ہیں تو ان کے معنے بھی بدل جاتے ہیں چنانچہ یہ حرام کا لفظ ہے یہ ہمارے مُلک میں بُرے معنوں میں استعمال ہوتا ہے حالانکہ عربی زبان میں حرام بڑی عزت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ایک کنچنی نے مسجد بنوائی ایک ظریف نے اس کی تاریخ نکالی۔ بَیت الحرام۔ یہ بہت بُری بات ہے کہ اچھے لفظوں کو بُرے معنے میں لایا جاوے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۵۔ مارچ ۱۹۰۹ء)

وَلِکُلٍّ وِّجْھَۃٌ: کسی نہ کسی امر کی طرف متوجہ رہتا ہے۔

فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ: پس تم نیکیوں کی توجہ میں پیش دستی کرو۔

عَمَّا تَعْمَلُوْنَ: مسلمانوں نے یہ کیا کہ کعبہ تو فتح کر لیا مگر پھر چار مصلّوں پر تقسیم کر کے

جھگڑا ڈال دیا۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۵ نمبر ۹ صفحہ ۳۴۴)

البقرة: ۱۵۱

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ ۚ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي ۚ وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۵۱﴾

حُجَّةٌ: الزام نہ رہے کہ تم ابراہیمی ملّت کے مدعی اور توجّہ کعبہ کی طرف نہیں کرتے۔
وَاخْشَوْنِي: یہ بہت ضروری نصیحت ہے کہ کسی سے ڈر کے گناہ کا ارتکاب نہ کرو۔ ڈر رکھو ایک اللہ کا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۵ مارچ ۱۹۰۹ء)

البقرة: ۱۵۲، ۱۵۳

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿۱۵۲﴾ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿۱۵۳﴾

يُزَكِّيكُمْ: وہ اس کوشش میں ہے کہ تم میں سے ایک مزکّی گروہ پیدا ہو جائے۔

اَلْحِکْمَۃَ : پکی باتیں۔

وَاشْکُرُوْالِیْ : دوسرے مقام پر فرمایا ہے لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ وَلَئِنْ کَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ (ابراھیم: ۸)
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۵ مارچ ۱۹۰۹ء)

کَمَآ اَرْسَلْنَا : اِسی واسطے ہم نے رسول بھیجا۔
(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۰ ستمبر ۱۹۱۳ء)

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ۭ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْیَاۗءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۵﴾

اِسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ : جہاں تک مَیں نے تجربہ کیا ہے دُکھوں، رنجوں، مصیبتوں وغیرھا مسائل کے صاف کرنے میں اور پیش آمدہ امور کے متعلق فیصلہ دینے میں اللہ جلّ شانہٗ نے جو راہ انسان کو دکھائی ہے اس سے بہت کم لوگ کام لیتے ہیں چنانچہ ایک راہ کا یہاں ذکر ہے۔

فرماتا ہے۔ اولوگو! جو ایمان لاچکے ہو استعانت کرو تو اللہ سے اور وہ بھی صبر و صلوٰۃ سے۔ صبر سے مراد ہے روزہ اور بدیوں سے بچنا اور صلوٰۃ سے مراد ہے دعا۔ ہر ایک تم میں سے اِس بات پر غور کرے کہ لوگ اپنے مقصود کے پُورا کرنے کے لئے باریک در باریک فکر کرتے ہیں یہاں تک کہ مَیں نے بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ رستہ میں اُنگلی اِدھر اُدھر گھماتے جاتے ہیں کہ ہم یہ کریں گے وہ کریں گے مگر یہ طریق جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بدیوں سے بچ کر روزہ رکھ کر جنابِ الٰہی میں خشوع و خضوع سے دعا کریں اِس طریق پر انبیاء کے سوا دوسرے لوگ کم چلتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ : ایسے لوگ جو صبر سے اور دعا سے استعانت کرتے ہیں اُن کے ساتھ ہم ہو جاتے ہیں۔ مَیں نے مشکل سے مشکل امور میں اِس طریق کا تجربہ کیا اور مَیں شہادت دیتا ہوں کہ لَمْ اَکُنْ بِدُعَآئِکَ رَبِّ شَقِیًّا (مریم: ۵)

افسوس کہ مسلمانوں کے پاس ایسا عمدہ نسخہ ہوا اور پھر بھی وہ ناکام رہیں کسی کو بیبیوں کی نسبت شکایت کسی کو قرض کی نسبت کسی کو عدم ترقی کا شکوہ۔ یہ سب کچھ کیوں ہے؟ اس لئے کہ استعانت کا یہ طرز چھوڑ دیا۔ جب سلطنتِ اسلام موجود تھی تو اس وقت کی حالت کا ایک شخص نقشہ کھینچتا ہے ؎

شب چو عقدِ نماز بر بندم چہ خورد بامداد فرزندم

اس وقت کا یہ حال ہے تو آج جو کچھ ہوا تھوڑا ہے۔ دُنیا طلبی نے لوگوں کو پریشان کر رکھا ہے۔

ایک مسلمان بادشاہ دہلی سے ملتان جاتا تھا خواجہ فریدالدین سے اس کے وزیر کو عقیدت تھی۔ اپنے پیر و مُرشد کے آگے کچھ نقد روپیہ اور کچھ کاغذ رکھے۔ نقد روپیہ تو خواجہ صاحب نے لے لیا اور کاغذ کی نسبت پوچھا۔ یہ کیا ہے؟ اس نے کہا۔ یہ دس گاؤں بطور جاگیر پیش کرتا ہوں تا لنگرخانہ وغیرہ کے خرچ میں کوئی دِقت پیش نہ آئے۔ فرمایا۔ اس کو اُٹھالو۔ حدیث میں آیا ہے کہ جس قوم میں زمینداری کا سامان آجائے وہ ذلیل ہوجاتی ہے۔ قرآن شریف سے استنباط فرمایا ہے جہاں یہودیوں کا واقعہ بیان فرمایا کہ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ (البقرۃ: ۶۲) اور پھر ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ (البقرۃ: ۶۲) پھر کہتے ہیں کہ ایک شخص آیا اور تنگی معیشت کا ذکر کیا کہ اتنے روپیہ کے سوا میرے پاس کچھ نہیں۔ ہنس کر کہنے لگے کہ میرے گھر میں ساری عمر میں اتنا کبھی جمع نہیں ہُوا۔

یہ عجیب کیمیا ان کے پاس موجود تھی۔ اہل اللہ لوگ اپنی خواہشیں بہت مختصر رکھتے ہیں اور پھر انہیں حصولِ مطالب کا ایک گُر آتا ہے اور وہ گُر یہی ہے جو اُوپر بیان ہُوا۔

اَمْوَاتٌ: جو لوگ خدا کی راہ میں مقابلہ کرتے ہیں اور اس حالت میں فوت ہوگئے یہ مت کہو کہ وہ اپنی عمریں برباد کر گئے وہ عمریں برباد نہیں ہوئیں ان کے اعمال غیر منقطع ہیں اس لئے انہوں نے حیاتِ جاوید پائی۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۵۔ مارچ ۱۹۰۹ء)

اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ: مشکلات سے نکلنے کا علاج۔ طاعتِ الٰہیہ کرو اور بدیوں سے بچو۔
(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۰)

پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں تھے تو صرف ایک بُت پرست قوم آپؐ کی دشمن تھی لیکن اس دشمن کے ہوتے آپؐ کے کنبہ اور قوم کے لوگ آپؐ کا ساتھ دیتے تھے۔ آپؐ ان کے باریک منصوبوں کو بھی خوب سمجھتے تھے۔ آپؐ کا بال بال ان کے رشتوں میں گتھا ہُوا تھا اور تکالیف کے باعث آپؐ کو اور آپؐ کے اتباع کو بہت مشکلات پیش آئے مگر جب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) مدینہ میں پہنچے تو ہر ایک قسم کی تکلیف بڑھ گئی کیونکہ ایک بُت پرست قوم تو دشمن تھی ہی مگر اب اوس اور خزرج کے

بُت پرست بھی دشمن ہو گئے۔ پھر پڑھے لکھے یہودی بھی آمادۂ مخالفت ہوئے۔ ان کی چالبازیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء کے لئے بہت باریک تھیں جن کا اشارہ اوّل ہاروت ماروت کے قصّہ میں ہو چکا ہے پھر ان کے علاوہ بنو نضیر اور بنو قریظہ دشمن اور بنو قینقاع دشمن۔ اور اِن سب کے علاوہ عیسائیوں کی جرّار قوم دشمن۔ پھر ان کے بھی علاوہ دوسری اقوامِ عرب تھیں جن کی نظروں میں آپ کا وجودِ مبارک کھٹکتا تھا اور سب سے مشکل یہ تھی کہ ان قوموں کی باریک اندرونی چالوں سے کیسے آگاہی ہو۔ یہ سب ایک دوسرے کو اور دوسری قوموں کو اُکساتے تھے۔ اِس لئے مدنی آیات میں آیا ہے یَاۤ اَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ ؕ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ (المائدۃ : ۶۸) کیونکہ سخت مشکلات کا سامنا تھا ان کے سامنے مِلّتِ ابراہیمؑ کو پیش کیا گیا ہے جیسے کہ پیچھے ذکر ہُوا اور اسی سخت مشکل کے وقت دوا تجویز کی گئی جو کہ بتلاتی ہے کہ اس کا کیا فائدہ ہُوا اور کن کن نے اس کا تجربہ کیا اور انہوں نے کیا برکات اور فوائد اِس دوا سے حاصل کئے اور کیا نتیجہ نکلا۔ وہ دُو علاج ہیں جن کا اِس آیت میں ذکر ہے یَاۤ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ یعنی اے ایمان والو تم پر بڑی مشکلات کا وقت ہے تم میری مدد اور عون حاصل کرو اس کا طریق ایک صبر اور ایک صلوٰۃ ہے۔

صبر کے دُو معنے ہیں ایک تو عام طور پر روزہ رکھنا اور واقعہ میں روزہ اور نماز دونوں جنابِ الٰہی کی طرف توجہ کا بڑا ذریعہ ہیں۔ دوسرے معنے صبر کے نیکیوں پر مستقل رہنا اور بدیوں کا اِرتکاب نہ کرنا۔ مشکلات کے وقت اِنسان اللہ کی فرمانبرداری اور اطاعت کو چھوڑ بیٹھتا ہے۔ مثلاً بیماری ہو یا ہتکِ عزت ہو۔ کوئی مقدمہ ہو یا تجارت کا مقابلہ ہو یا کسی کام میں اُسے خسارہ ہُوا ہو تو ایسی تمام مشکلات کے وقت ایک ناعاقبت اندیش انسان اللہ تعالیٰ کی نارضامندی کو جائز کر لیتا ہے مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسے وقت تم یہ نہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرو اور اطاعتِ الٰہی میں بہانہ تلاش کر کے کمزوری کرو۔ انسان اگر خدا کی مدد لینا چاہتا ہے تو اس کا یہی طریق ہے کہ مطلق عبادت کو ترک نہ کرے اور نہ کسی نافرمانی کا اِرتکاب کرے۔ روزہ کا اصل میں یہی مطلب ہوتا ہے کہ بقائے نوعی اور بقائے شخصی کے لئے جو اُسے ضروریات ہیں اُسے وہ ترک کئے ہوتا ہے اور باوجود ضرورت کے ترک کرتا ہے تو پھر غیر ضروری باتوں کو کب اختیار کرتا ہے۔ تو یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کی مدد و طاقت پر مستقل رہنے اور بدی سے بچنے پر آیا کرتی ہے۔ صبر کے بعد پھر دعا (صلوٰۃ) کرے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ صابروں کا ہم ساتھ دیتے ہیں۔ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ کے لفظ سے مجھے بہت خوشی

ہؤا کرتی ہے کیونکہ جب ایک دولتمند وکیل اور حاکم یا کوئی اور ذی وجاہت کسی کو یہ کہہ دے کہ ہم تیرے ساتھ ہیں تو اُسے کس قدر خوشی حاصل ہوتی ہے اور اس کی ڈھارس بندھتی ہے تو پھر جب اَحکم الحاکمین بتلا دے کہ ہم صابروں کے ساتھ ہیں تو کِس قدر خوشی ہونی چاہیئے۔

اس سے آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم میں سے بہت سے قتل تو ہوں گے مگر وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ تم یہ نہ سمجھنا کہ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مریں گے وہ مُردہ ہو گئے بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم کو ان کی زندگی کا شعور نہیں ہے۔ اللہ کی راہ میں جو مارا جاوے اسے احیاء کہتے ہیں اور تین طرح سے وہ زندہ ہوتے ہیں جن کو ایک جاہل بھی سمجھ سکتا ہے اور متوسط درجہ کے آدمی بھی اور ایک مومن بھی سمجھ سکتا ہے۔

گویا ان کی حیات قائم رہتی ہے۔ اسے تو ایک مومن سمجھ سکتا ہے۔ دوسری بات کہ متوسط درجہ کا عرب سمجھ سکتا ہے کہ اہلِ عرب کا محاورہ ہے کہ جس کا بدلہ لیا جاوے اُسے وہ مُردہ نہیں کہتے بلکہ زندہ کہتے ہیں۔ شہید کے بارے میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو تم میں سے مَرے گا اس کا بدلہ لیا جاوے گا۔ تیسری بات کہ ایک جاہل بھی سمجھ سکتا ہے یہ ہے کہ جب میدان ہاتھ آوے اور فتح ہو جاوے تو پھر مُردوں اور مقتولوں کو مُردہ اور مقتول نہیں سمجھتے اور نہ ان کا رنج و غم ہوتا ہے۔ میرا اپنا اعتقاد ہے کہ شہید کو ایک چیونٹی کے برابر بھی دَرد محسوس نہیں ہوتا اور مَیں نے اِس کی نظیریں خود دیکھی ہوئی ہیں۔ (البدر ۲۰۔ مارچ ۱۹۰۳ء صفحہ ۶۹)

آج یہ جو دو آیت (سورہ بقرہ کی آیات ۱۵۵ تا ۱۵۸) مَیں نے تمہارے سامنے پڑھی ہیں یہ میرے کسی خاص ارادے، غور و فکر کا نتیجہ نہیں اور نہ مَیں نے کوئی تیاری قبل از وقت اِس مضمون اور اِن آیات کے متعلق آج جمعہ کے خطبہ میں سُنانے کی کی تھی۔ وعظ کا بیشک مَیں عادی ہوں مگر یہ آیتیں محض اللہ تعالیٰ کی ہی طرف سے دِل میں ڈالی گئیں۔

اِس کا مطلب سمجھنے کے واسطے مَیں پہلے تمہیں تاکید کرتا ہوں۔ توجہ سے سُنو اور یاد رکھو جب تمہیں کوئی وسوسہ پیدا ہو تو پہلے دائیں طرف تھوک دو پھر لاحول پڑھو اور ان باتوں کو کثرت سے استعمال کرو۔ دعا کرو۔ پھر تاکید سے کہتا ہوں کہ اَب تک تمہارا کام یہ ہے کہ ہتھیار بند ہو جاؤ، کمریں کس لو اور مضبوط ہو جاؤ۔ وہ ہتھیار کیا ہیں؟ یہی کہ دعائیں کرو۔ استغفار، لاحول، درُود، اور الحمد شریف کا وِرد کثرت سے کرو۔ اِن ہتھیاروں کو اپنے قبضہ میں لو اور ان کو کثرت سے استعمال کرو۔ مَیں ایک تجربہ کار انسان ہونے کی حیثیت سے اور پھر اِس حیثیت سے کہ تم نے مجھ سے معاہدہ

کیا ہے اور میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے تم کو بڑے زور سے اور تاکیدی حکم سے کہتا ہوں کہ سر سے
پاؤں تک ہتھیاروں میں محفوظ ہو جاؤ اور ایسے بن جاؤ کہ کوئی موقع دشمن کے وار کے واسطے باقی نہ
رہنے دو۔ بائیں طرف تھوکنا، لاحول پڑھنا، اِستغفار، درود اور الحمد شریف کا کثرت سے وظیفہ کرنا۔
ان ہتھیاروں سے مسلح ہو کر اِن آیات کا مضمون سُن لو۔

تم نے سُنا ہوگا اور مخالفوں نے بھی محض اللہ کے فضل سے اِس بات کی گواہی دی ہے
اور تم میں سے بعض نے اپنی آنکھ سے بھی دیکھا ہوگا کہ حدیث شریف میں آیا اَلْمَبْطُوْنُ شَهِيْدٌ
وہ جو دستوں کی مرض سے وفات پاوے وہ شہید ہوتا ہے۔ مبطون کہتے ہیں جس کا پیٹ چلتا ہو یعنی
دست جاری ہو جاویں۔ اَب جائے غور ہے کہ آپ (حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی وفات
اِسی مرض دستوں ہی سے واقع ہوئی ہے۔ اَب خواہ اسی پُرانے مرض کی وجہ سے جو مدت سے اللہ تعالیٰ
کی طرف سے بطور ایک نشان کے آپ کے شامِل حال تھا یا بقول دشمن وہ دست ہیضہ کے تھے۔
بہرحال جو کچھ بھی ہو یہ امر قطعی اور یقینی ہے کہ آپ کی وفات بصورت مبطون ہونے کے واقع ہوئی ہے
پس آپ بموجب حدیث صحیح کہ مبطون (جو مرضِ دست سے خواہ کسی بھی رنگ میں ہو وفات پانے والا
شہید ہوتا ہے پس اِس طرح سے خود دشمنوں کے مُنہ سے بھی آپ کی شہادت کا اقرار خدا نے کرادیا
يُقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ سے مُراد لڑائی اور جنگ ہوتی ہے۔ لڑائی اور جنگ ہی میں صُلح ہوتی ہے۔ خدا
نے آپ کو پیغامِ صلح دینے کے بعد اُٹھایا۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ اَب جنگ کا خاتمہ ہونے کو
ہے کیونکہ اَب صلح کا پیغام ڈالا گیا ہے مگر خدا کی حکمت اِس میں یہی تھی کہ آپ کو حالتِ جنگ میں ہی
بُلائے تا آپ کا اَجر جہاد فی سبیل اللہ کا جاری اور آپ کو رُتبہ شہادت عطا کیا جاوے۔ یہی وجہ ہے
کہ عملی طور پر اس صلح کی کارروائی کے انجام پذیر ہونے سے پہلے جبکہ ابھی زمانہ زمانہ جنگ ہی کہلاتا
تھا اُٹھا لیا۔..... اب اللہ تعالیٰ کہتا ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ
اللهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔ ہم سُناتے ہیں ذرا غور سے توجہ سے اور خبردار
ہو کر سُن لو۔ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو کیا کہتے ہو؟ یہی کہ ان لوگوں کے حق میں یہ کبھی بھی مت کہیو
جو خدا کی راہ میں جان خرچ کر گئے ہیں اور خدا کی راہ میں شہید ہوئے ہیں۔ کیا مت کہیو؟ یہ مت کہیو
کہ وہ مر گئے ہیں۔ وہ مرے نہیں بلکہ وہ زندہ ہیں۔ آپ نے خدا کی راہ میں تبلیغ احکامِ الٰہیہ میں، خدا
کی راہ میں حالتِ سفر میں وفات پائی ہے۔ پس یہ خدا کا حکم ہے اور کوئی بھی اِس بات کا مجاز نہیں
کہ آپ کو مُردہ کہے آپ مُردہ نہیں۔ آپ ہلاک شدہ نہیں بَلْ اَحْيَآءٌ بلکہ زندہ ہیں۔ یاد رکھو کہ یہ

نہی الہٰی ہے۔ ہم وجوہات نہیں جانتے کہ ایسا کیوں حکم دیا گیا بلکہ اِس جگہ ایک اَور نکتہ بھی قابلِ یاد ہے اور وہ یہ ہے کہ اَور جگہ جہاں شہداء کا ذکر کیا ہے وہاں اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ کا لفظ چھوڑ دیا ہے۔ دیکھو انسان جب مرتا ہے تو اس کے اجزاء متفرق ہو جاتے ہیں مگر یہ خدا کا خاص فضل ہے اس نے حضرت مرزا صاحب کی جماعت کو جو بمنزلہ آپ کے اعضاء کے اور اجزاء کے تھی اس تفرقہ سے بچا لیا اور اتفاق اور اتحاد اور وحدت کے اعلیٰ مقام پر کھڑا کر کے آپ کی زندگی اور حیاتِ ابدی کا پہلا زندہ ثبوت دُنیا میں ظاہر کر دیا۔ صرف تخم ریزی ہی نہیں کی بلکہ دشمن کے مونہہ پر خاک ڈال کر وحدت کو قائم کر دیا۔

دیکھو یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے اَلْمَبْطُوْنُ شَهِيْدٌ اور دوسری طرف قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں جھنجھوڑ کر کہا ہے کہ مُردہ مت کہو بلکہ یہ کہو کہ اَحْيَآءٌ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ ہم نے خود دَم نکلتے دیکھا، غسل دیا، کفن دیا اور اپنے ہاتھوں سے گاڑ دیا اور خدا کے سپرد کر دیا پھر یہ کیسے ہو کہ مَرے نہیں بلکہ زندہ ہیں مگر دیکھو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہارا شعور غلطی کرتا ہے۔ مَیں یہ مسئلہ اپنے بھائیوں کے سامنے پیش کرتا ہوں کہ وہ اپنے اندر غیرت پیدا کریں اور سچے جوش جو حق اور راستی کے قبول کرنے سے ان میں موجود ہو گئے ہیں اُن کا اظہار کریں اور ہمیں دکھادیں کہ واقعی ان میں ایک غیرت اور حمیت ہے اور ان مخالفوں سے پوچھیں کہ دشمن جو کہتا ہے کہ ہیضہ سے مَرے ہیں۔ اچھا مان لیا کہ دشمن سچ کہتا ہے پھر ہیضہ سے مرنا شہادت نہیں ہے؟ پیغامِ صلح جنگ کو ثابت کرتا ہے اور دشمن بھی اِس بات کو تسلیم کرے گا کہ واقعی آپ کی وفات عین جہاد فی سبیل اللہ میں واقع ہوئی ہے۔ دشمن نے خود بھی ہر طرح سے مورچہ بندی کی ہوئی تھی اور اپنے پورے ہتھیاروں سے اپنی حفاظت کے سامان کرنے کی فکر میں لگ رہا تھا۔ اراکین اور امراء کو دعوت دے کر آپ نے اپنے تمام دعاوی پیش کئے تھے یا کہ نہیں۔ پس ان سب لوازم کے ہوتے ہوئے بھی دشمن آپ کے احیاء کے قائل نہیں تو جانور ہیں۔

(الحکم ۱۴؍ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۷، ۸)

البقرۃ: ۱۵۶

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَ

نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ

الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۣ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ : اِس کے معنے ہیں ضرور ضرور ہمیں اپنی ذات کی قسم ہے کہ ہم تمہیں انعام دینا چاہتے ہیں مگر کچھ تھوڑا خوف دے کر۔

الْخَوْفِ : صوفی کہتے ہیں الٰہی خوف۔ فقہاء کے نزدیک یہ معنے ہیں کہ اکل حرام سے خوف۔ اور شافعی کہتے ہیں جہاد کی تکالیف کا خوف۔

الْجُوْعِ : اِس کی بھی تین صورتیں ہیں (۱) روزہ (۲) مالِ حرام ملتا ہے تو نہ لے۔ اور اگر اس نہ لینے سے فاقہ آتا ہو تو اس فاقہ کو مقدم کرکے اسے برداشت کرے (۳) بعض وقت اپنے پیٹ کو خالی رکھ کر دینی امور میں امداد دے۔

نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ : مالوں کی کمی کی بھی کئی صورتیں ہیں (۱) اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا۔ (۲) رشوت۔ حرامزدگی۔ باطل سے مال ملتا ہے اُسے نہ لیا۔ غرض نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ ہوتا ہے زکوٰۃ دینے سے۔ حرام سے بچنے سے یا کسی الٰہی حکمت کے ماتحت کسی چیز کے قبضہ سے نکل جانے سے۔

وَالْاَنْفُسِ : جانوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرنا۔

الثَّمَرٰتِ : پھلوں کی زکوٰۃ۔ اور اس سے مراد اولاد بھی ہے۔

اِنَّا لِلّٰهِ : ایک شخص کا کوئی بہت پیارا مر گیا۔ وہ بہت مضطرب تھا۔ ایک دوست نے اسے آکر ایک کہانی سُنائی کہ ایک شخص نے کسی کے پاس جواہرات امانت رکھے تھوڑے دن بعد جب وہ واپس لینے کو آیا تو اس نے رونا چیخنا چلانا شروع کر دیا اس پر وہ شخص بولا جس کا بہت پیارا مر گیا تھا کہ پھر تو وہ بڑا ہی بیوقوف تھا جو امانت کو واپس دیتے ہوئے روتا ہے۔ جب اس کے مُنہ سے یہ بات نکلی تو اس کے دوست نے کہا آپ اپنی طرف نگاہ کریں۔ لڑکے بھی آپ کے خدا کی امانت تھے اگر خدا نے

واپس لے لئے تو پھر جزع فزع کا کیا مقام ہے؟

اِنَّآ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ: یعنی اگر خدا باوجود اس کا مالک، اس کا بادشاہ اور اس کا خالق و رَبّ ہونے کے کوئی چیز لے لیتا ہے تو غم کی بات نہیں کیونکہ ہم نے بھی اُسی کے حضور جانا ہے اور وہاں جاکر اس کا نعم البدل پانا ہے بلکہ اسی دُنیا میں بھی۔ میرے نو لڑکے لڑکیاں (عبداللہ، اُسامہ، حفیظ الرحمٰن، محمد احمد، عبدالقیوم، امۃ اللہ، رابعہ، عائشہ، امامہ) مَر چکے ہیں ہر ایک کے مَرنے پر مَیں نے یہی خیال کیا ہے کہ آخر ایک دِن ہم نے جُدا ہونا تھا یا مَیں نے مَرنا تھا یا ان میں سے کسی نے۔ بہرحال خدا کے پاس جاکر پھر جمع ہونا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے اَور بہت اولاد دے دی۔ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ۔

اُولٰٓئِكَ عَلَيۡهِمۡ صَلَوٰتٌ: صَلٰوۃ کہتے ہیں کہ بدی کا اثر اور سزا جس بات پر مرتّب نہ ہو۔ ان خاصہ عنایات کا نام صَلٰوۃ ہوتا ہے۔

رَحۡمَةٌ: یعنی علاوہ اِن خاص عنایتوں کے عام رحمتوں سے بھی حصّہ ملتا ہے (یہ تو ایک دعویٰ تھا اب اس کا ثبوت اگلی آیت میں بیان فرمایا ہے)۔ (ضمیمہ اخبار بدؔر قادیان ۲۵ مارچ ۱۹۰۹ء)

وَالثَّمَرٰتِ: جنگ میں بیٹے بھی مرتے ہیں کھیتی کی نگرانی نہیں ہو سکتی۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۰)

اور ہم تم کو انعام دیں گے کسی قدر خوف کے بدلے اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کے کم کرنے کے بدلے اور خوشخبری دو صبر کرنے والوں کو کہ جنہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں ہم تو اللہ کے ہیں اور اُسی کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ (دیباچہ نورالدین صفحہ ۲۰)

جناب ہاجرہ علیہا السّلام کو ایک بڑا ابتلاء پیش آیا جس کا اشارہ اِن باتوں سے ہوُا۔

وَلَنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَىۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَالۡجُوۡعِ وَنَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَنۡفُسِ وَالثَّمَرٰتِ (البقرۃ:۱۵۶) اور انعام دیں گے ہم تم کو بدلہ میں تھوڑے سے خوف اور بھوک اور مالوں کے اور جانوں کے اور پھلوں کے نقصان کے۔ اور ان پانچوں پر اُمّنا ہاجرہؑ نے اِنَّا لِلّٰهِ اور اِنَّآ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ کہا۔ ہم سب اللہ کے ہیں اور اُسی کی طرف جانا ہے پس اپنے دوؔ اقوال سے صبر و استقلال اور ایمان کا اظہار فرمایا۔ اِس واسطے اللہ تعالیٰ کریم و رحیم نے اس کی اولاد کو اٰمَنَهُمۡ مِّنۡ خَوۡفٍ۔ امن دیا ان کو عظیم الشان ڈر سے۔ اَطۡعَمَهُمۡ مِّنۡ جُوۡعٍ (قریش:۵) کھانا دیا ان کو بھوک سے اور بلدہ کو بلدۂ مبارک فرماکو کثرتِ اموال و انفس و ثمرات اور الصبر کا نعم الاجر صلوات و رحمت عطا فرماکر اس کی اولاد کو ہدایت یافتہ فرمایا۔

(نورالدین صفحہ ۲۵۰، ۲۵۱)

مصائب شدائد پر صبر کرنے والوں کو اجر ملتے ہیں چنانچہ حدیث شریف میں آیا کہ ہر معیبت پر اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھ کر یہ دعا مانگو اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَاخْلُفْنِيْ خَيْرًا مِّنْهَا۔ اور قرآن شریف میں مشکلات اور مصائب پر صبر کرنے والوں کے واسطے تین طرح کے اَجر کا وعدہ ہے۔

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ یعنی مصائب پر صبر کرنے والوں اور اِنّا لِلّٰہ کہنے والوں کو تین طرح کے انعامات ملتے ہیں:

۱۔ صلوات ہوتے ہیں ان پر اللہ کے۔

۲۔ رحمت ہوتی ہے ان پر اللہ کی۔

۳۔ اور آخر کار ہدایت یافتہ ہو کر ان کا خاتمہ بالخیر ہو جاتا ہے۔

اَب غور کرو جن مصائب کے وقت صبر کرنے والے انسان کو ان انعامات کا تصور آجاوے جو اس کو اللہ کی طرف سے عطا ہونے کا وعدہ ہے تو بھلا پھر وہ مصیبت مصیبت رہ سکتی ہے اور غم غم رہتا ہے؟ ہرگز نہیں! پس کیسا پاک کلمہ ہے الحمد للہ اور کیسی پاک تعلیم ہے وہ جو مسلمانوں کو سکھائی گئی ہے۔ یہ نہایت ہی لطیف نکتۂ معرفت ہے اور دل کو مُوہ لینے والی بات۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف اِسی آیت سے شروع ہوُا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام خطبات کا ابتداء بھی اِسی سے ہوُا ہے۔ (الحکم ۱۰ر مارچ ۱۹۰۸ء صفحہ ۲، ۳)

صاحبزادہ میاں مبارک احمد کی وفات اور پھر خود حضرت اقدس علیہ الف الف صلوٰۃ والسلام کا کُوچ کرنا واقعی اپنے اندر ضرور ابتلاء کا رنگ رکھتے ہیں مگر اس سے خدا ہم کو انعام دینا چاہتا ہے۔ انعامِ الٰہی پانے کے واسطے ضروری ہوتا ہے کہ کچھ خوف بھی ہو۔ خوف کِس کا؟ خوف اللہ کا۔ خوف دشمن کا۔ خوف بعض نادان ضعیف الایمان لوگوں کے ارتداد کا۔ مگر وہ بہت تھوڑا ہوگا۔ یہ ایک پیشگوئی ہے اور اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ الخ۔ خدا فرماتا ہے کہ میری راہ میں کچھ خوف آوے گا۔ کچھ جُوع ہوگی (جُوع یا تو روزہ رکھنے سے ہوتی ہے مطلب یہ ہے کہ کچھ روزے رکھو) اور یا پارسا رنگ میں جُوع اپنے اُوپر اختیار کرو کہ صدقہ خیرات اس قدر نکالو کہ بعض اَوقات خود تم کو فاقہ تک نوبت پہنچ جاوے۔ اپنے مالوں کو خدا کی راہ میں اِتنا خرچ کرو کہ وہ کم ہو جاویں اور جانوں کو بھی اسی کی راہ میں خرچ کرو۔ علیٰ ھٰذا

پھلوں کو بھی خدا کی راہ میں خرچ کرو۔ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ اور ایسے لوگوں کو جو مصائب اور شدائد کے وقت ثابت قدم رہتے ہیں اور نیکی پر ثبات رکھتے ہیں۔ خدا کو نہیں چھوڑتے اور کہتے ہیں کہ ہم سب الٰہی رضا کے واسطے ہی پیدا ہوئے ہیں جس طرح وہ راضی ہو اسی راہ سے ہم اس کے حضور اس کو خوش کرنے کے واسطے حاضر و تیار اور کمر بستہ ہیں۔ ہم نے اس کے حضور حاضر ہونا ہے۔ وہ اگر اس سے خوش نہیں تو پھر اس ملاقات کے دن سُرخروئی کیسے ہوگی۔ پس تم خود ہی پیشتر اس کے کہ خدا کی طرف سے تم پر خوف، جُوع اور نقصِ اموال اور ثمرات کا اِبتلاء آوے خود اپنے اُوپر ان باتوں کو اپنی طرف سے خدا کی خوشنودی کے حصول کے واسطے وارد کر لو تا کہ دوہرا اَجر پاؤ اور یہ قدم خدا کے لئے اُٹھاؤ تا کہ اس کا بہتر بدلہ خدا سے پاؤ۔ یہ مصائب دینی نہیں بلکہ صرف معمولی اور دُنیوی ہوں گے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ دشمن بُرا بھلا کہہ لے گا۔ کوئی گندہ گالیوں کا بھرا اشتہار دے دیگا یا خفگی اور ناراضگی کے لہجہ میں کوئی بودا سا اعتراض کر دے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى (اٰلِ عمران : ۱۱۲) یہ تکلیف ایک معمولی سی ہوگی کوئی بڑی بھاری تکلیف نہ ہوگی۔ دیکھو خدا نے ہم کو بڑی مصیبت سے بچا لیا کہ تفرقہ سے بچا لیا۔ اگر تم میں تفرقہ ہو جاتا اور موجودہ رنگ میں تم وحدت کی رَسّی میں پروئے نہ جاتے اور تم تِتّر بِتّر ہو جاتے تو واقعی بڑی بھاری مصیبت تھی اور خطرناک اِبتلاء۔ مگر یہ خدا کا خاص فضل ہے۔ اگر کچھ تھوڑی سی تکلیف ہم کو ہوگی بھی تو ہیں ہوگی اس کا مابعد الموت سے کوئی واسطہ یا تعلق نہیں بلکہ مابعد الموت کو باعثِ اَجر اور رحمت ہوگی اور اس تھوڑی سی مشکل پر صبر کرنے اور مستقل رہنے اور سچے دِل سے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کہنے کا بہتر سے بہتر بدلہ دینے کی قدرت اور طاقت رکھنے والا تمہارا خدا موجود ہے وہ خاص رحمتیں جو کہ ورثہ انبیاء اور شہداء ہوتی ہیں وہ بھی تمہیں عطا کرے گا اور عام رحمتیں بھی تمہارے شاملِ حال کرے اور آئندہ ہدایت کی راہیں اور ہر مشکل سے نجات پانے کی اور ہر دُکھ سے نکلنے، ہر سکھ اور کامیابی کے حصول کی راہیں تم پر کھول دے گا۔ دیکھو یہ مَیں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ "بلوحِ خدا ہمیں است" خدا کے وعدے سچے ہیں اور خدا اپنے وعدے کا سچا ہے۔

آج کا مضمون اور اس کی تحریک محض خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے دِل میں ڈالی گئی ہے ورنہ نہ مَیں نے اس کا ارادہ کیا تھا اور نہ اس کے واسطے کوئی تیاری کی تھی۔ پس یہ خدا کی بات ہے۔ مَیں تم کو پہنچاتا ہوں اور تاکید کرتا ہوں کہ ایسے اَوقات میں تم کثرتِ دعا، استغفار، دُرود، لاحول، الحمد شریف کا وِرد کیا کرو۔ (الحکم ۱۴؍ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۸)

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم خوف، جوع، نقصان مال وجان وپھل کے ذریعے تمہارے اندرونی صفات کو ظاہر کریں گے اور صابروں کو بشارت دے جن کا یہ حال ہے کہ جب انہیں مصیبت پہنچے تو وہ حال وقال سے کہتے ہیں ہم اللہ کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

صبر کی مختصر حقیقت یہ ہے کہ انسان ہر ایک نیکی اور نیک بات پر جما رہے۔ بدی سے رُکا رہے۔ گویا صبر تمام نیکیوں کا جامع ہے۔ مشکل کے وقت بدی سے بچنا یہی تو صبر ہے۔ شہوت میں عفت۔ غضب کے وقت حلم۔ حرص کے مقابل میں قناعت، وقار، استقلال، ہمت، عزم پر کار فرما رہنا۔ شرع وعقل سلیم کی مخالفت نہ کرنی۔ یہ سب صبر ہے۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۷ نمبر ۷ صفحہ ۳۲۷)

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ ۖ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴿١٥٩﴾

ہاجرہ نام ایک عورت تھی جو میری تحقیق کے مطابق ملکِ مصر کی ایک شاہزادی تھی ابراہیمؑ کی کرامتوں کو دیکھ کر بادشاہ نے اپنی لڑکی ابراہیمؑ کے نکاح میں دے دی۔ نوجوان اور خوبصورت اور باکرہ تھی اُس وقت ابراہیمؑ کی عمر ۸۶ سال تھی جبکہ وہ حاملہ ہوئی۔ مَیں بہت ہی مختصر سُناتا ہوں کہ پہلی بی بی نے اسے نکلوا دیا۔ اس پر اللہ سے مکالمہ ہوُا کہ کیوں نکلی؟ آپ نے عرض کیا کہ بڑی بی بی رہنے نہیں دیتی۔ خدا نے فرمایا واپس جاؤ اور اس کی فرمانبردار ہو کر رہو۔ اس صبر کے بدلے میں ہم تمہیں ایک لڑکا دیں گے جس کی اولاد تمام جہان کے لئے موجبِ ہدایت ہوگی اور آسمان کے تارے اور ریت کے ذرّے گننے آسان ہوں گے مگر تیری اولاد کو کوئی نہ گِن سکے گا چنانچہ ایسا ہی ہوُا۔ پھر جب دوبارہ اس بی بی نے ہاجرہ کو دُکھ دیا تو ابراہیمؑ انہیں مکّہ میں چھوڑ گئے۔ ابراہیمؑ سے پوچھا کہ ہمیں کس کے سپرد کرتے ہوئے آپ نے اِس کا جواب نہیں دیا۔ پھر پُوچھا کہ کس کے حکم سے یہاں لائے ہو؟ فرمایا خدا کے حکم سے۔ اس پر اس نیک بخت صابرہ بی بی نے کہا تو پھر اب تمہاری ضرورت نہیں۔ اس بی بی کے پاس نہ روپیہ تھا نہ مال اسباب تھا نہ مویشی تھے۔ بچہ بھی چھوٹا تھا وہاں کوئی غمگسار نہ تھا۔ درندوں کا بھی ڈر تھا کوئی آبادی بھی نہ تھی۔ مگر اس صبر کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج مکّہ ایک عظیم الشان شہر آباد ہے جو کروڑہا خلق

کا ملجا و ماوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو میرے نام کے لئے صبر کرکے اس کے نتائج سے آگاہی حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ صفا و مروہ سے جاکر یہ شعور یہ معرفت حاصل کریں کیونکہ وہ مقام اللہ کی طرف سے صبر کے نتائج کے شعور کے حصول کا ذریعہ مقرر شدہ ہے جو حج کرنے جائے وہ وہاں ذرا چل کر پھر کر دیکھے کہ ہمارا فضل اس صابرہ پر کیسا ہؤا۔ ہم کیسے قدر دان ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۵۔ مارچ ۱۹۰۹ء)

اِنَّ الصَّفَا: صبر کے نتائجِ نیک کی مثال۔ ایک بیوی کے صبر سے مکہ مرجعِ خلائق بن گیا۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۰)

صبر اور پھر اس پر اَجر کی ایک مثال بیان فرماتا ہے اور وہ صفا و مروہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے شعائر اللہ سے قرار دیا ہے۔ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت ہاجرہؑ اپنے بیٹے اسمٰعیلؑ کے ساتھ چھوڑ دی گئیں۔ وہاں آپ نے صبر سے کام لیا تو اس کا جو انجام ہؤا وہ صفا و مروہ پر جاکر دیکھ لو کہ کیسی گھمسان کی آبادی ہے اور کس طرح پر دُور دراز علاقوں سے لوگ دیوانہ وار وہاں دوڑتے آتے ہیں اور کس طرح پر وہ مقام جو بالکل ایک ویرانہ تھا خدا کے فضل سے مرجعِ خلائق بن رہا ہے اور کس کثرت کے ساتھ برکات کا نزول ہوتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ حضرت ہاجرہؑ کی بھی خصوصیت نہیں بلکہ جو صبر کرے اجر پائے گا۔ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۷ نمبر ۷ صفحہ ۳۲۸)

۱۶۴۔ وَإِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيمُ ﴿۱۶۴﴾

تمہارا معبود صرف ایک ہی ہے جسے اللہ کہتے ہیں۔ ہر ایک کاملہ صفت سے موصوف۔ ہر ایک بُرائی سے پاک۔ بِن مانگے احسانات کرنے والا۔ مانگنے والوں کے سوال و محنت پر عنایت فرما۔ اس اللہ کے سوا کوئی بھی معبود نہیں۔ (تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۲۴۸)

اُوپر کی آیات میں کفار پر لعنتوں کا ذکر ہے اَب ان سے بچنے کا ایک نسخہ بتلایا ہے (۱) اللہ کی طرف جُھک جانا جو اپنی ذات و صفات میں یگانہ ہے۔ یہاں اس معبود کی دو عظیم الشان صفتوں کا ذکر ہے۔

الرَّحْمٰنُ : بلامبادلہ رحم کرنے والا۔
الرَّحِیْمُ : سچی محنتوں کو ضائع نہ کرنے والا بلکہ ان پر ثمرات مرتّب کرنے والا۔ اَب اپنی ہستی اور صفتِ رحمانیّت کا ثبوت دیتا ہے۔ پہلا ثبوت آسمان و زمین کی پیدائش ہے اور رات و دن کا اختلاف۔ ایک چھوٹی سی پیالی انسان کسی کے پاس دیکھے تو یہ کبھی وہم میں نہیں آتا کہ خود بخود بن گئی تو اتنا بڑا آسمان و زمین دیکھ کر یہ یقین کیوں حاصل نہ ہو کہ ان کا پیدا کرنے والا بھی کوئی ہے۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۵ مارچ ۱۹۰۹ء)

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۵﴾

یہ فطری بات ہے کہ جب مختلف اشیاء کو خاص ترتیب سے رکھا ہوا دیکھتے ہیں تو ایک بچہ بھی سمجھ جاتا ہے کہ ان کا اِس ترتیب سے رکھنے والا ضرور کوئی ہے چہ جائیکہ ایک عقلمند انسان آسمان کو دیکھے، زمین کو دیکھے، اس کی مختلف مخلوقات کو ایک خاص نظام میں دیکھے۔ دن رات کے کاموں میں ایک خاص انتظام نظر آئے اور پھر یہ نہ مانے کہ ان کا مرتّب کرنے والا بھی کوئی ہے
مَیں تمہیں ایک قصّہ سُناتا ہوں۔
دارالسلطنت بغداد میں کچھ ایسے آدمی جمع ہو گئے جو دہریہ تھے۔ ان میں سے چند آدمی ایک دفعہ حضرت امام ابوحنیفہ کے پاس آئے۔ جب امام صاحب نے انہیں اپنے مکان میں جمع ہوتے دیکھا

تو نہایت متفکر چہرہ بنالیا۔ انہوں نے کہا حضرت آپ کس خیال میں ہیں؟ ہم تو ایک مسئلہ دریافت کرنے آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں تو اِس حیرت میں ہوں کہ یہاں بغداد میں لاکھوں آدمی رہتے ہیں ہر ایک کی ضرورت مختلف ہے۔ کوئی چین سے، کوئی حبش سے، کوئی کسی اور بحری مقام سے وابستہ ہے پھر ہر ایک ضرورت کے لئے جہاز پر جہاز اڑے چلے آتے ہیں اور سُنتا ہوں نہ ان پر کوئی ملّاح ہے، نہ ان کا کوئی مالک ہے، نہ انہیں کوئی چلانے والا ہے۔ اس پر اس دہریہ جماعت کا بڑا بولا کہ معلوم ہوتا ہے آپ کے دماغ کو کوئی صدمہ ہوگیا ہے۔ یہ کام بغیر کسی مدبّر بالارادہ کے نہیں چل سکتا اور نہ چل رہا ہے۔ آپ نے فرمایا بغداد کی کارروائی تو بغیر کسی مدبّر کے نہ چلے مگر آسمان و زمین کا کارخانہ خود بخود چلتا رہے۔ اس پر وہ بہت نادم ہوئے اور چلے گئے۔

مجھے بھی کئی دہریوں سے گفتگو کا اتّفاق ہوا۔ ایک دفعہ مَیں نے ایک دہریہ سے اس دری کی طرف اشارہ کرکے جس پر ہم بیٹھے ہیں پُوچھا اس کا یہ دھاگا یہاں سے پلٹ کر اِدھر کیوں گیا ہے۔ اُس نے کہا مدبّر بالارادہ دری کے بُننے والے نے اسے پیچدار بنا لیا۔ مَیں نے کہا آپ نے اِس دری کا بُننے والا دیکھا۔ کہا نہیں۔ مگر ایسی دریاں بنتے مَیں نے دیکھی ہیں۔ جب اسے سمجھایا گیا کہ تم لوگ تو تماثل اجسام کے قائل نہیں تو اس نے ہنس کر بات کو ٹالنا چاہا۔

یہاں وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ تک تو اپنی ہستی اور صفتِ رحمانیت کا ثبوت دیا اب رحیمی صفت کا بیان ہوتا ہے پہلے تو جہازوں کو جن سے لوگوں کو بہت نفع پہنچتا ہے۔ یہ دوسرے ممالک کے ناموں کا بائیکاٹ کرنے والے اور سودیشی تحریک کے بانی اِس آیت کا انکار کرنے والے ہیں اگر ہم آج یہ تفریق کریں گے کہ فلاں ملک کی چیز خواہ کیسی اچھی ہو ہم نہیں لیتے۔ تو کل پھر بعض شہروں کا بائیکاٹ کرینگے پھر مذہبی تفریق درمیان میں آئے گی مسلمان کہیں گے ہم ہندوؤں کی نہیں خریدتے اور ہندو کہیں گے ہم عیسائیوں سے یہ معاملہ نہیں رکھتے۔ پھر مذہبوں کی آپس میں تفریق ہوگی۔ وہابی کہیں گے ہم حنفیوں کی بنی ہوئی چیزیں نہیں خریدتے اور حنفی کہیں گے ہم احمدیوں کی نہیں خریدتے۔ اِس طرح تو بڑا فساد پڑے گا۔

پھر اُوپر سے پانی کا برسنا اور اس پانی سے فائدہ اُٹھانا یہ بھی رحیمی صفت کے ماتحت ہے۔ پھر جانداروں کا پیدا کرنا جو طرح طرح کی ضرورتوں میں ہمارے کام آتے ہیں۔ کوئی بوجھ اُٹھاتا ہے کوئی ہَل چلاتا ہے، کوئی حفاظت کرتا ہے، کوئی غذا بناتا ہے۔

وَتَصْرِيفِ الرِّيحِ : ہواؤں کے بارے میں بڑی بڑی کتابیں بنی ہوئی ہیں۔ ایک ہَوا ہے جو جہازوں کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک لے جاتی ہے۔ ایک ہَوا ہے جو ریل کو چلاتی ہے۔ ایک

گندگیوں کو صاف کرتی ہے۔ ایک بیماری کے جرم فنا کرتی ہے۔ ہوا کی تعریف میں بھی خدا کی قدرتوں اور اس کے رحیم ہونے کے بہت سے نشانات ہیں۔ پھر بادل جو آسمان و زمین میں مسخر ہے گویا کہ وہ سقہ ہے جو جنابِ الٰہی کے امر کا منتظر ہے جہاں اسے حکم ہو پانی پہنچائے۔ یہ سب کچھ بیان کر کے فرماتا ہے کہ اُولوالالباب کا تو اعلیٰ درجہ ہے معمولی عقل والے بھی اِس سے اِس نتیجہ تک پہنچ سکتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ ہے اور وہ رحمٰن و رحیم ہے اس کا مدِمقابل کوئی نہیں۔

حُسن و احسان میں اس سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ پس عشق و محبت بھی اسی ذات سے سزاوار ہیں۔ اکثر لوگ ہیں جو کسی کی تان پر، آواز پر، اداؤں پر، مال پر، جاہ و جلال پر، علم و فضل پر، حُسن و خوبی پر لٹو ہو جاتے ہیں مگر نہیں جانتے کہ یہ سب چیزیں فانی ہیں۔ بہت سی عورتیں جو اپنے حُسنِ دل آویز کی وجہ سے دوسروں کے اِبتلاء کا موجب تھیں ایک وقت ان پر ایسا آیا کہ آتشک ہوئی اور ناک گِر گئی۔ بہت سے ایسے امراء ہیں کہ ایک دَم میں غریب ہو گئے۔ بہت سے ایسے علماء ہیں کہ حواس باختہ ہو گئے پھر جس کمال کی وجہ سے ان کی قدر ہوئی تھی وہ جاتا رہا تو کسی نے بات تک نہ پوچھی۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرۃ: ۱۶۶) (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۵ مارچ ۱۹۰۹ء)

بے شک آسمانوں اور زمین کی پَیدائش میں کہ دونوں میں کِس قدر مختلط القوٰی اشیاء موجود ہیں اور پھر ان میں کیسا باہم تعلق ہے۔ تم کو کِس قدر وقتاً فوقتاً ضرورتوں کا سامنا ہوتا ہے پھر آسمان اور زمین میں کتنا سامان تمہاری ضرورتوں کے علاوہ تمہاری راحت کے واسطے بھی موجود ہے اور رات و دن کے اختلاف میں کہ کس طرح دونوں طُول البلد میں بایں اختلاف کہ ہر ایک دوسرے کے پیچھے موجود ہے اور عرضِ بلد میں بایں اختلاف کہ کم و زیادہ موجود رہتے ہیں اور ان جہازوں میں جو لوگوں کے لئے ہر قسم کے منافع کے واسطے سمندر میں پتلے پتلے پانیوں پر بڑے بڑے بوجھوں کے ساتھ دوڑ رہے ہیں اور اس میں کہ اللہ تعالیٰ ویران وغیر آباد زمینوں کو اس پانی سے آباد کر دیتا ہے جس کو وہ آپ بادلوں سے اُتارتا ہے اور اس میں کہ پینے کے لئے پانی کھانے کے لئے کھانے۔ غرض آسمانوں اور زمین کی پَیدائش اور رات دن کی روشنی و اندھیری اور بادلوں کی بارش کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہی زمین میں ہر قسم کے جانداروں کو پھیلایا اور ہواؤں کے اِدھر اُدھر پھیرنے میں کہ کہیں ان میں کوئی حیوانات و نباتات کی زندگی کا باعث ہیں۔ کہیں خون کے صاف کرنے اور رگھسے پسے اجزاء کے نکالنے میں مددگار۔ کہیں جہازوں اور کشتیوں کے لے جانے میں مُحنت کے مزدور۔ کہیں بادلوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے میں فرمانبردار۔ کہیں ضرورت کے موافق ذرّات کو جمع

کردیں۔ کہیں صفائی میں مدد دیں اور بادلوں میں جو آسمان و زمین کے درمیان اللہ تعالیٰ کے قبضہ حکم میں مسخر ہو رہے ہیں۔ ضرور ہی ان باتوں میں اللہ تعالیٰ کی ہستی، اس کی یکتائی، اس کی کاملہ صفات، حکمت، قدرت، علم، رحم وغیرہ وغیرہ کے نشان ہیں مگر صرف اس قوم کے واسطے جو عقلِ سلیم رکھتے ہیں۔ (تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۲۴۹، ۲۵۰)

اَلْمُسَخَّرِ: مُفت کام میں لگائے گئے۔ تسخیر کے علم والے دیکھیں۔ ہمارے لئے بغیر کسی عمل پڑھنے کے سب کچھ مسخر ہے۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹)

۱۶۶۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۶﴾

پس جو مومن ہے وہ اپنا محبوب اللہ کو بناتا ہے۔ وہ نہ اپنے پیرو مرشد سے اتنی محبت کرتا ہے جتنی اللہ سے چاہیئے اور نہ اپنی بیوی سے نہ دنیا کی کسی اور چیز سے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۵ مارچ ۱۹۰۹ء)

وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا: جو ایسا نہیں کرتے وہ مشرک ہیں۔ جب کوئی عذاب آجاتا ہے تو پھر جس صاحب قوت یا صاحبِ جمال یا صاحبِ مال سے خدا کے برابر محبت کرتے تھے وہ کسی کام نہیں آتا اس وقت پتہ لگتا ہے

اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا

کہ بل بوتہ سب اللہ ہی کے لئے ہے۔ کوئی قوت خدا کے مقابل کام نہیں دے سکتی حسن و جمال،

علم وفضل کی قوت تو تلواروں کے ماتحت ہے الٰہی قوت کسی کے ماتحت نہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم اپریل ۱۹۰۹ء)

بعض آدمی بعض اشیاء کو مختلف اغراض کے باعث پرانوں سے پیارا سمجھتے ہیں۔ تم نے سُنا ہوگا کہ ہزاروں اپنے پرانوں کو خدا کے سوا اور اشیاء کی محبت پر تیاگ دیتے ہیں۔ پس سچی تعلیم یہی بجائے اس کے کہ باری تعالیٰ کو پرانوں سے پیارا کہا جاوے اُس کو ہر ایک چیز سے زیادہ پیارا ہونے کا یقین کرایا جاوے اور یہی فائدہ ہے جو قرآن کریم کے لفظ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ سے حاصل ہوتا ہے اور یہی قرآن کریم کی تکمیل ہے۔ (تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۱۶۲، ۱۶۳)

قرآن کریم نے ایک اور شرک کی طرف بھی توجہ دلائی ہے وہ یہ ہے کہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ یعنی جیسا پیار اللہ سے کرتے ہو کسی اور سے کرنا خدا کا شریک بنانا ہے۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا۔ نِدّ بنانا یوں ہے کہ مثلاً ایک طرف آواز آرہی ہے حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ اور دوسری طرف کوئی اپنا مشغلہ جس کو نہ چھوڑا تو یہ بھی شرک ہے۔ (بدر ۱۳ جنوری ۱۹۱۰ء صفحہ ۲)

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۷﴾

تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ: اسباب کے معنے تعلقات کے ہیں یعنی ان کے باہمی تعلقات قطع ہو جائیں گے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان یوم پنجشنبہ۔ یکم اپریل ۱۹۰۹ء صفحہ ۲۷)

وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ۭ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ

مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۸﴾

یُرِیْھِمُ اللّٰہُ اَعْمَالَھُمْ حَسَرٰتٍ : ایک پاگل میرے ہاں رہتا تھا سو کر جاگتا تو چند منٹ کے لئے اس کے ہوش وحواس درست ہو جایا کرتے اُس وقت وہ کہتا "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ حَسْنَا (اس کا نام ہے) تُو نے کئی گھروں کو آباد کیا اور کئی گھروں کو اُجاڑا پر تیرے کام کچھ نہ آیا۔"

دیکھو انسان جب خدا کو چھوڑ دیتا ہے تو اس کے عمل اس کے افسوس کا موجب ہو جاتے ہیں اور پھر ہر وقت اس کے دل میں ایک آگ لگی رہتی ہے۔ یہ بات یاد رکھو کہ انسان جوانی میں بہت کچھ غلطیاں کرتا ہے مگر جو لاحول اور استغفار کے عادی ہوتے اور پاک صحبتوں میں رہ کر دعاؤں میں مشغول ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی دستگیری کرتا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم اپریل ۱۹۰۹ء)

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۶۹﴾

کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا : بعض مسائل بہت ضروری ہیں مَیں نے بہت کم ایسی کتابیں پڑھی ہیں جن میں ان کا مذکور ہو۔ ضروریاتِ ایمان ہمارے علماء نے صرف یہ لکھی ہیں۔ ایمان اللہ پر، ملائکہ پر، کتب پر، رسل پر، یومِ آخرت پر، تقدیر پر اور عملی حصّہ میں کلمہ مُنہ سے بولنا، کلمۂ شہادت کی شہادت، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ۔ بس اس کے آگے خاموشی ہے حالانکہ کئی باتیں اَور بھی ایسی ہیں جو بعینہٖ اسی طرح فرضِ عین ہیں جیسے کہ نماز روزہ۔

دیکھو۔ یاد رکھو نیک کام کرنا بھی فرضِ عین ہے اور بدی سے بچنا بھی فرضِ عین ہے کسی مسلمان سے پوچھیں پنج ارکانِ اسلام کیا ہیں تو وہ سُنا دے گا مگر اس کے ساتھ چوری، حرام زدگی، رنڈی بازی اور قسم قسم کی بدکاریوں کا ذکر ہو تو افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس کی پرواہ نہیں کی جاتی جھوٹ کا

مرض بڑھتا جاتا ہے مگر بچپن میں اس کا کوئی علاج نہیں کیا جاتا۔ حالانکہ ؎

سرِ چشمہ شاید گرفتن بمیل　　　چو پُر شد نشاید گذشتن بہ پیل

ایک سچی مثل ہے آم کا درخت ہے جب اس کا پودہ زمین سے نکلے تو اُکھیڑا جا سکتا ہے مگر جب وہ بڑا درخت بن جائے تو اُسے اُکھیڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح بدیوں کی مثال ہے انہیں پہلے ہی روکو تا نیکی کی طرف تمہاری طبیعت رجوع رہے۔ جس طرح نماز روزہ فرضِ عین ہے اسی طرح جھوٹ سے، بدنظری سے، بدسمعی سے (جو زنا کے مقدمات ہیں)، سستی سے، کاہلی سے، طمع سے، حرص سے، تکبر سے بچنا بھی نہایت ضروری ہے۔ مَیں نے اپنی تحقیق میں چودہ ضروریاتِ اسلام سمجھے ہیں اور وہ تمام نیکیوں اور بدیوں سے بچنے کے اصول ہیں۔

(۱) اللہ پر ایمان۔ اس کے ساتھ اللہ کی صفات پر ایمان۔ اس کے افعال پر ایمان۔ اس کی معبودیت پر ایمان۔ اِتنا ایمان لانا ضروری ہے (۲) دوسری بات اللہ کے فرشتوں کی تحریکوں پر ایمان (۳) تیسری بات اللہ کے کلام پر ایمان (۴) چوتھی بات اللہ کے پاک رسولوں پر ایمان (۵) پانچویں بات مسئلہ تقدیر پر ایمان جو تمام کامیابیوں کی جڑ ہے (۶) چھٹی بات ختمِ نبوت پر ایمان (۷) ساتویں بات بعث بعد الموت۔ یہ سات حصّے نیکیوں کے اصول ہیں۔

عملی حصّے میں پہلی بات اللہ کی توحید کا اقرار کرنا۔ دوسری بات ہر ایک قسم کی بدعملیوں سے بچنا۔ تیسری بات نیک اعمال کی طرف اپنے تئیں متوجہ کرنا۔ چوتھی بات نماز۔ پانچویں بات زکوٰۃ۔ چھٹی بات روزہ۔ ساتویں بات حج۔ مجھے نہایت افسوس ہے کہ ایسی تعلیم مَیں نے اپنی اسلامی کتابوں میں کم دیکھی ہے اور اگر ہے بھی تو انگریزی سکولوں کی پڑھائی کے اثر کے سامنے اس کا کچھ اثر نہیں جس قدر کوئی کسی مصنف کی کتاب پڑھتا ہے اس مصنف کے عقائد و اعمال کا ایک مخفی اثر پہنچتا رہتا ہے اس کے ازالہ کے لئے ضروری ہے کہ انگریزی کتب کے خفیہ اثر کو دینی تعلیم سے زائل کیا جائے اور وہ دینی تعلیم قرآن مجید میں ہے۔ اس سے پہلے توحید کا بیان کرتا آتا ہے اَب ایک گُر سمجھاتا ہے کہ لوگو! جو اِس زمین میں ہے اس سے کھاؤ مگر دو شرطیں ہیں ایک تو یہ کہ حلال ہو۔ بالباطل رزق نہ ہو۔ حلال کا علم کیسا ضروری ہے اور حلال کیا مفید ہے اس کے متعلق بیان بہت طویل ہے۔ پھر حلال ہو تو طیّب بھی ہو۔ بعض لوگ مسلمانوں میں ایسے گزرے ہیں کہ وہ پلاؤ پکوائیں گے تو اس میں تھوڑی سی راکھ ڈلوائیں گے۔ ایک صوفی کو مَیں نے دیکھا ہے کہ وہ حلوا، ساگ، دال، دُودھ، چھاچھ سب کو ملا کر رکھ چھوڑتا جب بُس جاتا تو کھاتا۔ یہ طیّب رزق نہیں ہے۔ بس مَیں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ رزقِ حلال

کھاؤ پھر وہ طیب بھی ہو۔

وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ : وہ چال نہ چلو جس پر شیطان چلا۔ شیطان وہ ہے جو خدا سے دُور ہے۔ اس شیطان کا پتہ اِس طرح لگتا ہے کہ وہ تمہیں بدی اور بے حیائی کی باتوں کی ترغیب دیتا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم اپریل ۱۹۰۹ء)

اِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

شیطانی گناہ کے تین اصول ہیں ان میں سے آخری یہ ہے کہ

اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ

کہ جھوٹا خواب یا جھوٹا کشف یا جھوٹا الہام بنائے یا بلا حجّتِ نیّرہ کسی چیز کو حلال یا حرام، بھلا یا بُرا کہہ دے اور ایک یہ کہ سُوء دوم فحشاء یعنی ہر ایسی بدی کہ دوسرے پر اس کا بد اثر پڑے۔ ایسے لوگوں کو جب کہا جائے کہ تم مَآ اَنْزَلَ کی تابعداری کرو تو وہ کہتے ہیں ہم اپنے باپ دادا کے پَیرو ہیں۔ لَا يَعْقِلُوْنَ خواہ ان کے باپ دادا ایسے ہیں کہ اپنے تئیں کسی بُد چیز سے روک نہ سکتے ہوں یہاں تک یہ باتیں بیان ہوئیں (۱) حلال کھاؤ (۲) طیب ہو (۳) بدیوں کو چھوڑ دو (۴) فحشاء سے پرہیز کرو (۵) اللہ پر تقوّل چھوڑ دو (۶) اندھا دُھند تقلید چھوڑ دو (۷) کوئی لا یعقل لا یھتدی کام کرتا ہو تو تم وہ نہ کرو۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم اپریل ۱۹۰۹ء)

بہت سے لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم مدارجِ تحقیقات پر پہنچے ہوئے ہیں۔ اِس غلط خیال نے بہت نقصان پہنچایا ہے۔ اِسی سے مُشرکوں نے استدلال کر لیا۔ بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا۔

غرض ایک راستباز کی شناخت کے لئے کبھی کوئی مشکل یہود یا نصاریٰ یا منکرین امام پر نہ آتی اگر وہ سمجھتے کہ پاک رسولؐ نے کیا دعویٰ کیا۔ (الحکم ۱۷ / جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۲)

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۲﴾

مثال ان لوگوں کی جو بے ایمان ہیں ایسی ہے جیسی کسی پر کوئی آواز سے کُتا ہے اور وہ سُنتا ہی نہیں۔ میرے ایک نوجوان دوست تھے مَیں ان کو درس قرآن شریف سُننے کی تاکید کرتا تھا۔ وہ میرے سامنے تو نہ کہتے مگر میرے پیچھے اپنے اِس خیال کا اظہار کر دیا کرتے تھے کہ آسودگی ہو تو پھر قرآن بھی پڑھیں۔ آخر جب وہ کسی عہدہ پر ممتاز ہوئے تو مجھے لکھا کہ بارہ برس ہوتے ہیں کہ مَیں قرآن شریف نہیں پڑھ سکا۔

خدا کرے تم لوگ ایسے نہ بنو کہ تمہارا قرآن سُنانے والا ایسے لوگوں سے ہو کہ اس کے سامعین ایسے ہوں جو نہ آنکھیں رکھتے ہوں کہ دیکھیں، نہ کان رکھتے ہوں کہ سُنیں، نہ زبان رکھتے ہوں کہ حق بولیں تم قرآن شریف سُننے کو غنیمت سمجھو۔ دُنیا کے جھمیلے تو کبھی کم ہونے میں آ نہیں سکتے۔ ایک کتاب میں مَیں نے ایک مثال پڑھی ہے کہ ایک شخص ندی سے گذرنا چاہتا تھا اُس نے تامّل کیا کہ یہ موج گزر جائے تو مَیں گزروں مگر اتنے میں ایک اَور آ گئی۔ آخر وہ اسی طرح خیال کرتے کرتے رہ گیا۔

بس طریق یہی ہے کہ حلال طیب کھاؤ۔ طیب کہتے ہیں اسے جو انسان کے لئے دُکھ نہ دے اور پھر شکر کرو۔

سات اصول بتائے ہیں ان کو ہر وقت زیرِ نظر رکھو۔ حلال طیب کھاؤ۔ سُوء و فحشاء و تقوّل نہ ہو۔ تقلید بے جا نہ ہو۔ کبھی ایسے رنگ میں اپنے تئیں نہ بناؤ کہ گوش حق کے شنوا، آنکھیں حق کی بینا نہ رہیں۔

یہاں تک یہ بیان فرمایا ہے کہ حق کے حصول کا ذریعہ حلال و طیّب روزی ہے۔ اِنسان فاقے پر فاقہ اُٹھائے مگر حلال کا رزق کھائے۔ جو مالدار ہیں ان کی حالت نہایت نازک ہے۔ غضب

الٰہی بھی مال والوں پر نازل ہوتا ہے۔ خدا کی ہدایت سے محرومی بھی اکثر مال والوں کے حصہ میں آئی ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِیْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا (الانعام: ۱۲۴) ایک حدیث میں ہے کہ اِبْلِيْسُ كَانَ مِنْ خُزَّانِ الْجَنَّةِ۔ گویا آدم کی مخالفت میں جس گروہ کو بڑی محرومی ہوئی وہ بھی مالداروں ہی کا گروہ تھا۔ ایک دفعہ مولوی ریاض الدین احمد نے مجھ سے پوچھا کہ پانچ آدمی قوموں کے لیڈر سمجھے جاتے ہیں کیشب چندر، دیانند، رائے موہن لال، سر سید، مرزا صاحب۔ آپ کوئی موٹا سا مابہ الامتیاز ان میں بتائیں۔ مَیں نے کہا بس یہ دیکھ لو کہ اکابر کس طرف گئے ہیں اور غریب کس طرف آئے ہیں۔ اوّل اوّل خدا رسیدوں کے ساتھ انہی کو تعلق ہوتا ہے جو بڑے مالدار نہ ہوں۔ ہارون رشید مکہ میں گیا تو ابن المبارک کو بھی ساتھ لیتا گیا جو اہل حدیث و اہل باطن میں عظیم الشان عالم تھا۔ جہاں جہاں ملاقات کو جاتا اس شخص کے مذاق کے مطابق اپنے ہمراہ کسی معتمد کو لے جاتا۔ فُضَیل عیاض سے ملاقات چاہی تو ابن المبارک سے اِستدعا کی۔ یہ گئے۔ باہر سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے آواز آئی۔ کون ہے؟ جواب دیا۔ ابنِ مبارک۔ کہا۔ مَرْحَبًا يَا اَخِیْ وَ صَاحِبِیْ۔ پوچھا میرے ساتھ بھی ایک شخص قریشی ہے۔ کہا مجھے کسی قریشی کی ملاقات پسند نہیں۔ کہا میرا تم پر حق ہے۔ وہ بولا ہاں۔ کہا پھر اسے مجھ پر ایک حق ہے۔ کہا۔ اچھا۔ ہارون رشید خاموش بیٹھ گیا۔ فضیل عیاض اسے دیکھ کر کہنے لگے یہ جوان ہے تو خوبصورت۔ مَیں دعا کرتا ہوں کہ جہنم سے بچ جائے۔ پھر جہنم میں پڑنے کی وجوہات بتلائیں جس پر ہارون رشید دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ وہ کونسی قوت تھی جو ایک بادشاہِ رُوئے زمین کو یُوں ڈانٹ بتانے کی جُرأت دے رہی تھی۔ صرف حلال خوری۔

ایک دفعہ ہارون رشید پھر گیا اور ایک ہزار دینار پیش کیا۔ فُضَیل نے بہت ناراضی کا اظہار کیا اور کہا اسے میرے سامنے سے اُٹھا لو یہ بیت المال کا ہے اور تمہیں اس سے بے تحقیق دینے کا کوئی حق نہیں۔ اس کے بعد ایک لونڈی گھر سے نکلی اور اس نے کہا ہم کئی دن سے فاقے میں ہیں اور یہ بڈھا روپیہ لانے والوں کو جھڑک دیتا ہے۔ اس پر آپ نے نرمی سے اُسے سمجھایا کہ دیکھو حلال بڑی نعمت ہے۔ ہارون رشید نے چاہا کہ گھر والوں کو یہ روپیہ دے مگر انہوں نے بھی نہ لیا۔

جو حلال رزق چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں غیر معمولی حوصلہ دیتا ہے اور انہیں اپنی جناب سے رزق عطا فرماتا ہے اور حرام رزق سے کسی نہ کسی حیلے سے بچا لیتا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم اپریل ۱۹۰۹ء)

۱۷۳۔ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا

رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾

اے ایمان والو کھاؤ ہمارے رزق سے ستھرے اور اللہ کا شکر کرو اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو۔ (فصل الخطاب حصہ اوّل صفحہ ۵۹)

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾

حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ : مُردار کے اندر ایک خطرناک زہر ہوتا ہے جس کا نتیجہ انسان کے لئے اچھا نہیں۔ چنانچہ جتنی مُردار خور قومیں ہیں ان کی زبان، جلد، عقل موٹی اور بھدی ہوتی ہے۔ اَوروں کو نہیں تو چوہڑوں کو دیکھ لیں شریف گھروں سے کھاتے ہیں، انہی کے ساتھ زیادہ تعلق رکھتے ہیں مگر پھر بھی مُردار خوری کا اثر ان کی شکلوں اور عقلوں سے ظاہر ہے۔

وَالدَّمَ : ہم نے ایسی قومیں دیکھی ہیں جو جانور کا خون پی جاتی ہیں یا اسے بھُون کر کھا لیتی ہیں۔ خون میں اِس قسم کی زہریں ہوتی ہیں جن سے اعصاب کو تشنج، فالج، استرخاء ہو جاتا ہے۔

وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ : اِس جانور کا گوشت کھانے سے قوّتِ شہوت و غضب میں بہت ترقی ہوتی ہے اور یہی دُو قوتیں ہیں جو تمام قِسم کی بداخلاقیوں کی جڑ ہیں۔ یہودی تو اِس کا نام تک نہیں لیتے۔ بعض مسلمانوں میں بھی یہ بات ہے۔ وہ خنزیر یا سؤر نہیں کہتے۔

وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ : وہ جانور جو نامزد کیا گیا ہو اللہ کے غیر کے لئے۔ ایسے جانور تقرب و حاجت روائی کے لئے ذبح کئے جاتے ہیں۔

غَيْرَ بَاغٍ : دِل سے چاہنے والا نہ ہو۔

وَلَا عَادٍ : اور پھر اضطرار کی ضرورت سے حد سے بڑھنے والا نہ

ہو۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم اپریل ۱۹۰۹ء)

حَرَّمَ عَلَيْكُمُ: سب چیزیں جو قوائے فطری یا دین یا اخلاق کی مُہلک ہوں حرام ہیں۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۱)

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۷۵﴾

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ: اِس سورۂ شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے قسم قسم کی کامیابیوں اور فتحمندیوں کے اصول بتلائے ہیں۔ میرے اپنے اعتقاد کے مطابق یہ تمام سورۃ جہاد کی ترغیب کیلئے ہے اور اس میں جا بجا مجاہدین کو بتایا ہے کہ وہ کس طرح مظفر و منصور ہو سکتے ہیں۔ پارہ اول میں مُفْلِحُونَ کے معنے مظفر و منصور کے ہیں۔ فتح کا تاج بھلا جہاد کے سوا کسی کے سر پر رکھا جا سکتا ہے۔ پھر اس کے بالمقابل اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا کا ذکر ہے جس کے بعد عذابِ عظیم آیا ہے۔ گویا دو گروہ بتا دئیے ہیں جن میں مقابلہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ چاہے گا تو مَیں کسی دوسرے مقام پر اِس کی تشریح کروں گا یہاں صرف اِتنا بتا دیتا ہوں کہ ایک جگہ فرمایا وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (البقرۃ: ۱۵۴) پھر صاف بتلا دیا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ (البقرۃ: ۱۵۵) پھر فرمایا وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ (البقرۃ: ۱۵۶) یہ سب چیزیں ایسی ہیں جن کی ضرورت جہاد میں ہے۔ پھر جہاد میں ضروری ہے کہ اللہ پر پورا ایمان ہو اور یہ موقوف ہے توحید پر اور توحید کامل نہیں ہوتی جب تک شرک سے نفرت نہ ہو اِسی واسطے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ (البقرۃ: ۱۶۶) میں شرک سے منع فرمایا اور بتلایا کہ مومن کو چاہیئے اکلِ حلال سے غازی بنے۔ پھر اسی پر بس نہیں کہ حلال کھانے کا عادی بنے بلکہ ترکِ حرام بھی کرے۔ پھر اس ترک حرام میں سے ایک اعلیٰ حرام خوری کا ذکر کیا ہے۔

کل کے درس میں اصولی محرمات کا ذکر تھا استنباطی طاقت جب پیدا ہوتی ہے جب بطور مثال

کچھ بیان ہو چنانچہ یہاں ایک مثال اِس آیت میں ذکر کر دی گئی ہے۔

مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ : جو کچھ اُتارا اللہ نے ایک کامل مجموعہ میں۔

ثَمَنًا قَلِيْلًا : مول بہت تھوڑا یعنی دُنیا جیسے فرمایا قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ (النساء: ۷۸)

مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ : اِس طرزِ عمل کا نتیجہ سوا اِس کے نہیں کہ جل بھُن کر اندر ہی اندر کباب ہوتے رہیں۔

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ : لوگ اپنا مال، اپنی دولت، اپنی عزّت، اپنی آبرو کسی بڑے کی بات سُننے کے لئے خرچ کر دیتے ہیں۔

پس اللہ کی ذات سے جو تمام حسینوں، عالموں اور بادشاہوں کا خالق ہے کلام کرنے کو کیوں دل نہ تڑپتا ہوگا۔ سو خدا تعالیٰ ایسے لوگوں کو دوسری سزا یہ دے گا کہ ان سے کلام نہ کرے گا۔ اندھا آدمی جو دیکھنے کے عجائبات سے واقف نہیں ہوتا وہ اگر دید کی حرص نہ کرے تو تعجب نہیں۔ اِسی طرح جسے کلامِ الٰہی کی عذوبت سے آگاہی نہیں وہ اگر اسے عذاب نہ سمجھے تو نہ سمجھے یہ ہے بڑا عذاب۔ پھر ایک اَور دُکھ ہوگا وہ یہ کہ مُزکّی نہ کرے گا بلکہ ان کے لئے عذاب ہے۔

عَذَابٌ اَلِيْمٌ : یہ عذاب عذوبت والا نہیں بلکہ دُکھ دینے والا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم اپریل ۱۹۰۹ء)

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۶﴾

اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى : ان لوگوں نے حرام خوری سے کیا فائدہ لیا سوا اِس کے کہ ضلالت کو ہدایت کے بدلے خریدا۔ یہ اِس طرح کہ حرام خوری سے دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ جب دعائیں قبول نہ ہوئیں تو یہ کہہ دیا کہ اچھا دعائیں بھی دیکھ لیں۔ اِس قول کا نتیجہ کُفر ہے پس بجائے اسکے کہ مغفرت حاصل کریں انہیں عذاب ہوگا۔

فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ : ان کے نظارے دیکھنے والے یہ کہیں گے۔

بعض صوفیوں نے بھی بعض جرأت کے کلمے کہے ہیں۔ مثلاً یہ کہ دوزخ میں کیا رکھا ہے حالانکہ وہ دُنیا کی ایک معمولی تکلیف کو تو برداشت کر نہیں سکتے۔ مثلاً تپ چڑھی ہو تو ہال پکار سے شور برپا

کر دیتے ہیں تو کیا دوزخ جو بڑے دُکھ کا مقام ہے اسے انہوں نے کچھ معمولی سمجھ لیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ دید و شنید برابر نہیں ہوتی۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم اپریل ۱۹۰۹ء)

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۚ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِى الْكِتٰبِ لَفِىْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ﴿۱۷۷﴾

اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا : اس کے معنے ہیں جن لوگوں نے اس کی خلاف ورزی کی ہے۔

شِقَاقٍ بَعِيْدٍ : یعنی ہمارے اور ان کے درمیان جو تعلقات تھے اور جو وصل تھا اس میں شق آگیا شق بھی پرلے درجہ کا۔ پنجابی "پاڑن پاڑنا" اس مفہوم کو خوب ادا کرتا ہے۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم اپریل ۱۹۰۹ء)

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ

أُولَٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ، وَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۸﴾

نیکی یہی نہیں کہ منہ کرو اپنے مشرق کی طرف یا مغرب کی۔ و یکن نیکی وہ ہے جو کوئی ایمان لاوے اللہ پر اور پچھلے دن پر اور فرشتوں پر اور کتابوں پر اور نبیوں پر اور دیوے مال اس کی محبت پر ناتے والوں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور راہ کے مسافر کو اور مانگنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں اور کھڑی رکھے نماز اور دیا کرے زکوٰۃ اور پورا کرنے والے اپنے اقرار کو جب پورا کریں اور ٹھہرنے والے سختی میں اور تکلیف میں اور وقت لڑائی کے۔ وہی لوگ ہیں جو سچے ہوئے اور وہی بچاؤ میں آئے۔
(فصل الخطاب حصّہ دوم صفحہ ۱۳۰)

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ : چونکہ اس سے پہلے خدا تعالیٰ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فرما چکا ہے کہ جدھر تمہارا رُخ ہو گا اُدھر ہی میرا رُخ ہے یعنی میری نصرت تمہارے ساتھ ہو گی اِس پر صحابہؓ نے خیال کیا ہو گا کہ ہم سے بڑا کون ہے کیونکہ جدھر ہماری توجہ ہے ادھر ہی خدا کی توجہ ہے اِس لئے فرمایا ہے تو ٹھیک مگر نیکی صرف جہاد و فتوحات سے وابستہ نہیں اور نہ صرف مشرق و مغرب کو فتح کر لینا کافی ہے بلکہ ضروری ہے کہ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ اللہ تعالیٰ پر ایمان ہو۔

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ : اس وقت پر ایمان ہو جہاں انسان اپنے اعمال کے نتائج دیکھتا ہے۔ یہ یاد رکھو کہ انسان کی فطرت میں یہ بات رکھی گئی ہے کہ جس کے ساتھ اس کا تعلق ہوتا ہے اس کی صفات کے خلاف حتی الوسع کوئی بات نہیں کرتا اِس خیال سے کہ اس کی نظر سے گر نہ جائے۔ پس حضرت حق سُبحانہٗ کے قُرب کے لئے بھی ہم میں ایمان اور فضائل اور کفر و رذائل سے بچنے کی ضرورت ہے۔

وَالْمَلٰٓئِكَةِ : پھر ایمان بالملائکہ بڑا ضروری ہے۔ میرے خیال میں ہے کہ یہ چوتھی مرتبہ ملائکہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک تو وہاں بیان ہوا جہاں یہود کی خفیہ سوسائٹیوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے ہاروت ماروت کی مدد سے اس زمین کو ہرت و مرت کر دیا۔

پھر دوسرا وہ مقام ہے جہاں بتایا ہے کہ ایک وہ علوم ہیں جن کا تعلق قلب کے ساتھ ہے اور ایک وہ جن کا تعلق دماغ کے ساتھ ہے ان دونوں میں جو تحریک کرنے والے سردار ہیں ان کا نام جبرئیل و میکائیل ہے۔

پھر تیسرا مقام آدم کے قصّے میں ہے۔ چوتھی بار یہاں ذکر کیا ہے اور مَیں نے بارہا بتایا ہے کہ وہ تمام پاک تحریکیں جن کا انجام بخیر ہو ملائکہ کی طرف سے ہوتی ہیں۔

وَالْكِتٰبِ : پھر اللہ کی رضامندیوں کی راہیں جہاں مذکور ہیں وہ اس کی بھجوائی ہوئی کتابیں ہیں ان کا ماننا ضروری ہے۔ انسان اگر جنابِ الٰہی کے صفات سے آگاہ نہیں۔ ملائک کی تحریک کو نہیں سمجھتا تو کلامِ الٰہی ہی سے سمجھے جو النَّبِیّٖنَ خدا کی جناب سے غیب کی آگاہی پانے والوں کو عطا ہوتی ہے۔ اللہ کی کتابوں میں سے سب سے جامع کتاب قرآن مجید اور تمام کمالاتِ انبیاء کا جامع محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ آدمی پہلے قرآن کریم پڑھے پھر حضرت نبی کریمؐ کے سوانح عمری (جن میں احادیث شامل ہیں) مَیں کامل یقین سے گواہی دیتا ہوں کہ ایسا کامل انسان پھر پَیدا نہیں ہو سکتا۔

اَب عملی حصّہ کا ذکر آتا ہے وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ یعنی محبّتِ الٰہی کے ساتھ مال کو خرچ کرے۔ بعض لوگ حُبِّهٖ کا ترجمہ کرتے ہیں وہ مال جس سے محبّت ہے مگر میرے نزدیک جس عمل میں اخلاص و ثواب نہ ہو وہ کسی کام کا نہیں۔

ذَوِی الْقُرْبٰى : اَب اِس مال کے مصارف بتلاتا ہے۔ اِنسان غیروں کو دیتا ہے مگر رشتہ داروں کو نہیں دیتا کیونکہ ان سے بوجہ رات دن کے معاملات کے بعض اَوقات ناراضی بھی ہوتی ہے۔

وَالْيَتٰمٰى : پھر یتیم کو دے کیونکہ اس سے بدلے کی امید نہیں۔

وَالْمَسٰكِيْنَ : پھر ان لوگوں کو دے جو بے دست و پا ہیں۔ میرے خیال میں تین قسم کے لوگ مساکین ہو سکتے ہیں ایک تو وہ جو کام نہیں کر سکتا بوجہ معذوری اور یہ دُو طرح ہے۔ مثلاً ایک شخص لوہاری کا کام جانتا ہے مگر اوزار نہیں رکھتا۔ سینا تو جانتا ہے مگر سُوئی اور قینچی وگز نہیں۔ پس یہ اسباب ان کو مہیّا کر دینے چاہئیں کیونکہ بغیر ان کے وہ بھی اپاہج کے حکم میں ہیں۔ ایک اَور مثال سُنو کوئی کسب جاننے والا ہے تو سہی مگر وہاں اس کے ہُنر کا کوئی قدر دان نہیں یا دُکان چلانے کیلئے مکان نہیں۔ پس اپاہج ہو عدم مال کی وجہ سے یا عدم اعضاء کی وجہ سے ہر دُو صورت مستحق امداد ہے۔

وَابْنَ السَّبِيْلِ : مسافر کو بعض وقت بہت مشکلات پیش آجاتی ہیں مثلاً نقدی چوری ہو گئی یا کسی اتفاق سے چند پیسے کرایہ سے کم ہو گئے وغیرہ یا ٹکٹ گم ہو گیا۔

وَالسَّآئِلِيْنَ : سوال کرنے والوں سے آجکل بہت بُرا سلوک کیا جاتا ہے۔ بعض لوگوں کی عادت ہے کہ جب کوئی سوالی ان کے سامنے آیا تو انہوں نے اس پر عیب لگانے شروع کر دیئے۔

وَفِي الرِّقَابِ : گردنوں کو چھڑانے سے مراد غلاموں کا آزاد کرنا ہے۔ ایک دفعہ ایک غیر مذہب کا شخص بڑے زور سے کہہ رہا تھا غلاموں کی آزادی دلانے والا عیسائی مذہب ہے۔ مَیں نے کہا کہ مسیح ناصریؑ نے کوئی قانون ان کے لئے نہیں بنایا نہ کوئی حصّہ مقرر کیا مگر ہماری شریعت میں قانون ہے جو اِن آیات میں مذکور ہے اور پھر بیت المال کا ⅛ حصّہ ان کے لئے مقرر ہے۔

چھ مصرفوں کا ذکر تو یہاں کیا اور پارہ ۱۰ میں دو مصرف اَور بتائے ہیں ایک مؤلفۃ القلوب میرے نزدیک اِس زمانہ میں بھی یہ بہت ضروری ہے۔ دوم اس محکمہ زکوٰۃ کے جو ملازم ہیں ان کی تنخواہ۔

وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ : وہ پاک عبادت جس کا نام نماز ہے غفلتوں، سُستیوں، ناکامیوں میں اسے قائم رکھے :

وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ : زکوٰۃ دے۔ تزکیۂ نفس بھی کرے۔

وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ : باساء کہتے ہیں غریبی، تنگ دستی کو۔ یہ بُری بلاء ہے کسی کے گھر میں شادی ہو۔ غریب کے گھر میں بیوی بچّوں کے اصرار کی وجہ سے جو وہ کپڑوں اور زیوروں کی وجہ سے کر رہے ہیں۔ ماتم ہو رہا ہے۔ امراء میں عید ہے مگر غریب کے گھر رونا پڑا ہوُا ہے مگر مومن ان مشکلات کی کچھ پرواہ نہیں کرتا۔ پھر اس سے بڑھ کر مشکل ایک اَور ہے۔

وَالضَّرَّآءِ : وہ کیا ہے۔ بیماری۔ چاہے کانٹا ہی کیوں نہ چُبھا ہوُا ہو۔ پیٹ میں کیوں نہ درد ہو۔ آنکھ ہی دُکھتی ہو سارا جہان مریض کے لئے اندھیرا ہو جاتا ہے اور دولت، بیوی، بچّے عیش و عشرت کے سامان سب بُرے معلوم ہوتے ہیں۔ ایک شخص میرے پاس آیا کہ بیوی حسین موجود ہے قوتِ رجولیّت نہیں خودکشی کر لوں گا اگر تم نے کوئی امید نہ دلائی۔ دیکھو کیسا نازک مقام ہے مگر مومن نہیں گھبراتا وہ استقلال واستقامت سے رہتا ہے۔ پھر اِس سے بھی بڑھ کر ایک اَور مصیبت ہے۔

وَحِیْنَ الْبَاْسِ : وہ ہے مقدمات کی۔ (خواہ جہادِ شمشیر کی صورت میں ہو۔ خواہ جہاد قلم کے رنگ میں ہو) یہ بہت بُری بَلاء ہے۔ دیکھو جنگوں میں کتنی سلطنتیں تباہ ہوئیں کتنی مقروض ہوئیں۔ کتنے جوان سپاہی اور سپہ سالار ہلاک ہوئے۔ ایسے وقت سچّا مومن وہ ہے جو مستقل مزاج ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم اپریل ۱۹۰۹ء)

حُسنِ اعتقاد و حُسنِ اقوال و حُسنِ اعمال اور فقر، بیماری، مقدمات و مشکلات میں صبر و استقلال اِس مجموعہ کو قرآن نے تقویٰ کہا ہے۔ دیکھو رکوع لَیْسَ الْبِرَّ پارہ دوم اور اس کا ایک درجہ سورہ بقرہ کے ابتداء میں ہے جیسے فرمایا ہے کہ اَلْغَیْبِ پر ایمان لاوے۔ پر ارتھنا اور دُعا اور بقدرِ ہمّت و

طاقت دوسرے کی ہمدردی کے لئے کوشش کرنے والا متقی ہے۔ (دیباچہ نورالدین صفحہ ۹)

الصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ: دکھوں، بیماریوں اور قحطوں اور جنگوں میں صبر کرنے والے۔ وہی صادق ہیں اور وہی متقی ہیں۔

(دیباچہ نورالدین صفحہ ۲۰)

پسندیدہ باتیں یہی تو نہیں کہ مشرق اور مغرب کی طرف منہ کرکے نماز پڑھ لی نیکی اور عمدہ بات تو اُس شخص کی ہے جس نے دِل سے مانا زبان سے اقرار کیا اور اپنے کاموں سے کر دکھایا کہ وہ اللہ کو مانتا۔ جزا وسزا کے دِن پر یقین رکھتا ہے۔ ملائکہ اور اللہ تعالیٰ کی پاک کتاب اور سچے نبیوں پر اس کے اعتقاد لایا ہے۔ اور بایں کہ اسے خود حاجت وضرورت ہے اور زندگی کا امّیدوار ہے مگر اپنے مال سے رشتہ داروں کی خبر گیری کرتا ہے اور یتیموں، مسکینوں اور مسافروں، سائل کی پرورش، غلاموں کے آزاد کرنے میں مال کو خرچ کرے، عبادت ونمازوں کو ٹھیک درست رکھے۔ اپنے مال سے مقرری حصہ جسے زکوٰۃ کہتے ہیں ادا کرتا ہے اور نیکی تو ان کی ہے جو تمام ان بھلے معاہدوں اور اقراروں کا ایفا کریں جو انہوں نے خدا تعالیٰ سے یا اس کے کسی بندہ سے باندھے۔ باتوں میں صداقت کو کام میں لاویں۔ امانت میں خیانت نہ کریں۔ افلاس میں، مرض میں، جنگ کی شدت میں، تنگی میں، تکلیف میں وفادار، ثابت قدم، مستقل مزاج رہیں۔

(تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۲۵۷، ۲۵۸)

تقویٰ کی جڑھ اور بنیاد سچے عقائد ہیں اور ان کی بھی جڑھ کیا ہے۔ اٰمَنَ بِاللّٰهِ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا کہ وہ ہر بدی سے منزہ اور کل صفاتِ کاملہ کا مالک اور حقیقتاً وہی معبود، مقصود اور مطلوب ہے۔ اس کے اسماء، افعال اور صفات پر کامل ایمان لانا اور کہ وہ نیکی سے خوش اور بدی سے ناراض ہو کر نیکی کے عوض انعامات اور بدیوں پر سزا دینے والا اور قادر مقتدر ہستی ہے۔ وہ رَبّ ہے ارحمٰن ہے، رحیم ہے، مالکِ یوم الدین ہے۔ غرض انسان اِس طرح سے جب حقیقی طور سے اللہ کی صفات سے آگاہی حاصل کرکے ان پر کامل ایمان لاتا ہے تو پھر ہر بدی سے بچنے کے واسطے اس کو جنابِ الٰہی سے ایک راہ عطا کی جاتی ہے جس سے بدیوں سے بچ جاتا ہے۔ فطرتِ انسانی میں یہ امر روزِ اوّل سے ودیعت کر دیا گیا ہے کہ انسان جس چیز کو اپنے واسطے یقیناً مُضر جانتا ہے اس کے نزدیک تک نہیں جاتا۔ بھلا کبھی کسی نے کسی سلیم الفطرت انسان کو بھی کبھی جان بُوجھ کر آگ میں ہاتھ ڈالتے یا آگ کے انگارے کھاتے ہوئے دیکھا ہے یا کوئی شخص اِس حالت میں کہ اس کو اس امر کا وہم

ہی ہو کہ اس کے کھانے میں زہر کی آمیزش ہے اس کھانے کو کھاتے دیکھا ہے؟ یا کبھی کسی نے ایک کالے سانپ کو حالانکہ وہ جانتا ہو کہ اس کے دانت نہیں توڑے گئے اور اس میں زہر اور کاٹنے کی طاقت موجود ہے کسی کو ہاتھ میں بے خوف پکڑنے کی جرأت کرتے دیکھا ہے؟ یاد رکھو کہ اس کا جواب نفی میں ہی دیا جائے گا کیونکہ یہ امر فطرتِ انسانی میں مرکوز ہے کہ جس چیز کو یہ مضر رساں یقین کرتا ہے اس کے نزدیک نہیں جاتا اور حتی الوسع اس سے بچتا رہتا ہے۔ تو پھر غور کا مقام ہے کہ جب انسان خدا پر کامل یقین رکھتا ہے کہ خدا نیکی سے خوش اور بدی سے ناراض ہوتا ہے اور سخت سے سخت سزا دینے پر قادر ہے اور سزا دیتا ہے اور یہ کہ گناہ حقیقت میں ایک زہر ہے اور خدا کی نافرمانی ایک بھسم کر دینے والی آگ ہے اور اس کو آگ کے جلانے پر اور زہر کے ہلاک کر دینے پر اور سانپ کے کاٹنے سے مر جانے پر جیسا ایمان ہے اگر ایسا ہی ایمان خدا کی نافرمانی اور گناہ کرنے پر خطرناک عذاب اور ہلاکت وعذاب کا یقین ہو تو کیونکر گناہ سرزد ہو سکتا ہے اور کیونکر خدا کی نافرمانی کے انگار سے کھائے جاسکتے ہیں۔ دیکھو انسان اپنے مربی، دوست، یار، آشنا اور کسی طاقتور بااختیار حاکم کے سامنے کسی بدی اور گناہ کا ارتکاب نہیں کر سکتا اور گناہ کرتا ہے تو چھپ کر کرتا ہے کسی کے سامنے نہیں کرتا۔ تو پھر اگر اس کو خدا پر اتنا ایمان ہو کہ وہ غیب در غیب اور پوشیدہ در پوشیدہ انسانی اندرونہ اور وسوسوں کو بھی جانتا ہے اور یہ کہ کوئی بدی خواہ کسی اندھیری سے اندھیری کوٹھڑی میں جا کر کی جاوے اُس سے پوشیدہ نہیں ہے اور یہ کہ وہ انسان کا بڑا مربی، ربّ محسن اور اَحکم الحاکمین ہے تو پھر انسان کیوں گناہ کی جگر سوز آگ میں پڑ سکتا ہے۔

پس اِن باتوں میں غور کرنے سے نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ انسان کو خدا اور اس کے صفات اور افعال اور علیم وخبیر اور ہر بات سے واقف ہونے اور قادر مقتدر اور منتقم اور شدید البطش ہونے پر ایمان نہیں۔ ہر بدی خدا کے صفات سے غافل ہونے کی وجہ سے آتی ہے۔

صفاتِ الٰہی پر ایمان لانے کی کوشش کرو۔ انسان اگر خدا کے علیم، خبیر اور احکم الحاکمین ہونے پر ہی ایمان لاوے اور یقین جانے کہ میں اُس کی نظر سے کسی وقت اور کسی جگہ بھی غائب نہیں ہو سکتا تو پھر بدی کہاں اور کیسے ممکن ہے کہ سرزد ہو۔ غفلت کو چھوڑ دو کیونکہ غفلت گناہوں کی جڑھ ہے ورنہ اگر غفلت اور خدا کے صفات سے بے علمی اور بے ایمانی نہیں تو کیا وجہ ہے کہ خدا کو قادر مقتدر اور احکم الحاکمین، علیم وخبیر اور اخذ شدید والا مان کر اور یقین کر کے بھی اس سے گناہ سرزد ہوتے ہیں حالانکہ اپنے معمولی دوستوں، آشناؤں، حاکموں اور شرفاء کے سامنے جن کا نہ علم ایسا

وسیع اور نہ ان کی طاقت اور حکومت خدا کے برابر۔ ان کے سامنے بدی کا ارتکاب کرتے ہوئے رُکتا ہے اور خدا سے لاپرواہ ہے اور اس کے سامنے گناہ کئے جاتا ہے اس کی اصل وجہ صرف ایمان کی کمی اور صفاتِ الٰہی سے غفلت اور لاعلمی ہے۔

پس یقین جانو کہ اللہ اور اس کے اسماء اور صفات پر ایمان لانے سے بہت بدیاں دُور ہو جاتی ہیں پھر انسان کی فطرت میں یہ بھی رکھا گیا ہے کہ انسان اپنی ہتک اور بے عزتی سے ڈرتا ہے اور جن باتوں میں اسے اپنی بے عزتی کا اندیشہ ہوتا ہے ان سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔ پس غور کرنا چاہیئے کہ دُنیا میں اس کا دائرہ بہت تنگ ہے۔ زیادہ سے زیادہ اپنے گھر میں یا محلے میں یا گاؤں یا شہر میں یا اگر بہت ہی مشہور اور بہت بڑا آدمی ہے تو ملک میں بدنام ہو سکتا ہے مگر قیامت کے دن جہاں اولین و آخرین خدا کے کُل انبیاء، اولیاء، صحابہؓ اور تابعین اور کُل صالح اور متقی مسلمان بزرگ باپ دادا اور پڑدادا وغیرہ اور ماں بہن، بیوی بچے غرض کُل اقرباء اور پھر خود ہمارے سرکار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوں تو ذرا اس نظارے کو آنکھوں کے سامنے رکھ کر اس ہتک اور بے عزتی کا خیال تو کرو اور اس نظارے کو ہمیشہ آنکھ کے سامنے رکھو اور پھر دیکھو تو سہی کیا گناہ ہونا ممکن ہے؟ جب انسان ذراسی بے عزتی اور معدودِ چند آدمیوں میں ہتک کے باعث ہونے والے کاموں سے پرہیز کرتا ہے اور ڈرتا رہتا ہے کہ کہیں میری ہتک نہ ہو جاوے۔ تو پھر جس کو اس نظارے کا ایمان اور یقین ہو جس کا نام یَوم الآخرۃ ہے تو بھلا اس سے بدی کہاں سرزد ہو سکتی ہے۔ پس یَوم الآخرۃ پر ایمان لانا بھی بدیوں سے بچاتا ہے۔

تیسرا بڑا ذریعہ نیکی کے حصول و توفیق اور بدی سے بچنے کا ایمان بالملائکہ ہے۔ ہر نیکی کی تحریک ایک مَلک کی طرف سے ہوتی ہے اس تحریک کو مان لینے سے اس مَلک کو اس ماننے والے سے اُنس اور محبت پیدا ہو جاتی ہے اور آہستہ آہستہ یہ تعلق گہرا ہو جاتا ہے اور اس طرح سے ملائکہ کے نزول تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ پس چاہیئے کہ انسان کے دِل میں جب کوئی نیکی کی تحریک پیدا ہو فوراً اس کو مان لے اور اس کے مطابق عمل درآمد کرے اور اس پر اچھی طرح سے کاربند ہو جاوے ورنہ اگر اِس موقع کو ہاتھ سے دے دے گا تو پچھتانا بے سُود ہو گا۔ بعض لوگ پچھتاتے ہیں کہ فلاں وقت اور موقع کیسا اچھا تھا یہ کام ہم نے کیوں اس وقت نہ کر لیا۔ پس نیکی کی تحریک کا موقع فرصت اور وقت مناسب اور نیک فال سمجھ کر فوراً مان لینا چاہیئے۔ اِس طرح سے نیکی کی توفیق بڑھتی جاتی ہے اور انسان بدیوں سے دُور ہو جاتا ہے۔

کر دینے والی آگ ہے اور اس کو آگ کے جلانے پر اور زہر کے ہلاک کر دینے پر اور سانپ کے کاٹنے سے مر جانے پر جیسا ایمان ہے اگر ایسا ہی ایمان خدا کی نافرمانی اور گناہ کرنے پر خطرناک عذاب اور ہلاکت و عذاب کا یقین ہو تو کیونکر گناہ سرزد ہو سکتا ہے اور کیونکر خدا کی نافرمانی کے انگار سے کھائے جا سکتے ہیں۔ دیکھو انسان اپنے مربی، دوست، یار، آشنا اور کسی طاقتور با اختیار حاکم کے سامنے کسی بدی اور گناہ کا ارتکاب نہیں کر سکتا اور گناہ کرتا ہے تو چھپ کر کرتا ہے کسی کے سامنے نہیں کرتا۔ تو

پھر اس بات کا اعتقاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی کامل رضامندی اور خوشنودی کے حصول کا ذریعہ صرف کتب الٰہی اور انبیاء ہیں۔ خدا کے مقدس رسولوں کی پاک تعلیم اور کتب الٰہیہ کی سچی پیروی کے سوا خدا کی رضامندی ممکن ہی نہیں۔ خدا کی پہچان اور اس کی ذات صفات اور اسماء کا پتہ خدا کی کتابوں اور اس کے رسولوں کے بغیر لگ ہی نہیں سکتا۔ خدا کے اوامر و نواہی اور عبادت و فرمانبرداری کے احکام معلوم کرنے کا ذریعہ کتب الٰہیہ ہی ہیں جو خدا کے پاک رسولوں کے ذریعہ ہم تک پہنچتی ہیں۔

غرض انسان کے عقائد درست ہوں تو فروعات خود بخود ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ انسان کو لازم ہے کہ اصل الاصول پر توجہ کرے فروعات تو ضمنی امور ہیں اور اصول کے ماتحت غور کر کے دیکھو کہ جس انجمن جس کمیٹی اور سوسائٹی نے صرف فروعات میں کوشش کی ہے وہ کبھی کامیاب نہیں ہوئی۔ دیکھو اگر جڑھ ہی خشک ہو تو پتوں کو پانی میں تر کرنے سے کیا فائدہ۔ جڑھ سیراب ہونی چاہیئے درخت مع اپنی تمام شاخوں اور پتوں کے خود بخود سرسبز و شاداب ہو جاوے گا اور ہرا بھرا نظر آنے لگے گا ورنہ اگر جڑھ ہی قائم نہیں تو پتوں اور شاخوں کو خواہ پانی میں ہی کیوں نہ رکھو وہ ہرگز ہرگز ہری بھری نہ ہوں گی بلکہ دن بدن خشک ہوتی جاویں گی۔ (الحکم ۲۶ مارچ ۱۹۰۸ء صفحہ ۵، ۶)

فرماتا ہے تم مشرق مغرب کو فتح کر رہے ہو یہ نیکی نہیں نیکی تو اُس وقت ہوگی جب اس کی قسمتدی کے ساتھ اللہ پر تمہارا ایمان ہو۔ جو لوگ کہتے ہیں "دُنیا کھایئے مکر سے روٹی کھایئے شکر سے" وہ بے ایمان ہیں۔ دیکھو جب تک خشیۃ اللہ نہ ہو، آخرت پر ایمان نہ ہو حرام خوری سے نہیں رُک سکتے۔ مَیں نے ریاستوں میں رہ کر دیکھا وہاں نوشیروانی ہوا کرتی تھی۔ ایک شخص عرضیاں سُنایا کرتا۔ ایک اہلِ غرض نے اس عرضیاں سُنانے والے کو سَو روپیہ دیا کہ تم یہ عرضی اسی ترتیب سے سُنا دینا چنانچہ اس نے عرضی بڑی عمدگی سے سُنائی اور کہا حضور بڑی قابلِ توجہ ہے اور ساتھ سَو روپیہ رکھ دیا کہ اس نے مجھے رشوت دیا ہے۔ رئیس کے دِل میں عظمت بیٹھ گئی کہ یہ کیسا ایمان دار آدمی ہے۔ مَیں اُسے جانتا تھا کہ وہ بڑا حرام خور ہے۔ مَیں نے کہا یہ کیا؟ کہا مولوی صاحب آپ نہیں جانتے یہ سَو روپیہ ظاہر کر دیا اِس سے پچھلا تو ہضم ہو جائے گا اور آئندہ کے لئے راہ کھل جائے گا یہ راجہ لوگ تو اُلّو ہوتے ہیں ہم نے اِس حیلہ سے اپنا اُلّو سیدھا کر لیا۔

پر اور اللہ کے نبیوں پر ایمان ہو۔ پھر خدا کی راہ میں کچھ دے۔ میں نے تجربہ سے آزمایا ہے جو کنجوس ہو وہ حق پر نہیں پہنچتا۔ بعض دفعہ سخاوت والے انسان کے لئے کسی محتاج کے دل سے دعا نکلتی ہے۔ جا تیرا دونوں جہانوں میں بھلا! اور پھر وہ عرش تک پہنچتی ہے اور اسے جنت نصیب ہو جاتا ہے۔ ایک یہودی تھا وہ بارش کے دنوں میں چڑیوں کو چوگا ڈالا کرتا۔ بزرگ مُلّاں تھا اُس نے حقارت سے دیکھا اور یہ مُلّاں بڑی بدبخت قوم ہوتی ہے۔ ایسا ہی گدّی نشین مُلّاں نمبردار کے ماتحت ہوتا ہے اور گدّی نشین کو توسب کچھ حلال ہے۔ رنڈیاں اُن کے دربار کی زینت ہیں۔ نماز روزہ کو جواب دے رکھا ہے۔ بزرگوں کے نام سے کھاتے ہیں۔ خیر ایک وقت آیا کہ وہ یہودی مسلمان ہوا۔ وہ حج کو گیا۔ وہاں مُلّاں بھی حج کر رہا تھا۔ اپنا روپیہ کب خرچ کیا گیا ہوگا۔ کرایہ کا ٹٹو بن کر گیا ہوگا۔ یہودی نے کہا۔ دیکھا۔ وہ چوگا ڈالنا ضائع نہ گیا۔ ایک واقعہ رسولِ کریمؐ کے زمانے میں بھی ایسا ہوا کہ کسی نے سَو اُونٹ دئے تھے۔ پوچھا کیا وہ اکارت گئے۔ فرمایا نہیں۔ اَسْلَمْتَ عَلٰی مَا اَسْلَفْتَ۔ اِسی سے تو تمہیں اسلام کی توفیق ملی۔ پس فرماتا ہے کہ مال دو۔ باوجود مال کی محبت کے غیروں کو دیتے ہو مگر رشتہ داروں کے دینے میں کیا مضائقہ ہوتا ہے۔ فرمایا ان کو بھی دو اور یہ نہ کہو کہ اس کے باپ کے دادا کو ہمارے چچا کے نانا سے یہ دشمنی تھی۔ پھر فرمایا یتیموں کو، مسکینوں کو، مسافروں کو دو۔ اللہ کے نیک کاموں، اِسلام کی اشاعت میں خرچ کرو۔ مشکلات کے تین وقت آتے ہیں۔ ایک قرض۔ سو اس میں بھی امداد کرو۔ ایک غریبی جس میں انسان بہت سی بدیوں کا اِرتکاب کر گزرتا ہے۔ ایک بیماری۔ فرمایا ان سب میں استقلال سے کام لو۔ (بدر ۲۹ جولائی ۱۹۰۹ء صفحہ ۲)

(۱۷۹) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ۭ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ۭ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاۗءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ۭ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۭ

فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۷۹﴾

كُتِبَ : لکھا گیا ہے یہ قانون۔

قِصَاصٌ : بدلہ جو وارثانِ مقتول قاتل سے لیتے ہیں۔ اِس میں جہاد کا ایماء ہے کہ جب قصاص ضروری ہے تو پھر تم بھی اپنے مقتولوں کا بدلہ لو جو کفار وقتاً فوقتاً کرتے رہتے ہیں۔

حُرٌّ : آزاد۔ اصیل۔ باقی رہی یہ بات کہ حُر عبد (مرد یا عورت) کے مقابلہ میں بھی مارا جائے یا نہیں ؟ اِس کا جواب سورہ مائدہ آیت ۴۶ میں موجود ہے۔ اِنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ۔

عُفِیَ لَهٗ : قتل کا بدلہ یا دیت کا کچھ ہی معاف کر دیا جائے۔

فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ : وارثانِ مقتول کو تابع ہونا چاہیئے۔ قاتل کے ساتھ قاعدہ، حکومت و عرف کے مطابق۔ اور چونکہ بدلہ قتل نہیں لیا گیا اِس لیئے خوبی سے ادا کریں۔

ذٰلِكَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ : عرب میں ایک کے بدلے سینکڑوں قتل کر دئے جاتے تھے۔ بڑوں کا جو غلام ہوتا اگر وہ قتل ہو جاتا تو اس کے بدلے میں کئی حُر مار دیئے جاتے اِس لئے اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ کا قانون مقرر کر کے فرماتا ہے یہ خاص تخفیف ہے تمہارے رب سے اور اس کی رحمت۔ اس سے پہلے ایک معمولی بات پر جنگیں ہو کر ہزاروں کے کشت و خون کی نوبت پہنچ جاتی مگر اب یہ بات نہیں بلکہ صرف ایک کے بدلے میں ایک کو قتل کرنے کا حکم ہے۔

فَمَنِ اعْتَدٰی : اگر پھر وہی اپنا رواج چلاؤ گے تو تمہیں ایک دُکھ دینے والا عذاب پہنچے گا۔ خدا کی طرف سے یا حکام کی طرف سے جو کہ وہ مناسب موقعہ و حال تجویز کریں گے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم اپریل ۱۹۰۹ء)

وَلَكُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوةٌ یّٰاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

اِس قصاص میں تمہاری زندگی ہے وہ اِس طرح کہ اَب ایسا نہ ہو گا کہ ایک کے بدلے میں ہزاروں کے کشت و خون کی نوبت پہنچے بلکہ حکومت قصاص لے گی اور قاتل و وارثانِ مقتول بچ کر کام کریں گے اِس طرح آبادی کی تعداد بڑھ جائے گی۔

يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ : صاحبانِ عقل کو خصوصیت سے خطاب فرمایا کیونکہ اِس راز کو موٹی عقلیں نہیں سمجھ سکتیں۔ کیونکہ بدلہ لینا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے بلکہ شریعت کے بہت سے ایسے کام ہیں جو انسان کی اپنی ذات سے وابستہ ہیں۔ بہت سے ایسے ہیں جو حکّام سے مخصوص ہیں۔ جن لوگوں نے اِس بھید کو نہیں سمجھا انہوں نے نقصان اُٹھایا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک اَور مقام پر فرمایا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (النّساء : ٦٠) جو لوگ حکّام کی پابندی نہیں کرتے وہ خطرے میں ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم اپریل ۱۹۰۹ء)

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ : اِس رکوع میں تقویٰ کی بات چلی ہوئی ہے۔ لَيْسَ الْبِرَّ میں تقویٰ کے اصول بتائے ہیں اَب قصاص کے حکم میں فرماتا ہے کہ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ہے یہ جانوں کے متعلق تقویٰ کا جو بیان فرمایا۔ اَب مال کے متعلق جو تقویٰ ہے وہ (اگلی آیت میں) بیان کرتا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۸ر اپریل ۱۹۰۹ء)

١٨١۔ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۖۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٨١﴾

اِذَا حَضَرَ : حاضر ہونے کی دو صورتیں ہیں ایک شدّتِ بیماری۔ دوّم یہ کہ موت ہی آجائے۔ پس ایک شِق کے لحاظ سے تو یہ معنے ہوئے کہ جب کوئی ایسا بیمار ہو تو وصیّت کر دیا کرے اپنے مال کے متعلق۔ وصیّت کس کے لئے ہو۔

لِلْوَالِدَيْنِ : اپنے ماں باپ کے واسطے کیا وصیّت ہو؟ ایک تو یہ معنے ہیں کہ اپنے ماں باپ سے کہہ جائے میرے بعد یُوں اِنتظام کرنا۔ دوّم یہ کہ اپنے ماں باپ کے حق میں وصیّت کر جائے اس صورت میں جبکہ وہ شرعی قانون کے لحاظ سے ترکہ کے وارث نہ بن سکیں مثلاً وہ کافر ہوں، غلام ہوں یا اپنے بیٹے کے قاتل ہوں۔ پس اِن صورتوں میں وارث اگر ان کے لئے وصیّت کر جائے تو جائز ہے یا یہ مطلب کہ ان کو اپنے کاموں کا وصی کر دے۔ یہ سب احکام بھی جہاد کی تمہید میں ہیں۔ کیونکہ جنگ کا زمانہ تھا اِس لئے صحابہؓ کو فرمایا اپنی وصیّتیں کر چھوڑو۔ اور اگر حَضَرَ کے معنے

یہ ہوں کہ موت آ ہی جائے تو پھر یُوں معنے ہوں گے کہ لکھی گئی ہے تمہارے لئے وصیت جو والدین اور اقارب کے متعلق ہے وہ بالکل مناسب ہے اور حق ہے متقیوں پر کہ اس کے مطابق عمل درآمد کرو۔ وہ وصیت کہاں لکھی ہے؟ دیکھئے النساء آیت ۱۲ یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۸۔ اپریل ۱۹۰۹ء)

فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۱۸۲

اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ: فرماتا ہے کہ ہم علیم خدا ہیں۔ سمجھ بُوجھ کر حصص مقرر کئے ہیں اور وصیتوں کے بدلانے کو بھی سُنتے ہیں چنانچہ فرماتا ہے وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَتَعَدَّ حُدُوْدَہٗ یُدْخِلْہُ نَارًا خَالِدًا فِیْھَا (النساء: ۱۵)

فَمَنْ بَدَّلَہٗ: اب سُن لو کہ کیا کچھ تبدیل کیا گیا ہے۔ سب سے اوّل تو یہ کہ لڑکیوں کو ورثہ نہیں دیا جاتا۔ خدا تعالیٰ نے عورت کو بھی حَرْث فرمایا ہے اور زمین کو بھی۔ ایسا ہی زمین کو بھی ارض فرماتا ہے اور عورتوں کو بھی۔

فَاِنَّمَآ اِثْمُہٗ: چنانچہ اِس کا نتیجہ دیکھ لو کہ جب سے ان لوگوں نے لڑکیوں کا ورثہ دینا چھوڑا ہے ان کی زمینیں ہندوؤں کی ہو گئی ہیں۔ جو ایک وقت سَو گماؤں زمین کے مالک تھے اب دو بیگھہ کے بھی نہیں رہے۔ یہ اِس لئے کہ مرکہا النساء آیت ۱۵ میں فرمایا وَلَہٗ عَذَابٌ مُّھِیْنٌ اِس سے زیادہ اور کیا ذلت ہوگی۔ عورتوں پر جو ظلم ہو رہا ہے وہ بہت بڑھ گیا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تُمْسِکُوْھُنَّ ضِرَارًا (البقرۃ: ۲۳۲) دوسرا وَعَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (النساء: ۲۰) تیسرا وَلَا تُضَآرُّوْھُنَّ (الطلاق: ۷) چوتھا فَاِنْ کَرِھْتُمُوْھُنَّ (النساء: ۲۰) پنجم وَلَھُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْھِنَّ (البقرۃ: ۲۲۹) باوجود اس کے وراثت کا ظلم بہت بڑھ رہا ہے۔ پھر دوسرا یہ کہ بعض ظالم عورت کو نہ رکھتے ہیں نہ طلاق دیتے ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۸۔ اپریل ۱۹۰۹ء)

۱۸۳۔ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا: اِس حکمِ وصیّت میں ایک اَور وصیّت کا ذکر ہے بالفاظ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ (النسآء: ۱۲) پس اِس وصیّت میں اگر کوئی کجی کرے تو اس کی اصلاح کر لی جائے۔

جَنَفًا کے معنے غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ (المائدۃ: ۴) سے ظاہر ہوتے ہیں یعنی نہ جُھکنے والا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۸۔اپریل ۱۹۰۹ء)

۱۸۴۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ: اِس میں رمضان کا ذکر نہیں فرمایا تمہید ہے۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۱)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ: روزوں کی فلاسفی یہ ہے کہ انسان کو دو چیزوں کی بہت ضرورت ہے ایک بقاءِ شخصی کے لئے غذا کی۔ دوم بقاء نوعی کے لئے بیوی کی۔ اب دیکھو انسان گھر میں تنہا بیٹھا ہے پیاس بڑی شدت سے محسوس ہو رہی ہے۔ دودھ موجود ہے برف موجود ہے۔ شربت حاضر ہے کوئی روکنے والا بھی نہیں مگر پھر بھی سچا روزہ دار مطلق ان چیزوں کے کھانے کا ارادہ تک نہیں کرتا۔ اِسی طرح بیوی پاس ہے کوئی چیز مانع بھی نہیں مگر پھر بھی وہ اس سے محترز ہے۔ یہ کیوں؟ محض اِس لئے کہ روزہ دار ہے اور اس کے مَولیٰ کا حکم ہے کہ ان دونوں چیزوں سے رُکا رہے۔ یہ مشاقی ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ باوجود سامانوں کے مہیّا ہونے اور ضرورت کے ہم اُن چیزوں سے رُکے رہیں جن سے رُکے رہنے کی نسبت اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اِسلام میں ہر سال ایک ماہ تو بِالالتزام یہ مشق کرائی جاتی ہے اور ایک طرح سے چار ماہ کے لئے یہ مشق ہوتی ہے کیونکہ عادتِ نبوی تھی کہ ہر دوشنبہ اور جمعہ کو روزہ رکھتے

پھر ایامِ بیض (۱۲، ۱۳، ۱۴) میں بھی روزہ رکھتے۔ گویا ہر مہینے میں بالاوسط دس دن۔ اس حساب سے روزہ کے لئے سال کے چار ماہ ہوتے ہیں۔ اب خیال کرو کہ جو لوگ چار ماہ یہ مشق کرتے ہیں وہ رشوت کیونکر لیں گے۔ اکل بالباطل کیوں کریں۔ کوئی ضرورت انسان کو ان ضرورتوں سے بڑھ کر پیش نہیں آسکتی جو بقاءِ شخصی و بقاءِ نوعی کے لئے ضروری ہیں۔ جب ان ضرورتوں میں باوجود سامانوں کے مہیا ہونے اور کسی روک کے نہ ہونے کے صرف اللہ کی فرمانبرداری کے لئے محترز رہا ہے تو پھر ایک صریح حرام امر کا کیوں مرتکب ہونے لگا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۸ر اپریل ۱۹۰۹ء)

سب کے بعد تقویٰ کی وہ راہ ہے جس کا نام روزہ ہے جس میں انسان شخصی اور نوعی ضرورتوں کو اللہ تعالیٰ کے لئے ایک وقتِ معین تک چھوڑتا ہے۔

اب دیکھ لو کہ جب ضروری چیزوں کو ایک وقت ترک کرتا ہے تو غیر ضروری کو استعمال کیوں کرے گا۔ روزہ کی غرض اور غایت یہی ہے کہ غیر ضروری چیزوں میں اللہ کو ناراض نہ کرے اسی لئے فرمایا لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ (الحکم ۲۴ر جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۵)

روزہ کی حقیقت کہ اس سے نفس پر قابو حاصل ہوتا ہے اور انسان متقی بن جاتا ہے۔ اس سے پیشتر کے رکوع میں رمضان شریف کے متعلق یہ بات مذکور ہے کہ انسان کو جو ضرورتیں پیش آتی ہیں ان میں سے بعض تو شخصی ہوتی ہیں اور بعض نوعی اور بقائے نسل کی شخصی ضرورتوں میں جیسے کھانا پینا ہے اور نوعی ضرورت جیسے نسل کے لئے بیوی سے تعلق۔ ان دونوں قسم کی طبعی ضرورتوں پر قدرت حاصل کرنے کی راہ روزہ سکھاتا ہے اور اس کی حقیقت یہی ہے کہ انسان متقی بنا سیکھ لیوے۔ آجکل تو دن چھوٹے ہیں۔ سردی کا موسم ہے اور ماہِ رمضان بہت آسانی سے گذرا مگر گرمی میں جو لوگ روزہ رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ بھوک پیاس کا کیا حال ہوتا ہے اور جوانوں کو اِس بات کا علم ہوتا ہے کہ اُن کو بیوی کی (بیویوں کی) کس قدر ضرورت پیش آتی ہے۔ جب گرمی کے موسم میں انسان کو پیاس لگتی ہے ہونٹ خشک ہوتے ہیں۔ گھر میں دُودھ، برف، مزہ دار شربت موجود ہیں مگر ایک روزہ دار ان کو نہیں پیتا۔ کیوں؟ اِس لئے کہ اس کے مَولیٰ کریم کی اجازت نہیں کہ ان کو استعمال کرے۔ بھوک لگتی ہے ہر ایک قِسم کی نعمت زردہ، پلاؤ، قورمہ، فرنی وغیرہ گھر میں موجود ہیں اگر نہ ہوں تو ایک آن میں اشارہ سے تیار ہو سکتے ہیں مگر وہ ذرا ان کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتا۔ کیوں؟ صرف اِس لئے کہ اس کے مَولیٰ کریم کی اجازت نہیں شہوت

کے زور سے پھٹے پھٹے جاتے ہیں ..... بیوی بھی حسین، نوجوان اور صحیح القُوٰی موجود ہے مگر روزہ دار اُس کے نزدیک نہیں جاتا۔ کیوں؟ صرف اِس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ اگر جاؤں گا تو خدا تعالیٰ ناراض ہوگا۔ اُس کی عدولِ حکمی ہوگی۔ اِن باتوں سے روزہ کی حقیقت ظاہر ہے کہ جب انسان اپنے نفس پر یہ تسلط پیدا کر لیتا ہے کہ گھر میں اس کی ضرورت اور استعمال کی چیزیں موجود ہیں مگر اپنے مَولیٰ کی رضا کیلئے وہ حسبِ تقاضائے نفس ان کو استعمال نہیں کرتا تو جو اشیاء اس کو میسّر نہیں اُن کی طرف نفس کو کیوں راغب ہونے دے گا۔ رمضان شریف کے مہینہ کی بڑی بھاری تعلیم یہ ہے کہ کیسی ہی شدید ضرورتیں کیوں نہ ہوں مگر خدا کا ماننے والا خدا ہی کی رضامندی کیلئے ان سب پر پانی پھیر دیتا ہے اور ان کی پرواہ نہیں کرتا۔ قرآن شریف روزہ کی حقیقت اور فلاسفی کی طرف خود اشارہ فرماتا اور کہتا ہے یَاۤ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ روزہ تمہارے لئے اِس واسطے ہے کہ تقوٰی سیکھنے کی تم کو عادت پڑ جاوے۔ ایک روزہ دار خدا کے لئے ان تمام چیزوں کو ایک وقت ترک کرتا ہے جن کو شریعت نے حلال قرار دیا ہے اور ان کے کھانے پینے کی اجازت دی ہے صرف اِس لئے کہ اس وقت میرے مولیٰ کی اجازت نہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ پھر وہی شخص ان چیزوں کو حاصل کرنے کی کوشش کرے جن کی شریعت نے مطلق اجازت نہیں دی اور وہ حرام کھاوے پیوے اور بدکاری میں شہوت کو پورا کرے۔ (الحکم ۲۴ جنوری ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۲)

صَوم ایک محبتِ الٰہی کا بڑا نشان ہے۔ روزہ دار آدمی کسی کی محبت میں سرشار ہو کر کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے اور بیوی کے تعلقات اس سے بھول جاتے ہیں۔ یہ روزہ اسی حالت کا اظہار ہے۔ یہ بھی غیر اللہ کے لئے جائز نہیں۔ (بدر ۱۲ جنوری ۱۹۱۰ء)

روزے داری کا بِتر یہ ہے کہ سلیم الفطرت پیاس کے وقت گھر میں دُودھ، بالائی، بَرف رکھتا ہے کوئی اس کو روکنے والا نہیں۔ بھوک کے وقت گھر میں انڈے، مُرغیاں، پلاؤ موجود ہے اور کوئی روکنے والا نہیں۔ قوّتِ شہوانیہ موجود۔ گھر میں اَپسرا دِلرُبا موجود۔ پھر اُس کے نزدیک نہیں جاتا۔ صرف الٰہی حکم کی پابندی سے وہ رُکتا ہے۔ اِس مشق سے وہ حرام کاری حرامخوری سے کِس قدر بچے گا۔ (نور الدین صفحہ ۲۱۶، ۲۱۷ ایڈیشن اوّل)

اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ مَّرِیْضًا

اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۚ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ۚ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ۚ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ : اور جو صوم کی طاقت رکھتے ہیں یعنی جنہیں روزے رکھنے میسّر آجاویں۔

فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ : وہ ایک مسکین کا کھانا بطور صدقہ دیں۔ یہ صدقۃ الفطر کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ تعامل سے ثابت ہے کہ ہر روزہ دار نمازِ عید سے پہلے ایک مسکین کا کھانا صدقہ دیتا ہے اور میرا اپنا طرز پسندیدہ جو آثارِ سلف کے مطابق ہے یہ ہے کہ خود روزہ رکھا اور اپنی روٹی کسی غریب کو کھلا دی اور جو لوگ اس کے یہ معنے کرتے ہیں کہ جو لوگ طاقت نہیں رکھتے وہ فدیہ دیں یہ بھی ٹھیک ہے نفلی روزوں میں ایسا کرلیں کہ ہر دوشنبہ وجمعہ و ایامِ بیض کو روزہ نہیں رکھ سکتے تو اس روز مسکین کو کھانا کھلا دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا کیونکہ آپؐ تو ماہِ صیام میں موسمِ بہار کی ہَوا سے بڑھ کر جُود و سخا میں ہوتے تھے۔

فَمَنْ تَطَوَّعَ : جو شخص کوئی نیکی خوش دِلی سے کرے وہ بہت اچھی ہے اور یہ کہ روزہ رکھنا تو بہت ہی مفید ہے اِس سے دُعا کی قبولیت ہوتی ہے۔ صبر و استقلال اور نواہی سے بچنے کی مشق ہوتی ہے اپنی اِصلاح ہوتی ہے۔ یہ بات یاد رہے کہ کمزور لوگوں کے لئے اِس قسم کے مجاہدات منع ہیں جن میں روزہ رکھتے ہوں اور وہ اخیر میں خشکی دماغ سے نیم سَودائی ہوجاویں اور کسی کام کے نہ رہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۸ ۔اپریل ۱۹۰۹ء)

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ : ہر مہینے میں تین یا ہر دہائی میں ایک۔

يُطِيْقُوْنَهٗ : جو روزہ اچھی طرح رکھ سکتے ہیں۔ حدیث میں ہے اَيُّكُمْ يُطِيْقُ ذٰلِكَ۔ وہ بعض قصوروں کے کفارہ میں فدیہ (صدقۃ الفطر) دے دیں۔

فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ : یعنی نفلی روزوں کو مثلاً ۱۳-۱۴-۱۵ میں نہ رکھ سکے تو پھر رکھ لے۔
فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا : ایک آدمی کے کھانے کے بدلے تین چار کا کھانا دے دے۔
(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۱)

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ؗ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ : قرآن شریف کا طرز ہے کہ پہلے عام فضائل سکھاتا ہے پھر خاص فضیلت کی بات۔ اِسی طرح پہلے عام رذائل سے ہٹاتا ہے پھر اَرذل الرذائل شرک سے۔ پہلے عام بات کا حکم ہوتا ہے پھر خاص کا۔ مثلاً پہلے عمرہ وغیرہ کا ذکر ہے پھر حج کا۔ پہلے صدقات کی ترغیب ہے پھر زکوٰۃ کی۔ اِسی طرح پہلے یہاں عام طور پر نفلی و فرضی روزوں کا حکم دیا ہے پھر رمضان کے روزوں کا حکم دیتا ہے۔ پہلے شہرِ رمضان کی فضیلت بیان کی ہے کہ اس میں قرآن شریف نازل ہوا۔ چونکہ قرآن کا اطلاق جزوِ سورہ پر بھی ہو سکتا ہے اِس لئے اِس کا یہ مطلب نہیں کہ تمام قرآن ماہِ رمضان میں نازل ہوا ہے بلکہ صرف ایک جزو سورۃ کا نزول بھی کافی ہے۔ مَیں نے جو تحقیق کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نبی کریمؐ جن دنوں غارِ حرا میں عبادت فرمایا کرتے تھے وہ دن رمضان

کے تھے اور وہیں پہلی سورۃ کا جزو نازل ہوُا۔ اِس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر رمضان اِس لئے فضیلت کا مہینہ ہے کہ اس میں قرآن کا کوئی جزو نازل ہوُا تو اس فضیلت میں دوسرے مہینے بھی شامل ہیں۔ اِس لئے گو یہ دوسرے معنے بھی بہت سچ ہے کہ وہ رمضان جس کے بارے میں قرآن شریف نازل ہوُا مگر شروع نزول ایک رنگ رکھتا ہے۔

بَیِّنٰتٍ : کھلے ہدایت نامے۔

الفُرْقَان : قرآن سے مجھے اِس کے یہ معنے معلوم ہوئے کہ فرقان نام ہے اُس فتح کا جسکے بعد دشمن کی کمر ٹوٹ جائے اور یہ بدر کا دن تھا۔ غزوۂ بدر بھی ماہِ رمضان میں ہوُا ہے۔ غرض رمضان المبارک کیا بلحاظ فتوحاتِ دُنیادی اور کیا باعتبار ابتداءِ نزولِ قرآنی یا تاکیدِ قرآنی ہر طرح قابلِ حُرمت ہے۔ (ضمیمہ اخبارِ بدر قادیان ۸۔اپریل ۱۹۰۹ء)

اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ : اسی کے متعلق قرآن نازل ہوُا۔ قرآن میں روزے کی تاکید ہے۔ قرآن روزوں میں شروع ہوُا۔ دونوں معنی صحیح۔

شَہِدَ : مسافر نہ ہو بلکہ حاضر۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۱)

رمضان کے دن بڑے بابرکت دن ہیں ..... اللہ تعالیٰ نے اِس مہینے میں خاص احکام دئے ہیں اور ان پر عمل کرنے کی خاص تاکید کی ہے۔ جو لوگ مسافر ہیں یا بیمار ہیں ان کو تو سفر کے بعد اور بیماری سے صحتیاب ہو کر روزے رکھنے کا حکم ہے مگر دوسرے لوگوں کو دن کے وقت کھانا پینا اور بیوی سے جماع کرنا منع ہے۔ کھانا پینا بقائے شخص کے لئے نہایت ضروری ہے اور جماع کرنا بقائے نوع کے لئے سخت ضروری ہے۔ اِس مہینہ میں خدا تعالیٰ نے دن کے وقت ایسی ضروری چیزوں سے رُکے رہنے کا حکم دیا تھا۔ اِن چیزوں سے بڑھ کر اور کوئی چیزیں ضروری نہیں۔ بیشک سانس لینا ایک نہایت ضروری چیز ہے مگر انسان اِس کو چھوڑ نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ مہینہ اِسی واسطے بنایا ہے کہ جب انسان گیارہ مہینے سب کام کرتا ہے اور کھانے پینے۔ بیوی سے جماع کرنے میں مصروف رہتا ہے تو پھر ایسی ضروری چیزوں کو صرف دن کے وقت خدا تعالیٰ کے حکم سے ایک ماہ کے لئے ترک کر دے تو پھر دیکھو جہاں ایک طرف ان ضروری اشیاء سے منع کیا ہے دوسری طرف تدریس قرآن، قیامِ رمضان اور صدقہ وغیرہ کا حکم دیا ہے اور اس میں یہ بات سمجھائی ہے کہ جب ضروری چیزیں چھوڑ کر غیر ضروری چیزوں کو خدا کے حکم سے اختیار کیا جاتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے حکم کے برخلاف غیر ضروری چیزوں کو حاصل کیا جاتا

ہے۔ رمضان کے مہینہ میں دعاؤں کی کثرت، تدریسِ قرآن، قیامِ رمضان کا ضروری خیال رکھنا چاہیئے۔ حدیث شریف میں لکھا ہے مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّ احْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔ مگر افسوس کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ رمضان میں خرچ بڑھ جاتا ہے حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ لوگ روزہ کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔ سحری کے وقت اتنا پیٹ بھر کر کھاتے ہیں کہ دوپہر تک بدہضمی کے ڈکار ہی آتے رہتے ہیں اور مشکل سے جو کھانا ہضم ہونے کے قریب پہنچا بھی تو پھر افطار کے وقت عمدہ عمدہ کھانے پکوا کے وہ اندھیر مارا اور ایسی شکم پُری کی کہ وحشیوں کی طرح نیند پر نیند اور سستی پر سستی آنے لگی۔ اتنا خیال نہیں کرتے کہ روزہ تو نفس کے لئے ایک مجاہدہ تھا نہ یہ کہ آگے سے بھی زیادہ بڑھ چڑھ کر خرچ کیا جاوے اور خوب پیٹ پُر کر کے کھایا جاوے۔ یاد رکھو اسی مہینہ میں ہی قرآن مجید نازل ہونا شروع ہوا تھا اور قرآن مجید لوگوں کے لئے ہدایت اور نور ہے اسی کی ہدایت کے بموجب عمل درآمد کرنا چاہیئے۔ روزہ سے فارغ البالی پیدا ہوتی ہے اور دُنیا کے کاموں میں سُکھ کرنے کی راہیں حاصل ہوتی ہیں۔ آرام تو یا مَر کر حاصل ہوتا ہے یا بدیوں سے بچ کر حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے روزہ سے بھی سُکھ حاصل ہوتا ہے اور اس سے انسان قُرب حاصل کر سکتا اور متقی بن سکتا ہے اور اگر لوگ پوچھیں کہ روزہ سے کیسے قُرب حاصل ہو سکتا ہے تو کہہ دے فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ الخ (الحکم ۱۷ نومبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۵)

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِیْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

یعنی جب میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں کہ وہ کہاں ہے پس جواب یہ ہے کہ ایسا نزدیک ہوں کہ مجھ سے زیادہ کوئی نزدیک نہیں۔ جو شخص مجھ پر ایمان لا کر مجھے پکارتا ہے تو میں اس کا جواب دیتا ہوں۔ (نور الدین صفحہ ۲۴۳)

وَاِذَا سَاَلَكَ: اگر لوگ یہ سوال کریں کہ روزوں سے کیا فائدہ ہوتا ہے تو ایک تو یہاں

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرة : ۱۸۴) اور دوم یہ کہ انسان کو خدا کا قرب حاصل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں بہت قریب ہو جاتا ہوں اور دعائیں قبول کرتا ہوں۔

اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ : اِس کے یہ معنے نہیں کہ جو مانگو وہی ملے کیونکہ دوسرے مقام پر فرما دیا۔ جواب سورہ انعام (آیت ۴۲) میں ہے بَلْ اِیَّاهُ تَدْعُوْنَ فَیَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَیْهِ اِنْ شَآءَ۔ یعنی اگر چاہے تو اس مصیبت کو ہٹا دیتا ہے۔ یہاں بھی اُن کے ساتھ اِس طرف اشارہ کر دیا ہے۔

فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ : فرمایا ہے یعنی جس قدر تم میرے فرمانبردار ہوتے جاؤ گے ایمان میں ترقی کرتے جاؤ گے اُسی قدر میں دعائیں قبول کروں گا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۸ر اپریل ۱۹۰۹ء)

روزہ جیسے تقویٰ سیکھنے کا ایک ذریعہ ہے ویسے ہی قرب الٰہی حاصل کرنے کا بھی ذریعہ ہے اِسی لئے اللہ تعالیٰ نے ماہِ رمضان کا ذکر فرماتے ہوئے ساتھ ہی یہ بھی بیان کیا ہے

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ۔

یہ ماہِ رمضان کی ہی شان میں فرمایا گیا ہے اور اِس سے اِس ماہ کی عظمت اور سِرِ الٰہی کا پتہ لگتا ہے کہ اگر وہ اِس ماہ میں دعائیں مانگیں تو میں قبول کروں گا لیکن ان کو چاہیئے کہ میری باتوں کو قبول کریں اور مجھے مانیں۔ انسان جس قدر خدا کی باتیں ماننے میں قوی ہوتا ہے خدا بھی ویسے ہی اس کی باتیں مانتا ہے۔ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس ماہ کو رُشد سے بھی خاص تعلق ہے اور اس کا ذریعہ خدا پر ایمان، اُس کے احکام کی اتباع اور دُعا کو قرار دیا ہے۔ اَور بھی باتیں ہیں جن سے قُربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے۔

(الحکم ۲۴ر جنوری ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۲)

اگر لوگ پوچھیں کہ روزہ سے کیسے قُرب حاصل ہو سکتا ہے تو کہہ دے

فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ۔ یعنی میں قریب ہوں اور اِس مہینہ میں دعائیں کرنے والوں کی دعائیں سُنتا ہوں۔ چاہیئے کہ پہلے وہ ان احکاموں پر عمل کریں جن کا میں نے حکم دیا اور ایمان حاصل کریں تاکہ وہ مراد کو پہنچ سکیں اور اِس طرح سے بہت ترقی ہوگی۔

(الحکم ۱۷ر نومبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۵)

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ

نِسَآئِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ

عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ

فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ ۖ فَالْـَٔانَ بَاشِرُوهُنَّ

وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا

حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ

الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى

اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي

الْمَسَاجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ

كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ

يَتَّقُونَ ﴿١٨٧﴾

الرَّفَثُ : عورت سے رغبت کرنا۔ جماع کرنا۔ جماع کی باتیں کرنا۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ : عورتوں کو لباس فرمانے میں ان کے بہت سے حقوق فرمائے ہیں۔

عورتوں کو ساتھ رکھنا چاہیئے ...... یہ فلاسفی میری سمجھ میں نہیں آتی کہ لحاف کشمیر میں ہوا اور موسمِ سرما

پنجاب میں بسر کرے۔ جاڑا لگے تو کہہ دے میرا لحاف کشمیر میں ہے۔

تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ : یہ لوگ ایک غلط رسم میں مبتلاء تھے۔ ان میں کوئی سو جاتا تو پھر رات کو نہ کھانا کھاتا نہ بیوی سے جماع کرتا۔ فرمایا اللہ نے تم پر فضل کیا مغرب کے بعد سو جائے تو اُٹھ کر کھانا کھاوے ایسا کرنے کی ممانعت نہیں۔

حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمْ : ایک شخص نے ایک دفعہ کہا کہ صبح صادق ایک انتظامی بات ہے پانچ منٹ اِدھر ہو گئے تو کیا اور اگر اُدھر ہو گئے تو کیا۔ اللہ تعالیٰ نے عجیب طور سے اسے اس کا جواب سمجھایا۔ وہ جولاہا تھا۔ اُسے خواب آیا کہ میں تانی پھیلا رہا ہوں مگر ایک طرف سے میخ کے ساتھ باندھنے میں پانچ اُنگلی کا فرق رہ گیا ہے اور وہ چلّا رہا ہے یا تو میخ کو ادھر کر دو یا رسہ کو لمبا کر دو ورنہ میری تانی بگڑتی ہے اور کوئی اسے کہہ رہا ہے کیا ہوا صرف پانچ اُنگلی کا فرق ہے۔ اس پر اس کی جاگ کھلی اور بہت نادم ہوا اور اسے تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا کے معنے سمجھ میں آئے۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ : واقعی یہ طریق عوام و خواص کو سمجھانے کا کب آتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۸؍ اپریل ۱۹۰۹ء)

ركوع ۲۳ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۹﴾

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ : فرمایا ہے کہ ہم نے یہ سارا علم حصولِ تقویٰ کے لئے بیان کیا ہے پس تم مالی معاملات میں وہ راہ اختیار کرو جو خدا کو پسند ہے۔ مجھے افسوس آتا ہے اس ملک کے لوگوں پر۔ یوں تو چوہڑوں کی نسبت مشہور ہے کہ ان کا مُھرا حلال و حرام پر چلتا ہے مگر میں کہتا ہوں کئی گھر مسلمانوں کے چوہڑوں کے گھر بن رہے ہیں۔ ایک ضرب المثل ہے۔ ضرب المثل کہنا تو نہیں چاہیئے کیونکہ اس کے کہنے والے تو حکماء ہوتے ہیں۔ یہ کسی سفیہ کا قول ہے کہ دُنیا کما کھائے مکر سے اور روٹی کھائے شکر سے۔ یہ بالکل ایک گندہ

قول ہے اور کسی مادہ پرست تاریکی کے فرزند کا ہے۔

تُدْلُوْا بِھَآ اِلَی الْحُکَّامِ : رشوت نہ دو اور نہ یونہی مقدمہ بازی میں ناحق خرچ کرو۔
بَاطِلْ کہتے ہیں اس کو کہ اجازتِ شرعیہ کے خلاف کچھ حاصل کیا جائے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۸ ۔اپریل ۱۹۰۹ء)

باطل طریق سے اموال کا لینا بہت خطرناک بات ہے پس ہر ایک اپنے اپنے بقدر سوچو اور غور کرو کہ کہیں بطلان کی راہ سے تو مال نہیں آتا۔ اپنے فرائضِ منصبی کو پُورا کرو ان میں کسی قسم کی سُستی اور غفلت نہ کرو۔ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ۔

(الحکم ۱۰ ۔فروری ۱۹۰۱ء صفحہ ۶)

تقوٰی کے لئے ایک جزئی بیان کی یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کا مال مت کھایا کرو۔ حرام خوری اور مال بالباطل کا کھانا کئی قسم کا ہوتا ہے۔ ایک نوکر اپنے آقا سے پوری تنخواہ لیتا ہے مگر وہ اپنا کام سُستی یا غفلت سے آقا کے منشاء کے موافق نہیں کرتا تو وہ حرام کھاتا ہے۔ ایک دُکاندار یا پیشہ ور خریدار کو دھوکا دیتا ہے اسے چیز کم یا کھوٹی حوالہ کرتا ہے اور مول پُورا لیتا ہے تو وہ اپنے نفس میں غور کرے کہ اگر کوئی اِسی طرح کا معاملہ اس سے کرے اور اُسے معلوم بھی ہو کہ میرے ساتھ دھوکہ ہؤا تو کیا وہ اُسے پسند کرے گا۔ ہرگز نہیں۔ جب وہ اس دھوکا کو اپنے خریدار کے لئے پسند کرتا ہے تو وہ مال بالباطل کھاتا ہے۔ اس کے کاروبار میں ہرگز برکت نہ ہوگی۔ پھر ایک شخص محنت اور مشقت سے مال کماتا ہے مگر دوسرا ظلم (یعنی رشوت، دھوکا، فریب) سے اس سے لینا چاہتا ہے تو یہ مال بھی مال بالباطل لیتا ہے۔ ایک طبیب ہے اُس کے پاس مریض آتا ہے اور محنت اور مشقت سے جو اُس نے کمائی کی ہے اس میں سے بطور نذرانہ کے طبیب کو دیتا ہے یا ایک عطار سے وہ دوا خریدتا ہے تو اگر طبیب اس کی طرف توجہ نہیں کرتا اور تشخیص کے لئے اس کا دل نہیں تڑپتا اور عطار عمدہ دوا نہیں دیتا اور جو کچھ اسے نقد مِل گیا اُسے غنیمت خیال کرتا ہے یا پُرانی دوائیں دیتا ہے کہ جن کی تاثیرات زائل ہوگئی ہیں تو یہ سب مال بالباطل کھانے والے ہیں۔ غرضکہ سب پیشہ ور حتّٰی کہ چوڑھے چمار بھی سوچیں کہ کیا وہ اس امر کو پسند کرتے ہیں کہ اُن کی مزدوریوں پر اُن کو دھوکا دیا جائے۔ اگر وہ پسند نہیں کرتے تو پھر دوسرے کے ساتھ خود وہی ناجائز حرکت کیوں کرتے ہیں۔ روزہ ایک ایسی شئے ہے جو ان تمام بُری عادتوں اور خیالوں سے انسان کو روکنے کی تعلیم دیتا ہے اور تقوٰی حاصل کرنیکی

مشق سکھاتا ہے۔ جو شخص کسی کا مال لیتا ہے وہ مال دینے والے کی اغراض کو ہمیشہ مدِ نظر رکھ کر مال لیوے اور اُسی کے مطابق اُسے شئے دیوے۔

(الحکم ۲۴ جنوری ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۲)

اے ایمان والو! مت کھاؤ آپس میں مالِ ناحق اور نہ پہنچاؤ اُن کو حاکموں تک کہ کھا جاؤ کاٹ کر لوگوں کے مال سے مارے گناہ کے اور تم کو معلوم ہے۔

(فصل الخطاب حصہ اوّل صفحہ ۵۹)

ناحق کسی کا مال لینا ایسا ضروری نہیں جیسے کہ اپنی بیوی سے جماع کرنا یا کھانا پینا۔ اِس لئے خدا تعالیٰ سکھاتا ہے کہ جب تم خدا تعالیٰ کی خاطر کھانے پینے سے پرہیز کر لیا کرتے ہو تو پھر ناحق کا مال اکٹھا نہ کرو بلکہ حلال اور طیب کما کر کھاؤ۔ اکثر لوگ یہی کہتے ہیں کہ جب تک رشوت نہ لی جاوے اور دغا فریب اور کئی طرح کی بددیانتیاں عمل میں نہ لائی جاویں روٹی نہیں ملتی۔ یہ ان کا سخت جھوٹ ہے۔ ہمیں بھی تو ضرورت ہے۔ کھانے پینے سب اشیاء کی خواہش رکھتے ہیں۔ ہماری بھی اولاد ہے ان کی خواہشوں کو ہمیں بھی پُورا کرنا پڑتا ہے اور پھر کتابوں کے خریدنے کی بھی ہمیں ایک دُھت اور ایک فضولی ہمارے ساتھ لگی ہوئی ہے گو اللہ کی کتاب ہمارے لئے کافی ہے اور دوسری کتابوں کا خرید کرنا اتنا ضروری نہیں مگر میرے نفس نے ان کا خرید کرنا ضروری سمجھا ہے اور گو مَیں اپنے نفس کو اس میں پُوری طرح سے کامیاب نہیں ہونے دیتا مگر پھر بھی بہت سے روپے کتابوں پر ہی خرچ کرنے پڑتے ہیں مگر دیکھو ہم بڈھے ہو کر تجربہ کار ہو کر کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ انسان کو اس کی ضرورت سے زیادہ دیتا ہے۔ بدسے بدپیشہ طبابت کا ہے جس میں سخت جھوٹ بولا جا سکتا ہے اور حد درجہ کا حرام مال بھی کمایا جا سکتا ہے۔ ایک راکھ کی پڑیا دے کر طبیب کہہ سکتا ہے کہ یہ سونا کا کُشتہ ہے فلاں چیز کے ساتھ اسے کھاؤ اور ایسے ہی طرح طرح کے دھوکے دئے جا سکتے ہیں جس طبیب کو پورا فہم نہیں۔ پوری تشخیص نہیں اور دوائیں دے دے کر روپیہ کماتا ہے تو وہ بھی بطلان سے روپیہ کماتا ہے۔ وہ مال طیب نہیں بلکہ حرام مال ہے۔ اِسی طرح جتنے جعل ساز، جھوٹے اور فریبی لوگ ہوتے ہیں اور دھوکوں سے اپنا گزارہ چلاتے ہیں وہ بھی بطلان سے مال کھاتے ہیں۔ ایسا ہی طبیبوں کے ساتھ پنساری بھی ہوتے ہیں جو جھوٹی چیزیں دے کر سچی چیزوں کی قیمت وصول کرتے ہیں اور بے خبر لوگوں کو طرح طرح کے دھوکے دیتے ہیں اور پھر پیچھے سے کہتے ہیں کہ فلاں تھا تو دانا مگر ہم نے کیسا اُلّو

بنا دیا۔ ایسے لوگوں کا مال حلال مال نہیں ہوتا بلکہ وہ حرام ہوتا ہے اور بطلان کے ساتھ کھایا جاتا ہے۔ مومن کو ایک مثال سے باقی مثالیں خود سمجھ لینی چاہئیں۔ مَیں نے زیادہ مثالیں اِس واسطے نہیں دی ہیں کہ کہیں کوئی نہ سمجھ لے کہ ہم پر بدظنیاں کرتا ہے اِسی واسطے مَیں نے اپنے پیشہ کا ذکر کیا ہے۔ مَیں اِسے کوئی بڑا علم نہیں سمجھتا لیکن اسے ایک پیشہ سمجھتا ہوں۔ طبیبوں سے حکماء لوگ ڈرتے ہیں اِس لئے انہوں نے اِس پیشہ کا نام صنعت رکھا ہے۔ یاد رکھو یہ بھی ایک کمینگی کا پیشہ ہے۔ اِس میں حرام خوری کا بڑا موقع ملتا ہے اور طبّ کے ساتھ پنساری کی دکان بنانا اس میں بہت دھوکہ ہوتا ہے۔ نہ صحت کا اندازہ لوگوں کو ہوتا ہے نہ مریض کی پوری تشخیص ہوتی ہے اور پھر نہایت ہی معمولی سی جنگل کی سُوکھی ہوئی بُوٹی دے کر مال حاصل کر لیتے ہیں یہ بھی سخت درجہ کا بطلان کے ساتھ مال کھانا ہے۔ وہ جو مَیں نے اپنے جنون کا ذکر کیا ہے چند روز ہوئے کہ ایک عمدہ کتاب بڑی خوشنما بڑی خوبصورت اور دل لبھانے والی اس کی جلد تھی جس پر رنگ لگا ہوُا تھا۔ اس کو جو کہیں رکھا تو اَور چیزوں کو بھی اس سے رنگ چڑھ گیا جس سے ہمیں بہت دُکھ پہنچا۔ غرض اِس جلد گر نے جو جلد کی قیمت لی ہے حقیقت میں وہ حلال مال نہیں بلکہ بطلان سے حاصل کیا ہوُا ہے۔ اِسی طرح اَور بھی پیشے ہیں مگر ان کا ذکر مَیں اِس واسطے نہیں کرتا کہ کسی کو رنج نہ پہنچے۔ اِسی طرح خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ حکام تک مال نہ پہنچاؤ۔ بعض لوگ یونہی لوگوں کو وسوسے ڈالتے رہتے ہیں اور لوگوں کو ناجائز طور پر پھنسانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اِس لئے بعض لوگ ان سے ڈر جاتے ہیں اور نقصان اُٹھا لیتے ہیں۔ غرض روزہ جو رکھا جاتا ہے تو اِس لئے کہ انسان متقی بنا سکے۔ ہمارے امام فرمایا کرتے ہیں کہ بڑا ہی بدقسمت ہے وہ انسان جس نے رمضان تو پایا مگر اپنے اندر کوئی تغیّر نہ پایا۔

(الحکم ۱۷؍ نومبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۵، ۶)

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ۔ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۔ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۔

وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا ۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ

تُفْلِحُوْنَ (۱۸۹)

یہ سورۃ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی تھی۔ مدینہ طیبہ کا وقت جو رسول اللہؐ پر گزرا ہے اس کا پتہ چار باتوں سے لگتا ہے۔

مکہ معظمہ میں آپؐ کو اور آپؐ کی جماعت کو شدید تکلیفیں دی گئیں یہاں تک کہ جن لوگوں کے جتھے تھے وہ بھی ہار کر افریقہ میں چلے گئے۔ جب جتھے والوں کی یہ حالت تھی تو جن کا جتھا نہیں تھا ان کی حالت خود ظاہر ہے۔ صرف اسی بات کی طرف غور کر کے ان کے مشکلات کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے پیارے وطن کو چھوڑ کر افریقہ چلے گئے جو بالکل بیابان وغیر آباد تھا۔ پھر وہاں تک پہنچنا بھی کوئی آسان نہیں تھا۔ نبیؐ کریمؐ پر جو تین برس آئے وہ تو ایسے تھے کہ بڑی مشکلات کا سامنا تھا۔ کسی سے نکاح نہیں کر سکتے، روٹی وغیرہ کسی کے ساتھ نہیں کھا سکتے۔ کوئی ان کو سلام نہیں دیتا تھا۔ غلہ جو باہر سے آتا تھا اسے بنی ہاشم خرید نہیں سکتے تھے۔ پھر تیسری تکلیف یہ تھی کہ جب آپ مدینہ میں چلے گئے تو بدبخت لوگوں نے مدینہ کے اردگرد شام کی تجارت کا بہانہ بنا کر تمام نواحی مدینہ کی قوموں پر رعب ڈالنے کے لئے قافلے پر قافلے بھیجنے شروع کئے۔ چوتھی بات تکلیف کی یہ تھی کہ وہاں بھی دشمن موجود تھے۔ بنو قینقاع، قریظہ، بنو نضیر، عیسائی وغیرہ سات قوموں کا جمگھٹا تھا۔ ان سب ضرر دینے والوں کے ظلم و ستم سے بچنے کے لئے جہاد کے سوا کوئی تدبیر نہ تھی۔ چنانچہ یہ سورہ اول سے آخر تک جہاد کی ترغیب میں نازل ہوئی۔ پہلے رکوع میں اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (آیت:۶) فرما کر یہی اشارہ کیا ہے۔ مُفلح کہتے ہیں اُسے جس کے سر پر فتحمندی کا تاج ہو۔ پھر تیسرے رکوع میں بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فرما کر مفتوح ملکوں کا نقشہ دکھایا ہے کہ ان میں نہریں بہتی ہوں گی۔ باغ ہوں گے جن کے وارث مومن ہوں گے۔ اور اس کے ساتھ کفار کی نسبت فرمایا ہے کہ وہ نار الحرب میں ہلاک ہوں گے۔ پھر بنی اسرائیل کا ذکر کیا ہے کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے حکم کے خلاف جہاد میں جانے سے مضائقہ کیا تو اِهْبِطُوْا مِصْرًا (آیت:۶۲) کے ماتحت مسکنت میں گرچلے گئے۔ اِس میں اشارہ کیا کہ تم یُوں نہ کرنا۔ اس کے بعد کئی طور سے ترغیبیں دی ہیں اور بتایا ہے کہ جہاد میں خوف، جوع، مال و جان کا نقصان سب کچھ ہوگا لیکن اگر تم استقلال سے کام

ہو گئے تو پھر تمہارے لئے بشارت ہے۔ ہاجرۂ کے واقعہ پر غور کرو کہ اس نے صبر کا کیا اَجر پایا۔ پھر قصاص کی ترغیب دی اور یہ بھی بتایا کہ یہ سب کچھ ہیچ ہے جب تک تقوٰی نہ ہو کیونکہ یہی تقوٰی تمام کامیابیوں کی جڑ ہے۔ پھر تقوٰی کے حصول کے ذریعے بتائے ہیں چنانچہ ان میں سے ایک ذریعہ کا ذکر پچھلے رکوع میں فرمایا کہ روزے رکھو۔ مناہی سے بچنے کی مشق کرتے رہو۔ جب ایک مہینہ کی نسبت صحابہؓ کو یہ علم ہؤا کہ اس میں یہ فضیلتیں ہیں تو انہوں نے دوسرے تمام چاندوں کی نسبت یہی سوال پیش کیا۔ یہ شانِ نزول ہے یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ کا تو فرمایا کہ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ۔

وَلَیْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُیُوْتَ: اِس سے پہلے ایک دفعہ جو لَیْسَ الْبِرَّ آیا اس میں بتایا کہ تم مشرق و مغرب کے فاتح ہو جاؤ گے مگر تقوٰی نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ یہاں یہ بتایا کہ ظاہری رسوم کی پابندی کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی جب تک کہ اس کی رُوح پر تمہارا عمل نہ ہو۔ ہمارے علاقہ (بھیرہ ضلع شاہ پور) میں ایک رسم ہے کہ حرام کا دُودھ الگ برتنوں میں رکھتے ہیں اور حلال کا الگ برتنوں میں۔ مٹی کے برتنوں کا تو بڑا اہتمام ہوتا ہے مگر پیٹ میں سب کچھ جمع کر لیتے ہیں۔ اِس ظاہرداری پر کیسا افسوس آتا ہے کہ مٹی کے برتن میں تو حلال و حرام کے لئے تفرقہ کریں مگر حقیقی برتن (پیٹ) کے لئے کچھ پرواہ نہ کریں۔

اِسی طرح نمازوں میں صفیں سیدھی کرنے کی تو بہت تاکید ہوتی رہتی ہے مگر جو اس کا اصل مقصد ہے جب وہ نہ ہو تو یہ ایک معمولی رسم رہ جائے گی۔ وہ یہ کہ کوئی بڑا بن کر آگے نہ ہو اور پیچھے نہ ہو اور آپس میں ایک جان ہو کر رہو۔ پس اگر تم ایک نہ ہو جاؤ اور دلوں میں کھوٹ رہے تو پھر ٹخنے کا ٹخنے سے ملانا عبث ہے۔

وَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا: ہر ایک چیز کے حصول کے لئے ایک راہ ہوتی ہے پس اسی راہ سے اسے طلب کرو۔ جب انسان اس راہ پر نہ چلے گا تو منزلِ مقصود کو ہرگز نہ پہنچے گا۔ ان میں ایک رسم بھی تھی کہ گھروں میں واپس آتے تو چھت پھاڑ کر گذرتے۔ اِس سے منع فرمایا کہ یہ رسم ہے اسکے اصل کی طرف توجہ کرو۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ: اَیْ اَنْتُمْ تَصِیْرُوْنَ مُفْلِحِیْنَ یعنی تم تقوٰی اختیار کرو شاید کہ وہ مفلح تم ہی ہو جاؤ۔ وہی مفلحون جن کا ذکر البقرۃ آیت: ۶ میں آیا ہے۔

مَیں کہتا ہوں کہ تم بھی (اے احمدیو!) اپنے دلوں کو صاف کرو۔ منصوبہ بازیوں میں شریک نہ ہو۔ کسی سے مقابلہ کرو تو نفس کے لئے نہیں بلکہ محض اللہ کے لئے۔ رسولِ کریمؐ نے فرمایا کہ کوئی

شخص اپنی شجاعت کے اظہار کے لئے لڑتا ہے۔ کوئی اپنی قوم کی عزت وجلال کے لئے۔ کوئی کسی خیال سے۔ کوئی کسی خیال سے۔ مگر جو لڑتا ہے کلمۃ اللہ کے اعلاء کے لئے وہی خدا کے نزدیک سچا مجاہد ہے۔ اب بتاتا ہے کہ لڑائی کرو تو کن سے کرو۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۸۔ اپریل ۱۹۰۹ء)

یہ رکوع شریف جو میں نے ابھی پڑھا ہے یہ رمضان شریف کی تاکیدوں اور اس کے احکام اور فضائل اور فوائد کے بیان کے بعد نازل فرمایا گیا ہے۔ اِس رکوع کا مضمون اور مطلب رمضان کے بعد ہی سے بلافصل شروع ہوتا ہے جو آج کی تاریخ ہے۔ یہ مہینہ ایک ایسا مہینہ ہے کہ بہ نسبت اَور مہینوں کے ایک خاص فضل اور انعام مسلمانوں پر اس میں نازل ہؤا ہے۔ گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کا یہی مہینہ ابتدائی سال ہے۔ آخر رمضان میں جو وحی نازل ہوئی ہے تو تبلیغ شوال ہی سے شروع فرمائی ہے۔ وہ جو نور تاریکیوں سے دُور کرنے کے واسطے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اور جس کا ذکر اَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ نُوْرًا میں کیا ہے اس کا شروع یہی مہینہ ہے.....

رمضان میں تقویٰ کا سبق یُوں ملتا ہے سخت سے سخت ضرورتیں بھی جو بقائے نفس اور بقائے نسل کے لئے ضروری ہیں ان کو بھی روکنا پڑتا ہے۔ بقائے نفس کے لئے کھانا پینا ضروری چیز ہیں اور بقائے نسل کے لئے بیوی سے تعلق ایک ضروری شئے ہے مگر رمضان میں کچھ عرصہ کے لئے یعنی دِن بھر اِن ضرورتوں کو خدا کی رضامندی کی خاطر چھوڑنا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اِس میں یہ سبق سکھایا ہے کہ انسان جب بڑی ضروری خواہشوں اور ضرورتوں کو ترک کرنے کا عادی ہو گا تو غیر ضروری کے چھوڑنے میں اس کو کیسی سہولت ہو گی۔ دیکھو ایک شخص کے گھر میں تازہ دُودھ، ٹھنڈے شربت مالٹے، نارنگیاں موجود ہیں۔ پیاس کے سبب سے ہونٹ خشک ہو رہے ہیں۔ کوئی روکنے والا نہیں۔ باوجود سہولت اور ضرورت کے اِس لئے ارتکاب نہیں کرتا کہ مولیٰ کریم ناراض نہ ہو جائے اور اسی طرح عمدہ عمدہ کھانے۔ پلاؤ، کباب اور دوسری نعمتیں میسّر ہیں۔ اور بھوک سے پیٹ میں بَل پڑ جاتے ہیں اور پھر کوئی نہیں جو اِن کھانوں سے روکنے والا ہو مگر یہ اِس لئے استعمال نہیں کرتا کہ مولیٰ کریم کے حکم کی خلاف ورزی نہ ہو۔ جبکہ یہ حال ہے کہ ایسی حالت اور صورت میں کہ اس کی عمدہ سے عمدہ نعمتیں جو اس کے بقائے نفس کے لئے اشد ضروری ہیں یہ صرف مولیٰ کریم کے حکم کی رضامندی کی خاطر ان کو چھوڑتا ہے اور پھر دیکھتا ہے کہ چھوڑ سکتا ہے تو بھلا ایسا انسان جو خدا کے لئے ضروری چیزیں چھوڑ سکتا ہے وہ شراب کیوں پینے لگا اور خنزیر کیوں کھانے لگا جس کی کچھ بھی ضرورت

نہیں ہے یا مثلاً کوئی رشوت خور رِبُوخوری کرنے یا چور یا ایسا اِنسان جو قرض لیتا ہے کہ ادا کرنے کی نیّت نہیں ہے جبکہ دیانت داری سے کام لیتا ہے اور مولیٰ کریم کی اجازت اور پروانگی کے سوا کچھ نہیں کرتا وہ ایسا خبیث مال لینے میں کیوں جرأت کرے گا؟ ہرگز نہیں۔ اِسی طرح گھر میں حسین جوان بیوی موجود ہے مگر اللہ ہی کی رضا کے لئے تیس ۳۰ دن چھوڑ سکتا ہے تو بدنظری کے لئے جی کیوں للچائے گا غرض رمضان شریف ایک ایسا مہینہ تھا جو انسان کو تقویٰ، طہارت، خداترسی، صبرو استقلال، اپنی خواہشوں پر غلبہ، فتحمندی کی تعلیم عملی طور پر دیتا تھا۔ ان ترقیوں کو دیکھ کر جو صحابہؓ نے رمضان میں تقویٰ میں کی تھیں۔ انہوں نے دوسرے مہینوں کے فضائل و فوائد سُننے کی خواہش ظاہر کی اور سوال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا جواب یُوں دیا تھا قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ کہہ دو لوگوں کے فائدہ کے لئے یہ وقت مقرر فرمائے ہیں۔ کیسا ہی خوش قسمت ہے وہ انسان جس کو صحت، فرصت، پھر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے علم بھی عطا ہُوا ہے اور اگر نہیں تو کوئی دردِ دل سے سُنانے والا موجود ہے۔ عاقبت اندیشی کی عقل دی ہے مگر باوجود اِس قدر اسباب اور سہولتوں کے میسّر آجانے پر بھی اگر اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کی فکر نہیں کرتا اور منافع اُٹھانے کی سعی میں نہیں لگتا تو اس سے بڑھ کر بدقسمت کون ہوسکتا ہے۔

مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ: کیا عجیب وقت بنایا ہے تمہارے فائدہ کے لئے اور نفع اُٹھانے کا بہت بڑا موقع دیا ہے اور اِس لئے بھی کہ تم حج کرو۔ یاد رکھو حج اللہ کی سُنن میں سے ہے۔

یہ ایک سچی بات ہے کہ جہاں بدکاریاں کثرت سے ہوں وہاں غضبِ الٰہی نازل ہوتا ہے اور جہاں عظمت اور ذکرِ الٰہی ہو وہاں فیضانِ الٰہی کثرت سے نازل ہوتا ہے۔ قومی روایات سے متفقہ یہ شہادت ملتی ہے کہ بَیت اللہ کا وجود تو بہت بڑے زمانہ سے ہے لیکن حضرت ابوالملّۃ ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے جس کی تاریخ صحیح موجود ہے۔ اَبًا عَنْ جَدٍّ قوموں کا مرکز اور جائے تعلیم چلا آیا ہے اور پتہ ملتا ہے کہ رات دن میں کوئی ایسا وقت بَیت اللہ میں نہیں آتا کہ وہاں اللہ تعالیٰ کی عظمت و جبروت کے اَوراد نہ پڑھے جاتے ہوں۔ مکّہ معظمہ میں اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اس کی صفات کا زندہ اور بیّن ثبوت موجود ہے چنانچہ قرآن شریف میں آیا ہے جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ (المآئدة: ۹۸) یعنی اس الٰہی گھر کو معزز گھر بنایا۔ اس کو لوگوں کے قیام اور نظام کا محل بنایا اور قربانیوں کو مقرر کیا کہ تم کو سمجھ آجائے کہ خدا ہے اور وہ علیم و خبیر خدا ہے کیونکہ جس طرح اس نے فرمایا اُسی طرح پُورا ہُوا۔

مَیں نے ایک دہریہ کے سامنے اِس حجّت کو پیش کیا۔ وہ ہکّا بکّا ہی تو رہ گیا۔ لوگوں کے مکانات اور پھر مذہبی مقامات کو دیکھو کہ ذرا سی انقلاب سے ساری عظمت (خاک میں مِل جاتی تھی۔ بابل کس عظمت و شان کا شہر تھا مگر آج اس کا کوئی پتہ بھی نہیں دے سکتا کہ وہ کہاں آباد تھا۔ کارتھج میں ہنی بال کا معبد، پیرامون کا مندر جہاں سکندر عظیم الشان بادشاہ آکر نذر دیتا تھا اور اپنے آپ کو اُس کا بیٹا منسوب کرتا تھا۔ آتش کدۂ آذر غرض بڑے بڑے مقدّس مقامات تھے جن کا نام و نشان آج زمانہ میں موجود نہیں ہے مگر مکّہ معظّمہ کی نسبت خدائے علیم و حکیم نے اس وقت جبکہ وہ ایک وادیٔ غیرذی زرع تھا یہ فرمایا کہ وہاں دُنیا کے ہر حصّہ سے لوگ آئیں گے۔ وہاں قربانیاں ہوں گی اور خدا تعالیٰ کی عظمت و جبروت کا اظہار ہوتا رہے گا۔ صدیاں اس پر گذر گئیں۔ دُنیا میں بڑے بڑے انقلاب ہوئے۔ سلطنتوں کی سلطنتیں تباہ ہو کر نئی پیدا ہو گئیں مگر مکّہ معظّمہ کی نسبت جو پیشگوئی کی گئی وہ آج بھی اُسی شوکت اور جلال کے ساتھ نظر آتی ہے جس طرح پر کئی سَو سال پیشتر۔ اِس سے اللہ تعالیٰ کی علیم و خبیر ہستی کا کیسا پتہ لگتا ہے۔ اگر انسانی منصوبہ اور ایک خیالی اور فرضی بات ہوتی تو اس کا نام و نشان اسی طرح مِٹ جاتا جیسے دُنیا کے اَور بڑے بڑے مقدّس قرار دئے گئے مقامات کا نشان مِٹ گیا مگر نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی باتیں تھیں جو ہر زمانہ میں اس کی ہستی کا زندہ ثبوت ہیں۔

(الحکم ۱۰ فروری ۱۹۰۱ء صفحہ ۴ تا ۶)

یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ کی شانِ نزول

جب صحابہؓ نے دیکھا کہ ایک ماہِ رمضان کی یہ عظمت اور شان ہے اور اس قُربِ الٰہی کے حصول کے بڑے ذرائع موجود ہیں تو ان کے دل میں خیال گذرا کہ ممکن ہے کہ دوسرے چاندوں و مہینوں میں بھی کوئی ایسے ہی اسرارِ مخفیہ اور قُربِ الٰہی کے ذرائع موجود ہوں وہ معلوم ہو جاویں اور ہر ایک ماہ کے الگ الگ احکام کا حکم ہو جاوے اِسی لئے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ دوسرے چاندوں کے احکام اور عباداتِ خاصہ بھی بتا دئے جاویں۔

ہلال اور قمر کا تفاوت: یہاں لفظ اَھِلَّۃ کا استعمال ہؤا ہے جو کہ ہلال کی جمع ہے۔ بعض کے نزدیک تو پہلی دوسری اور تیسری کے چاند کو اور بعض کے نزدیک ساتویں کے چاند کو ہلال کہتے ہیں اور پھر اس کے بعد قمر کا لفظ اطلاق پاتا ہے۔ احادیث میں جو مہدی کی علامات آئی ہیں ان میں سے مہدی کی علامت ایک یہ بھی ہے کہ ایک ہی ماہِ رمضان میں چاند اور سُورج کو گرہن لگے گا۔

وہاں چاند کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قمر کا لفظ استعمال کیا ہے اور اعلیٰ درجہ کا قمر ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ کو ہوتا ہے اور اس کے گرہن کی بھی یہی تاریخیں مقرر ہیں۔ اس سے کم زیادہ نہیں ہوسکتا۔ اور ایسے ہی سورج گرہن کے لئے بھی ۲۷، ۲۸، ۲۹ تاریخ ماہِ قمری کی مقرر ہے۔ غرضکہ قمر کا لفظ اپنے حقیقی معنوں کی رُو سے مہدی کی علامت تھی لیکن لوگوں نے تصرف کر کے وہاں قمر کے بجائے ہلال کا لفظ ڈال دیا ہے اور یہ ان کی غلطی ہے۔

صحابہ کرامؓ کے اِس سوال پر کہ اَور چاندوں کے برکات و انوار سے ان کو اطلاع دی جاوے اللہ جلّ شانہٗ نے یہ جواب دیا قُلْ ھِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ۔ یعنی جیسے ماہِ رمضان تقویٰ سکھانے کی ایک شئے ہے ویسے ہر ایک مہینہ جو چڑھتا ہے وہ انسان کی بہتری کے لئے ہی آتا ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ نئے چاند کو دیکھ کر اپنی عمرِ رفتہ پر نظر ڈالے اور دیکھے کہ میری عمر میں سے ایک ماہ اَور کم ہو گیا ہے اور نہیں معلوم کہ آئندہ چاند تک میری زندگی ہے کہ نہیں پس جس قدر ہوسکے وہ خیر و نیکی کے بجالانے میں اور اعمالِ صالحہ کرنے میں دِل و جان سے کوشش کرے اور سمجھے کہ میری زندگی کی مثال برف کی تجارت کی مانند ہے۔ برف چونکہ پگھلتی رہتی ہے اور اس کا وزن کم ہوتا رہتا ہے اِس لئے اس کے تاجر کو بڑی ہوشیاری سے کام کرنا پڑتا ہے اور اس کی حفاظت کا وہ خاص اہتمام کرتا ہے۔ ایسے ہی انسان کی زندگی کا حال ہے جو برف کی مثال ہے کہ اس میں سے ہر وقت کچھ نہ کچھ کم ہوتا ہی رہتا ہے اور اس کا تاجر یعنی انسان ہر وقت خسارہ میں ہے۔ ۶۴۔ ۶۵ سال جب گذر گئے اور اس نے نیکی کا سرمایہ کچھ بھی نہ بنایا تو وہ گویا سب کے سب گھاٹے میں گئے۔

ہزاروں نظّارے تم آنکھ سے دیکھتے ہو۔ اپنے بیگانے مَرتے ہیں۔ اپنے ہاتھوں سے تم ان کو دفن کر کے آتے ہو اور یہ ایک کافی عبرت تمہارے واسطے وقت کی شناخت کرنے کی ہے اور نیا چاند تمہیں سمجھاتا ہے کہ وقت گزر گیا ہے اور تھوڑا باقی ہے اب بھی کچھ کر لو لمبی لمبی تقریریں اور وعظ کرنے کا ایک رواج ہوگیا ہے اور سمجھنے اور عمل کرنے کے لئے ایک لفظ ہی کافی ہے۔ کِسی نے اِسی کی طرف اشارہ کر کے کہا ہے ؎

مجلسِ وعظ رفتنت ہَوس است | مرگ ہمسایہ واعظ تو بس است

پس اِن روزانہ موت کے نظّاروں سے جو تمہاری آنکھوں کے سامنے اور تمہارے ہاتھوں میں ہوتے ہیں عبرت پکڑو اور خدا تعالیٰ سے مدد چاہو اور کاہلی اور سُستی میں وقت کو ضائع مت کرو مطالعہ کرو اور خوب کرو کہ بچے سے لے کر جوان اور بُوڑھے تک اور بھیڑ بکری اُونٹ وغیرہ جس قدر جاندار

چیزیں ہیں سب مَرتے ہیں اور تم نے بھی ایک دن مَرنا ہے پس وہ کیا بدقسمت اِنسان ہے جو اپنے وقت کو ضائع کرتا ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وقت کی کیسی قدر کرتے ہیں کہ جب ان کو رمضان کے فضائل معلوم ہوئے تو معًا دوسرے مہینوں کے لئے سوال کیا کہ قُربِ الٰہی کے اگر اَور ذرائع بھی ہوں تو معلوم ہو جاویں۔ (الحکم ۲۴؍جنوری ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۲، ۱۳)

وَلَيْسَ الْبِرُّ: انسان کو ایک زبردست طاقت کا خیال ہمیشہ رہتا ہے اور یہ انسانی فطرت کا خاصہ ہے کہ ہر ایک مذہب میں جنابِ الٰہی کی عظمت و جبروت ضرور مانا جاتا ہے۔جو لوگ اس سے مُنکر ہیں وہ بھی مانتے ہیں کہ ایک عظیم الشّان طاقت ضرور ہے جس کے ذریعہ سے یہ نظامِ عالَم قائم ہے اس کے قُرب کے حاصل کرنے والے تین قِسم کے لوگ ہوتے ہیں بعض کی غرض تو یہ ہوتی ہے کہ جسمانی سامان حاصل کر کے جسمانی آرام حاصل کیا جاوے جیسے ایک دُکاندار کی بڑی غرض و آرزُو یہ ہوتی ہے کہ اس کا گاہک واپس نہ جاوے۔ایک اہلِ کسب ایک دو روپیہ کما کر پھولا نہیں سماتا لیکن ایسے لوگ انجامکار کوئی خوشحالی نہیں پاتے۔ وجہ یہ ہے کہ ان کی خواہش محدود ہوتی ہے اسلئے محدود فائدہ اُٹھاتے ہیں اور محدود خیالات کا نتیجہ پاتے ہیں بعض اس سے زیادہ کوشش کرتے ہیں اور ان پر خواب اور کشف کا دروازہ کھُلتا ہے۔اِس قِسم کے لوگوں میں بھلائی اور اخلاق سے پیش آنے کا خیال و ارادہ بھی ہوتا ہے مگر چونکہ اُن کی عقل بھی محدود ہوتی ہے اِس لئے ان کی راہ بھی محدود ہوتی ہے۔ایک حَد کے اندر اندر رہتے ہیں اور ان کو مشیر بھی محدود الفطرت ملتے ہیں۔ تیسری قِسم کے لوگ کہ کوئی بھلائی ان کی نظر میں بھلی اور بُرائی بَدی کسی محدود خیال سے نہیں ہوتی بلکہ ان کی نظر وسیع اور اُس بات پر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وراء الوراء ہے۔کوئی عقل اور علم اُسے محیط نہیں بلکہ کُل دُنیا اس کی محاط ہے۔اس کی رضامندی کی راہوں کو کوئی نہیں جان سکتا بجز اسکے کہ وہ خود کسی پر ظاہر کرے۔یہ نظر انبیاء اور رُسل اور اُن کے خلفاء راشدین کی ہوتی ہے وہ نہ خود تجویز کرتے ہیں اور نہ دوسرے کی تراشیدہ تجاویز مانتے ہیں بلکہ خدا کی بتلائی ہوئی راہوں پر چلتے ہیں۔عرب کے نادانوں کو خیال تھا کہ جب وہ گھر سے حج کے لئے نکلیں اور پھر کسی ضرورت کے لئے اُن کو واپس گھر آنا پڑے تو گھروں کے دروازہ میں داخل ہونا وہ معصیت خیال کرتے ہیں اور پیچھے سے چھتوں پر سے ٹاپ کر آیا کرتے تھے اور اسے ان لوگوں نے نیکی خیال کر رکھا تھا خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ باتیں نیکی میں داخل نہیں بلکہ نیکی کا وارث تو متقی ہے۔تم اپنے گھروں میں دروازہ کی راہ سے داخل ہُوا کرو اور تقویٰ اختیار کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ (الحکم ۴؍جنوری ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۳، ۱۴)

قرآن شریف کے ذریعہ سے مسلمانوں کو تقویٰ میں ایک ریاضت کرائی جاتی ہے کہ جب مباح چیزیں انسان خدا کی خاطر چھوڑتا ہے تو پھر حرام کو کیوں ہاتھ لگانے لگا۔ پھر فرمایا کہ ایک وقت تو خدا تعالیٰ کی صفت رحم اور درگزر کی کام کرتی ہے مگر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ جب دُنیا کے گناہ حد سے بڑھ جاتے ہیں تو خدا تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا ہے پھر بھی ایسے وقت میں ایک سمجھانے والا ضرور آتا ہے جیسا کہ آج ہمارے درمیان موجود ہے اور اس زمانہ میں بائبل کی کثرتِ اشاعت جو ہوتی ہے باوجودیکہ عیسائی اپنے عقائد میں اس کو قابلِ عمل نہیں جانتے پھر کروڑوں روپے اس پر خرچ کرتے ہیں۔ اِس میں بھی یہی حکمتِ الٰہی ہے کہ توحید اور عبادتِ الٰہی اور اعمالِ صالحہ کا وعظ اس کے ذریعہ بھی تمام دُنیا پر ہو رہا ہے۔ صحابہؓ نے اَھِلَّۃ کے متعلق جو سوال کیا وہ اِس واسطے تھا کہ جب رمضان کی عبادت کے برکات انہوں نے دیکھے تو ان کو خواہش ہوئی کہ ایسا ہی دوسرے مہینوں کی عبادت کا ثواب بھی حاصل کریں اِس واسطے اُنہوں نے یہ سوال پیش فرمایا۔ دُو بڑے بڑے نشان آسمان پر دکھائے گئے سُورج گہن اور چاند گہن ماہِ رمضان میں ایسا ہی دُو نشان یہ ہیں۔ قحط اور طاعون۔ فرمایا حج کے متعلق حضرت ابراہیمؑ کو خدا نے حکم دیا کہ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ تب سے آج تک یہ پیشگوئی پوری ہو رہی ہے۔ جس طرح کبوتر اپنے کابک کو دَوڑتے ہیں اس طرح لوگ حج کو جاتے ہیں۔ زمانۂ عرب میں رسم تھی کہ سفر کو جاتے ہوئے کوئی بات یاد آتی تو دروازے کے راہ سے گھر نہ آتے۔ اس سے خدا تعالیٰ نے منع فرمایا اور اس میں ایک اشارہ اِس امر کی طرف کہ ہر ایک کام میں اس راہ سے جاؤ اور اس دروازے داخل ہو جو خدا نے مقرر کیا اور اُس کے رسولؐ نے دکھایا اور رسولؐ کے خلفاء اور اس زمانہ کا امام بتلا رہا ہے۔ فرمایا۔ خدا چاہتا تو اپنے رسولؐ کے واسطے اپنے خزانے کھول دیتا۔ اور تمہیں کچھ خرچ کرنے کی ضرورت نہ ہوتی مگر پھر تمہارے واسطے کوئی ثواب نہ ہوتا۔ جب خدا کسی قوم کو عزت دینا چاہتا ہے تو یہی سُنّت اللہ ہے کہ پہلے اس سے اللہ کی راہ میں مالی، جانی، بدنی خدمات لی جاتی ہیں۔ فرمایا۔ اِس زمانہ میں غلام کے چھڑانے کا ثواب مقروض کے قرضہ کے ادا کرنے سے ہو سکتا ہے۔

(بدر ۱۰ر نومبر ۱۹۰۷ء صفحہ اوّل)

اِس سوال کے جواب میں کہ "اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پیغمبر ہوتے تو اُس وقت کے سوالوں کے جواب میں لاچار ہو کر یہ نہ کہتے کہ خدا کو معلوم ہے یعنی مجھے معلوم نہیں"۔ فرمایا :۔

"خاکسار عرض پرداز ہے۔ مخالف اور موافق لوگوں نے حضور علیہ السّلام سے جس قدر سوال کئے اُن کا جواب اگر ممکن تھا تو حضور علیہ السّلام نے ضرور دیا ہے۔ قرآن میں حسبِ ذیل سوالات کا

تذکرہ موجود ہے مُنصف غور کریں۔ اوّل رمضان کے مہینہ اور روزوں کے چاند کا تذکرہ جب قرآن کریم نے کیا تو لوگوں نے رمضان کے اور اور چاندوں کا حال دریافت کیا جیسے قرآن کہتا ہے اور ماہِ رمضان کے تذکرہ کے بعد اِس سوال کا تذکرہ کرتا ہے۔

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَهِلَّةِ

پوچھتے ہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے رمضان کے سوا اور چاندوں کا حال یعنی ان میں کیا کرنا ہے اِس سوال کے جواب سوال کے بعد ہی بیان کیا گیا اور جواب دیا:

قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ (بقرہ: ۱۹۰)

تو اس سوال کے جواب میں کہہ دے کہ یہ چاند لوگوں کے فائدہ اُٹھانے کے وقت ہیں۔ اور بعضے چاندوں میں حج کے اعمال ادا کئے جاتے ہیں۔

دوسرا سوال یہ ہے:

یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ

سوال کرتے ہیں کیا خرچ کریں۔ اِس کا جواب قرآن نے دیا ہے:

مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ۔ (بقرہ: ۲۱۶)

جو کچھ خرچ کرو مال سے تو چاہیئے کہ وہ تمہارا دیا اور خرچ کیا تمہارے والدین اور تمہارے رشتہ داروں اور یتیموں اور غریبوں اور مسافروں کے لئے ہو۔

تیسرا سوال یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ پوچھتے ہیں تجھ سے حُرمت والے مہینہ کے متعلق کہ اس میں جنگ کا کیا حکم ہے۔ تو جواب دیا:

قُلْ قِتَالٌ فِیْهِ کَبِیْرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ (بقرہ: ۲۱۸)

تُو جواب دے اِس مہینہ میں لڑائی کرنا بڑی بات ہے اور اس سے حج و عمرہ کی سی عبادت سے روکنا لازم آتا ہے۔

چوتھا سوال یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ پوچھتے ہیں تجھ سے شراب اور جُوئے کی بابت۔ تُو جواب دے۔

فِیْهِمَآ اِثْمٌ کَبِیْرٌ (بقرہ: ۲۲۰)

شراب خوری اور قمار بازی نہایت بڑی اور بُری بدکاری ہے۔

پانچواں سوال یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ پُوچھتے ہیں کیا خرچ کریں۔ تو جواب دے:

اَلْعَفْوَ (بقرہ: ۲۲۰)

اپنی حاجت سے زیادہ مال کو خرچ کرو۔

چھٹا سوال یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْمَحِیْضِ پُوچھتے ہیں حیض میں عورت سے صحبت جائز ہے یا نہیں؟ تو جواب دے:

هُوَ اَذًی فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِی الْمَحِیْضِ (بقرہ: ۲۲۳)

حیض کے دنوں میں جماع کرنا دُکھ دیتا ہے۔ حیض کے دنوں میں عورتوں کی صحبت سے الگ رہو۔

ساتواں سوال یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْیَتٰمٰی پُوچھتے ہیں یتیموں کے متعلق۔ جواب دے:

اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَیْرٌ (بقرہ: ۲۲۱)

یتیموں کے مال، عزّت، پرورش غرض ہر طرح اُن کی اِصلاح اور سنوار عمدہ بات ہے۔

آٹھواں سوال یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا اُحِلَّ لَهُمْ پوچھتے ہیں کیا کچھ کھانے میں حلال ہے۔

جواب دے:

اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ (مائدہ: ۵)

تمہارے لئے تمام وہ چیزیں جو غالب عمرانات کے سلیم الفطرتوں میں ستھرے اور پسندیدہ ہیں وہ تو حلال کر دی گئیں۔

نواں سوال یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَنْفَالِ (انفال: ۲) تجھ سے پُوچھتے ہیں غنیمت کی تقسیم کا مسئلہ

تو جواب دے:

اَلْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ

غنیمت کی تقسیم اللہ پھر رسولؐ کے اختیار میں ہے۔

دسواں سوال یَسْئَلُوْنَکَ عَنْ ذِی الْقَرْنَیْنِ (کہف: ۸۴) ذو القرنین کا قصہ تجھ سے پوچھتے ہیں تو جواب میں قصہ سُنا دے۔

اِنَّا مَکَّنَّا لَهٗ فِی الْاَرْضِ (کہف: ۸۵)

سے ذو القرنین کا قصہ شروع کر دیا اور بقدر ضرورت اسے تمام کیا۔ یہ ذو القرنین وہ ہے جس کا ذکر دانیال ۸ باب ۸ میں ہے۔

گیارھواں سوال یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْجِبَالِ تجھ سے پُوچھتے ہیں ایسے مضبوط پہاڑ کیا ہمیشہ

رہیں گے۔ تو جواب دے:

يَنسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا (طٰهٰ : ۱۰۶)

اُڑا دے گا اور پہاڑوں کو پاش پاش کر دے گا میرا رَبّ۔

بارھواں سوال يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ تجھ سے سوال کرتے ہیں قرآن کس کا بنایا ہؤا ہے۔ تو جواب دے:

مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ (بنی اسرائیل : ۸۶)

یہ قرآن میرے رَبّ کا حکم اور اسی کا کلام ہے۔

یاد رکھو مَیں نے رُوح کا ترجمہ قرآن کیا ہے۔ اِس کے کئی باعث ہیں۔

اوّل: قرآن میں خود اِس وحی اور کلامِ الٰہی کو رُوح کہا گیا۔ وَالْقُرْاٰنُ يُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا۔ دیکھو وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا (شوریٰ : ۵۳) اور اِس طرح وحی کی ہم نے تیری طرف رُوح اپنے حکم سے۔

دوم: يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ کے ماقبل اور مابعد قرآن کریم کا تذکرہ ہے۔ ہاں ممکن ہے کہ ہم اِس آیت میں رُوح کے معنے اُس فرشتہ کے لیں جو وحی لاتا تھا اور جس کا نام اسلامیوں میں جبرائیل ہے۔ یا یُوں کہیں کہ رُوح کے مخلوق اور غیر مخلوق ہونے کا سوال ہؤا۔ جواب دیا گیا۔ رُوح حادث اور ربّ کے حکم سے ہؤا ہے۔

تیرھواں سوال يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ مانگتے ہیں تجھ سے یہودی اور عیسائی اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ (نساء : ۱۵۴) اہلِ کتاب کہ ان پر اُتار دے تُو ایک کتاب آسمان سے۔ یہ سوال اہلِ کتاب نے اِس لئے کیا کہ محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دعویٰ کیا ہے کہ مَیں موسیٰؑ کی مانند نبی ہوں اور وہی ہوں جس کی بابت توریت استثناء کے ۱۸ باب ۱۸ میں پیشگوئی موجود ہے اور اس نبی کی پیشگوئی توریت میں اِس طرح لکھی تھی: تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اسکے مُنہ میں ڈالوں گا (استثناء ۱۸ باب ۱۸) پس لامحالہ اس نبی کے واسطے کوئی ایسی کتاب آسمان سے نہ اُترے گی جو لکھی لکھائی آجاوے کیونکہ توریت میں تو لکھا ہے" اپنا کلام اس کے مُنہ میں ڈالوں گا" پس ایسے سوال کے جواب میں فرمایا:

فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰۤى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً (نساء:۱۵۴)

باقی پانچ سوال یہ ہیں جن کے جواب میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے یہ فرمایا ہے۔ میرا

رَبّ جانتا ہے :

اوّل : یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَۃِ اَیَّانَ مُرْسٰهَا (النّٰزعٰت : ۴۲) پوچھتے ہیں قیامت کی گھڑی کب ہوگی؟ جواب دیا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ (اعراف : ۱۸۸) تو کہہ کہ اِس کا علم میرے ربّ ہی کے پاس ہے۔

دوسرا : یَسْئَلُوْنَ اَیَّانَ یَوْمُ الدِّیْنِ (ذٰریٰت : ۱۲) پوچھتے ہیں جزاء کا دن کب ہوگا جس کا جواب کچھ نہیں دیا۔ غالباً اِس لئے کہ وہ ہمیشہ ہے یا اِس لئے کہ ان کی مُراد قیامت ہے۔

تیسرا : یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَۃِ اَیَّانَ مُرْسٰهَا پوچھتے ہیں وہ گھڑی کب ہوگی؟ جس کا جواب دیا فِیْمَ اَنْتَ مِنْ ذِکْرٰهَا۔ اِلٰی رَبِّکَ مُنْتَهٰهَا (النّٰزعٰت : ۴۴، ۴۵) تجھے ایسے قصّوں سے کیا۔ اس کا عِلم رَبّ تک ہے۔

چوتھا : یَسْئَلُکَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَۃِ پُوچھتے ہیں اس ساعت کے متعلق۔ جس کا جواب دیا۔ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ (احزاب : ۶۴) اس کا عِلم صرف اللہ کے پاس ہے۔

پانچواں : یَسْئَلُوْنَکَ کَاَنَّکَ حَفِیٌّ عَنْهَا تجھ سے پُوچھتے ہیں کیا تُو ایسی باتوں کے پیچھے پڑا ہؤا ہے۔ جس کا جواب دیا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ (اعراف : ۱۸۸) اِس کا علم اللہ کے پاس ہے۔

لاکن اِس سوال کا جواب نہ دینے سے نبوّت میں کوئی نقص نہیں آتا۔ کیونکہ حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں :۔

"اس دن اور اس گھڑی کو میرے باپ کے سوا آسمان کے فرشتہ تک کوئی نہیں جانتا" (متی ۲۴ باب ۳۶)

اَور جگہ فرماتے ہیں :۔

"اس دن اور اس گھڑی کی بابت سوا باپ کے نہ تو فرشتے جو آسمان پر ہیں اور نہ بیٹا کوئی نہیں جانتا ہے۔" (مرقس ۱۳ باب ۳۲)

سائل اور اس کے ہم خیال غور کریں۔ اس گھڑی کی بابت حضرت مسیح (نے) کیا فتویٰ (دیا) ایسی گھڑی کا وقت نہ بتانا اگر نبوّت اور رسالت میں خلل انداز ہے تو حضرت مسیح کی نبوّت اور رسالت بلکہ عیسائیوں کی مانی ہوئی مسیح کی الوہیت میں خلل پڑے گا۔

(ایک عیسائی کے تین سوال اور اُن کے جوابات صفحہ ۵۵ تا ۵۸)

وَلَا تَعْتَدُوْا ۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۱﴾

اَلَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ : جو تم سے لڑائی کرتے ہیں۔ وہ بھی از خود نہیں بلکہ ایک امام کے ماتحت۔ فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اَلْاِمَامُ جُنَّةٌ يُّقَاتَلُ مِنْ وَّرَآئِهٖ امام ایک سپر ہے اسکے پیچھے لڑا جاتا ہے۔ ایک سپاہی دوسرے سپاہی کو مارتا ہے مگر اس کا واقف نہیں ہوتا۔ کوئی پوچھے یہ جو اس کے مقابلہ کے لئے آگ ہو رہا ہے آخر کوئی وجہ؟ تو اس کا یہی جواب ہوگا کہ وجہ ان کے آفیسر کو معلوم ہے۔ پس سپاہی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے آفیسر کا تابع رہے۔

وَلَا تَعْتَدُوْا : حد سے نہ بڑھو۔ یہ اس لئے فرمایا کہ سپاہی کو جوش میں حد کی خبر نہیں رہتی اسلئے اس کی ہر ایک حرکت اپنے آفیسر کے ماتحت ہونی چاہیئے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۸ ر اپریل ۱۹۰۹ء)

اللہ کے رستے میں اُن سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے مت بڑھو۔ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پیار نہیں کرتا۔ (تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۴۹)

مقابلہ کرو اعلائے کلمۃ الحق میں اُن سے جو تم سے مقابلہ کرتے ہیں اور حد سے نہ بڑھنا۔ اس کے معنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اوّل جانشین نے یہ کئے ہیں کہ لڑکے، عورتیں، بڈھے، فقیر اور تمام صُلح جُو نہ مارے جائیں۔ (نورالدین صفحہ ۱۰۳)

اور خدا کی راہ میں ان سے ہی لڑو جو تم سے لڑیں اور حد سے مت بڑھو۔ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ (نورالدین صفحہ ۲۰۶)

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَ اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۔ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۔ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ

فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۲﴾

وَاقْتُلُوْهُمْ : هُمْ سے کون مراد ہیں۔ وہی جو اَلَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ کے مصداق ہیں جو جنگ کرتے ہیں۔

اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ : قتل سے ایک نفس کا نقصان ہوتا ہے مگر فتنہ ایسی بلا ہے کہ اس میں قوم کی قوم ہلاک ہو جاتی ہے۔ بعض دفعہ ایک بچہ فتنہ کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اس کی مثال دیاسلائی سے ہے کہ پہلے ایک گرین بھی سلفر اس میں نہیں ہوتا مگر جب اسے گھسا کر کسی لکڑی سے لگاتے ہیں تو پھر بعض اوقات محلوں کے محلے بلکہ شہروں کے شہر جل جاتے ہیں۔ پس تم چھوٹی بات کو چھوٹا نہ سمجھو بلکہ بڑا سمجھو اور فتنے سے بچتے رہو۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۸۔ اپریل ۱۹۰۹ء)

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ : یہ مسئلہ خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ مذاہب کا ابطال نہیں چاہتا بلکہ قرآن شریف میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا تو سارے جہان کو ایک مذہب پر قائم کر دیتا۔ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ (الانعام : ۱۵۰) دوسرے مقام پر فرمایا لَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ (الحج : ۴۱) یعنی اگر اللہ آدمیوں کی ایک دوسرے سے مدافعت نہ کرتا رہتا تو عیسائیوں کی، مسلمانوں کی، مجوسیوں کی، یہودیوں کی عبادت گاہیں منہدم ہو جاتیں جس سے معلوم ہوا کہ مذاہب کا اختلاف اللہ کے منشاء کے ماتحت ہے۔ اللہ تعالیٰ جو انبیاء کو بھیجتا ہے تو امن قائم کرنے کے لئے۔ یہ منشاء نہیں ہوتا کہ لوگوں کو پکڑ کر مسلمان بنائیں بلکہ وہ لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرۃ : ۲۵۷) کے ماتحت چلتے ہیں کیونکہ انسان اس وقت تک خدا کے نزدیک تو مومن نہیں ہوتا جب تک کہ دل سے ایمان نہ لائے۔ اور پھر ضروری ہے کہ اس کے ایمان کے آثار اس کے ظاہری کاموں میں ہویدا ہوں اور کوئی اس کو روک نہ سکے۔

پس جہاد بھی اس وقت تک جائز ہے کہ مومن کفار کے فتنہ میں نہ رہے اور جو ایمان لا چکے ہیں وہ اپنی عبادت بلا کسی خوف و روک کے ادا کرسکیں۔ وہ نفاق سے کام لینے پر مجبور نہ ہوں بلکہ یَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ اللہ کے لئے ان کا دین ہو اور فتنہ نہ رہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالْفِتْنَۃُ اَکْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ (البقرۃ : ۲۱۸) شرارتیں اور فتنے اللہ کو ناپسند ہیں۔ پس اس وقت تک لڑائی جائز ہے کہ جب تک فتنہ رہے۔

وَلَا یَزَالُوْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ حَتّٰی یَرُدُّوْکُمْ عَنْ دِیْنِکُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا یعنی وہ تم سے لڑتے رہیں گے جب تک کہ تمہیں تمہارے دین سے برگشتہ کرلیں۔ پس جب یہ خوف جاتا رہے اور کفار بالاکراہ کسی مسلمان کو کافر نہ بنا سکتے اور فتنہ بازیوں سے ہٹ جائیں تو پھر تمہارے الٰہی حدبندی (امن) کو توڑنے کا کوئی موقع نہیں مگر ان لوگوں کے لئے جو فتنہ ڈالتے رہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۸ ، اپریل ۱۹۰۹ء)

وَیَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ : ظاہر و باطن لوگوں کا دین ایک ہو جائے۔ مذہبی آزادی ہو۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۱)

وَقَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ : مقابلہ کرو یہاں تک کہ فتنہ اور شرارت نہ رہے۔

(نور الدین صفحہ ۱۰۳)

اس لئے لڑو کہ لوگ آزمائشوں اور دین میں پھسلائے جانے سے بچ جاویں اور ظاہر و باطن میں مسلمان ہو کر بسر کریں۔ ایسا نہیں کہ ڈر کے مارے اندر سے مسلمان اور باہر سے کافر۔

(فصل الخطاب جلد اول (ایڈیشن دوم) صفحہ ۹۹، ۱۰۰)

اور ان سے (کافران مکہ اور ان کے خصال و صفات کے آدمی) لڑو جب تک روک ٹوک اٹھ جاوے اور دین اللہ کے لئے ہو یعنی فرائض دین بلا روک ٹوک ادا کئے جا سکیں اور مخل خلل اندازی چھوڑ دے۔

(تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۴۹)

۱۹۶۔ وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ ۚ وَ اَحْسِنُوْا ۚ اِنَّ اللّٰہَ

يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ [۱۹۶]

وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ : لڑائی کے وقت مالوں کی سخت ضرورت ہوتی ہے اِس لئے اسکی ترغیب دی! دیکھو ابوبکرؓ اور عمرؓ قوم کے لحاظ سے ابوجہل وغیرہ سے بڑے نہ تھے مگر انہوں نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا تو وہ بڑے بن گئے۔ مَیں ہمیشہ اِس امر کو ذوق سے دیکھا کرتا ہوں کہ مہاجرین نے خدا کے لئے وطن چھوڑا تو ان کو بدلے میں ملک کی سلطنت ملی۔ انصار نے یہ کام نہ کیا اِسلئے ان کو یہ اجر بھی نہ ملا۔ خدا کی راہ میں خرچ کرنا کبھی ضائع نہیں جاتا۔ ایک صحابیؓ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مَیں نے زمانۂ جاہلیت میں سَو اُونٹ دیا تھا کیا اس کا کچھ ثواب ملے گا۔ فرمایا اَسْلَمْتَ عَلٰى مَا اَسْلَفْتَ اُسی کی برکت سے تو تُو مسلمان ہؤا۔ ایسا ہی ایک اَور قصہ ہے کہ کوئی خشک فتوای گر تھے ان کے پڑوس میں ایک یہودی رہتا جو ہر صبح چڑیوں کو چوگا ڈالتا تھا۔ اس فتوای گر نے کہا کیوں ناحق اپنا مال ضائع کرتا ہے۔ تیرے اِس جُود و سخا کا بوجہ کُفر کوئی فائدہ نہیں۔ کچھ مدت ہوئی تو اُسے حج کرتے پایا۔ اُس وقت سمجھا کہ یہ اسی خیرات کا اثر تھا۔ ایسا ہی ایک اَور بدکار نے ایک پیاسے کتے کو اپنے موزہ سے پانی نکال کر پلایا تو خدا نے اسے نجات کی راہ بتائی۔

بہرحال انفاق فی سبیل اللہ بہت سے ثمرات رکھتا ہے اور ہر زمانے میں انفاق کا ایک رنگ ہوتا ہے۔ یہ زمانہ فوجی تیاریوں پر خرچ کرنے کا نہیں بلکہ قلمی جہاد کا ہے۔ پس اسی میں مدد کرنا ہر مومن پر فرض ہے۔ اگر تم یہ خرچ نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اپنے تئیں ہلاک کر لو گے کیونکہ جب دشمن کا مقابلہ نہ کیا گیا تو اس کا نتیجہ سوا اپنی بربادی اور گمنامی کے اَور کچھ نہیں۔ اِس لئے فرماتا ہے:

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ تم اپنے ہاتھوں سے اپنے تئیں ہلاکت میں نہ ڈالو۔

وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ : احسان کی عادت ڈالو تا تم خدا کے محبوب بن جاؤ۔

رُوح کے خواص میں سے ایک یہ بات ہے کہ ہر شخص محبوبیّت کے مقام کا خواہاں ہے۔ شاعر شعر کہتا ہے۔ لیکچرار لیکچر تیار کرتا ہے۔ خوبصورت بن ٹھن کے نکلتا ہے۔ دولتمند مال خرچ کرتا ہے اِس لئے کہ وہ محبوب بن جائے۔ اِس محبوبیّت کے مقام کے حصول کا ایک ذریعہ اللہ بتاتا ہے وہ یہ کہ تم مُحسن بن جاؤ۔ پھر تم محبوب بنو گے اور محبوب بھی کِس کے؟ اللہ کے۔ کوئی شخص اپنے محبوب کو ذلیل نہیں کرتا پس وہ جس کا خدا مُحِب ہو وہ کیونکر ذلیل ہو سکتا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۸ اپریل ۱۹۰۹ء)

حفظِ نفس و تربیتِ اولاد پر فرمایا لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ اپنے تئیں ہلاکت میں مت ڈالو۔ (دیباچہ نورالدین صفحہ ۱۶)

لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ : یعنی اپنے تئیں خود ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اسی سُنّتِ الٰہی کی اتباع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں خود کُود کر نہیں گرے بلکہ لوگوں نے کہا

حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ (انبیاء: ۶۹)

(نورالدین صفحہ ۱۴۶)

۱۹۷

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۭ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ۭ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ

حَاضِرِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۷﴾

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ : مکّہ والوں نے مسلمانوں کو حج و عمرہ سے منع کیا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم حج کرو گے۔ یہ کب تک روکتے رہیں گے۔

فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ : اگر تم روکے گئے (جیسے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر) تو بھی اندیشہ کی بات نہیں اخیر تمہاری فتح ہے۔

ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ : ذٰلِكَ میں بحث ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ حج و عمرہ کو ملا کر کرنے کی بیرونی لوگوں کو اجازت ہے مکّہ والوں کو نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ مکّہ والے بھی کر سکتے ہیں۔ مجھے وہ بات پسند ہے کہ یعنی مکّہ والے تمتع نہیں کر سکتے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۸ر اپریل ۱۹۰۹ء)

حج ...... اسلام کا ایک اعلیٰ رُکن ہے۔ باوجود اِس کے کہ نوٹس اور اشتہاروں کی کثرت ہو رہی ہے اور ہر جگہ مجلسیں اور سوسائٹیاں جوش و خروش سے قائم ہو رہی ہیں مگر پھر بھی دُنیا میں کوئی مجلس ایسی دید و شنید میں نہیں آئی جس کے ممبر پانچ وقت جمع ہوتے ہوں مگر جنابِ الٰہی نے اطاعت اور طہارت کے ساتھ پانچ وقت جمع ہونے اور رل کر اس کی عظمت و جبروت کو بیان کرنا مسلمانوں کا فرض کر دیا ہے۔ کوئی شہر اور قصبہ نہ دیکھو گے جس کے ہر محلہ میں اسلام کی یہ پنجگانہ کمیٹی نہ ہوتی ہو لیکن اس روزانہ پانچ وقت کے اجتماع میں اگر تمام باشندگانِ شہر کو اکٹھا ہونے کا حکم دیا جاتا تو یہ ایک تکلیف مالایطاق ہوتی۔ اِسی لئے تمام شہر کے رہنے والے مسلمانوں کے اجتماع کے لئے ہفتہ میں ایک دن جمعہ کا مقرر ہُوا پھر اِسی طرح قصبات اور دیہات کے لوگوں کے اجتماع کے لئے عید کی نماز تجویز ہوئی اور چونکہ یہ ایک بڑا اجتماع تھا اِس لئے عید کا جلسہ شہر کے باہر میدان میں تجویز ہوُا لیکن اِس سے پھر بھی کُل دُنیا کے مسلمان میل ملاپ سے محروم رہتے تھے اِس لئے کُل اہلِ اسلام کے اجتماع کے لئے ایک بڑے صدر مقام کی ضرورت تھی تاکہ مختلف بلاد کے بھائی اسلامی رشتہ کے سلسلہ میں یکجا باہم مِل جاویں لیکن اِس کے لئے چونکہ ہر فردِ بشر مسلمان اور امیر اور فقیر کا شامل ہونا محال تھا اِس لئے صرف صاحبِ استطاعت منتخب ہوئے تاکہ تمام دُنیا کے مسلمان ایک جگہ جمع ہو کر تبادلہ خیالات کریں اور مختلف خیالات و دماغوں

کا ایک اجتماع ہو اور سب کے سب مِل کر خدا تعالیٰ کی عظمت و جبروت کو بیان کریں۔ حج میں ایک کلمہ کہا جاتا ہے لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ جس کا مطلب یہ ہے کہ اَے مَولیٰ تیرے حکموں کی اطاعت کے لئے اور تیری کامل فرمانبرداری کے لئے مَیں تیرے دروازے پر حاضر ہوں۔ تیرے احکام اور تیری تعظیم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ غرضکہ یہ حقیقت ہے مذہب اسلام کی جس کو مختصر الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ پھر دن میں پانچ دفعہ کُل مسلمانوں کو اللہ اکبر کے لفظ سے بُلایا جاتا ہے۔ کوئی نادان اسلام پر کیسے ہی اعتراض کرے کہ ان کا خدا ایسا ہے ویسا ہے مگر وہ خدا تعالیٰ کے لئے اللہ اکبر کے لفظ سے بڑھ کر لفظ تجویز نہیں کرسکتا۔ نماز کے لئے بُلاتے ہیں تو اللہ اکبر سے شروع کرتے اور ختم کرتے ہیں تو رحمۃ اللہ پر۔

حج کے برکات میں سے ایک یہ تعلیم ہے جو کہ اس کے ارکان سے حاصل ہوتی ہے کہ انسان سادگی اختیار کرے اور تکلفات کو چھوڑ دے۔ اس کے ارکان کبر و بڑائی کے بڑے دشمن ہیں۔ دُور دراز کا سفر اختیار کرنا پڑتا ہے۔ احباب اور اقارب چھوٹتے ہیں سُستی اور نفس پروری کا استیصال ہوتا ہے اور سب سے بڑھ کر ایک بات یہ ہے کہ ہزاروں ہزار سال سے ایک معاہدہ چلا آتا ہے وہ یہ کہ جنابِ الٰہی کے حضور حاضر ہو کر تحمید کرتا ہے اور بہت سی دعائیں مانگتا ہے۔

(الحکم ۲۴ ؍جنوری ۱۹۰۴ءصفحہ ۱۳)

حج: عاشق جب سُنتا ہے کہ میرا محبوب فلاں شخص کو نظر آیا اور فلاں مقام پر ملا تو وہ دیوانہ وار اس کی طرف دوڑتا ہے اور اسے تن بدن کا کچھ ہوش نہیں رہتا۔ نہ کُرتے کی خبر ہے نہ پاجامہ کی۔ پھر وہاں جاکر دیوانہ وار مکانوں میں گھومتا ہے بعینہٖ یہ عبادت حج کا نظارہ ہے۔ یہ بھی کِسی غیر کے لئے جائز نہیں۔ ایک شخص نے مجھے کہا وہاں مکّہ میں جاکر کیا لینا ہے علی گڑھ حمایتِ الاسلام کا جلسہ کافی ہے۔ اس کو معلوم نہیں تھا کہ خدا کیا ہے۔

(بدر ۱۳؍جنوری ۱۹۱۰ءصفحہ ۲)

اِسلام کی پانچویں اصل حج ہے۔ حج کیا ہے ..... اہلِ اسلام کے قومی اجتماع کا ایک سفر۔ مسلمان بھائی محلّے محلّے کے آپس میں ہر روز پانچ دفعہ پانچ نمازوں میں باہم مل لیا کریں۔ یہ بات محلوں کی مسجدوں میں پانچ بار حاصل ہو جاتی ہے اور شہر شہر کے اہلِ اسلام کا ملنا برسویں روز حج کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے۔

..... تمام بلادِ اسلام کے مسلمان بھائیوں کے اجتماع کے واسطے صدر مقام وہ جگہ تجویز ہوئی

جہاں سے ایسے عظیم الشان حکیمانہ مذہب کا نشوونما اور ابتداء شروع ہوئی۔ اِلّا ہر ایک مسلمان فقیر ہو یا امیر ہر سال اس کا وہاں جانا خلافِ فطرت تھا اور خلافِ اِمکان۔ اِس لئے حکم ہؤا آسودہ لوگ؛ استطاعت والے مسلمان وہاں جاویں۔ مختلف بلاد کے حالات جاننے اور ان کے علوم و فنون کے اِدھر سے اُدھر۔ اُدھر سے اِدھر لانے میں اصحابِ استطاعت ہی غالباً عمدہ طور پر کامیابی کا ذریعہ ہو سکتے ہیں۔

کمال اتحاد اور باہم پرلے درجہ کی یکتائی کے واسطے اور اِس لحاظ سے بھی کہ امراء اور رؤساء کے ساتھ ان کے غریب نوکر چاکر بھی ہوں گے اور ضرور ہے کوئی عاشقِ الٰہی غریب اور مسکین مسلمان بھی وہاں جا پہنچے۔ حکم دیا تمام حجاج سادہ لباس صرف دُو چادروں پر اکتفا کریں۔ کسی کے سر پر عمامہ یا ٹوپی نہ ہو۔ کوئی کُرتہ نہ پہنے۔ کمال درجے کی بے تکلفی اور سادگی سے باہم ملیں اور لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ کی صدا بلند کریں۔ اِتنا بڑا اجتماع اس صدر مقام میں کہاں ہو۔ شہر سے کئی کوس کے فاصلے پر نہایت وسیع میدان میں جہاں کسی مخلوق کی تعظیم کا نام و نشان ہی نہیں نہ کوئی پتھر۔ نہ کوئی درخت۔ نہ کوئی ندی۔ نہ کوئی رتھ .....

لطیفہ: ذرا ناظرین صاحبان اِس امر پر غور کریں۔ میرے اکلوتے فرزند نے سَلَّمَهُ اللّٰهُ وَسَلَّمْ (جس کی جدائی سے نہایت رنج میں ہوں۔ وَ اَشْكُوْ بَثِّيْ وَحُزْنِيْ اِلَى اللّٰهِ۔ اَللّٰهُمَّ اَطْلُبُ وِصَالَهٗ اِنْ كَانَ مَعَ رَضَاكَ) مجھ سے نماز اور زکوٰۃ اور روزے اور حج کے اسرار پر سوال کیا اُس وقت مَیں نے اسے جواب دیا۔ نیاز مندی دُو قِسم کی ہوتی ہے۔ ایک نیاز مندی خادمانہ۔ خدام کی نیاز مندی اپنے آقا اور بادشاہ کے سامنے۔ دوسرے نیاز مندی عاشقانہ۔ عاشق کی محبوب کے ساتھ۔ پہلی قِسم کے نیاز مند کو مناسب ہے درباری لباس پہن کر بڑے اَدب اور وقار سے مالک کے دربار میں حاضر ہو اور تمام حکام اور مربیوں کی اطاعت سے کان پر ہاتھ رکھ کر اطاعت کا اقرار کرے۔ ہاتھ باندھ حکم کا منتظر رہے۔ جُھک کر تعظیم دے۔ زمین پر ماتھا رکھے۔ حضور کے غریب نوکروں کے لئے نذر دے۔ یہی مجملاً حقیقتِ نماز اور زکوٰۃ ہے۔

عاشقانہ نیاز میں ضرور ہے عاشق اپنے محبوب کے سامنے عشق میں بھوک اور پیاس بھی دیکھے۔ نہایت درجہ کے اس عزیز کو بھی جس کی نسبت لکھا ہے انسان ماں باپ چھوڑ کر اس سے متحد اور ایک جسم ہو گا۔ کچھ دیر کے لئے ترک کرے اور جہاں یقینی طور پر سُن لیا ہو کہ میرے محبوب کی عنایات اور توجہات کا مقام ہے وہاں دوڑتا کُودتا۔ سر کے عمامہ اور ٹوپی سے بے خبر پہنچے۔

پروانہ وار وہاں فدا ہو۔ کہیں دشمنوں کی روک ٹوک کی جگہ ہو پائے تو وہاں پتھر چلا دے۔ یہی مجمل حقیقت روزے اور حج کی سمجھو۔ مولوی محمد قاسم مرحوم نے یہ صوفیانہ تقریر مفصل اپنے کسی رسالہ میں لکھی ہے۔ اِس جواب پر میرے عزیز فرزند نے مجھے کہا آپ جب اَسرارِ شرائعِ اسلام بیان کرتے ہیں تو ان پر دو اعتراض وارد ہوتے ہیں۔

اوّل یہ اَسرار جو آپ بیان کرتے ہیں اگر واقعی اور سچے ہیں تو خود خدا نے یا جناب رسالتمآبؐ نے یا آپ کے صحابہؓ نے کیوں بیان نہ کئے۔

دوم ان اعمال کے ساتھ اِسلام نے یہ چند رکعات اور دعائیں کیوں لگا دیں۔ اگر صرف اجتماعِ قومی ہی جمعہ اور جماعت عیدین اور حج میں مقصود تھا۔

خاکسار نے اس عزیز سے کہا۔ قانونِ قدرت پر نظر کرو۔ فونوگراف۔ لیتھوگراف ٹیلیگراف۔ چھاپہ۔ ریل۔ اسٹیم کے اَسرار عناصر میں اس وقت سے موجود ہیں جب سے عناصر کو خالقِ عناصر نے پیدا کیا (یہاں میرا عزیز غور کرے) اِلّا نہ خدا نے اس وقت ان اَسرار کو بیان فرمایا نہ اس کے ان مقربینِ بارگاہ نے جو اس وقت تھے ان کی تشریح کی پھر کیا اس وقت کے بیان نہ کرنے سے لازم آتا ہے کہ یہ اسرار موجود ہی نہ تھے اور یہ منافع جو آج ظاہر ہوئے ان عناصر میں اسی زمانے میں موجود ہو گئے ہیں۔ عزیزِ من قانونِ شریعت ہاں اسلام بعینہٖ قانونِ الٰہی سمجھو۔ عزیزِ من قانونِ قدرت اور طبعیات میں صرف وہی اسرار اور منافع نہیں جو حکمائے یونان اور یورپ اور بقول آریہ سماج دانایانِ ہند (توبہ) آریہ دیش نے بیان کئے بلکہ اَور بے اَنت اَسرار بھی ہیں۔ اگر طبعی قانون کے اسرار بے انتہا ہیں اور صرف اس قدر نہیں جو اَب تک حکماء نے بیان کئے ہیں تو احکامِ اسلام کے اسرار بھی ایسے ہی سمجھو معلوم نہیں زمانہ کی ترقی پر کیا کیا اسرار قانونِ قدرت اور قانونِ شریعت میں ظاہر ہوں گے سلفِ اُمت اگر اسرار بیان کرتے تو کس قدر اور کیا بیان کرتے.....

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے ا۔ صرف اجتماع قومی ہی مقصود بالذات نہیں ہوتا بلکہ اسلام کا منشاء ہے کہ ہر ایک فعل میں، ہر ایک قول میں ہم کو ہمارا خالق اور رازق مربّی یاد رہے۔ کوئی فعل اور قول بدوں شمول نام باری و رضائے ایزدی نہ ہو۔ ہر وقت فانی اشیاء سے بقا کی طرف۔ جسم سے رُوح کی طرف توجہ رہے۔ دیکھو پاخانے کو جاتے ہوئے ایک جسمانی نجاست پھینکنے کی جگہ جاتے ہیں۔ اِسلام سکھاتا ہے پاخانے میں جاتے وقت کہو

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ

اور جب پاخانے سے نکلے تو اِس واسطے کہ ایک جسمانی دُکھ سے نجات پائی اور جسم سے جسمانی نجاست دُور ہو گئی۔ رُوحانی نجاستوں کے دُور ہونے کی دعا مانگے اور کہے غُفْرَانَكَ یعنی ہر ایک بُرائی پر تیری مغفرت مانگتا ہوں۔

دوسری بات بجواب اعتراض دوم یہ ہے کہ اگر یہ رُوحانی محرّکات الٰہی اَذکار اور الٰہی عبادتیں ان اعمال کے ساتھ نہ ہوتیں تو یہ اعمال متروک ہو جاتے۔ باہمی اختلافات سے یہ انجمنیں مثل اَور دنیوی انجمنوں کے فنا ہو جاتیں یا یہ اعمال صرف دنیوی منافع پر محدود رہ جاتے۔

(فصل الخطاب ایڈیشن دوم صفحہ ۳۹ تا ۴۱)

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۭ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ (۱۹۸)

مَّعْلُوْمٰتٌ: اسلام کے تعارف میں ہر ایک جانتا ہے۔

رَفَثَ: جماع کا ذکر کرنا۔ جماع کے سامان۔ خود جماع۔ تینوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے ابنِ عباس نے پہلے معنوں کو پسند کیا ہے۔

بعض لوگ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ (التوبة: ۳۶) سے اِستدلال کرکے کُل کا نام حج قرار دے لیتے ہیں لیکن ائمہ اربعہ میں مَیں نے دیکھا ہے کہ وہ تمام سال احرام باندھنے کو پسند نہیں کرتے۔

تَزَوَّدُوْا: کھانے پینے۔ سواری کا اِنتظام۔ یہ سامان بہت ضروری ہیں۔ مدینہ کی راہ میں مَیں نے ایک نوجوان شخص کو دیکھا کہ جب وہ سخت تھک گیا تو ایک شخص کو ٹانگ سے پکڑ کر اُونٹ

پر سے گرا دیا اور خود اُوپر چڑھ گیا۔ اگر اس کے پاس زادِ راہ ہوتا تو یہ جدال کیوں کرتا۔

فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی: سامان کا عظیم الشان فائدہ تو یہ ہے کہ آدمی سوال اور گناہ سے بچ جاتا ہے جس کے پاس زادِ راہ نہ ہو وہ چوری کرنے پر مجبور ہوتا ہے اور غالباً اِس قسم کی حکایتیں انہی قسم کی کمزوریوں کی وجہ سے بن گئی ہیں۔ ایک نابینا عورت کی کسی نے چادر اُتار لی تو وہ کہنے لگی۔ وے بچہ جاجیا میری چادر تو دیتا جا۔

فُسُوْقَ: جو کچھ ایمان کے خلاف ہے وہ فسق ہُوا۔

جِدَالَ: بے جا لڑائی کرنا۔ ایک دو کہانیاں مجھے یاد آگئی ہیں۔ ایک دفعہ راہ میں ایک شخص کی مجھ سے چابی گم ہوگئی۔ وہ مجھے کہے کہ مَیں بعینہٖ وہی چابی لُوں گا۔ مَیں نے کہا کہ بہت اچھا۔ خدا تعالیٰ قادر ہے۔ اصل بات یہ تھی کہ کچھ ڈاکو ہمارے اسباب و سامان پر پڑے تھے اُس روز وہ چابیاں لے گئے۔ چونکہ میرا صندوق سب سے بھاری تھا اِس لئے اُس شخص کا مطالبہ تھا کہ تمہاری وجہ سے ہماری چابی گمی ہے وہ مہیا کر دو۔ اَب ان ڈاکوؤں کی چند سپاہیوں سے مُٹھ بھیڑ ہوئی اور وہاں وہ چابیاں چھوڑ گئے اور اتفاق سے وہ سپاہی ہمارے قافلہ میں آگئے اور اس طرح وہ چابی ہمیں مل گئی۔

دوسرا قصہ یاد آیا کہ ایک دفعہ دو بھائی حج کرنے چلے مَیں نے ان سے کہا کہ تم جو خرچ کرتے ہو لکھتے جاؤ بعد میں حساب کر لینا مگر انہوں نے اسے برادرانہ تعلقات کے خلاف سمجھا لیکن آخر جا کر ان کی لڑائی ہوئی۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۸۔ اپریل ۱۹۰۹ء)

تیسری بات مجھے یاد آئی کہ بدوؤں کی عادت ہے کہ جب ایک کھانا کھانے لگے تو جتنے بدو ہوں سب اسی پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور اس طرح وہ بھوکے رہتے ہیں۔ مَیں اپنے اُونٹ والے کو آدھی رات کے وقت کھجوریں دیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ مَیں نے اُسے کہا جاؤ پانی لاؤ۔ وہ گیا اور تھوڑی دیر بعد خالی واپس آیا۔ مَیں نے کہا کیا ہُوا۔ کہا تَرٰی اِنْشَاءَ اللّٰہُ مُصْبِحِیْنَ۔ صبح معلوم ہُوا کہ ایک رئیس کے یہاں قافلے میں پانی کی بُوند نہیں تھی۔ بات یہ ہوئی کہ اُس نے پانی مانگا۔ انہوں نے انکار کیا۔ اسے غصہ جو آیا تو ان کے مشکیزوں میں سوراخ کر دیا۔ یہ باتیں مَیں نے اِس لئے سُنائیں تا آپ کو معلوم ہو کہ جھگڑے کیوں پیدا ہوتے ہیں اور یہ کہ اتنے مختلف المزاج لوگوں میں ایسے معاملات کا پیش آنا ممکن ہے پس خدا فرماتا ہے کہ بیجا لڑائی مت کرو۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۶۔ اپریل ۱۹۰۹ء)

۱۹۹ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ، فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ، وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ، وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۹﴾

اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ، چونکہ اِس راہ میں کچھ آسودگی بھی چاہیئے پس اِس کے لئے اجازت ہے کہ تم کچھ تجارت بھی کرو۔ بعض علماءِ ظاہر مال کو بُرا سمجھتے ہیں مگر خدا تعالیٰ اسے فضل فرماتا ہے۔

الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ: مزدلفہ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۶ر اپریل ۱۹۰۹ء)

۲۰۰ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ، اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ: دو غلط رسمیں تھیں ان کی اصلاح فرمائی۔ ایک تو یہ کہ مکّہ والے عرفات کے کنارے رہتے آگے نہیں بڑھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سب وہاں اکٹھے ہو جائیں۔

دوسری رسم یہ تھی کہ مزدلفہ سے سویرے کوچ نہ کرتے تھے بلکہ شبیر پہاڑی پر جب دھوپ آجاتی تو اس وقت چلتے۔

وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ: ہر عبادت کے بعد استغفار کا حکم ہے۔ دیکھو بڑی عبادت سجدہ ہے اور سجدہ کے بعد پڑھا جاتا ہے اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَعَافِنِيْ۔ ایسا ہی

جب نماز سے فارغ ہو جائیں تو استغفار پڑھتے ہیں۔ اسی طرح بیان فرمایا کہ جب حج کی عبادت ختم ہونے کے قریب آئے تو استغفار پڑھو۔ نبی کریمؐ کسی مجلس سے جب اُٹھتے تو ۷۰ سے ۱۰۰ (بار) تک استغفار پڑھتے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۶؍اپریل ۱۹۰۹ء)

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۱﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۲﴾

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ : اس اکٹھ میں شاعر اپنی شاعری کا کمال دکھاتا۔ بہادر اپنی بہادری کا۔ فرمایا تم اپنی مفاخرت کے بدلے حضرت حق سبحانہٗ کا ذکر کرو۔

فَمِنَ النَّاسِ : بعض لوگ صرف یہاں دُنیا کے کمانے کے لئے آتے ہیں بعض دین و دُنیا دونوں کے لئے۔ وہ بھی اچھے ہیں۔ دُنیا کے حسنات میرے نزدیک یہ ہیں۔ ۱۔صحت ۲۔علم اور اس پر عمل ۳۔اللہ کی سچی عبادت اور اخلاص و توفیقِ خیر ۴۔رزق اتنا جتنا ضرورت ہو ۵۔نیک اولاد ۶۔نیک بی بی ۷۔عمدہ مکان ۸۔لباس اچھا ۹۔دوست اچھے ۱۰۔خاتمہ بالخیر۔ اور آخرت کے حسنات کے لئے مَیں یہ کہہ لیا کرتا ہوں کہ جو تیرے حضور حسنہ ہوں۔ جیسے تیرے پاک بندوں اولیاء و انبیاء نے حسنہ کہا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۶؍اپریل ۱۹۰۹ء)

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اپنے اللہ کا ذکر کرو اپنے باپوں کی مانند۔ اس میں یہ سمجھایا کہ

ہر ایک شخص کا باپ ایک ہی ہوتا ہے۔ اللہ بھی ایک ہی مانو۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۷ نمبر ۷ صفحہ ۳۳۳)

۲۰۵۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۵﴾

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ : بہت لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو باتیں بنانا خوب آتا ہے۔ باتیں بنانے کے لئے اِس فن کی کتابوں کو پڑھتے ہیں مگر مومن کا یہ کام نہیں ہوتا۔ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ (صٓ : ۸۷)۔ امام مالکؒ سے کسی نے چالیس سوال کئے۔ ایک دو[۲] کا جواب دے کر کہا وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ۔

وَيُشْهِدُ اللّٰهَ : یعنی بات بات پر قسم کھانا کہ وَاللہ۔ بِاللہ۔ بخدا یوں بات ہے۔

اَلَدُّ الْخِصَامِ : جھگڑالو حق کا طالب نہیں ہوتا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۶۔ اپریل ۱۹۰۹ء)

۲۰۶۔ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۶﴾

تَوَلّٰى : حاکم بن جائے۔

سَعٰى : کوشش کرتا ہے۔

الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ : ظالموں کا قاعدہ ہے لوگوں کی کھیتیاں برباد کروا دیتے ہیں اور غرباء کے بال بچوں کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔

بہت ہی افسوس سے ایک اَور معنی بھی سُناتا ہوں وہ یہ کہ لواطت کرتا ہے اور لواطت والا اپنی نسل کو ہلاک کرتا ہے اور حرث سے مراد عورت بھی ہے۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۶۔اپریل ۱۹۰۹ء)

۲۰۷ وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۷﴾

دُنیا کی نمائش اور عزت پر مرتا ہے۔ایک شخص کو مَیں نے لڑکی کے نکاح پر کہا تھا کہ وہ خرچ کرلو جو دُنیا کے بڑے معزّز نے کیا یعنی محمد رسول اللہ ﷺ نے کیا۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۶۔اپریل ۱۹۰۹ء)

۲۰۸ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۸﴾

ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ : واسطے چاہنے اللہ کی رضامندی کے۔
مَن يَشْرِي نَفْسَهُ : اپنے آپ کو فروخت کر دیتا ہے۔اس کا سُکھ۔اس کا آرام اس کی کوئی خواہش اپنے نفس کے لئے نہیں ہوتی۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۶۔اپریل ۱۹۰۹ء)

۲۰۹ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿۲۰۹﴾

اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَافَّةً : فرمانبرداری میں داخل ہو جاؤ۔فرمانبرداری انسان کو کامیاب کرلیتی ہے۔ابتداء سے یہ سبق شروع ہے۔پہلے بتایا يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ

مِنْ قَبْلِكَ (بقرہ: ۵) پھر فرمایا اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ (بقرہ: ۲۲) اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى (بقرہ: ۳۹) پھر ابراہیمؑ کی طرز پر چلنے کا ارشاد کیا۔ پھر فرمایا کہ اس راہ میں جان پر بھی پڑے تو تأمل نہ کرو کیونکہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۶/ اپریل ۱۹۰۹ء)

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۱﴾

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ: اس کی تفسیر پارہ ۹ سورۃ انفال رکوع ا و ۲ سے ہوتی ہے وہ پڑھ لینا چاہیئے جہاں اللہ تعالیٰ کی مدد کا ذکر ہے کہ گھٹا ٹوپ بادل آگیا جو کفار کے نقصان اور مومنوں کے فائدے کا موجب ہوا۔ اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَ يُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ (الانفال: ۱۲) اور ملائکہ کا بھی ذکر ہے اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ (الانفال: ۱۰) (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۶ اپریل ۱۹۰۹ء)

"خداوند کا بدلیوں میں آنا" یہ آسمانی کتب کا محاورہ ہے اور بعض اوقات ایسے محاورے نہ سمجھنے سے بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور بہت سی مشکلات پیش آتی ہیں جن کا کچھ حل نہیں سوجھتا پ۲ ع ۹/۲۵ میں ایک آیت ہے هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۚ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ یعنی کیا اب یہ اس بات کے منتظر ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان پر بادلوں کے سائبانوں میں ظاہر ہو اور فرشتے اور فیصلہ ہو جائے اور تمام باتیں اللہ ہی کی طرف رجوع کرتی ہیں۔ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ۔ اور نزول ملائکہ کے معنے سمجھنے کے لئے پارہ ۹ سورہ انفال رکوع ۱ کو غور سے پڑھنا چاہیئے جہاں اس پیشگوئی کی تفصیل کر دی ہے وہ یوں کہ فرماتا ہے اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ۔ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے منظور فرمایا

کہ میں تمہیں ہزار فرشتے سے جو لگاتار آنے والے ہیں مدد دینے والا ہوں۔ یہ اللہ نے فقط خوشخبری دی تاکہ اس سے تمہارے دل تسلی پائیں اور فتح تو صرف اللہ ہی کے ہاتھ ہے۔ وہ زبردست حکمت والا ہے۔ اِس سے ظاہر ہے کہ جنگ میں ملائکہ اُترے اور انہوں نے حسب حکم الہٰی اِذْ یُوْحِیْ رَبُّکَ اِلَی الْمَلٰٓئِکَۃِ اَنِّیْ مَعَکُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ مومنوں کو ثابت قدم رکھو اور ان کے قلب کو مضبوط کرتے رہو اور میں کافروں کے دلوں میں مسلمانوں کا رُعب ڈالوں گا۔ مومنوں کو ثابت قدم رکھا اور کافروں پر رُعب چھا گیا اور وہ بھاگ نکلے۔ علاوہ ازیں اللہ جل شانہٗ کی نصرت بدلیوں کی صورت میں اُتری یعنی بارش ہوئی اور اس سے مسلمانوں کے قدم ریت میں جم گئے اور ان کی پیاس بھی جاتی رہی اور یہی پانی دیگر ضروریات کے کام آیا جس سے مومن از سرِ نَو تازہ ہو گئے اور خوب جم کے لڑے اور ان کو فتح حاصل ہوئی جس سے وہ پیشگوئی پوری نکلی جو پہلے اَنْ یَّاْتِیَھُمُ اللّٰہُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ میں کی جا چکی تھی چنانچہ فرماتا ہے اِذْ یُغَشِّیْکُمُ النُّعَاسَ اَمَنَۃً مِّنْہُ وَیُنَزِّلُ عَلَیْکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَھِّرَکُمْ بِہٖ وَیُذْھِبَ عَنْکُمْ رِجْزَ الشَّیْطٰنِ وَلِیَرْبِطَ عَلٰی قُلُوْبِکُمْ وَیُثَبِّتَ بِہِ الْاَقْدَامَ پارہ ۹ رکوع ۱۵ اور سورہ انفال رکوع کی اِن آیات کے تطابق کی طرف فَاِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ اشارہ کر رہا ہے جو دونوں کے اخیر میں ہے۔ (تشحیذ الاذہان جلد نمبر، صفحہ ۳۷۹، ۳۸۰)

فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ: بدر کے متعلق جو پیشگوئی تھی کہ مینہ برسے گا اور بہادر لوگ گھٹ جائیں گے سورہ انفال رکوع ۲ اِذْ یُغَشِّیْکُمُ النُّعَاسَ اَمَنَۃً مِّنْہُ وَیُنَزِّلُ عَلَیْکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَھِّرَکُمْ بِہٖ اس کی طرف اشارہ ہے۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۲)

سَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ کَمْ اٰتَیْنٰھُمْ مِّنْ اٰیَۃٍۭ بَیِّنَۃٍ ؕ وَمَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَۃَ اللّٰہِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْہُ فَاِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۲﴾

سَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ کَمْ اٰتَیْنٰھُمْ مِّنْ اٰیَۃٍۭ بَیِّنَۃٍ: اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو قوتیں عطا کی ہیں وہ دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ جن پر انسان کو کوئی دخل و تصرف نہیں اور ترک یا فعل ان قویٰ کے

متعلق انسان کا کچھ نہیں۔ ان قوتوں کے لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ انسان کے بس میں کچھ نہیں۔ مثال کے لئے دیکھو انسان کا قد۔ ایک قد میرا ہے اور ایک میری ہی عمر کے کسی اور شخص کا۔ اسی طرح بدن میں ہڈیوں کی تعداد۔ پٹھے اور شریانیں ہیں ان میں انسان کا کچھ دخل نہیں۔ ایسا ہی کوئی شخص جنابِ الٰہی کو گالیاں دے رہا ہے تو کان سُننے سے نہیں رہ سکتے۔

دوم وہ حصہ انسانی قویٰ کا جس پر انسان کو قابو ہے۔ دونوں کی سہل مثال میرے نزدیک زبان ہے۔ اس میں جبر و اختیار کے دونوں رنگ موجود ہیں۔ زبان پر میٹھا، نمک، کسیلا رکھ کر پھر زبان سے کہو کہ وہ نمکین کو میٹھا کہے تو یہ ہرگز نہ ہوگا۔ ہاں یہی زبان ہے اِس سے چاہے کوئی خدا کو، انبیاء کو گالیاں دے کر جہنم اپنا گھر بنالے اور خواہ ذکر و محامدِ الٰہی کر کے جنت الفردوس کا وارث بن جائے۔ نتیجہ اِس ساری بات کا یہ نکلا کہ اگر کوئی شخص پُوچھے کہ انسان مجبور ہے تو کہو نہیں۔ اور اگر کوئی کہے مختار ہے تو کہو نہیں۔

ایک فریق ایسا ہے جو سمجھتا ہے کہ انسان مجبور ہے چنانچہ اِس قسم کے اشعار کہے ہیں

درمیان قعرِ دریا تختہ بندم کردۂ بازمے گوئی کہ دامن تر مکن ہوشیار باش

میرے نزدیک یہ نافہمی ہے۔ انسان کو مجبور پیدا کر کے پھر اسے دوزخ میں ڈالنا ظلم ہے اِس واسطے مَیں نہ انسان کو بالکل مجبور کہتا ہوں نہ بالکل مختار۔ قرآن کی صداقت کا ایک یہ نشان بھی ہے کہ اس میں ایسے کچے الفاظ بالکل نہیں اختیار کئے گئے۔ چنانچہ کسی آیتِ قرآنی بلکہ حدیث صحیح حسن اور ضعیف میں بھی جبر و اختیار کا لفظ نہ پاؤ گے۔

پس تم یاد رکھو کہ جس حصہ میں انسان کو جنابِ الٰہی سے اختیار حاصل ہے اس میں بعض امور کے کرنے کا حکم ہے اور بعض کے نہ کرنے کا۔ اب جو منشاءِ خداوندی کے برخلاف کرے اس کے متعلق بازپرس ہوتی ہے۔ انبیاء کی آمد اسی حصہ کی اصلاح کے متعلق ہے اور انہی قویٰ کی ہدایت پر مبنی ہے جو انسانی مقدرت کے نیچے ہیں۔

حضرت یوسفؑ کی وجہ سے بنی اسرائیل کو مصر میں بہت عزت حاصل ہو گئی تھی مگر کوئی قوم جب آسودہ حال ہو جاتی ہے اور ان میں کوئی بڑا ولی پیدا ہو جاتا ہے تو پھر آہستہ آہستہ کچھ مدت بعد اس نسل کے لوگوں میں کاہلی اور سستی آجاتی ہے۔ اس ولی کے جو صاحبزادے ہوتے ہیں وہ بھی چونکہ مریدوں سے حضور حضور سُننے کے عادی ہو جاتے ہیں اِس واسطے ان کو بہت سی بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں۔ پھر ان کا اثر قوم پر پڑتا ہے اور آخر وہ قوم پانچوں عیب شرعی ہو جاتی ہے چنانچہ اسی قانون کے

موافق بنی اسرائیل میں یہ عیوب آگئے اور پھر ان پر خدا کی طرف سے ذلت اور مسکنت لیس دی گئی۔ بیگاروں میں پکڑے جاتے تو وہی اینٹیں پکوانے کے کام لئے جاتے تو ان سے پھر ایک اور قانونِ الٰہی ہے کہ جب اصل گناہوں والے لوگ ہلاک ہو جاتے ہیں تو پھر اس نکبت زدہ قوم ہی میں سے خدا کا کوئی پائس[1] بندہ پیدا ہوتا ہے اور پھر اس کے ذریعہ وہ قوم سنبھلتی ہے۔ چنانچہ جب بنی اسرائیل کی نکبت انتہا کو پہنچی اور اصل مجرم ہلاک ہو چکے تو حضرت موسیٰؑ پیدا ہوئے چنانچہ ان کے ذریعہ بنی اسرائیل کو پھر نجات کی راہیں دکھائی گئیں۔ آپ کا منشاء تھا کہ جہاد کے لئے یہ قوم تیار ہو اور ملکِ شام کی وارث ہو اس لئے آپ نے حکم دیا یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ کَتَبَ اللّٰهُ لَکُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤی اَدْبَارِکُمْ (المائدۃ: ۲۲)

حضرت موسیٰؑ تو انہیں فاتح بنانا چاہتے تھے مگر انہوں نے بے ادبی کا کلمہ مُنہ سے نکالا کہ وہ بڑے بہادر ہیں ہم سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا جا تُو اور تیرا رب جا کر لڑتے پھر و۔ قرآن کے درس میں کوئی بنی اسرائیلی شامل نہیں ہوتا پس یہ قصّہ کیوں سُنایا؟ اس لئے کہ حضرت نبی کریمؐ نے بھی اپنی قوم کو شرک میں مبتلا دیکھا۔ آپؐ کا بھی یہی منشاء تھا کہ اس ملک سے نکل کر صحابہؓ مقابلہ کریں اور فاتح بنیں آپؐ کی قوتِ قدسیہ کا اثر یہاں تک بڑھا ہوا تھا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے پوچھا کہ کیا تم جہاد کو تیار ہو تو انہوں نے جواب دیا لَا نَقُوْلُ کَمَا قَالُوْا لِمُوْسٰی اِذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّکَ فَقَاتِلَا بَلْ نُقَاتِلُ عَنْ یَمِیْنِکَ وَعَنْ شِمَالِکَ یعنی ہم حاضر ہیں آپؐ جہاں چاہیں لے جائیں۔

اٰیَةٍ بَیِّنَةٍ: ایک آیت تو یہ کہ فرعون کی غلامی سے نکالا نَجَّیْنٰکُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ (البقرۃ: ۵۰)

۲۔ پھر جنگل میں موقع پر پانی برسایا اور بلا محنت رزق دیا۔

۳۔ بادشاہ ہو گئے لیکن چونکہ انہوں نے انعامِ الٰہی کی قدر نہ کی اِس لئے ان پر پھر طرح طرح کے عذاب آئے۔

عِقَاب: یہ عِقاب نکلا ہے عَقَب سے۔ مطلب یہ کہ اللہ کی سزا اعمال کے عقب میں نازل ہوتی ہے چنانچہ فرمایا مَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ (الشوریٰ: ۳۱) مَا اور مِنْ

---

[1] نیک۔ PIOUS

حصر کے لئے ہیں گویا بڑی تاکید سے فرماتا ہے کہ تمہاری تکالیف تمہاری نافرمانی کا نتیجہ ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۶؍اپریل ۱۹۰۹ء)

اَلْعِقَاب : وہ عذاب جو نافرمانی کے بعد نازل ہوا۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۲)

بنی اسرائیل کو کس قدر کھلے کھلے نشانات دئے۔ ان کے دشمن کو ان کے سامنے اسی بحر میں جس سے وہ صحیح سلامت نکل آئے ان کے دیکھتے دیکھتے ہلاک کیا۔ ان کے املاک کا وارث کیا اور پھر یہ کہ بنی اسرائیل سب کے سب غلام تھے۔ حضرت موسیٰؑ خود فرماتے ہیں وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (الشعراء: ۲۳)۔ خدا نے ان پر یہاں تک فضل کیا کہ غلامی سے بادشاہی دی۔ نبوت دی۔ تمام جہانوں کے لوگوں پر فضیلت دی۔ چنانچہ فرماتا ہے اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ (المآئدة: ۲۱) لیکن جب بنی اسرائیل نے ان انعاماتِ الٰہی کی کچھ قدر نہیں کی تو وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ (البقرة: ۶۲) کا فتویٰ ان پر چل گیا۔ وہی یہود جو تمام جہان کے لوگوں پر فضیلت رکھتے تھے دُنیا میں اُن کے رہنے کے لئے کوئی اپنی سلطنت نہیں۔ جدھر جاتے ہیں بندروں کی طرح دھتکارے جاتے ہیں۔ یہ کیوں؟ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔ اب یہاں بنی اسرائیل نہیں بیٹھے سب مسلمان ہی ہیں۔ مسلمانوں پر خدا نے بنی اسرائیل سے بڑھ کر انعامات کئے۔ ان کو نہ صرف بنی اسرائیل کے ملکوں کا وارث کیا بلکہ اَور ملک بھی دئے۔ ملکِ شام کے علاوہ افریقہ تک حکومت دی۔ جبل الطارق پر بھی حکمران تھے۔ مشرق میں کاشغر۔ بخارا سے چائنا تک پہنچے لیکن جب مسلمانوں نے خدا کی نعمتوں کی قدر نہ کی تو جبل الطارق جبرالٹر بن گیا۔ کاشغر وغیرہ پر روس کی حکومت ہو گئی۔ گنگا کا کنارا اور سندھ انگریزوں کے قبضہ میں آیا۔ ایسا کیوں ہوا؟ جو بنی اسرائیل نے کیا وہی مسلمانوں نے کیا۔ خدا نے ان کو ایسا دین دیا جو کُل دینوں سے بڑھ کر ہے۔ ایسی کتاب دی جو کُل کتبِ الٰہیہ کی جامع ہے۔ ایسا نبی دیا جو تمام انبیاء کا سردار ہے (اور احمدیوں کو تو وہ امام دیا جو تمام اولیاء کا سردار ہے) بنی اسرائیل کے فرعون کو تو سمندر میں غرق کیا مگر ہمارے نبی کریمؐ کے فرعون (ابوجہل) کو باوجودیکہ ہم کتابوں میں یہی پڑھتے آتے تھے اِمَّا اَنْ لَّا يَكُوْنَ فِي الْبَحْرِ اِمَّا اَنْ يُّغْرَقَ خشکی میں غرق کر کے دکھا دیا۔ پس کس قدر افسوس ہے کہ مسلمان ان نعمتوں کی بے قدری کر رہے ہیں۔ اس کتاب کی جس کو ذٰلِكَ الْكِتٰبُ (البقرة: ۳) فرمایا (یعنی اگر کوئی

کتاب ہے تو یہی ہے (کچھ پرواہ نہیں کی جاتی۔ اس میں اِس قدر علوم ہیں کہ شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں کتابیں جمع کرنے کے لئے ۲ کروڑ روپیہ چاہیئے (یہ ان کے زمانہ کا ذکر ہے، اب تو اس قدر کتابیں ہیں کہ کئی کروڑ روپے بھی کافی نہ ہوں) لیکن کئی مسلمان ہیں جو اس کے معمولی معنے بھی نہیں جانتے پھر خود پسندی، خود رائی کا یہ حال ہے کہ نہ قرآن سے واقف، نہ حدیث سے آگاہ۔ نہ حفظِ نفس، حفظِ مال، حفظِ اَعراض کے اصول سے باخبر۔ مگر اپنی رائے کو کلامِ الٰہی پر ترجیح کو تیار۔ قرآن کو امام۔ مطاع نہیں بناتے۔ تم لوگوں نے دین کے لئے اپنے گھر بار۔ اپنے خویش و اقارب۔ اپنے احباب وغیرہ کو چھوڑا ہے اگر تم بھی قرآنی تعلیم حاصل نہ کرو تو افسوس ہے۔

(بدر ۱۶ ستمبر ۱۹۰۹ء صفحہ اوّل)

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۳﴾

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا: خوبصورت دکھلائی گئی ہے کافروں کے لئے ورلی زندگی۔ زُيِّنَ کا فاعل نہیں بتایا۔ یہ امر تحقیق طلب ہے۔ قرآن مجید میں تین موقع پر اس کا فاعل مذکور ہے۔ ایک جگہ حق سبحانہٗ فرماتا ہے حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ (الحجرات : ۸) دوّم ایک مقام پر فرمایا کہ تم کسی کے بزرگوں کو گالیاں نہ دو وہ تمہارے معبودِ حقیقی کو گالی دیں گے لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ (الانعام: ۱۰۹) اِس سے آگے فرماتا ہے كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۔ غرض ایمان کی خوبیاں اور ایمان کے متعلقات ان کو خوبصورت دکھلانے والا تو اللہ ہے اور وہ جو بدی کو خوبصورت دکھلاتا ہے اس کا ذکر اِس آیت میں ہے زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ (الانعام: ۱۳۸) اور وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ (الانفال : ۴۹)

جو اللہ سے دُور آدمی ہیں وہ بدعملیوں کو خوبصورت دکھاتے ہیں۔ غرض زُیّن کے دُو فاعل ہیں نیک کاموں کے لئے نیک اور بدکاریوں کے لئے بد (شیطان)۔

سورہ نحل آیت ۶۴ میں بھی آیا ہے تاللّٰہِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓی اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ۔

وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: جب کوئی مامور آتا ہے تو دُو گروہ ہو جاتے ہیں ایک مانتا ہے ایک نہیں مانتا۔ اللہ کی کتاب سے مجھے یُوں معلوم ہُوا ہے کہ جو اکابر ہوتے ہیں وہ قطع تعلق کرتے ہیں۔ اکابر علوم کے لحاظ سے فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ (المؤمن ۸۴) جاہ وجلال۔ مال ومنال کے لحاظ سے۔ حضرت نوحؑ کے پیروؤں کو کہا گیا هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ (هود: ۲۸)۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۶ اپریل ۱۹۰۹ء)

زُیِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا: کُفر کا مزیّن شیطان ہے کیونکہ اللہ تو ایمان کا مزیّن ہے۔ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِىْ قُلُوْبِكُمْ۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۲)

۲۱۴۔ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

لوگوں کا دین ایک تھا۔ پھر بھیجے اللہ نے نبی خوشی اور ڈر سنانے والے اور اُتاری ان کے ساتھ کتاب سچی کہ فیصل کرے لوگوں میں جس بات میں وہ جھگڑا کریں۔

(فصل الخطاب حصہ دوم صفحہ ۱۰۴)

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً : نیک و بد تو دُنیا میں ہوتے ہیں مگر ایک وقت لوگوں پر ایسا آتا ہے کہ ان میں سے غیرتِ ایمانی اُٹھ جاتی ہے اور وہ مذہبی بحثوں کو فساد جاننے لگتے ہیں۔ ایک مُنصف فخر کے طور پر کہتا ہے کہ میرا ایک دوست بڑا پیارا تھا تیس۳۰ برس سے ملاقات چلی آتی ہے اور مَیں نے کبھی اس کے سامنے خدا کا نام نہیں لیا۔ اُمَّةً وَّاحِدَةً کے میرے نزدیک یہی معنے ہیں کہ بے غیرت ہو کر ایک رنگ میں رنگین ہو جانا۔ ایسے وقت میں اللہ کے مامور آتے ہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے

فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ : نبیوں کو مبعوث کرتا ہے۔

بَغْيًا بَيْنَهُمْ : یعنی محض ضد کی وجہ سے نہیں مانتے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے کچھ دن پہلے مسیلمہ کذاب نے پیغمبری کا دعویٰ کیا۔ ایک صحابیؓ کا آشنا مسیلمہ کا مرید تھا۔ اس سے پوچھا گیا تم نے مسیلمہ کو کیوں مان لیا اور محمد رسول اللہؐ میں کیا نقص دیکھا تو وہ کہنے لگا اَكْذَبُ بَنِيْ يَمَامَةَ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَصْدَقِ قُرَيْشٍ۔ قریش خواہ کیسا راست باز ہو آخر قریشی ہے اس سے مجھے اپنی قوم کا اکذب اچھا۔ پس یہ وجہ ہوتی ہے اختلاف کی۔

مَیں کل بتلا چکا ہوں کہ جس حصہ میں انسان کا دخل نہیں اس میں شریعت نازل نہیں ہوتی اور جس میں دخل اور اختیار ہے اس میں شریعت ہے۔

قانونِ سرکاری اور شریعت میں یہ فرق ہے کہ قانونِ گورنمنٹ اس وقت گرفتار کر سکتا ہے جب گناہ کا اثر کسی دوسرے پر عملی رنگ میں پڑے مگر شریعت گناہ کے مبدء کو پکڑتی ہے مثلاً بدنظری ہے۔ اب پولیس اسے نہیں پکڑتی لیکن شریعت نے یہ برکت کا کام دُنیا میں کیا ہے کہ جو شخص شریعت پر عمل پیرا ہو وہ پولیس کے ہاتھ میں آتا ہی نہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۶ر اپریل ۱۹۰۹ء)

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً : اِس کی تفسیر سورۂ یونس (آیت ۲۰) مَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا میں ہے۔ كَانَ حرف ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ سب کافر تھے یا سب مومن

بلکہ یہ کہ انسان بحیثیت انسان ایک گروہ ہے جیسے کتے الگ گھوڑے الگ۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۲)

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۖ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ ۗ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ﴿۲۱۵﴾

اَب اِس آیت کے متعلق مجھے یہ کہنا ہے کہ خدا نے انسان کی فطرت میں یہ بات رکھی ہے کہ وہ آرام چاہتا ہے چنانچہ جہاں اس نے رُوح کے تقاضے بیان کئے ہیں وہاں یہ ذکر بھی کیا ہے کہ وہ آرام کو چاہتی ہے۔ جس قدر معالجات ہیں۔ علوم ہیں۔ اموال خرچ کئے جاتے ہیں ان سب کا منشاء یہی ہے کہ آرام حاصل ہو اور آرام کے لئے جامع لفظ ہے جنّت۔ جنّت کہتے ہیں باغ کو۔ باغ میں جانے سے غم غلط ہوتا ہے۔ نظارۂ قدرت دیکھا جاتا ہے۔ پھولوں سے دل کو راحت حاصل ہوتی ہے۔ احباب کی ملاقات کا لُطف آتا ہے۔ پھر طرح طرح کے میوے کھائے جاتے ہیں۔ گویا باغ میں آنکھوں کا مزا، کانوں کا مزا، زبان کا مزا، ناک کا مزا سب کچھ شامل ہے۔ سائنسدان بھی اِس بات کو مانتے ہیں کہ باغ میں جو ہَوا چلتی ہے وہ خاص طور پر راحت بخش ہوتی ہے۔ شدّتِ گرمی میں جو آرام باغوں میں ہوتا ہے وہ بھی بے مثل ہے۔

الغرض انسان کی فطرت میں آرام کی خواہش ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ میں ظاہر فرما کر کہتا ہے کہ تم چَین کے مقام میں جانا چاہتے ہو مگر کیا بغیر کچھ کئے کے؟ ہرگز نہیں۔ ہر شخص کو چَین کے حصول کے لئے کچھ کام کرنا پڑے گا۔

جنت میں جانے کے کچھ اصول ہیں ان میں چند کل انبیاء و اولیاء میں مشترک ہیں منجملہ انکے ایک نفس کی بے انت خواہشوں کو روکنا۔ تین قسم کی خواہشیں ہیں۔

ایک مال کی خواہش ہے چنانچہ اس کے لئے انبیاء نے یہ قاعدہ بنایا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (البقرة ۱۸۹) اس میں ملازم، پیشہ ور وغیرہ سب آگئے۔

دوم۔ کان، آنکھ، زبان حسن کے بہت مشتاق ہیں۔ حسین چیز کو دیکھنا۔ اس کی خوشبو کو سونگھنا۔ اس کی آواز سننا۔ ان تمام باتوں کی خواہش کا نام شہوت ہے۔ شہوت آنکھ سے شروع ہوتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے سورۂ نور میں قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ط ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ (النور ۳۱:) اسی طرح مومنات کے لئے حکم ہے۔

سوم۔ غضب۔ اس کے متعلق بھی بڑی تعلیمیں ہیں۔ چنانچہ پارہ ۶ کے شروع میں فرماتا ہے اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا (النسآء: ۱۵۰) یعنی تم اپنے حال کو نہیں دیکھتے کہ خدا کے مقابلہ میں کیا کیا بغاوتیں کی ہیں پھر بھی اللہ تعالیٰ اس پر گرفت نہیں فرماتا۔ وہ قادر ہو کر عفو کرتا ہے پس تم بھی درگذر کیا کرو۔ خلاصہ یہ ہوا کہ انسان چین چاہتا ہے اور چین کے حصول کے لئے خواہش کرتا ہے۔ مال کی۔ شہوت کی۔ غضب کی۔ لیکن جو ان کو ناجائز طریق سے حاصل کرتا ہے یا ان کا بے جا استعمال کرتا ہے وہ پکڑا جاتا ہے۔ زانی کو دیکھو کہ وہ جب شہوت کو بے جا طور سے استعمال کرتا ہے تو اسی عضو پر آتشک و سوزاک سے سزا کھاتا ہے جس سے خدا کے قانون کو توڑا۔ اسی طرح چور کا حال ہے کہ وہ مال کے لئے شریعت کی مخالفت کرتا ہے اس لئے کبھی کوئی چور دولتمند نہ دیکھو گے۔ ایک چور کسی عورت کا چھوڑا اتار کرلے گیا۔ عورت نے دیکھ لیا مگر پکڑ نہ سکی۔ آخر کئی سالوں کے بعد چور اسی عورت کے دروازے سے گذرا تو اس عورت نے کہا کہ اے بدبخت میرے ہاتھوں میں تو پھر بھی چھوڑا ہی موجود ہے تجھی پر خدا کی پھٹکار پڑی۔ اسی طرح غضب والے جو ارتکاب جرائم کرتے ہیں اس کی سزا پاتے ہیں۔ پس خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ جنت جب ملے گی جب تم

(۱) بَاْسَآء: غریبی۔ یہ بھی پیدا ہوتی ہے مال کی کمی سے۔

(۲) ضَرَّآء: بیماری

(۳) زُلْزِلُوْا: دوسرے مقام میں حِيْنَ الْبَاْسِ (البقرة: ۱۷۸) فرمایا ہے۔ یہ غضبی قوت کے ماتحت ہے۔

ان تین امتحانوں میں پورے نہ نکلو گے تو جنت نصیب نہ ہوگی۔ اس پر صحابہؓ نے عرض کیا کہ حضورؐ

جب یہ حال ہے کہ مال کو جائز طریقوں سے حاصل کرنا ہے پھر کسٹریٹ (فوجی اخراجات) کہاں سے آئے گی۔ فرمایا جو مال سے میسّر ہو خرچ کرو اور صرف کسٹریٹ ہی نہیں بلکہ والدین کو بھی دو اور رشتہ داروں کو بھی۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۶۔ اپریل ۱۹۰۹ء)

۲۱۶ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۶﴾

مَاذَا یُنْفِقُوْنَ : کہاں دیں۔ کتنا خرچ کریں۔ دونوں معنی ہیں۔
(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۲)

۲۱۷ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۷﴾

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ : یہ بھی اِس اُمّت کے لئے مقدر تھا کہ دشمنوں کے ظلم کی وجہ سے ان سے لڑنا پڑے گا۔

كُرْهٌ لَّكُمْ : تمہارے لئے ایک بڑی مشکل ہے! اس کا ترجمہ یہ کرنا کہ تمہیں بُری لگتی ہے۔ کسی رافضی کا ترجمہ ہو سکتا ہے، کم از کم میں ایک ایسا انسان ہوں جو صحابہؓ کے لئے یہ بات گوارا نہیں کر سکتا اور نہ اِس مقدس جماعت کے مُنہ سے یہ لفظ نکل سکتا ہے۔ صحابہؓ کے لئے مشکلات البتہ تھیں۔ مال نہ تھا۔ جاہ و جلال نہ تھا۔ جتھا نہ تھا اور دشمن کے لئے یہ سب کچھ حاصل

تھا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۶ / اپریل ۱۹۰۹ء)

وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ کے معنی بُرا جاننے کے نہیں بلکہ مشقت کے۔ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا (احقاف: ۱۶)۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۲)

تُحِبُّوْا: مثلاً انسان کہتا ہے کہ مال جس حیلے سے ملے لے لوں۔ کسی حسین کو دیکھے تو چاہتا ہے جیسے بھی ہو میرے قبضے میں آجائے مگر اس کے نتائج بہت خراب ہیں۔

وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سب ان ہدایتوں کے اصولوں سے بے خبر ہو۔ ہم سب کچھ جانتے ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۶ / اپریل ۱۹۰۹ء)

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۚ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۚ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۚ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۸﴾

تجھے پوچھتے ہیں مہینے حرام کو اور اس میں لڑائی کرنی تو کہہ لڑائی اس میں بڑا گناہ ہے اور روکنا اللہ کی راہ سے۔ (فصل الخطاب حصہ اول صفحہ ۱۰۱)

عرب میں خانہ جنگیاں ہوتی رہتی تھیں چھوٹی موٹی بات پر خون کی ندیاں بہہ جاتی تھیں۔ ایک فریق دوسرے کی مانتا نہ تھا اِس واسطے ان میں طوائف الملوکی رہتی تھی۔ جہاں کوئی جوہڑ ہوتا وہ جنگ گاہ بن جاتا۔ اِس کی وجہ یہ تھی کہ لوگ مویشی رکھتے تھے اور ہر ایک یہی چاہتا کہ میں ہی اپنے مویشی کو آرام پہنچاؤں اِس واسطے ان کے دارات مقاتلات بن جاتے تھے۔ غرض حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں اس قوم میں دو بڑے عیب تھے ایک بُت پرستی دوم باہم لڑائی۔ اِن دونوں کی اصلاح آپؐ نے فرمائی۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے

كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا (آل عمران:۱۰۴)

یعنی تم دشمن تھے ایسے دشمن کہ ابن العم کا لفظ بھی گویا لڑائی کا نشان تھا حالانکہ یہ رشتہ اتحاد وقُرب کے لئے ہے۔

دوسرا عیب شرک کا تھا۔ اِس کا اِس قدر زور تھا کہ مکہ معظمہ کے اندر ۳۶۰ بُت تھے۔ اِس شرک کے متعلق آپؐ کی تعلیم خصوصیت سے ایسی تھی کہ اس کی جڑیں کاٹ دے چنانچہ اوّل تو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تمام شرکوں کی جڑ کو کاٹتا ہے۔ اِس کے معنے ہیں اللہ کے سوا کوئی ہمارا حاجت روا نہیں۔ ہم کسی کو سجدہ نہیں کرتے۔ اس کے سوا کوئی ہماری دعا کو نہیں سُنتا۔ ہم کسی کی نذر کو نہیں مانتے۔ پھر صریح طور پر فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ (النساء:۴۹) آپؐ جب عورتوں سے بیعت لیتے تھے تو سب سے پہلے یہی وعدہ لیتے تھے اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ (الممتحنة:۱۳)

غرض عرب میں دو عیب تھے دونوں کے دُور کرنے کے لئے آپؐ نے بڑی بڑی کوششیں کیں اور ان کو شرک سے نکال کر توحید کی راہ دکھائی اور خانہ جنگیوں سے چھڑا کر بھائی بھائی بنا دیا۔ قوموں میں وحدت کا بیج بونے کے لئے چار اصول بتلائے۔

۱۔ بدظنی کی ترک کیونکہ یہی جڑھ ہوتی ہے تمام بُرائیوں کی۔ بدظنی سے نکتہ چینی تک نوبت پہنچتی ہے اور پھر غیبتیں شروع ہو جاتی ہیں اِس لئے ارشاد کیا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ (الحجرات:۱۳)

۲۔ ٹھٹھا ترک۔ یہ بھی کئی قسم کی لڑائیوں کا موجب ہو جاتا ہے اِس لئے فرمایا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ

مِنْ قَوْمٍ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ (الحجرات : ۱۲)

۳ ۔ اگر کوئی تمہیں تکلیف دے تو تم صبر سے کام لو۔ چنانچہ فرمایا اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (البقرۃ: ۱۵۴)
دُنیا میں جتنی جنگیں ہوتی ہیں اگر ایک طرف صابر ہو تو نفع اُٹھائے مگر افسوس کہ سطحی خیالات کے لوگ صبر کی حقیقت کو نہیں سمجھتے حالانکہ دیکھتے ہیں اگر شہنشاہ کسی کی معیت کا دعویٰ کرے تو وہ شخص پھولا نہیں سماتا۔ پس جس کے ساتھ اللہ اپنی معیت جتائے اُسے کتنا فخر حاصل کرنا چاہیئے اور فرمایا ہے اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (الزمر : ۱۱) صابرین کیلئے نیک ثمرات کا وعدہ ہے اور وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (الشوریٰ: ۴۴) میں بتلایا ہے کہ صبر کرنا بھاری کام ہے۔

۴ ۔ چوتھا اصل یہ فرمایا کہ اِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا (الحجرات: ۱۰)
غرض بدظنی سے روکا۔ تمسخر سے روکا۔ صبر کے فوائد بتلائے اور یہ کہا کہ اگر آدمیوں میں نقار ہو تو تم صلح کرا دو۔ اِن چار اصولوں کو بتا کر دُنیا میں امنِ عامہ کی بنیاد ڈالی۔

عرب کی جنگجو قوم میں صبر کا مادہ مزور تھا چنانچہ اِسی لئے وہ شہرِ حرام میں قتال نہ کرتے تھے۔ حتیٰ کہ اپنے بیٹے یا بھائی یا باپ کے قاتل کو بھی نہ مارتے تھے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس مادہ کو بڑھانے کی کوشش فرمائی اور ان میں وحدت کی رُوح پیدا کرنے کی تدبیریں کیں۔ انلی جملہ ایک یہ تھی کہ اپنی پھوپھی کی لڑکی کا نکاح اپنے غلام سے کر دیا تاکہ غلاموں کو حقیر نہ سمجھا جائے۔

آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اِس ارادہ میں کامیاب ہوئے اور آپؐ نے ایک ایسی جماعت پیدا کر لی جو امنِ عامہ کی بہت طرف داری کرتی تھی۔ شریر لوگوں نے جب دیکھا کہ یہ تو صبر کرتے ہیں اِس لئے انہوں نے شہرِ حرم میں بھی ان کو چھیڑنا شروع کیا۔ اس پر صحابہؓ نے سوال کیا کہ ہمیں شہرِ حرم میں لڑائی کا کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ یہ بڑے گناہ کی بات ہے اور اِس لڑائی کے تین نقصان ہیں۔ صَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (اللہ کی راہ میں آمدورفت سے روکا جاتا ہے) اور پھر اس کا کفر ہے اور عزت والی مسجد کا کفر ہے اور پھر خاص شہر والوں کا نکالنا تو اس سے بھی بڑا جرم ہے۔

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ : دوسرے مقام پر فرمایا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ (المآئدۃ : ۵۵)

پھر فرمایا حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ۔ وہ اِسلام کے مقابلہ میں تیزی سے اُٹھیں گے مگر ان کی

کوششیں اکارت جاویں گی۔ وہ دُنیا میں ہلاک ہوں گے۔ مَیں اس آیت پر یقین کر کے کہتا ہوں کہ جو لوگ امنِ عامہ کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ ضرور ناکام و نامراد ہلاک ہوں گے۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۶ ؍اپریل ۱۹۰۹ء)

۲۱۹۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۱۹﴾

اِس (آیت) میں ایک غلطی کی اصلاح ہے جو نہ صرف چھوٹوں میں پائی جاتی ہے بلکہ بڑوں میں بھی اور وہ یہ کہ مستحق کرامت گنہ کاراں اند کا مصرعہ زبان پر رہتا ہے جس نے بہت لوگوں کو بیباکی کا سبق دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ رحمتِ الٰہی کے مستحق تو وہ لوگ ہیں جن میں یہ اوصاف ہوں اوّل ایمان باللہ یعنی یہ یقین ہو کہ تمام خوبیوں سے موصوف اور تمام نقصوں سے منزّہ ذات اللہ کی ہے۔ پھر ملائکہ پر ایمان ہو یعنی ان کی تحریک پر عمل کیا جائے۔ پھر کتب اللہ پر ایمان ہو۔ نبیوں پر ایمان ہو۔ یومِ آخرت پر ایمان ہو۔ صرف عذاب القبر حق ہی نہ کہے بلکہ رحمت القبر حق بھی۔ تقدیر (یعنی ہر چیز کے اندازے اللہ تعالیٰ نے بنا رکھے ہیں) پر ایمان ہو۔ پھر اس ایمان کے مطابق عمل درآمد بھی ہو۔ عیسائیوں نے دھوکہ دیا ہے اور وہ یہ سوال کرتے ہیں کہ نجات فضل سے یا ایمان سے یا عمل سے؟ ہمارا جواب یہ ہے کہ نجات فضل سے ہے کیونکہ قرآن شریف میں ہے اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ (فاطر: ۳۶) مگر اِس فضل کا جاذب ایمان ہے اور جیسا کسی کا ایمان مضبوط ہے اسی کے مطابق اس کے عمل ہوتے ہیں اِسی واسطے یہاں اٰمَنُوْا کا ذکر فرما دیا۔ کیونکہ اعمال ایمان کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں چنانچہ اس ایمان کا ایک نشان ظاہر کیا ہے کہ تمام مقدمات کی بناء تو زمین ہے مگر جب انسان ایمان میں کامل ہو جاتا ہے تو پھر وہ خدا کے لئے اس زمین کو بھی چھوڑ دیتا ہے یعنی ہجرت کیونکہ کسی چیز کو اللہ کے لئے چھوڑ دینا بہت بڑا عملِ صالح ہے۔ پھر فرمایا ایمان کا مقتضٰی اس سے بھی بڑھ کر ہے وہ کیا جٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یعنی اس کا دِن اس کی رات۔ اس کا علم۔ اس کا فہم۔ اس کی محبت۔ اس کی عداوت۔ اس کا سونا اور اس کا جاگنا

غرض کردار، گفتار، رفتار سارے کے سارے اس کوشش میں ہوں کہ میرا مولیٰ مجھ سے راضی ہوجاوے۔ یاد رکھو خدا تعالیٰ قدوس ہے۔ اس کا مقرب نہیں بن سکتا مگر وہی جو پاک ہو۔ انسان بے شک کمزور ہے اس لئے وہ غلطیوں کو بخشنے والا ہے مگر اپنی طرف سے کوشش ضروری ہے۔ مومن میں استقلال و ہمت بہت ضروری ہے۔ یہ غلط خیال ہے کہ نبیوں نے اس وقت مقابلہ کیا جب ان کا جتھا ہوگیا حضرت نوحؑ کے جتھے کا کیا حال تھا۔ مَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ (ھود : ۴۱) جب آپ کو مقابلہ کی ضرورت پڑی تو ایک جملہ سے وہ کام لیا جو کل دنیا کی فوج نہیں کر سکتی یعنی لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا (نوح : ۲۷) حضرت موسیٰؑ کیسی حالت میں تھے۔ فرعون نے کہا هُوَ مَهِيْنٌ ۙ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ (الزخرف : ۵۳) ان کی تمام قوم غلام تھی مگر ایک آواز سے سب کام کروالیا۔ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (یونس : ۸۹) نبیوں کو خدا کے پاک لوگوں کو جتھوں کی کیا پرواہ ہے۔ انبیاء کے نزدیک ایسا خیال شرک ہے۔ میں تمہیں دعاؤں کی طرف متوجہ کرتا ہوں۔ تم یوں سمجھو کہ دعاؤں کے لئے پیدا کئے گئے اور یہی دعائیں تمہارے کام سنواریں گی۔

(بدر ۱۴۔ نومبر ۱۹۰۹ء صفحہ اول)

۲۲۰ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ : لڑائی میں سپاہی کو شراب پلا دیتے ہیں تاکہ اس کی مزاج میں رحم وغیرہ نہ رہے اور وہ اندھا دھند تلوار چلاتا جائے اس لئے صحابہؓ نے شراب کے متعلق سوال کیا۔ پھر لڑائی کے لئے اخراجات کی ضرورت ہے۔ عرب میں ایسے موقع پر یہ دستور تھا کہ بڑے بڑے امیر لوگ

جُوآ کھیلتے۔ جو ہارتا اس کے ذمّہ قحط اور ضرورتوں کا خرچ ہوتا۔ عرب کے بعض شعروں میں پایا جاتا ہے کہ وہ ہارنے کو بہت پسند کرتے تھے اور اپنی ہار کو فخر سے بیان کرتے تھے۔ اِس کی بھی یہی وجہ تھی کہ ایسے لوگوں کے ذمّہ تمام اخراجات ہو جاتے اور قحط میں سارے غریبوں کا نان و نفقہ اسی کو دینا پڑتا۔ چونکہ اس میں ایک نیکی کا موقع ملتا تھا اِس لئے وہ تفاخر کرتے تھے۔

اس پر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان میں بڑی بدکاری ہے۔ بے شک غرباء کو نفع پہنچتا ہے نَفْعِهِمَا کے یہی معنے ہیں مگر اس بدکاری کا جو نتیجہ ہے وہ سخت گندہ ہے۔ اس کے مقابل میں اس نفع رسانی کی کوئی حقیقت نہیں۔ کیونکہ جب ان کے ذمّہ یہ اخراجات پڑتے اور پاس ایک کوڑی بھی نہ ہوتی تو ناچار ان کو آرمینیا اور کاکس تک ڈاکہ زنی کرنی پڑتی۔

جب صحابہؓ نے خمر و مَیسر کے متعلق حکم سُنا تو معًا ان کے دلوں میں خیال پیدا ہُوا مَاذَا يُنْفِقُوْنَ پھر خرچ کہاں سے آوے۔ فرمایا اَلْعَفْوَ جو تمہاری حاجتِ اصلی سے زیادہ ہو۔ مُٹھی بھر جو جمع کرو خدا تعالیٰ اسی میں برکت ڈال دے گا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۶۔ اپریل ۱۹۰۹ء)

اِس آیت شریف سے ثابت ہُوا شراب میں اِثم ہے اور بڑا اِثم ہے۔

(تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۲۳۲)

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ۔ قُلِ الْعَفْوَ: صدقات کیسے مال سے دیں۔ کس قدر صدقہ نہایت ضروری ہے۔ اِس کے قواعد جیسے اِسلام میں مفصل موجود ہیں مجھے معلوم نہیں کہیں اَور جگہ بھی ہوں۔ مسیح فرماتے ہیں جو کوئی تجھ سے مانگے اُسے دے۔ کہاں سے دے۔ چوری حرام کاری سے بھی بُری چیز مانگے۔ محال بھی مانگے کیا تب بھی دیں۔ مگر قرآن فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ۔

(البقرة : ۲۶۸)

اور پوچھتے ہیں تجھ سے کیا خرچ کریں تو کہہ جو افزود ہو حاجت سے۔

(فصل الخطاب (ایڈیشن دوم) جلد اوّل صفحہ ۳۸)

"عفو" یعنی جو حاجتِ اصلیہ سے زیادہ ہو حلال اور طیب مال سے دے۔ ردّی چیز نہ ہو۔ ابتغاءً لوجہِ اللہ دے۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۷ نمبر ۷ صفحہ ۳۲)

مَاذَا يُنْفِقُوْنَ: کہاں دیں۔ کتنا خرچ کریں۔ دونوں معنی ہیں۔

عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ: آیات میں ربط قائم ہے۔ جنگ میں شراب اور جوا آج تک ہوتا ہے فوجوں میں جوش اور خرچ اسی ذریعے سے مہیا کرتے ہیں۔ صحابہؓ نے اس بارے میں دریافت کیا۔ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ جوا منع ہے تو اب راشن وغیرہ کہاں سے لائیں گے۔ اس سے آگے بھی سوال جنگ کے نتائج پر مبنی ہیں۔ (تشحیذالاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۲)

۲۲۱۔ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۱﴾

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى: جب لڑائی چھڑتی ہے تو اس میں مقتول بھی ہوتے ہیں اور مقتول کے بچے یتیم بھی ہوتے تھے اس لئے ان کی نسبت حکم دیا اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ان کی بہتری، بہبودی کا فکر بہت بڑی نیکی ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۶ اپریل ۱۹۰۹ء)

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ: امام محمدؒ کے پاس کسی یتیم کے کپڑے تھے آپ نے انہیں بیچ ڈالا۔ کسی نے کہا یتیم کے مال میں کیوں تصرف کرتے ہو؟ تو آپ نے یہی آیت پڑھی اور اسے سمجھایا کہ کپڑے تو پرانے ہو کر ان کی قیمت گھٹتی جاتی ہے اس لئے ان کو بیچ دیا تا مال محفوظ رہے۔

(اخبار بدر قادیان ۲۹ اپریل ۱۹۰۹ء)

۲۲۲۔ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ

مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۲﴾

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ : لڑائی میں کفار کی عورتیں قیدی بن کر آتی تھیں اس لئے صحابہؓ نے ان کے نکاح کا مسئلہ پوچھا کیونکہ وہ ان کی رشتہ دار تھیں۔ آپؐ نے حکم دیا کہ مشرکہ سے نکاح جائز نہیں۔ اِس میں بہت بڑی حکمتیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ عورتوں میں شرک بہت ہوتا ہے۔ اگر مشرکہ عورتیں مسلمانوں کے گھروں میں آجائیں تو ان کی اولاد پر بُرا اثر پڑتا ہے مَیں نے ایک عورت کو ایسے شرک میں مبتلا دیکھا جس کو میرا واہمہ تجویز نہیں کر سکتا۔ وہ یہ کہ ایک عورت ہر صبح پاخانہ کو سجدہ کرتی اور کہتی کہ ہے قدمچہ مائی! مجھے بیٹا ملے تو مَیں اپنا بیٹا تجھی پر ہگایا کروں۔

وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ : یعنی اپنی لڑکیوں کی شادیاں مُشرکوں میں مت کر دو۔ اسی بناء پر ہمارے امام نے حکم دیا کہ غیر احمدیوں کو اپنی لڑکیاں نہ دو کیونکہ ان میں بھی شرک ہے اور اِس طرح میل جول سے شرک بڑھ جائے گا۔ شرک مَیں نے بلا تحقیق نہیں کہا۔ مسیح کے مسئلہ ہی میں جو خوفناک گمراہی ان میں ہے وہ کم نہیں۔ وہ کونسی اللہ کی صفت ہے جو اس کی طرف منسوب نہیں کرتے۔ خَالِقٌ كَخَلْقِ اللّٰهِ اسے مانتے ہیں۔ اِحیاءِ مَوتٰی اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ عالم الغیب اسے جانتے ہیں۔ حرام و حلال کا اختیار اُسے دے رکھا ہے۔ پھر ختمِ نبوت کے بھی وہ قائل نہیں۔ پس ایسے مشرک لوگوں سے ہمیں تعلقِ ازدواج قائم کرنے میں سراسر نقصان ہے اِس لئے امام نے منع فرمایا۔ جن احمدیوں نے حضرت امام کی اِس نصیحت پر عمل نہیں کیا سُکھ انہوں نے بھی نہیں پایا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲ر اپریل ۱۹۰۹ء)

۲۲۳ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ

فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ

حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ

اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ

الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ : عرب کا دستور تھا کہ وہ جنگ میں اپنی عورتوں کو بھی ساتھ لے جاتے تھے۔ اِس رسم کا فائدہ یہ تھا کہ وہ بڑے جوش سے جنگ کرتے تھے اور جان توڑ کر لڑتے تھے کیونکہ ان کو خیال ہوتا کہ اگر ہم نے پیٹھ پھیری اور بزدلی دکھائی تو ہماری عورتوں کی عصمت محفوظ نہیں رہے گی اور سب بال بچے دشمنوں کے قبضہ میں آجائے گا اِس واسطے جنگ کا نام بھی انہوں نے حفیظ رکھا تھا کیونکہ جنگ ان کے ننگ و ناموس کی حفاظت کا موجب تھی۔

اب جنگوں میں جب عورتیں ان کے ساتھ تھیں تو بعض وقت ان کو حیض بھی آجاتا۔ اس حالت میں انہوں نے یہ مسئلہ پوچھا کہ کیا حکم ہے ؟ اِسلام میں حیض کے متعلق عورتوں کو کئی حکم ہیں۔ مثلاً یہ کہ وہ روزہ نہ رکھے (کیونکہ پہلے ہی سے بہت ضعیف ہوتی ہے اِس طرح بیماری بڑھتی ہے)۔ نماز نہ پڑھے۔ وضو نہ کرے کیونکہ ٹھنڈے پانی سے استنجا سخت نقصان پہنچاتا ہے۔

کلمۃ الحکمۃ ضَآلَّۃُ الْمُؤْمِنِ حَيْثُ وَجَدَهَا اَخَذَهَا کے ماتحت مَیں ہندو مذہب کے اِس طریق کو بہت اچھا سمجھتا ہوں کہ وہ اپنی عورتوں کو آٹا تک نہیں گوندھنے دیتے تاکہ پانی نقصان نہ پہنچائے۔ گو وہ اس احتیاط میں حد سے بڑھ گئے ہیں۔ ہماری پاک شریعت چونکہ انسان کے جان و مال کی محافظ ہے اِس واسطے اللہ نے خاص عبادتیں معاف کر دی ہیں اور ادھر مردوں کو روک دیا۔

هُوَ اَذًى : بدبودار چیز ہے۔ اس حالت میں انسان جماع کرے تو دُکھ کا موجب ہے۔ اِس سے معلوم ہوُا کہ خلافِ وضعِ فطرت بھی حرام ہے۔ ایک پاک فطرت کا اِنسان حضرت علیؓ فرماتا ہے کہ اگر قرآن میں اس کا ذکر نہ ہوتا تو میرا واہمہ تجویز ہی نہیں کرسکتا کہ یہ بدکاری بھی ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ : بالکل نزدیک نہ جاؤ۔ اِس سے لواطت کی حرمت بھی ظاہر ہے۔
یَطْهُرْنَ : پاک ہو جاویں۔ ہمارے ملک کی عورتیں بہت ناواقف ہیں خوشبو وغیرہ کا استعمال نہیں جانتیں۔
یُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ : اس کے معنے اللہ نے سورۃ النمل آیت ۵۷ میں بتائے ہیں اَخْرِجُوْآ اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ گویا جو شخص لواطت سے اجتناب کرے اسے متطہر کہتے ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۹؍اپریل ۱۹۰۹ء)

۲۲۴ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۴﴾

عورتوں کو کھیت کہنے کی غرض کیا ہے اوّل یہ کہ اُس سے خلافِ وضعِ فطرت عمل نہ کیا جاوے دوم اس سے بکثرت جماع نہ کیا جاوے۔ سوم اس کی اور اس کے حمل کی ہمیشہ حفاظت ہو۔ چہارم جنکے بچے گر جاتے یا مر جاتے ہیں وہ اس تشبیہ سے یہ فائدہ اُٹھائیں کہ ایک سال صحبت ترک کر دیں جس طرح زمین اس ترک سے مضبوط ہو جاتی ہے اسی طرح وہ عورت قابل حمل رکھنے کے ہو جائیگی۔ پنجم اپنے کھیت میں دوسرے کا بیج پڑنے نہ دیں اِس لئے کہ اس سے فساد ہوگا۔
(نور الدین صفحہ ۲۱۰، ۲۱۱)

۲۲۵ وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾

عُرْضَةً : اللہ کے نام کو نیکی کرنے میں روک نہ بناؤ مثلاً خدا کی قسم کھا کر یہ کہہ دیا مَیں فلاں

کے ساتھ نیکی نہیں کروں گا۔ فلاں کے گھر نہ جاؤں گا۔ وغیرہ

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۹ اپریل ۱۹۰۹ء)

عُرْضَةً : حاجز (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۲)

۲۲۶۔ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝۲۲۶

بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ : مختلف مذاہب کی رُو سے پانچ طرح کی قسمیں ناجائز ہیں۔ ۱۔ غضب کے وقت۔ ۲۔ عادت کے طور پر واللہ باللہ۔ بخدا کہنا۔ ۳۔ اپنی جگہ تحقیق سے کہتا ہے مگر دراصل وہ بات غلط ہے۔ ۴۔ قسم کھا کر بھول جائے اور ارتکاب اس فعل کا کرے جس کے نہ کرنے کی قسم کھا چکا ہو۔ ۵۔ حلال چیز کو کہہ دے میرے لئے حرام ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۹ اپریل ۱۹۰۹ء)

۲۲۷۔ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَاۗءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۲۷

يُؤْلُوْنَ : ایلاء کرتے ہیں۔ اپنی بی بی کے پاس نہ جانے کی قسم کھانا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۹ اپریل ۱۹۰۹ء)

۲۲۸۔ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۲۲۸

وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ : یہاں مَیں تم لوگوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ اسلام میں کئی مسئلے

موجود ہیں تاکہ انسان کی جان و مال و عزت کا نقصان نہ ہو۔ کوئی کسی کو دُکھ نہ پہنچائے مگر خود مسلمانوں ہی نے ایک مسئلہ کو تمام دُکھوں کی جڑ بنا دیا ہے حالانکہ نکاح آرام و دوستی و رحمت کے لئے تھا چنانچہ فرمایا لِتَسْكُنُوٓا اِلَيْهَا (الروم : ۲۲) مگر بعض ایسے لوگ ہیں کہ نکاح کر کے نہ تو بساتے ہیں نہ طلاق دیتے ہیں۔ طلاق کی اجازت پر اگر یہ عمل کرتے تو عورتوں پر یہ ظلم و ستم نہ ہوتا۔ میں نے دُنیا بھر میں مکہ ایک ایسا شہر دیکھا جہاں عورت کو ذرا بھی تکلیف ہو تو وہ قاضی کی عدالت میں چلی جاتی ہے۔ اسی وقت شوہر کو بلایا جاتا ہے اور حکم ہوتا ہے کہ یا تو ابھی طلاق دو یا آئندہ نیک سلوک کی ضمانت دو۔ دیکھو میں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ عورتیں بہت ہی کمزور ہیں۔ تم ان مظلوموں پر رحم کرو۔ ان سے نیکی کے ساتھ معاشرت کرو۔ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ (البقرۃ : ۲۲۹) کو یاد رکھو۔ اگر نشوز کا خوف ہو تو ایک اپنے قبیلے سے ایک اس کے قبیلے سے حکم مقرر کر کے جلد فیصلہ کر دو۔ حتی الوسع عفو و درگذر، چشم پوشی سے کام لو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت ہے اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ خَيْرًا۔ اسے مت بھولو۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۹۔ اپریل ۱۹۰۹ء)

۲۲۹

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ۭ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۹﴾

ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ : یہ عدت کی مدت ہے۔ قرء کہتے ہیں حیض کو اور طہر کو بھی۔ اللہ تعالیٰ اپنی

خاص حکمت سے ایسے ذوعمل الفاظ قرآن مجید میں لاتا ہے تاکہ جنہیں قرآن کا عشق ہے ان کے لئے تدبر کا میدان وسیع ہو۔ ایک بڑے بزرگ گزرے ہیں جو کہتے ہیں مَیں نے بخاری رسول علیہ السلام سے سبقاً سبقاً پڑھی ہے۔ جب قرء کی بحث آئی تو میں نے عرض کیا یہ حیض ہے یا رسول اللہ؟ تو فرمایا اِذَا فَرَغَتْ مِنْ قَرْءٍ۔ مکرر سہ کرر عرض کیا پھر بھی آپ نے یہی قرء کا لفظ فرمایا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۹؍ اپریل ۱۹۰۹ء)

قُرُوْءٍ: اِس کے معنوں میں اختلاف ہے طہر یا حیض۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۲)

اِسلام نے عورت کو صاف اجازت دی ہے وہ بھی واقعاتِ ضروری کے پیش آنے پر مرد سے طلاق لے سکتی ہے۔ اسے اِسلام کی اِصطلاح میں خلع کہتے ہیں۔ بایں ہمہ خدا تعالےٰ کی کتاب فرماتی ہے وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (پ بقرہ) اور عورتوں کے حقوق کی رعایت مردوں کے ذمّہ ایسی ہے جیسی کہ عورتوں پر مردوں کے حقوق کی۔ ہم نے تمام دُنیا کے قوانین اور آسمانی کتابوں میں وہ آزادی اور حقوق عورتوں کے نہیں دیکھے جو قرآن کریم میں بیان کئے ہیں۔

(نورالدین ایڈیشن سوم صفحہ ۲۲۰)

نکاح کے فوائد دو قسم کے ہوتے ہیں اوّل شخصی منافع دوم نوعی مقاصد شخصی منافع میں مثلاً حفظِ صحت بعض بیماریوں میں۔ آرام یار و غمگسار کے ساتھ ہونے کا۔ قوائے شہوانی کے اقتضاء کا طرفین سے بلا مزاحمت پورا ہونا۔ ان قوائے انسانیہ کا نشو و نما جن کے باعث انسان دوسرے سے تعلق پیدا کرتا یا کسی کا لحاظ کرتا ہے۔ حلم و مروّت و بُردباری کا اسی مدرسہ میں سبق حاصل ہوتا ہے امورِ خانہ داری کی اصلاح۔ حفظِ ننگ و ناموس و حفظِ مال و اسباب۔

نوعی مقاصد مثلاً حفظِ نوع، تربیتِ اولاد۔ کیونکہ بے تحقیق نطفوں کی علی العموم خبر گیری نہیں ہُوا کرتی۔ روسی شاہی خانہ زاد اوّل تو خصوصیت سلطنت کے باعث مستثنٰی ہیں پھر سوائے جنگی کاموں کی کیا تربیت پاتے ہیں۔ اِس لئے شادی کا حکم اوّل تو جسمی طاقت اور مالی وسعت پر صادر ہُوا ہے۔ قرآن کریم میں آیا ہے وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (پ نور) اور فرمایا وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً (پ روم) اور فرمایا نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ۔

پس عورت طلاق لے سکتی ہے ۱۔ اگر مرد اس کی نفسانی ضرورتوں کو پُورا نہ کر سکے۔ ۲۔ قابلِ

ولادت نہ ہو۔ ۳۔ معاشرت کے نقائص رکھتا ہو۔ ۴۔ نان ونفقہ نہ دے سکے۔ اِسی واسطے قرآن کریم میں ہے وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا۔ اور ان احکام کی عام تعمیل پر فرمایا وَلَا تُضَارُّوْهُنَّ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا اِسی طرح مرد طلاق دے سکتا ہے۔

اگر عورت تقویٰ کے متعلق نفسانی اغراض پوری نہ کر سکے۔ قابلِ ولادت نہ ہو۔ معاشرت کے نقائص رکھتی ہو۔ نکاح کے منافع شخصیہ اور نوعیہ کی خلاف ورزی کرتی ہو۔ بدچلنی کے باعث فساد و مزاحمت کا باعث ہو۔ پھر کبھی طلاق فوری ہو سکتی ہے جیسے لعان۔ واقعی ہم بستری سے پہلے وعدہ میں۔ اور کبھی تدریجی ہوتی ہے جیسے فہمائش۔ مشروط طلاق اور منصفوں کے فیصلہ کے بعد۔

تعدد ازواج پر۔ منع تعدد ازواج کے نقصانات ۱؎ عورتوں کے قتل کے واقعات ہوں گے۔ جب پہلی بی بی ناپسند ہو اور کوئی دوسری پسند آجاوے تو ان بلاد و اقوام میں جن میں دوسری بی بی کرنا ممنوع ہے اور بایں قوم بہادر رہے پہلی کو مار دیں گے۔ ۲؎ خودکشی ہو گی۔ جیسے آسٹریا کے ولی عہد کو یہ مصیبت پیش آئی جب پسندیدہ بی بی بیاہنے کی اجازت قانون اور قوم نے نہ دی۔ ۳؎ یا بے غیرتی ہو گی۔ جیسے بعض.... انڈین کے لئے پیش افتاد امر ہے کہ مرد دیکھتا ہے اور بول بہت مضبوط رکھتا ہے۔ ۴؎ یا آخر نیوگ کا فتویٰ ہو گا جیسا آریہ میں ہؤا۔ ۵؎ قطع نسل بعض حالتوں میں ضرور پیش آئے گا۔ ۶؎ دختر کشی کی رسم اسی سے پیدا ہوتی ہے کہ نہ لڑکیاں رہیں اور نہ مصائب پیش آئیں۔

نکتہ۔ ۱۔ عورتوں مردوں میں ایک قدرتی فرق ہے عورت جبر سے بھی اپنا کام دے سکتی ہے بخلاف مرد کے۔ اِسی واسطے علی العموم عدالتوں میں زنا بالجبر کے مقدمات میں عورتیں ہی مدعی ہیں۔ نہ جوان مرد۔ ۲۔ عورت کے بہت مرد ہوں تو اس کی صحت قطعاً نہ رہے گی کنچنیوں کے حالات سے یہ تجربہ ہو سکتا ہے۔ ۳۔ اس کے نطفۂ بے تحقیق کی پرورش مشکل ہو گی۔ کون ذمہ دار ہو گا۔ ۴۔ ایک وقت میں اگر کئی طالب اس کے پیش ہو گئے تو مزاحمت اور جنگ ہو گا بشرطیکہ قوم باہمت ہو۔ ۵۔ قدرتی طور پر ایک عورت ایک برس میں ایک مرد کے نطفہ سے زیادہ چند مردوں کے نطفوں کے بچے پیٹ میں نہیں رکھ سکتی اور ایک مرد چند عورتوں میں اپنے بچہ دِہ نطفہ رکھ سکتا ہے۔ یہ قدرتی اجازت تعدد ازواج کی معلوم ہوتی ہے۔ ۶۔ قرار حمل میں مشکلات ہوں گے۔ وضع حمل کی ضرورتیں پیش آجائیں گی اور حمل کے بعد مرد کو دیانند جماع کی اجازت نہیں دیتے۔ اگر کثرت ازواج نہ ہو تو قوی مردوں کی جماعت میں ان کا فتویٰ کون سُنے گا۔ گو مجھے اب بھی یقین ہے کہ بیاہے آریہ لوگ جن کی ایک

بی بی ہے اور تندرست ہیں اس دیانتدری فتوٰی پرعمل درآمد کم کرتے ہوں گے۔ ہاں البتہ حیوانات میں خود نر حیوان اور ان کی مادہ حمل کے بعد ضرور متنفر ہو جاتے ہیں مگر انسانوں میں یہ نیچر قابلِ غور ہے۔
(دیباچہ نورالدین (ایڈیشن سوم) صفحہ ۷۴ تا ۷۹)

ٱلطَّلَٰقُ مَرَّتَانِ ۖ فَإِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌۢ بِإِحْسَٰنٍ ۗ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَأْخُذُوا۟ مِمَّآ ءَاتَيْتُمُوهُنَّ شَيْـًٔا إِلَّآ أَن يَخَافَآ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ ٱللَّهِ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ ٱللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا ٱفْتَدَتْ بِهِۦ ۗ تِلْكَ حُدُودُ ٱللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا ۚ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ ٱللَّهِ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ﴿٢٣٠﴾

طلاق ایک اِسلامی حکم ہے جو شریعت نے ضرورتاً جائز رکھا ہے کیونکہ بعض وقت جو حقیقی تعلق میاں بی بی کا ہے وہ قائم نہیں رہ سکتا اِسی لئے اس کو قطع کرنا پڑتا ہے وہ حقیقی تعلق آیت لِتَسْكُنُوٓا۟ إِلَيْهَا (الروم: ۲۲) میں مذکور ہے کہ تسکین ہوتی ہے۔ ۲۔ مَوَدَّةً دوستانہ بڑھانے کا ذریعہ ہے۔ ۳۔ وَرَحْمَةً ۴۔ خانہ داری کا اِنتظام۔

عورت ایک بہت نازک صِنف ہے اور ہر طرح مدد کی محتاج ہے۔ وہ تعلیم میں مرد کی برابری نہیں کر سکتی کیونکہ حمل اور بچّہ کی پرورش اور متعلقہ کورس کی کمزوری اس کے لاحقِ حال ہے۔ اسکے اعضاء میں ایک قسم کی نزاکت ہوتی ہے۔ اور پھر بوجہ پردہ عام طور سے اسے تجارب کا موقع نہیں ملتا۔ پس جب ہم دیکھتے ہیں کہ آنکھ کو اگر ذرا بھی دُکھ پہنچے تو ایڑی کے زخم سے اس کی زیادہ غور و

برداشت کی جاتی ہے تو پھر عورت کے چھوٹے سے چھوٹے دُکھ کی بھی کیوں نہ پرواہ کی جائے۔
بعض وقت میاں بی بی کے تعلقات میں اِس قسم کی باتیں آجاتی ہیں کہ ان میں کسی طرح اِصلاح نہیں ہوسکتی تو اس صورت میں بجائے اس کے کہ اس بچاری کو دُکھ دیا جائے طلاق دینے کا ارشاد ہے مگر یکدم طلاق دینے کی اجازت نہیں۔
اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ: طلاق دو بار ہے۔ پھر اس کے بعد اِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ رکھ لے تو پسندیدہ طور پر۔ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ یا رخصت کر دے بہت سلوک سے۔ افسوس مسلمان اِس پر عمل نہیں کرتے اور یکدم تینوں طلاق دیتے ہیں حالانکہ طلاق متفرق طُہروں میں دینی چاہیئے۔
شَيْئًا: یہ تاکید کے لئے ہے کہ کچھ بھی واپس لینا جائز نہیں۔
فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ: عورت کچھ روپیہ دے کر مرد سے طلاق لے سکتی ہے۔ اِس کا نام خُلع ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۹۔اپریل ۱۹۰۹ء)
اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ: یکدم طلاق جائز نہیں۔ عہدِ نبویؐ میں بہت سی طلاقیں یکدم ایک ہی سمجھی جاتیں۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۳)

۲۳۱۔ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۚ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۚ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۱﴾

فَاِنْ طَلَّقَهَا: یہ تیسری طلاق کا ثبوت ہے۔
فَلَا تَحِلُّ لَهٗ: اس سے جو حلالہ کی بدرسم جاری ہوئی وہ اِسلام کے لئے ننگ ہے۔ یہ حلالہ اس چیز کا نام ہے کہ موقّت نکاح کرتے ہیں۔ اِدھر نکاح و جماع اور صبح طلاق۔ پھر شوہر نکاح کر لیتا ہے۔ یہ بہت بُری رسم ہے۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۹۔اپریل ۱۹۰۹ء)

فَاِنْ طَلَّقَهَا: حلالہ جائز نہیں اپنی مرضی سے طلاق دے۔
(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۳)

بقرۃ ۲۳۲ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ

بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ

ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ

اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ

يَعِظُكُمْ بِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ

عَلِيْمٌ (۲۳۲)

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا: مسلمانوں کو اس سے عبرت پکڑنی چاہیئے۔ جو لوگ نہ عورتوں کو بساتے ہیں نہ چھوڑتے ہیں وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں اور خدا کے عذاب کے نیچے ہیں۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۹ ر اپریل ۱۹۰۹ء)

بقرۃ ۲۳۳ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا

تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا

بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ

مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ

وَاَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ : چونکہ جنگ میں بہت ہی قریب کے رشتہ دار مرد اور عورتیں موجود تھے اور طرفِ مخالف میں ان مسلمان عورتوں کے رشتہ دار بھی تھے اِس لئے بعض وقت یہ عورتیں نشوز بھی کر لیتی تھیں کیونکہ رشتہ داری کا معاملہ تھا اور پھر زنا شوئی کے تعلقات پر اس کا اثر پڑتا تھا اِس لئے مجبورًا طلاق دینا پڑتا تھا۔ اِس لئے جہاد کے بیان میں طلاق کے مسائل بیان ہو رہے ہیں۔

فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ : یہ آیت ایک واقعہ کے بیان سے صاف ہو جائے گی وہ یہ کہ ایک شخص کی حقیقی بہن نے کسی کے ساتھ نکاح کیا۔ میاں بی بی میں ناموافقت ہوئی تو میاں نے طلاق دے دی مگر عدت گزرنے سے پہلے اس نے پھر رجوع کر لیا۔ اِسی طرح کئی بار ہوا کہ جب وہ وقت گزرنے کو آتا تو پھر وہ باہمی تعلقات کو جائز کر لیتا۔ آخر جب ایک دفعہ اس نے رجوع کرنا چاہا تو چونکہ قانونِ الٰہی کے مطابق پانچ جگہوں کی رضامندی حاصل کرنا پڑتی تھی۔ اوّل قرآن سے یہ دیکھا جاتا کہ تعلق جائز ہے یا نہیں۔ دوم۔ رسولؐ کا عمل درآمد۔ سوم۔ عورت کی رضامندی۔ چہارم۔ مرد کی رضامندی۔ پنجم۔ عورت کے کنبہ کی یعنی جو عورت کا ولی ہے اس کی رضامندی۔ اِس آخری شرط کے مطابق میاں نے اپنی بی بی سے مصالحت کے بعد پیغام بھیجا کہ چونکہ آپ کی رضامندی ضروری ہے اِس لئے آپ بیٹھیں تا یہ معاملہ طے ہو جائے۔ اِس پر اس نے بہنوئی کو سخت سُست کہلا بھیجا اور کہلا بھیجا اور کہا کہ میں ہرگز اپنی بہن کو اَب تجھ سے نکاح نہ کرنے دوں گا۔ اِس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جب میاں بیوی راضی ہیں تو تمہیں روکنا نہیں چاہیئے۔

مذکورہ بالا بیان سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ مخفی در مخفی نکاح یا عربی زبان میں عورتوں سے نکاح کر لینا شریعت نے جائز نہیں رکھا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۹۔ اپریل ۱۹۰۹ء)

فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ : تو اَب نہ روکو اُن کو کہ نکاح کر لیں اپنے خاوندوں سے۔ (فصل الخطاب حصہ اوّل صفحہ ۵۰)

اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ : اپنے پہلے خاوندوں سے۔

فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ : عدت پوری ہونے کے قریب ہو جائے۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۳)

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۚ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۗ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۗ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ : چونکہ اکثر ایسی مطلقہ بھی ہوتی تھیں جن کی گود میں بچہ دُودھ پینے والا ہوتا اِس لئے دُودھ پلانے کے متعلق بھی فیصلہ ہونا چاہیئے تھا جو یہاں بیان کر دیا کہ اوّل تو مائیں ہی دُودھ پلائیں۔

لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا : یہ بات خوب یاد رکھو کہ اسلام جو قاعدہ سکھائے گا وہ انسان کے قوای روحانیہ وعقلیہ ومشاہدہ وتجربہ کے خلاف ہرگز نہ ہوگا۔ جس چیز کی برداشت انسان کی قوت نہیں کر سکتی اس قوت کے متعلق کوئی حکم نہ ہوگا۔ رمضان کا روزہ ہے تو بیمار ومسافر کے لئے حکم ہے کسی اور دن میں رکھ لیں۔ ایسا ہی دُودھ پلانے والی اور حاملہ اور بُوڑھے آدمی کے لئے اجازت ہے کہ وہ

کھانا دے دیا کرے کیونکہ اسے پھر رکھنے کی امید نہیں۔ پھر نماز ہے اِس کے لئے اجازت ہے وضو کرکے نہیں پڑھ سکتے تو تیمم کرکے۔ اُٹھ کے نہیں پڑھ سکتے تو بیٹھ کے پڑھ لیں۔ بیٹھ کر نہیں تو لیٹ کر۔ اِن سب باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے احکامِ شریعت میں انسان کی برداشت کو مدِّنظر رکھا ہے۔ اِسلام میں کوئی مسئلہ تثلیث کی مانند نہیں کہ ایک۔ ایک۔ ایک کو ایک ماننا پڑتا ہو۔ نہ کفّارہ کا مسئلہ ہے کہ بدی کا اِرتکاب کرے زیدؔ اور سزا دی جائے بکرؔ کو۔ نہ اس میں یہ بات ماننی پڑتی ہے کہ انگور کا پانی اور روٹی واقعی مسیح کا لہو بن جاتا ہے نہ اس میں بُت پرستی ہے جو بہت ہی بودا عقیدہ ہے۔ کیونکہ جب کُل چیزیں انسان کی خادم ہیں اور وہ مخدوم نہیں بن سکتیں تو معبود کس طرح بن سکتی ہیں۔ باوجود اِس تعلیم کے مَیں نے اکثر بدمعاش شریر النفس لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ بدکاری کے بعد یہ عُذر کرتے ہیں کہ خدا نے مجھ سے ایسا کروا دیا ؎

در کوئے نیک نامی مارا گذر ندادند ❊ گر تو نمے پسندی تغییر کُن قضا را

اگر یہ جواب صحیح ہو تو پھر تمام رسالتیں باطل ٹھہرتی ہیں اِسی واسطے فرماتا ہے:

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا۔ (البقرۃ : ۲۸۷)

عَنْ تَرَاضٍ مِّنْھُمَا وَ تَشَاوُرٍ: اگر دونوں باہمی رضامندی اور باہمی مشورہ سے دُودھ چھڑا دیں تو کوئی گناہ نہیں۔

وَاتَّقُوا اللّٰہَ: بس اصل حقیقت تو یہ ہے کہ خواہ جہاد کے مسئلے ہوں یا تمدّن و معاشرت کے، ان میں بہرحال تقوٰی مدِّنظر رکھو۔ اب متّقی بننے کا ایک گُر بتایا۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ: جب تم کوئی کام کرو۔ کوئی بھی ہو۔ اصولاً تین نوع میں کُل کام آسکتے ہیں۔ غضب و انتقام ایکؔ۔ غرض دنیوی۔ حرص دوؔ۔ شہوت شجاعت تینؔ۔ سب میں یہ بات یاد رکھو کہ تم پر کوئی حکمران اور نگران ہے۔ تمام افعال و اقوال میں اگر انسان اِس دستور العمل کو نگاہ رکھے تو متّقی بن جاوے۔

(ضمیمہ اخبار بدرؔ قادیان ۲۹ ؍ اپریل ۱۹۰۹ء)

۲۳۵ وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِھِنَّ اَرْبَعَۃَ اَشْھُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا

بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۵﴾

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ : تین صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ حاملہ ہو۔ اِس صورت میں دوسرا نکاح نہ کرے جب تک بچہ نہ جن لے۔ دوم یہ کہ حاملہ نہ ہو اس صورت میں چار ماہ دس دن انتظار کرے۔ بصورت فوتید گی شوہر اور بصورت طلاق دینے کے۔ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ یہ سب اِس لئے کہ شاید حمل ہو تو اس مدت میں پتہ لگ جاتا ہے یا پچھلے تعلقات زناشوئی کا لحاظ مقصود ہے۔

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ : بیوہ کے نکاحِ ثانی کے متعلق اکثر مسلمان تامل کرتے ہیں۔ یہ رسم بہت ہی بُری رسم اور اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کے خلاف ہے۔ سادات میں سے وہ عورت جس پر کُل سادات کو فخر ہے جس سے سیدوں کی اولاد چلی بیوہ تھی۔ مقتول کی عظمت کا سلسلہ بھی جہاں سے شروع ہوتا ہے ان کے مورثِ اعلیٰ کی بیوی بھی بیوہ تھی۔ جیسا کہ نسل بڑھانے کا عضو مرد کے ساتھ ہے عورت کے ساتھ بھی ہے۔ کھانے پینے پہننے کی خواہش اگر مرد میں ہے تو عورت میں بھی ہے۔ اگر عورت کسی کی سخت بیمار ہو تو مرد کو دوسرے نکاح کی فکر پڑ جاتی ہے اور عورت کے مرنے پر تو کوئی مرد نہیں جو عزم کرے کہ میں نکاح نہیں کروں گا۔ اگر کوئی ایسا ہو تو میں اسے سلیم الفطرت مرد نہیں سمجھتا۔ غرض نکاحِ ثانی سے مرد کی ناک نہیں کٹتی تو عورت کی کیوں کٹنے لگی۔ اِس بد رسم کا اثر میں نے اپنے طبّی پیشہ میں بہت دیکھا جہاں کئی شریف زادیاں اسقاطِ حمل کی دوائیاں پوچھتی پھرتی ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۹ اپریل ۱۹۰۹ء)

۲۳۶۔ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ

سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۥ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ۥ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۥ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ (۲۳۶)

وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ: اِس حکم کی عدم تعمیل میں بھی بدذاتی سے کام لیا گیا ہے اور اکثر مُلّاں باوجود اِس نصِ صریح کے ایّامِ عدّت میں نکاح پڑھ دیتے ہیں۔ پوچھو تو کہتے ہیں صرف روک کے لئے تاکہیں کسی اَور جگہ نکاح نہ کرے۔ دیکھو کیسا بودا عُذر ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم ان حیلوں سے خلقت کے سامنے شاید عُہدہ برآ ہو جاؤ مگر خدا تمہارے دلی ارادوں اور منصوبوں کو خوب جانتا ہے اس کے غضب سے ڈرتے رہو۔ وہ اگرچہ بُردبار ہے مگر اس کی بُردباری یہ معنے نہیں رکھتی کہ وہ اپنے قانون کی خلاف ورزی پر باز پُرس نہ کرے گا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۹؍اپریل ۱۹۰۹ء)

۲۳۸

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۥ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۥ وَلَا

تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

بَصِيْرٌ ﴿۲۳۸﴾

وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ : باہمی نیکی ترک نہ کرو۔ (تشحیذالاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۳)

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ

وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۹﴾

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ : جہاد کا مسئلہ تھا۔ اس میں نماز کا ذکر بظاہر خلافِ ترتیب معلوم ہوتا ہے لیکن میرے نزدیک اصل ترتیب تو یہی تھی کہ جہاد کا ذکر ہو کیونکہ اوّل سے آخر تک یہی بیان چلا آتا ہے درمیان میں طلاق وغیرہ کے مسائل تو ضرورۃً آ گئے تھے۔ اور صلوٰۃِ وسطیٰ کی تاکید اس لئے فرمائی کہ جنگ دوپہر ڈھلنے کے وقت شروع ہوتا تھا اور ظہر وعصر کی نماز جمع کرنی پڑتی تھی اس لئے اس نماز کی خصوصیت سے تاکید فرمائی کہ جنگی اشغال تمہیں نماز سے نہ روکیں۔

ایک صوفی نے اِس آیت میں ایک نکتہ لکھا ہے وہ یہ کہ اللہ نے جہاد کے بیان میں خانہ داری کے امور کا بیان کرتے کرتے نماز کا بھی ذکر کر دیا گویا سمجھایا کہ جیسا ہم نے ان جہاد کے مسئلوں کے درمیان طلاق وغیرہ کے ضروری مسئلے بیان کر دئے اسی طرح تم بڑے بڑے ضروری کاموں میں نماز کو درمیان رکھ لیا کرو اور اسے قضا نہ کر دینا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۹۔ اپریل ۱۹۰۹ء)

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚۖ

وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ

فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ

مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۔ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۴۱﴾

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ : یہ بھی جہاد ہی کی بات ہے کیونکہ آخر مسلمان بھی مقتول ہوتے تھے۔ ان کی بیبیاں پیچھے رہ جاتیں۔ ان کے لئے وصیّت فرمائی کہ ایک سال تک نہ نکالی جاویں۔ یہ آیت چار ماہ دس دن کے حکم کے خلاف نہیں بلکہ وہ عدّت کی مدّت ہے جو عورت پر واجب ہے اور یہ بطور وصیّت اس متوفّی کے وارثوں کو حکم ہے کہ ایک سال تک اس بیوہ کو خرچ دیتے رہیں۔

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ : چونکہ لوگ بیوہ کے نکاح کے بارے میں کہتے ہیں یہ ہماری عزّت کے خلاف ہے۔ اِس لئے فرمایا کہ میرا نام عزیز ہے۔ مَیں سب سے زیادہ عزّت والا ہوں۔ مَیں یہ حکم دیتا ہوں اور لوگ کہتے ہیں کہ بیوہ کا نکاح نامناسب ہے۔ اِس لئے فرمایا ہم حکیم ہیں ہر قسم کی حکمت کو خوب سمجھتے ہیں اِس لئے یہ حکم دیا جو نامناسب نہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۹ اپریل ۱۹۰۹ء)

مَتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ : ایک سال تک خود نہ نکالے گو وہ ۱۰ دن ۴ ماہ بعد اپنی مرضی سے نکل سکتی ہے۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۳)

رکوع ۳۲

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ هُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۔ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۛ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ۔ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۴﴾

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ : اِس آیت کے متعلق بہت سے اختلاف ہیں مگر مَیں جو معنے کروں گا وہ کامل یقین اور پورے اِنشراحِ صدر کے ساتھ ہیں۔ اِسی آیت کے اخیر میں فرمایا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ

النَّاسِ لَا یَشْکُرُوْنَ ۔ اللہ کے آدمی پر بڑے بڑے احسان ہیں۔ پہلے ہم کو انسان پیدا کیا۔ اگر کُتے اور سؤر بنا دیتا تو ہم کیا دخل دے سکتے تھے۔ پھر چُوہڑے چمار بنا دیتا تو ہم کیا دخل دے سکتے۔ پھر کمزور قوموں میں پیدا کر دیتا تو ہمارا کیا بس تھا۔ پھر ماں کے پیٹ سے نکل کر ہم پاگل ہو جاتے یا اندھے یا بہرے یا گونگے یا اپاہج تو ہمارا کیا زور تھا۔ دیکھو اس کا ہم پر کیسا فضل ہے کہ معدوم سے موجود کیا۔ موجود ہوئے تو آدمی بنایا۔ میرے ایک دوست ذلیل قوم سے تھے ان کو اِس بات کا رنج تھا۔ وہ مجھے کہتے جب ہم وہ پیشہ چھوڑ چکے جو ذات کا موجب تھا تو پھر لوگ ہمیں کیوں حقارت سے دیکھتے ہیں۔ مَیں نے کہا میرے نزدیک تمہارا ہی قصور ہے۔ یہ لقب تمہارا کسی تمہاری مخفی بدکاری کا نتیجہ ہے جو اِس زمین میں تم لوگوں نے کی۔ اگر تم اس لعنتی سرزمین کو چھوڑ کر سَو میل دُور چلے جاتے تو کم از کم لوگ تمہیں شیخ تو کہتے۔ اِس پر وہ بولا کہ یہاں ہماری حویلیاں ہیں۔ یہ ہے۔ وہ ہے۔ مَیں نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تمہیں ان بدکاریوں سے کچھ تعلق ہے۔

یوسفؑ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا پاک معاملہ تھا۔ جس ملک میں وہ رہتا (تھا) ان کے لئے ترقی کے سامان نہ تھے۔ اللہ نے انہیں ایک عجیب تدبیر سے مصر پہنچایا۔ وہاں جب پہنچے تو ان کی نیکی۔ نیک نیتی۔ عاقبت اندیشی۔ علم و دیانت۔ شجاعت ایسی تھی کہ مقربانِ بارگاہِ بادشاہی سے بنا دیا۔ خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اَب بھی جو بچہ ان خصلتوں کو لازم پکڑے گا ان مدارج کو پہنچے گا جن پر یوسفؑ پہنچایا گیا۔ چنانچہ سُورۂ یوسف (آیت: ۲۳) میں فرماتا ہے وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّہٗٓ اٰتَیْنٰہُ حُکْمًا وَّ عِلْمًا ؕ وَکَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۔

پس اِنہی حضرت یوسفؑ کے طفیل بنی اسرائیل مصر میں آباد ہوئے۔ مَیں نے بارہا بتایا ہے کہ جب خدا کے فضل سے کوئی قوم مالدار اور آسودہ حال ہوتی ہے اور اسے عزت۔ مکان۔ اولاد۔ صحت و عافیت۔ جتھا مِل جاتا ہے تو وہ خدا کو بُھلا دیتی ہے۔ کبھی تو اس کے افراد علموں پر گھمنڈ کرتے ہیں چنانچہ ایک نے کہا اِنَّمَآ اُوْتِیْتُہٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ (القصص: ۷۹) ہم مولوی فاضل ہیں یا حکیم ہیں یا مدبر ہیں اِس لئے ہم کو یہ کامیابی ہوئی اور کبھی مال و منال۔ جاہ و جلال پر غرہ کرتے ہیں۔ جب قوم کی یہ حالت ہو جاتی ہے تو پھر اس کا تنزل شروع ہو جاتا ہے پھر بعض کی تو قطع نسل ہو جاتی ہے اور وہ بالکل بے نام و نشان ہو جاتے ہیں اور بعض حاکم سے محکوم بن جاتے ہیں اور ان کا نام عزت سے نہیں لیا جاتا۔

بنی اسرائیل پر جب یہ زمانہ آیا تو وہ خدا کے احکام کو بھول گئے اور خدا نے ان پر ذلت و

مسکنت لیس دی۔ بیگاروں میں پکڑے جاتے۔ پزاوے پکانے کا کام ان کے سپرد ہؤا۔ ایک صوفی لکھتا ہے کہ انسان کا قاعدہ ہے کہ جب اس کے پیٹ میں درد ہو تو پہلے وہ اپنی تدبیروں سے کام لیتا ہے۔ مثلاً فاقہ کرتا۔ پھر گھر میں جو سیانا ہو اس کی رائے پر چلتا۔ پھر اپنے محلہ کے حکیم سے مشورہ لیتا ہے پھر اس طبیب سے جو بڑا ہو یہاں تک کہ پھر کسی اور مشہور طبیب کی طرف رجوع کرتا ہے جو کسی دوسرے شہر میں ہو۔ آخر یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ پھر وہ اس ملک کو چھوڑ کر محض علاج کی خاطر دوسرے ملک میں چلا جاتا ہے جب وہاں بھی کچھ نہیں بنتا تو پھر کسی خدا رسیدہ کے قدموں پر گرتا ہے جب وہاں سے بھی مایوسی ہو تو پھر پکار اٹھتا ہے لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (الانبیآء: ۸۸) تب خدا کی رحمت کا دریا جوش مارتا ہے اور وہ اسے شفا دیتا ہے۔ اسی طرح بنی اسرائیل کی حالت جب یہاں تک پہنچی تو انہوں نے خدا کے حضور تضرع کیا اور موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ وہ انہیں اس ملک سے نکال لائے۔ وہاں ان کے لئے کیا تھا؟ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ (البقرہ: ۵۰) اولاد کو ذبح کرنے اور عورتوں کو بے پردہ کرنے کی تجویزیں تھیں۔ پس یہ حَذَرَ الْمَوْتِ تھا جس سے ہزار و ہزار اس ملک سے نکلے۔

اب موسیٰؑ نے ان کو حکم دیا يَا قَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِىْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ (المائدۃ: ۲۲) مگر انہوں نے بے ادبی سے کہا کہ وہ زور آور ہیں ہم سے تو مقابلہ نہیں کیا جاتا۔ جاؤ تم اور تمہارا خدا لڑو۔ اس پر اللہ نے فرمایا ہم نے تمہیں زندہ قوم بنانے کے لئے اپنے نبی کی معرفت یہ حکم دیا تھا نہیں مانتے تو جاؤ۔

مُوْتُوْا: ہلاک ہو جاؤ۔ اس پر ان پر وہ حالت طاری ہوئی جو ۶ پارہ سورہ مائدہ رکوع ۴ میں درج ہے اور وہ موسیٰؑ کی دعا کا اثر تھا جو انہوں نے ان الفاظ میں کی۔ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ (المائدۃ: ۲۶) قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً يَتِيْهُوْنَ فِى الْاَرْضِ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ (المائدۃ: ۲۷) کہ چالیس سال خراب خستہ حال مارے مارے جنگلوں میں پھرتے رہیں۔ چنانچہ جب یہ لوگ جو بے ادبی میں شامل تھے ہلاک ہو چکے اور چالیس سال میں ان کے بچے جوان ہوئے یا وہ لوگ رہ گئے جو بے ادبی میں شریک نہ تھے۔

ثُمَّ اَحْيَاهُمْ: ان کو زندہ قوم بنا دیا۔

ھُمْ سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ وہی مر کر زندہ ہوئے بلکہ متکلم مخاطب غائب کا ضمیر اس کے مثیل کی طرف بھی پھرتا ہے۔ متکلم کی مثال سُنئے۔ مَا قُتِلْنَا ھٰھُنَا (اٰل عمران : ۱۵۵) ہم اس جگہ مقتول نہ ہوتے۔ حالانکہ جو قتل ہو چکے ہیں وہ کس طرح بول سکتے تھے۔ مراد اُن کے مثیل ہیں۔ مخاطب کی مثال وَ اِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَھْرَۃً (البقرۃ:۵۶) غائب کی مثال مَا یُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا یُنْقَصُ مِنْ عُمُرِہٖ (فاطر: ۱۲) جس کی عمر بڑھائی گئی اُسی کی گھٹانے کا ذکر بظاہر معلوم ہوتا ہے مراد اس کا مثیل ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۹ ر اپریل ۱۹۰۹ء)

آیت ۱۹۵

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ

سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۴۵﴾

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ : دشمن کا مقابلہ کرو مگر اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے نفسانی غرض شامل نہ ہو۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۹ ر اپریل ۱۹۰۹ء)

آیت ۲۴۶

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا

فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗٓ اَضْعَافًا کَثِیْرَۃً ؕ وَاللّٰہُ یَقْبِضُ وَ

یَبْصُۜطُ ۪ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۶﴾

یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا : قرض کے لفظ پر بعض نادانوں نے اعتراض کیا ہے کہ مسلمانوں کا خدا مُفلس ہے جو اپنی مخلوق سے قرض مانگتا ہے ایسے لوگوں کو کہنا چاہیئے کہ گورنمنٹ بھی بنک میں روپیہ لیتی ہے تو کیا وہ غریب ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ ہر چہ گیرد علّتے عِلّت شود کے ماتحت اِس لفظ کے معنے بھی ہمارے ملک میں آکر بگڑ گئے۔ قرض کے معنے ہیں مال کا حِصّہ کاٹ کر دینا۔ مقراض اِسی سے نکلا ہے۔ پس اب اِن معنوں پر کوئی اعتراض نہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر ۲۹ ر اپریل ۱۹۰۹ء نیز تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹)

قرض کے معنی : اَلْقَرْضُ وَيُكْسَرُ مَا سَلَّفْتَ مِنْ اِسَاءَةٍ اَوْ اِحْسَانٍ وَمَا تُعْطِيْهِ لِتُقْضَاهُ - وَاَقْرَضَهُ اَعْطَاهُ قَرْضًا - وَقَطَعَ لَهُ قِطْعَةً يُجَازِيْ عَلَيْهَا (قاموس اللغة) پہلے معنی کے لحاظ سے ایسے فعل کا نام قرض ہے جس کا بدلہ ہم نے پانا ہے۔ یہ قرضہ دو قسم کا ہوا کرتا ہے۔ ایک بُرا اور ایک بھلا۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (پ انعام) یعنی کون ہے جو صرف اللہ کے واسطے اچھے اعمال کرے۔ پس اللہ تعالےٰ اس کو اس کا بڑھا کر اجر دے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهٗ لَهٗ اللہ تعالیٰ اس دینے والے کو اس کے اجر میں بہت بڑھا کر دیتے ہیں۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ ہر ایک نیکی کا بدلہ بڑھ چڑھ کر دیتا ہے۔ دوسری ایک آیت اس کی تصریح کرتی ہے اور وہ یہ ہے اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ (پ بقرہ) ترجمہ۔ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے والے کی مثال اُس دانہ کی ہے جس نے سات بالیاں نکالیں ہر بالی میں سَو دانے۔ اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے اس سے بھی بڑھ چڑھ کر دیتا ہے .....

قرآن مجید میں صاف موجود ہے لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا (پ آل عمران) یعنی کافر ہیں جنہوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں کیا معنی؟ ہم ان کی بات کو محفوظ رکھیں گے۔ اور فرمایا يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ (پ فاطر) اے لوگو تم اللہ کے محتاج ہو اور اللہ ہی غنی ہے .....

قرآنی صداقتیں تو ہر جگہ اور ہر وقت نمایاں ہیں۔ کیا جو شخص پرامیسری نوٹ لیتا یا سیونگ بینک میں ایک غریب سُود خوار اپنا روپیہ رکھتا ہے ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ گورنمنٹ غریب ہے۔ ہرگز نہیں۔

رہی یہ بات کہ خدا کے سپرد کیا ہوا مال بڑھتا ہے یا نہیں؟ اِس امر کی صداقت تمام جہان کو کھیتوں کے نظارہ سے ظاہر ہو جاتی ہے کہ ایک ایک دانہ سے کتنا غلّہ حاصل ہو جایا کرتا ہے۔ یہی مطلب ہے اِس آیت کا جس میں لکھا ہے مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (پ بقرہ) اس کا ترجمہ ہوا۔ کون ہے جو اللہ کے حضور اعلیٰ نیکی کرے (یا اس کی رضا کے لئے مال دے) بڑھا کر دے گا اس کے لئے اللہ تعالیٰ اور اللہ لیتا ہے اور بڑھاتا ہے اور اسی کی طرف

تم جاؤ گے اور بدلہ پاؤ گے۔ (نور الدین (ایڈیشن سوم) صفحہ ۲۰۹)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَاءِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسٰى ۘ إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ۖ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا ۖ قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَاءِنَا ۖ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِالظّٰلِمِينَ ﴿۲۴۷﴾

مِنْ بَعْدِ مُوسٰى: مِنْ بَعْدِ سے صاف ظاہر ہے کہ پہلا واقعہ موسیٰؑ کے زمانہ کا ہے۔
قَالُوا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ: اس زمانہ میں جو رُوحانی بادشاہ ہوتا اُسے نبی[1] کہتے۔ اِس قصہ میں اللہ مسلمانوں کو سمجھاتا ہے کہ ایک وقت آئے گا تم میں بھی روحانی بادشاہ الگ ہوجاویں گے اور جسمانی الگ۔ چنانچہ ابوبکرؓ و عمرؓ مدینہ کی خلافت تک روحانی و جسمانی بادشاہ اکٹھے رہے پھر مُلک[2] الگ منتخب ہوتے رہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۹ر اپریل ۱۹۰۹ء
تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۳)

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ

---

[1] عبرانی زبان میں [2] مُلک: بادشاہ

طَالُوْتَ مَلِكًا، قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَ

نَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ،

قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ

وَالْجِسْمِ، وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ، وَاللّٰهُ وَاسِعٌ

عَلِيْمٌ ﴿۲۴۸﴾

وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ : یہ بہت سوچنے کی بات ہے کہ خدا کے انتخاب پر آدمؑ سے تا ایں دم ایک اعتراض ہوتا چلا آیا ہے۔ پہلے آدم پر اعتراض کیا گیا پھر داؤدؑ کا ذکر کہ دُشمن قلعہ کی دیواریں پھاند کر چڑھ آئے مگر خدا تعالیٰ فرماتا ہے یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ (صٓ:۲۷)

ہماری سرکار پر بھی اعتراض ہوُا کہ قرآن عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (الزخرف:۳۲) پر کیوں نہ اُترا۔ پھر ہمارے امام پر بھی کم اعتراض نہ ہوئے۔ لوگ کہتے رہے کہ اَلْاَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ امامت بنو فاطمہ کا حق ہے مُغلوں کو کیوں دی؟ ایک شخص نے مجھے کہا پنجاب کے ایک کور دِہ کا رہنے والا ہے۔ کم از کم دہلی کا تو ہوتا۔ جواب دیتا ہے کہ زَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ یہ علم و قوّت میں تم سے بڑھ کر ہے اس کو نہیں مانتے تو کم از کم یہ خیال تو کرو کہ اللہ تم سے وسیع عِلم والا ہے اور یہ اس کا اِنتخاب ہے۔ وہ مالک ہے جسے چاہے سلطنت دے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۶؍مئی ۱۹۰۹ء)

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ

التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ

اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾

پھر ایک اور نشان بتایا کہ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ تمہیں ایسے دل (قلب) عطا ہوں گے کہ ان میں تسلی ہوگی۔ یعنی اس کے زمانے میں لوگوں کے قلوب میں ایک خاص سکینت و اطمینان نازل ہوگا۔

بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ : اور یہ وہی قوتِ قدسیہ کا اثر ہے جو موسیٰ و ہارونؑ کی اولاد میں ورثہ بہ ورثہ چلا آیا ہے کہ لوگ ان کے ساتھ آرام پاتے اور ان کے ساتھ وابستہ ہو جاتے ہیں اور خود بخود لوگوں کے دِل ان کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ انہیں ایک خاص جذب دیا جاتا ہے۔ ان کی تقریر میں ایک خاص اثر ہوتا ہے۔ جب وہ کسی امر میں فیصلہ دیتے ہیں تو دشمن بھی اس وقت مان جاتے ہیں۔

تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ : اِس میں کچھ شک نہیں کہ دلوں کا اُٹھانا فرشتوں کا کام ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۶ رمئی ۱۹۰۹ء)

يَاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ : تابوت کے معنی دِل کے ہیں۔ نووی شرح مسلم میں اس کی شہادت ہے۔ بخاری میں ہے التابوت با لقلب۔ قرآن حل کرتا ہے اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ (الفتح : ۵)۔

فَاِنَّهٗ مِنِّيْ۔ اَنْتَ مِنِّيْ وَاَنَا مِنْكَ کے معنی حل ہوتے ہیں۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۳)

اللہ نے طالوت کو تمہارے لئے بادشاہ مقرر کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہم سب پر اسکی بادشاہی کیونکر ہو سکے گی بلکہ ہم اس کی نسبت بادشاہی کے زیادہ حقدار ہیں اور اس کے پاس مال کی طرف سے کوئی وسعت نہیں۔ اُس نے کہا اللہ نے اسے تم پر چن لیا اور اُسے علم و جسم دونوں میں کشائش دی ہے۔ (تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۱۲۸)

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ

مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ وَ

مَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ

بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ

هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ

بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ

مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ

بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۵۰﴾

جہاد کی کامیابی اِس بات پر منحصر ہے کہ فی سبیل اللہ ہو اور سپاہی اپنے آفیسروں کی فرمانبرداری کریں۔ حدیثوں میں آیا ہے کہ بعض موقعہ پر امتحان لینا منع ہے لیکن اِس بات کی مثالیں بھی موجود ہیں کہ بعض موقعوں پر امتحان لے لینا چاہیئے۔ یہاں اِس صورتِ آخرہ کی مثال اِس آیت میں ہے.....

فَلَمَّا فَصَلَ : شہر سے جُدا ہوئے۔

اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ : ابتلاء کہتے ہیں اس امر کو جس کے ذریعے فرمانبردار اور نافرماں بردار، کچے اور پکے میں اِمتیاز ہو جاوے۔ جب طالوت ایک فوج لے کر چلے تو کئی تماش بین بھی ساتھ ہو لئے اِس لئے آپ نے ایک امتحان میں ڈالا تا جو حقیقی فرمانبردار ہیں وہ میرے ساتھ رہیں۔

نَهَرٌ : اِس کے دو معنے ہیں ایک تو نہر۔ دوم آرام و آسائش۔ چنانچہ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ (القمر: ۵۵) میں نَہَر کے معنے آسائش کے ہیں۔ نَہر کے معنے ہوں تو کیا متقی نہر میں ڈوبے رہیں گے؟

فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ : اس جنگل میں شہد بہت تھا پس جب نَهَر کے معنے آسائش

کے ہوں تو اس سے مراد شہد کا پینا ہے۔

اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْھُمْ : ایک علم ہوتا ہے ایک عمل ۔ شنیدہ کے بود مانند دیدہ! لَیْسَ الْخَبَرُ کَالْمُعَایَنَۃِ ! رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوسفؑ کے معاملہ میں (جب ان کے پاس چوبدار آیا کہ بادشاہ تمہیں بلاتا ہے اور وہ نہ گئے) فرمایا کہ اگر میں ہوتا تو چلا جاتا مگر خود جب مسجد سے قریب اپنی ایک بیوی کے ساتھ کھڑے تھے اور پاس سے کچھ آدمی گزرے تو آپؐ نے انہیں روک لیا اور کہا دیکھو یہ میری بیوی صفیہ ہے !!

یَظُنُّوْنَ : یقین کرتے ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۶ رمئی ۱۹۰۹ء)

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۵۱﴾

صَبْرًا : یہاں صبر کے معنے اِستقلال کے ہیں۔ حدیث میں صبر کی دعا منع ہے کیونکہ جو صبر مانگتا ہے (گویا وہ۔ مرتّب) بلا مانگتا ہے۔ ہاں ضرورت کے وقت استقلال کی دعا ممنوع نہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۶ رمئی ۱۹۰۹ء)

فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۲﴾

قَتَلَ دَاؤدُ جَالُوتَ : یہ ایک مقام ہے جس پر بعض نادانوں کو تاریخی طور پر اعتراض کرنے کا موقع ملا۔ پہلا اعتراض یہ ہے کہ جس ندی پر آزمائش ہوئی تھی وہ جدعون کے زمانے کی بات ہے۔ جہاں داؤد و جالوت کی لڑائی کا ذکر ہے وہاں ندی کا ذکر نہیں بلکہ جدعون اور طالوت میں ۱۵۶ سال کا فرق ہے۔ دوسرا اعتراض تابوتِ سکینہ کے متعلق ہے کہ داؤد اور جالوت کی لڑائی سے بیس سال پہلے عمالیق لوگ صندوق لے گئے تھے۔ ان میں مَری پڑ گئی تو ان کو وہم ہو گیا کہ ہو نہ ہو اسی صندوق کی نحوست ہے اِس لئے انہوں نے اس صندوق کو ایک چھکڑے پر لاد کر بیلوں کو ہانک دیا۔ ساؤل ایک شخص تھا۔ اس کی زمین پر یہ چھکڑا جا ٹھہرا۔ کہتے ہیں یہ بیس برس پہلے کی بات ہے۔

تیسرا اعتراض۔ کوئی ندی وہاں نہ تھی جہاں داؤد و جالوت کی لڑائی ہوئی۔

اِن تینوں اعتراضوں کے جواب میں یہ کہتا ہوں کہ ہم نَھَر کے معنے آرام و آسائش کے کرتے ہیں۔ پس ندی کے موجود نہ ہونے کا اعتراض ختم ہُوا۔

دوّم یہ کہ یہ باتیں تم نے سموئیل کی کتاب باب ۱۷ سے لی ہیں اسی سموئیل کے باب ۹، ۱۰ میں لکھا ہے کہ داؤد بربط نوازوں میں نوکر تھا۔ پھر لکھا ہے کہ داؤد اپنے بھائی کی روٹی لیکر آیا وہاں ایک عملیقی کے ساتھ جھگڑا دیکھا۔ یہ نوجوان تھے۔ بول اُٹھے۔ مَیں اس کا مقابلہ کرتا ہوں۔ اس پر سموئیل نے کہا کہ یہ کون ہے۔

دیکھیئے۔ پہلے تو اسے بربط نواز بتایا پھر یہ کہ بادشاہ کو معلوم ہی نہیں تھا کہ یہ کون ہے۔ پھر لکھا ہے کہ اس نے کہا جو نامختون سے مقابلہ کرے مَیں اُسے لڑکی دوں گا اور (پھر) اپنی زِرہ نکال کر دی۔ اِس اختلاف کو دیکھ کر محققینِ یورپ نے فیصلہ دیا ہے کہ سموئیل کا باب ۱۷ الحاقی ہے۔

پس جن کی اصلیّت خود ہی مُشتبہ ہے ان سے قرآن پر اعتراض صحیح نہیں۔

پھر ہم پوچھتے ہیں تمہاری تاریخوں میں طالوت کا لفظ کہاں ہے؟ پس یہ کہنا کہ اس کا نام ساؤل تھا یا نہ تھا فضول ہے! کیونکہ قرآن شریف نے ان میں سے کسی کا نام ہی نہیں لیا جہاں طالوت کا ذکر ہے وہاں جالُوت کا نہیں اور جہاں جالُوت کا ہے وہاں طالوت کا نہیں۔

پس دونوں کا زمانہ متحد کہاں سے ثابت ہُوا۔ پھر ہم کہتے ہیں طالوت کے معنے ہیں لمبے قد والا۔ بائبل میں بھی لمبے قد والا ہی لکھا ہے پس یہ نام نہیں۔ ایسا ہی جالوت اس کو کہتے ہیں

جو میدان میں جولان کرے۔ پس اِس طرح کوئی اعتراض نہیں رہتا کیونکہ یہاں کسی کا نام ہے ہی نہیں۔ پھر ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ داؤد کا مقابلہ جہاں ہؤا وہاں شورق نام ندی ہے۔ پُرانے جغرافیے جو ہیں ان میں اس کا موقع موجود ہے۔ پھر آخری فیصلہ کے طور پر ہم کہتے ہیں کہ تمام صحیح قرآنوں میں فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ پر وقف ہے۔ پس وہ قصّہ الگ ہے اور یہ الگ۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ : کئی موقعہ پر مَیں اِس کی تفصیل کر چکا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے خود اپنی مرضی سے جہان میں اختلاف رکھا ہے اور اسی پر کارگاہِ عالَم کا دارومدار ہے۔ اگر جہان میں سب اِسی خیال کے ہوں کہ بھنگی کا کسب بُرا ہے تو اعلیٰ قوموں کی زندگی وبالِ جان ہو جاتی۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۶ رمئی ۱۹۰۹ء)

یہاں (فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ کے بعد۔ مرتّب) وقف لکھا ہے اور اِس بات کا اشارہ ہے کہ قصّہ تمام ہؤا اور آگے اَور قصّہ شروع کیا۔

قَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ : ایک میدان میں آنے والے کو داؤد نے بھی قتل کیا تھا۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۳)

وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ : عربی میں غالباً جب نکرے کا اعادہ ہوتا ہے تو وہ پہلا مراد نہیں ہوتا۔

(فصل الخطاب (ایڈیشن دوم) جلد اوّل صفحہ ۲ ۱)

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا

جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۫ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾

مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ : کلام تو سب پیغمبروں سے ہوا مگر بعض کو مخصوص، بوجہ کثرت کلام کیا۔

الْبَيِّنٰتِ : کھلی باتیں۔ عیسٰیؑ کی تعلیم اخلاق کی تھی اور اخلاقی رنگ کا وعظ ہر مذہب میں مقبول ہوتا ہے اِس لئے اسے بَيِّنٰت فرمایا۔

وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ : اس اخلاقی تعلیم کو اپنی پاک کلام سے مؤید کیا۔ رُوح القدس کبھی کلام لانے والے فرشتے کو بھی کہتے ہیں مگر عام معنے یہی ہیں۔ پاک کلام۔

قرآن شریف میں ہے وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا (الشورٰی: ۵۳) ایک دوسری جگہ فرمایا يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ (النحل: ۳)

مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ : یعنی اگر کوئی لڑائی کرتا تو ہم اس کے ہاتھ کو شل کر دیتے۔ بد زبانی کرتا تو زبان بند کر دیتے۔ مگر بندوں کو اللہ نے نہ مجبور پیدا کیا اور نہ ان کے اختیارات کو چھینا بلکہ مقدرت عطا کی ہے۔

وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا : جب خدا نے جبر نہ کیا۔ اختیارات نہ چھینے تو ان لوگوں نے تو اس مقدرت کے سبب شرارتیں کیں۔ ہم زور سے کام لیتے تو وہ نہ لڑتے مگر جب ہم نے ہدایت پر مجبور نہ کیا تو لڑنے اور گمراہی پر کیوں مجبور کرنے لگے۔

فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ : مگر کچھ ایسے تھے جنہوں نے ایمان کے مطابق عمل کیا۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ : بعض ایسے تھے جنہوں نے امن میں خلل ڈالا۔ امن کی تعلیم کا انکار کیا۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا : جنابِ الٰہی تو ایسی طاقت رکھتے ہیں کہ ان لوگوں کو یہ قدرت

نہ دیتے۔ مگر وہ ایسا نہیں کرتے کیونکہ وہ جبر کرنے والا نہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۶ مئی ۱۹۰۹ء)

فَضَّلْنَا : بحث فضیلت باعتبار تعلقاتِ روحانی۔ وخدماتِ دینی۔ اللہ کو علم ہے۔

اٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ : یہ سورۃ مدنی ہے۔ یہود کے خلاف مسیح کی فضیلت کا اظہار ضروری تھا۔

بِرُوْحِ الْقُدُسِ : کلام پاک

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ : جبراً۔ مگر اللہ نے اِنسان کے ایسے قویٰ بنائے ہیں کہ وہ اپنی مقدرت سے بعض کام کرتا ہے۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۳، ۴۴۴)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۵﴾

يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ : ایک دِن ایسا آنے والا ہے کہ وہاں نہ کوئی نئی بیع ہو سکے گی نہ خلت۔ نہ شفاعت۔ یہاں بیع۔ خلت۔ شفاعت کی مطلق نفی ہرگز نہیں ہے۔ عربی میں لَا دو طرح کے آتے ہیں۔ ایک وہ جس کے بعد تنوین آتی ہے اور ایک وہ جس کے بعد تنوین نہیں آتی۔ پہلے کی مثال یہی آیت ہے اور دوسرے کی مثال لَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ (البقرۃ : ۱۹۸) اِن دونوں لَا میں فرق ہے۔

تنوین نہ ہو تو اس کے معنے ہیں "بالکل نہیں"۔ لَا نفی جنس کا ہے اور اگر تنوین ہو تو اس سے مراد ہے بعض صورتوں میں نہیں۔ یہ لَا مشبّہ بہ لَیْسَ ہے۔ اب چونکہ یہاں تنوین ہے اِس لئے یہاں بیع کی مطلق نفی نہیں۔ اِسی لئے دوسرے مقام پر فرمایا فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ (التوبۃ : ۱۱۱) اور نہ خُلَّةٌ کی مطلق نفی ہے چنانچہ فرمایا اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ

عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ (الزخرف: ۶۸) اور نہ شفاعة کی چنانچہ اس سے آگے اِلَّا بِاِذْنِہٖ آتا ہے۔

وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ : کافر اپنی جان پر بھی ظلم کرتا ہے اور دوسروں پر بھی۔

(اخبار بدر قادیان ۶ رمئی ۱۹۰۹ء)

لَاخُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ : یہ کافر کے لئے ہے کیونکہ دوسرے مقام پر فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ (التوبة: ۱۱۱) ۲۔ اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ (الزخرف: ۶۸) ۳۔ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۴)

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿۲۵۶﴾

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ : معبود وہی ہے جس کی بات کو مانا جائے۔ پس اس کی فرمانبرداری کرو۔

اَلْقَيُّوْمُ : حافظ و ناصر۔

سِنَةٌ : کسی شخص نے اعتراض کیا تھا کہ اُونگھ سے کیا نقصان ہو سکتا ہے؟ اس کے ہاتھ میں دو شیشے دیئے گئے اور کہا گیا کہ تم اس کی حفاظت کرو۔ جب اسے نیند کا غلبہ ہوا تو اس نے

اپنے تئیں بہت روکا مگر اُونگھ جو آئی دونوں شیشے آپس میں ٹکر کھا کر ٹوٹ گئے۔

کُرْسِیُّہٗ: کُرسی کے معنے علم کے ہیں۔ بخاری میں یہ معنے موجود ہیں۔ ایک شعر بھی یاد آگیا ؎

تحف بہٖ بیض الوجوہ وعصبۃ کراسیّ بالاحداث حین تنوب

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۶ مئی ۱۹۰۹ء)

ہماری مکرم کتاب صحیح بخاری میں جسے ہم کتاب اللہ کے بعد اصح الکتب مانتے ہیں لکھا ہے کُرْسِیُّہٗ عِلْمُہٗ یعنی کُرسی کے معنے علم کے ہیں۔ پس معنی کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (پ بقرہ) یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کا علم تمام بلندیوں اور زمینوں کو وسیع اور محیط ہو رہا ہے۔

(نورالدین ایڈیشن سوم صفحہ ۹۴)

ہر ایک عیب سے پاک۔ تمام صفاتِ کاملہ کے ساتھ موصوف جس کا نام ہے اللہ۔ اس کے بغیر کوئی بھی پرستش و فرمانبرداری کا مستحق نہیں۔ دائم اور باقی تمام موجودات کا مدبّر اور حافظ جس کو کبھی سُستی۔ اُونگھ اور نیند نہ ہو۔ اُسی کے تصرّف اور مِلک اور خلق میں ہیں۔ آسمان و زمین اُسی کی ہستی اور یکتائی کو ثابت کرتے ہیں۔ کوئی بھی نہیں کہ اس کی کبریائی، عظمت کے باعث اس پاک ذات کی پروانگی کے سوا کسی کی سپارش بھی کر سکے۔ پس کسی کو مقابلہ و مماثت کی تو کیا سکت ہوگی۔ وہ جانتا ہے تمام جو کچھ آگے ہوگا اور جو کچھ گذر چکا ہے۔ موجودات کی نسبت کیا کہنا ہے۔ کوئی بھی اس کے علم سے کسی چیز کا اس کی مشیّت کے سوا احاطہ نہیں کر سکتا۔ اس کا کامل علم آسمانوں اور زمینوں پر حاوی ہے اور وہ آسمانوں اور زمینوں کی حفاظت سے کبھی نہیں تھکتا۔ وہ شریک اور جوڑے سے بلند ہے۔

(تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۲۵۳، ۲۵۴)

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵۷﴾

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ : ایک انبیاء کی راہ ہوتی ہے ایک بادشاہوں کی۔ انبیاء کا یہ قاعدہ نہیں ہوتا کہ وہ ظلم وجور و تعدّی سے کام لیں۔ ہاں بادشاہ جبر و اکراہ سے کام لیتے ہیں۔ پولیس اس وقت گرفت کرسکتی ہے جب کوئی گناہ کا اِرتکاب کر دے مگر مذہب گناہ کے ارادہ کو بھی روکتا ہے۔ پس جب مذہب کی حکومت کو آدمی مان لیتا ہے تو پولیس کی حکومت اس کی پرہیزگاری کے لئے ضروری نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جبر و اِکراہ کا تعلق مذہب سے نہیں۔ پس کسی کو جبر سے مت داخل کرو کیونکہ جو دل سے مومن نہیں ہوا وہ ضرور منافق ہے۔ شریعت نے منافق اور کافر کو ایک ہی رَسّی میں جکڑا ہے۔ غلطی سے ایسی کہانیاں مشہور ہو گئی ہیں کہ اِسلام بزورِ شمشیر پھیلایا گیا ہے۔ بھلا خیال تو کرو اگر اسلام میں جبر جائز ہوتا تو ہندوستان میں اِتنے سَو سال حکومت رہی پھر یہ ہزاروں برسوں کے مندر، شوالے اور پَتینکیں کیوں موجود پائی جاتیں؟

عالمگیر کو بھی الزام دیتے ہیں کہ وہ ظالم تھا اور بالجبر مسلمان کرتا۔ یہ کیسی بیہودہ بات ہے۔ اس کی فوج کے سپہ سالار ایک ہندو تھے۔ بڑا حصّہ اس کی عمر کا اپنے بھائیوں سے لڑتے گزرا۔ اُس کی موت بھی تاناشاہ کے مقابل میں ہوئی۔ پھر اسلام بادشاہوں کے افعال کا ذمّہ دار نہیں ہے مسلمانوں نے یہی غلطی کی کہ معترضین کے مفتریات کو تسلیم کر لیا حالانکہ اِسلام دِلی محبت و اخلاق سے حق بات ماننے کا نام ہے۔ اِسی لئے اِسلام میں جبر نہیں۔ یہ آیت ضروری یاد رکھنی چاہیئے۔ اِسلام میں ہرگز اِکراہ نہیں۔ چنانچہ پارہ گیارہ رکوع ۱۰ میں فرماتا ہے وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (یونس : ۱۰۰)

قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ : رُشد کہتے ہیں اِصَابَةُ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ یعنی واقعی بات کو پالینا اور حق تک پہنچ جانا۔ غَیّ کہتے ہیں اس حق و صواب کی جگہ سے رُک جانے کو۔ اِسلام کے چند اصول بیان کرتا ہوں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس میں رُشد و غَیّ کو کیا امتیاز سے بیان کیا ہے۔

فرمایا شرک نہ کرو۔ وعید بتلایا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ (النّسآء : ۴۹) کوئی حضرت مسیح کو پوجے یا امام حسینؓ یا سیّد عبدالقادر جیلانی کو یا درخت یا تالاب۔ پہاڑ۔ جانور کو سب برابر ہیں کیونکہ یہ سب چیزیں خادم ہیں۔ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (الجاثیہ : ۱۴) پس جو مخدوم ہونے کی بھی حیثیت نہیں رکھتی وہ تمہاری معبود کس طرح بن سکتی ہے۔ انجیل۔ وید۔ ژند و ستا بدھ کی تعلیم میں مَیں نے عظمتِ الٰہی کی یہ راہیں ہرگز نہیں پائیں۔ قرآن کا ایک رکوع مسلمانوں کو توحید

کا سبق دیتا ہے پھر بھی اگر یہ شرک میں گرفتار رہیں تو ان کی بدقسمتی۔ کیا خوب فرمایا اَغَیْرَ اللّٰہِ اَبْغِیْکُمْ اِلٰـھًا وَّ ھُوَ فَضَّلَکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ (الاعراف : ۱۴۱) تم خود جہاں والوں سے افضل اور پھر انہی میں سے کوئی چیز تمہاری معبود بنے ؟

پھر اسلام میں عام اخلاق کی نسبت دیکھو کہ شراب سے بڑی سختی کے ساتھ منع کیا کیونکہ یہ سب بُرائیوں کی جڑ ہے۔ ایک شخص ایک عورت پر عاشق ہوگیا۔ اس نے کہا وصل کی شرط میں اس بُت کی پرستش کرو۔ ۲۔ خاوند کو قتل کردو۔ شراب پی لو۔ اس نے کہا کہ ایک شراب پینا مان لیتا ہوں باقی بہت خوفناک گناہ کے افعال مَیں نہ کروں گا۔ جب شراب پی تو پھر دوسری چیزوں کا بھی مرتکب ہوگیا۔

اِسلام کا تیسرا اصول پردے کی تعلیم ہے۔ مَیں نے کسی کتاب میں جو خدا کی طرف منسوب کی جاتی ہے یہ تعلیم نہیں پائی۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ اور قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِھِنَّ (النور : ۳۱، ۳۲) مومن مرد اور عورتیں نیچی اور نیم باز نگاہیں رکھنے کی عادت ڈالیں۔

دیکھا جماع الاثم (خمر) اور حبائل الشیطان (عورت) سے کس طرح روکا۔ پھر نماز کی تاکید کی۔ جو شخص پانچ نمازوں کا پابند ہے وہ کبیرہ گناہ شراب وغیرہ کا اِرتکاب بھی نہیں کرے گا۔ پھر اسلام میں مالِ حرام سے ممانعت کی۔ شراب وغیرہ کا پینا مالِ کثیر پر موقوف ہے اور مالِ کثیر زیادہ تر طریق حرام ہی سے آتا ہے اِس لئے منع کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا ہے اَللّٰھُمَّ ارْزُقْ اٰلَ مُحَمَّدٍ قُوْتًا۔

پھر اسلام میں جزا و سزا کا مسئلہ ہے۔ یہ بھی کُل گناہوں سے روکنے والا ہے۔ پھر اسلام کا یہ اصل کہ وہ تمام پسندیدہ امور کے کرنے اور قبیحہ امور کے نہ کرنے کی ہدایت کرتا ہے جضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک موقع پر فرما رہے تھے کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ (اٰل عمران : ۱۱۱) ایک قوم نے اپنا سفیر واسطے تحقیق دینِ اسلام کے بھیجا تھا وہ یہ کلمہ سُنتے ہی واپس گیا اور اپنی قوم سے جاکر کہا سب مسلمان ہوجاؤ۔ وہ حیران ہوئے تو اس نے بتایا کہ جس مذہب کا اصل امر بالمعروف نہی عن المنکر ہو وہ کیونکر بُرا ہوسکتا ہے بلکہ اس میں نہ داخل ہونے والا بُرا ہے۔

فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ : طاغوت طغووت سے نکلا ہے۔ حدبندی سے آگے بڑھنے والے کو طاغی کہتے ہیں۔ سیلاب کو بھی طغیانی اِسی لئے کہتے ہیں کہ پانی ندی کی حدِ مقررہ سے باہر نکل کر اُچھلتا ہے۔

شریعت نے ہر بات کے لئے حد رکھی ہے پس جو اس حد سے نکلا ہے وہ طاغی ہوا اور جو

تمام حدبندیوں کو توڑ کر نکل جاوے وہ طاغوت کہلاتا ہے۔ پس جو حضرت حق سُبحانہٗ کا جو منزہ ہے تمام عیوب ونقائص سے اور جامع ہے کمالات وخوبیوں کا، فرمانبردار ہو تو فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى اُس نے بڑی مضبوط پکڑنے کی چیز کو پکڑا۔ عُروہ کہتے ہیں پکڑنے کی چیز کو۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۶ مئی ۱۹۰۹ء)

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ : دین کے معاملہ میں جبر نہیں۔ وہ کھلی چیز ہے۔ رُشد اور غیّ الگ الگ چیزیں ہیں۔ رُشد اختیار کرنے اور غیّ کے چھوڑنے میں کسی اکراہ کی ضرورت نہیں۔ اِس آیت میں تین لفظ ہیں دینؔ، رُشدؔ اور غیؔ۔

الدِّیْن : اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جو دین کی توضیح اور تفسیر فرمائی ہے وہ یہ ہے اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ۔ اللہ تعالیٰ کے حضور دین کی حقیقت اور ماہیت کیا ہے؟ اَلْاِسْلَام اپنی ساری قوتوں اور طاقتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کو لے اور اس پر رُوح اور راستی سے عمل درآمد کرے۔ دین کے متعلق جبرائیل علیہ السّلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور سوال کیا ہے اور آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو بلکہ ہم کو آگاہ کیا ہے کہ یہ جبرائیل تھا۔ اَتَاكُمْ لِيُعَلِّمَكُمْ دِيْنَكُمْ۔ پس دین کی حقیقت اور اس کا صحیح اور سچا مفہوم وہ ہوگا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس وقت بیان فرمایا۔ الاسلام کے معنے یہ ہیں۔ سر رکھ دینا۔ جان سے۔ دِل سے۔ اعضاء سے۔ مال سے۔ غرض ہر پہلو اور ہر حالت میں اللہ تعالیٰ ہی کی فرمانبرداری کرنا۔

دین کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت سی چیزیں عطا فرمائی ہیں جن کے ذریعہ ہم اس کی کامل اطاعت، فرمان پذیری اور وفاداری کا اظہار کرسکتے ہیں اور پھر ان کے وراء الورا اندر ہی اندر قویٰ پر حکمرانی کر سکتے ہیں اور ان کو الٰہی فرمانبرداری میں لگا سکتے ہیں۔ غرض دین کی اصل حقیقت جو قرآن شریف نے بتائی ہے وہ مختصر الفاظ میں کامل وفاداری، سچی اطاعت اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری ہے۔

الدّین کا پہلا رُکن یعنی الایمان۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل کے توسط سے جو کچھ صحابہؓ کو اور ہم کو سکھایا ہے وہ ان سوالات میں بیان ہوا ہے جو صحابہؓ کی موجودگی میں جبرائیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے اور جن کی اصل غرض لِيُعَلِّمَكُمْ دِيْنَكُمْ تھی۔ ان میں سے پہلا یہ ہے۔ مَاالْاِيْمَانُ؟ یارسول اللہؐ ایمان کس چیز کا نام ہے؟ فرمایا اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ ایمان کی عظیم الشان اور پہلی جُزو ایمان بِاللہ ہے اور یہ بالکل سچی بات ہے کہ ایمان کا سرچشمہ اور اس کی ابتداء اللہ پر یقین کرنے سے شروع ہوتی ہے۔ ایمان بِاللہ کیا چیز ہے؟ اللہ تعالیٰ کو جمیع صفاتِ

کاملہ سے موصوف اور تمام محامد اور اسماءِ حسنیٰ کا مجموعہ اور مسمّٰی اور تمام بدیوں اور نقائص سے منزّہ یقین کرنا اور اس کے سوا کسی شئی سے کوئی امید وبیم نہ رکھنا اور کسی کو اس کا ندّ اور شریک نہ ماننا یہ ایمان باللہ ہے۔ جب اِنسان اللہ تعالیٰ کو ان صفات سے موصوف یقین کرتا ہے تو ایسے خدا سے وہی قُرب اور تعلق پَیدا ہو سکتا ہے جو خوبیوں سے موصوف اور بَدیوں سے پاک ہوگا۔ پس جس جس قدر انسان فضائل کو حاصل کرتا اور رزائل کو ترک کرتا ہے اسی قدر وہ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے قُرب کے مدارج اور مراتب کو بڑھاتا اور اللہ تعالیٰ کی ولایت میں آتا جاتا ہے کیونکہ پاک کو گندے کے ساتھ قُرب کی نسبت نہیں ہو سکتی اور جُوں جُوں رذائل کی طرف جُھکتا اور فضائل سے ہٹتا ہے اسی قدر اللہ تعالیٰ کے قُرب سے محروم ہو کر اُس کے فیضانِ ولایت سے دُور اور مہجور ہوتا جاتا ہے۔ یہ ایک قابلِ غور اصل ہے اور اس کو کبھی بھی ہاتھ سے دینا نہیں چاہیئے۔ صفاتِ الٰہی پر غور کرو اور وہی صفات اپنے اندر پَیدا کرو نتیجہ یہ ہوگا کہ قُربِ الٰہی کی راہ قریب تر ہوتی جائے گی اور اس کی قدوسیت اور سبحانیت تمہاری پاکیزگی اور طہارت کو اپنی طرف جذب کرے گی۔ بہت سے لوگ اِس قسم کے ہیں جو خود ناپاک اور گندی زیست رکھتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ کیوں ہم کو قُربِ الٰہی حاصل نہیں ہوتا۔ وہ نادان نہیں جانتے کہ ایسے لوگوں کو قُربِ الٰہی کیونکر حاصل ہو جو اپنے اندر پاکیزگی اور طہارت پَیدا نہیں کرتے۔ قدوس خدا ایک ناپاک اِنسان سے کیسے تعلق پَیدا کرے؟

ایمان بالملائکہ کی فلاسفی

ایمان باللہ کے بعد دوسری جُزوِ ایمان کی ایمان بالملائکہ ہے۔ ایمان بالملائکہ کے متعلق مجھے اللہ تعالیٰ نے یُوں سمجھ دی ہے کہ اِنسان کے دِل پر ہر وقت مَلک اور شیطان نظر رکھتے ہیں اور یہ امر ایسا واضح اور صاف ہے کہ اگر غور کرنے والی فطرت اور طبیعت رکھنے والا اِنسان ہو تو بہت جلد اس کو سمجھ لیتا ہے بلکہ موٹی عقل کے آدمی بھی معلوم کر سکتے ہیں اور وہ اِس طرح پر کہ بعض وقت یکایک بیٹھے بٹھائے اِنسان کے دِل میں نیکی کی تحریک ہوتی ہے یہاں تک کہ ایسے وقت بھی تحریک ہو جاتی ہے جبکہ وہ کسی بڑی بَدی اور بدکاری میں معروف ہو۔ مَیں نے اِن امُور پر مدتوں غور کی اور سوچا ہے اور ہر ایک شخص اپنے دل کی مختلف کیفیتوں اور حالتوں سے آگاہ ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ کبھی اندر ہی اندر کسی خطرناک بدی کی تحریک ہو رہی ہے اور پھر محسوس کرتا ہے کہ معاً دِل میں رِقّت اور نیکی کی تحریک کا اثر پاتا ہے۔ یہ تحریکات نیک یا بَد جو ہوتی ہیں بِدُوں کسی مُحرِّک کے تو ہو نہیں سکتی ہیں۔ پس یہ وہی بات ہے جو مَیں نے ابھی کہی ہے کہ انسان کے دِل کی

طرف ملائکہ اور شیاطین نظر رکھتے ہیں۔ پس ایمان بالملائکہ کی اصل غرض یہ ہے کہ ہر نیکی کی تحریک پر جو ملائکہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے کبھی کسل و کاہلی سے کام نہ لے اور فوراً اس پر عمل کرنے کو تیار ہو جائے اور توجہ کرے۔ اگر ایسا نہ کرے گا تو وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ کا مصداق ہو کر پھر نیکی کی توفیق سے بتدریج محروم ہو جائے گا۔

قُربِ الٰہی کا دوسرا ذریعہ

یہ پکی بات ہے کہ جب انسان نیکی کی تحریکوں کو ضائع کرتا ہے تو پھر وہ طاقت، وقت، فرصت اور موقع نہیں ملتا۔ اگر انسان اسی وقت متوجہ ہو جاوے تو معاً نیک خیال کی تحریک ہوتی ہے۔ چونکہ اِس خواہش کا محرک محض فضلِ الٰہی سے مَلَک ہوتا ہے جب اِنسان اس کی تحریک پر کاربند ہوتا ہے تو پھر اس فرشتہ اور اس کی جماعت کا تعلق بڑھتا ہے اور پھر اس جماعت سے اعلیٰ ملائکہ کا تعلق بڑھنے لگتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا قُرب حاصل ہو جاتا ہے۔

ایک حدیث میں صاف آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی سے پیار کرتا ہے تو جبرائیل کو آگاہ کرتا ہے تو وہ جبرائیل اور اس کی جماعت کا محبوب ہوتا ہے اِسی طرح پر درجہ بدرجہ وہ محبوب اور مقبول ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ زمین میں مقبول ہو جاتا ہے۔ یہ حدیث اسی اصل اور راز کی حل کرنے والی ہے جو مَیں نے بیان کیا ہے۔ ایمان بِالملائکہ کی حقیقت پر غور نہیں کی گئی اور اس کو ایک معمولی بات سمجھ لیا جاتا ہے۔ یاد رکھو کہ ملائکہ کی پاک تحریکوں پر کاربند ہونے سے نیکیوں میں ترقی ہوتی ہے یہانتک کہ انسان اللہ تعالیٰ کا قُرب اور دُنیا میں قبول حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح پر جیسے نیکیوں کی تحریک ہوتی ہے مَیں نے کہا ہے کہ بدیوں کی بھی تحریک ہوتی ہے۔ اگر انسان اس وقت تعوّذ، استغفار سے کام نہ لے، دعائیں نہ مانگے۔ لاحَول نہ پڑھے تو بَدی کی تحریک اپنا اثر کرتی ہے اور بَدیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ پس جیسے یہ ضروری ہے کہ ہر نیک تحریک کے ہوتے ہی اس پر کاربند ہونے کی سعی کرے اور سُستی اور کاہلی سے کام نہ لے یہ بھی ضروری ہے کہ ہر بَد تحریک پر فی الفور استغفار کرے، لاحَول پڑھے، دُرود شریف پڑھے اور سورہ فاتحہ پڑھے اور دعائیں مانگے۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ایمان بِاللہ کے بعد ایمان بِالملائکہ کو کیوں رکھا ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ ساری سچائیوں اور پاکیزگیوں کا سرچشمہ تو جنابِ الٰہی ہی ہے مگر اللہ تعالیٰ کے پاک ارادے ملائکہ پر جلوہ گری کرتے ہیں اور ملائکہ سے پاک تحریکیں ہوتی ہیں۔ ان نیکی کی تحریکوں کا ذریعہ دوسرے درجہ پر چونکہ ملائکہ ہیں اِس لئے ایمان بِاللہ کے بعد اس کو رکھا۔

ملائکہ کے وجود پر زیادہ بحث کی اِس وقت حاجت نہیں یہ تحریکیں ہی ملائکہ کے وجود کو ثابت کر رہی ہیں۔ اِس کے علاوہ لاکھوں لاکھ مخلوقِ الٰہی ایسی ہے جس کا ہم کو علم بھی نہیں اور نہ ان پر ایمان لانے کا ہم کو حکم ہے۔ اس کے بعد تیسرا جُزوِ ایمان کا ایمان بالکتب ہے۔ براہِ راست مکالمہ اوّل فضل ہے۔ پھر ملائکہ کی تحریک پر عمل کرنا اس کے قُرب کو بڑھاتا ہے ان کے بعد کتاب اللہ کے ماننے کا مرتبہ ہے۔ کتاب اللہ پر ایمان بھی اللہ کے فضل اور ملائکہ ہی کی تحریک سے ہوتا ہے۔ اللہ کی کتاب پر عمل درآمد جو سچے ایمان کا مفہوم اصلی ہے چاہتا ہے محنت اور جہاد۔ چنانچہ فرمایا وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا یعنی جو لوگ ہم میں ہو کر مجاہدہ اور سعی کرتے ہیں ہم ان پر اپنی راہیں کھول دیتے ہیں۔ یہ کیسی سچی اور صاف بات ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں اختلاف کے وقت انسانی مجاہدات سے کام نہیں لیتا۔

کیوں ایسے وقت انسان دبدھا اور تردّد میں پڑتا ہے اور جب یہ دیکھتا ہے کہ ایک کچھ فتوٰی دیتا ہے اور دوسرا کچھ تو وہ گھبرا جاتا اور کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ کاش وہ جَاهَدُوْا فِيْنَا کا پابند ہوتا تو اس پر سچائی کی اصل حقیقت کُھل جاتی۔ مجاہدہ کے وقت ایک اَور شرط بھی ہے وہ تقوٰی کی شرط ہے۔ تقوٰی کلام اللہ کے لئے معلّم کا کام دیتا ہے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ۔ اللہ کی تعلیم تقوٰی پر منحصر ہے اور اس کی راہ کا حصول جہاد پر۔ جہاد سے مراد اللہ تعالیٰ کی راہ میں سعی اور کوشش ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں سعی اور جہاد اور تقوٰی اللہ سے روکنے والی ایک خطرناک غلطی ہے جس میں اکثر لوگ مُبتلا ہو جاتے ہیں اور وہ یہ ہے فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ کسی قسم کا علم جو انسان کو ہو وہ اس پر ناز کرے۔ اسی کو اپنے لئے کافی اور راحت بخش سمجھے تو وہ سچے علوم اور ان کے نتائج سے محروم رہ جاتا ہے۔ خواہ کسی قسم کا عِلم ہو۔ وجدان کا۔ سائنس کا۔ صَرف و نحو یا کلام یا اَور علوم غرض کچھ ہی ہو۔ اِنسان جب ان کو اپنے لئے کافی سمجھ لیتا ہے تو ترقیوں کی پیاس مِٹ جاتی ہے اور محروم رہتا ہے۔

راست باز انسان کی پیاس سچائی سے کبھی نہیں بُجھ سکتی بلکہ ہر وقت بڑھتی ہے۔ اس کا ثبوت اِس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ ایک کامل انسان۔ اَعْلَمُ بِاللّٰہ۔ اَتْقٰی لِلّٰہ۔ اَخْشٰی لِلّٰہ جس کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے وہ اللہ تعالیٰ کے سچے علوم۔ معرفتیں۔ سچے بیان اور عمل درآمد میں کامل تھا اس سے بڑھ کر اَعلم۔ اَتقٰی اور اَخشٰی کوئی نہیں۔ پھر بھی اس امام المتقین اور امام العالمین کو یہ حکم ہوتا ہے قُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا۔

اِس سے صاف پایا جاتا ہے کہ سچائی کے لئے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اور یقین کی راہوں

اور علومِ حقہ کے لئے اسی قدر پیاس انسان میں بڑھے گی جس قدر وہ نیکیوں اور تقویٰ میں ترقی کرے گا۔ جو انسان اپنے اندر اس پیاس کو بُجھا ہوُا محسوس کرے اور فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَ هُمْ مِنَ الْعِلْمِ کے آثار پائے اس کو استغفار اور دُعا کرنی چاہیئے کہ وہ خطرناک مرض میں مُبتلا ہے جو اس کے لئے یقین اور معرفت کی راہوں کو روکنے والی ہے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی راہیں بے اَنت اور اس کے مراتب و درجات بے اِنتہا ہیں پھر مومن کیونکر مستغنی ہو سکتا ہے۔ اِس لئے اسے واجب ہے کہ اللہ کے فضل کا طالب اور ملائکہ کی پاک تحریکوں کا متبع ہو کر کتاب اللہ کے سمجھنے میں چست و چالاک ہو اور سعی اور مجاہدہ کرے۔ تقویٰ اختیار کرے تا سچے علوم کے دروازے ان پر کھلیں۔

غرض کتاب اللہ پر ایمان تب پَیدا ہو گا جب اس کا عِلم ہو گا اور علم مُنحصر ہے مجاہدہ اور تقویٰ پر اور فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَ هُمْ مِنَ الْعِلْمِ سے الگ ہونے پر۔

ایمان بِالرّسالت

اِس کے بعد چوتھا رُکن ایمان کا ایمان بِالرّسول ہے۔ بہت سے لوگ ایسے موجود ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ڈھیروں ڈھیر کتابیں ہیں۔ پُرانے لوگوں کی یادداشتیں ہیں۔ ہم نیکی اور بَدی کو سمجھتے ہیں کسی مامور و مُرسل کی کیا ضرورت ہے۔

(الحکم ۱۷ ؍ جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۴، ۱۵)

یہ لوگ اپنے مخازنِ علوم کو کافی سمجھتے ہیں اور خطرناک جُرم کے مُرتکب ہوتے ہیں کیونکہ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور باغی ٹھہرائے جاتے ہیں اور یہ سچ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی سے تو وہ مقابلہ کرتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ ایک اِنسان کو معظّم و مکرّم اور مطاع بنانا چاہتا ہے تو ہر ایک کا فرض ہے کہ رضاءِ الٰہی کو مقدم کرے اور اس کو اپنا مطاع سمجھے۔ ارادۂ الٰہی کو کوئی چیز روک نہیں سکتی۔ اس کے مقابلہ میں تو جو آئے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ پس جو خلاف ورزی کرتا ہے یا یہ سمجھتا ہے کہ میرے علوم کے سامنے اس کی احتیاج نہیں وہ اس تعظیم۔ مکرمت۔ اعزاز میں جو اس مطاع مکرّم و معظّم کے متبعین کو ملتا ہے حصہ دار نہیں ہوتا بلکہ محروم رہ جاتا ہے خواہ ایسا اِنسان اپنے طور پر کتنی ہی نیکیاں کرتا ہو مگر ایک انسان کی مخالفت اور خلاف ورزی سے اس کے اعمال حبط ہو جاتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے عظیم الشّان منشاء کے خلاف کرتا ہے۔ اس پر بغاوت کا الزام ہے دُنیوی گورنمنٹوں کے نظام میں بھی یہی قانون ہے۔ ایک بھلا مانس آدمی جو کبھی بَدمعالگی نہیں کرتا۔

چوری اور رہزنی اس کا کام نہیں۔ تاجر ہے تو چونگی کا محصول اور دوسرے ضروری محاصل کے ادا کرنے میں سستی نہیں کرتا۔ زمیندار ہے تو وقت پر لگان ادا کرتا ہے لیکن اگر وہ یہ کہے کہ بادشاہ کی ضرورت نہیں اور اس کے اعزاز و اکرام میں کمی کرے تو یہ شریر اور باغی قرار دیا جاوے گا۔

اسی طرح پر ماموروں کی مخالفت خطرناک گناہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے حضور ہو سکتا ہے۔ ابلیس نے یہی گناہ کیا تھا۔ انبیاء علیہم السلام کے حضور شیاطین بہت دھوکے دیتے ہیں۔ میرے نزدیک وہ لوگ بڑے ہی بدبخت ہیں جو اللہ تعالیٰ کے منشاء کے خلاف کرنا چاہتے ہیں کیونکہ ذرہ ذرہ اس پر لعنت بھیجتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ معزز و مکرم اور مطاع ہو تو اس کی مخالفت کرنے والا تباہ نہ ہو تو کیا ہو۔ یہی سِر ہے جو انبیاء و مُرسل اور ماموریں کے مخالف ہمیشہ تباہ ہوتے ہیں۔ وہ جُرمِ بغاوت کے مجرم ہوتے ہیں۔

پس کتابوں کے بعد رسولوں پر ایمان لانا ضروری ہے ورنہ انسان متکبر ہو جاتا ہے اور پہلا گناہ دین میں خلیفۃ اللہ کے مقابل یہی تھا اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ۔ اس میں شک نہیں کہ سُنّت اللہ اسی طرح پر ہے کہ ماموروں پر اعتراض ہوتے ہیں۔ اچھے بھی کہتے ہیں اور بُرے بھی۔ مگر اچھوں کو رجوع کرنا پڑتا ہے اور بُرے نہیں کرتے۔ مگر مبارک وہی ہیں جو اعتراض سے بچتے ہیں کیونکہ نیکوں کو بھی آخر مامور کے حضور رجوع اور سجدہ کرنا ہی پڑا ہے۔ پس اگر ملک کی طرح بھی ہو پھر بھی اعتراض سے بچے کیونکہ خدا تو سجدہ کرائے بغیر نہیں چھوڑے گا ورنہ لعنت کا طوق گلے میں پڑے گا۔

جزا و سزا اس کے بعد پانچواں رُکن ایمان کا جزا و سزا پر ایمان ہے۔ یہ ایک فطرتی اصل ہے اور انسان کی بناوٹ میں داخل ہے کہ جزا اور بدلے کے لئے ہوشیار اور سزا سے مضائقہ کرتا ہے۔ یہ ایک فطرتی مسئلہ ہے اور اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ ایک بچہ بھی جب دیکھتا ہے کہ یہاں سے دُکھ پہنچے گا وہاں سے ہٹتا ہے اور جہاں راحت پہنچتی ہے وہاں خوشی سے جاتا ہے۔ چِلّا چِلّا کر بھی جزا لینے کو تیار ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ فاسق و فاجر کی فطرت میں بھی یہ امر ہے۔ ایک آدمی کبھی پسند نہیں کرتا کہ دوسرے کے سامنے ذلیل و خوار ہو ہر ایک چاہتا ہے کہ معزز ہو۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ فیل ہونے سے ایک بچہ کو کیسی ذِلّت پہنچتی ہے۔ بعض اوقات اِن ناکامیوں نے خودکشیاں کرا دی ہیں اور پاس ہونے سے کیسی خوشی ہوتی ہے۔ زمینداروں کو دیکھا جب بروقت بارش نہ ہو، پھل کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو کیسا رنج ہوتا ہے۔ لیکن اگر غلّہ گھر لے آئے تو کیسا

خوش ہوتا ہے۔ اِسی طرح ہر حرفہ و صنعت والا دکاندار۔ غرض کوئی نہیں چاہتا کہ محنت کا بدلہ نہ ملے اور بچاؤ کا سامان نہ ہو۔

جب یہ فطرتی امر ہے تو اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے ایمان کا جُزو رکھا ہے کہ جزا و سزا پر ایمان لاؤ۔ اللہ مالکِ یوم الدین ہے۔ روزِ روشن کی طرح اس کی جزائیں سزائیں ہیں اور وہ مخفی نہ ہوں گی اور مالکانہ رنگ میں آئیں گی جیسے مالک اچھے کام پر انعام اور بُرے کام پر سزا دیتا ہے۔ اِس حصہ پر ایمان لاکر انسان کامیاب ہو جاتا ہے مگر اس میں سُستی اور غفلت کرنے سے ناکام رہتا ہے اور قُربِ الٰہی کی راہوں سے دُور چلا جاتا ہے۔

دوسرا سوال

پھر دوسرا سوال جو جبرائیل نے تعلیم الدین کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا اور آپ نے اس کا جواب دیا وہ ہے مَا الْاِسْلَامُ؟ اس کا جواب جو پاک انسان خاتم الانبیاء وخاتم الاولیاء خاتم الکمالات کی زبان سے نکلا وہ یہ ہے اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

جو بات اِنسان کے دِل سے اُٹھتی ہے ضرور ہے کہ اس کا اثر اس کے اعضاء وجوارح اور مال پر پڑے۔ کون نہیں سمجھتا کہ شجاعت اگر اندر ہو تو وہ اپنے ہاتھ، بازو اور اعضاء سے محل و موقع پر اس کا ثبوت نہ دے گا۔ اگر وہ موقع پر بھاگ جاتا اور بُزدلی ظاہر کرتا ہے تو کوئی اس کو شجاع نہیں کہہ سکتا۔ اِسی طرح سخاوت ایک عمدہ جوہر ہے لیکن اگر اس کا اثر مال پر نہیں پڑتا تو وہ سخاوت نہیں بُخل ہے۔ ایسا ہی عفت ایک عمدہ صفت ہے ضرور ہے کہ جس میں یہ صفت ہو وہ بدنظری اور بےحیائی سے بچے اور تمام فواحش اور ناپاک کاموں سے پرہیز کرے۔ اِسی طرح جس کے اندر قناعت ہو ضروری ہو گا کہ وہ دوسروں کے مال پر بےجا تصرّف سے پرہیز کرے گا۔ غرض یہ ضروری بات ہے کہ جب اندر کوئی بات ہو تو اس کا اثر جوارح اور مال پر ضرور ہوتا ہے۔ پس اگر سچی نیازمندی، فرمانبرداری، تحریکِ ملائکہ، کتابوں، ماموروں، خلفاء اور مُصلحوں کی اطاعت میں ہو اور دِل میں یہ بات ہو تو زبان پر ضرور آئے گی اور وہ اظہار کرے گا۔ اگر سچائی سے کسی اِنسان کو مانا ہُوا ہو اور اس کے اظہار سے مضائقہ ہو تو یاد رکھو دِل کمزور ہے۔ اِسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اللہ کے اسماء پر کامل یقین ہو اور اس کے رسولوں پر، ملائکہ پر اور کتابوں اور انبیاء پر یقین ہو اور ایسا ہی اس یقین میں اس کے ثواب اور اللہ کا قُرب داخل ہے تو اس یقین کا اثر زبان پر آتا ہے اور وہ ایک لذت کے ساتھ کہہ اُٹھتا ہے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ

اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ۔

بے ریب سیدالاوّلین والآخرین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کامل صفات والا انسان کل سچائیوں اور علومِ حقّہ کا لانے والا ہے۔ جب یہ اقرار اور وہ ایمان ہو تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سچی نیازمندی کے ساتھ جنابِ الٰہی کے حضور پیش ہو اور یہی نماز ہے۔ نماز ظاہری پاکیزگی اور ہاتھ مُنہ دھونے اور ناک صاف کرنے اور شرم گاہوں کو پاک کرنے کے ساتھ یہ تعلیم دیتی ہے کہ جیسے مَیں اس ظاہری پاکیزگی کو ملحوظ رکھتا ہوں اندرونی صفائی اور پاکیزگی اور سچی طہارت عطا کر اور پھر اللہ تعالیٰ کے حضور سُبحانیت، قدوسیت، مجدیت پھر ربوبیت، رحمانیت، رحیمیت اور اس کے مِلک و مُلک میں تصرفات اور اپنی ذمہ داریوں کو یاد کر کے کہ اس قلب کے ساتھ ماننے کو تیار ہوں۔ سینہ پر ہاتھ رکھ کر تیرے حضور کھڑا ہوتا ہوں۔ اِس قسم کی نماز جب پڑھتا ہے تو پھر اس میں وہ خاصیت اور اثر پیدا ہوتا ہے جو اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ میں بیان ہوا ہے۔ پھر پاک کتاب کا کچھ حصّہ پڑھے اور رکوع کرے اور غور کرے کہ میری عبودیت اور نیازمندی کی انتہا بجز سجدہ کے اَور کوئی نہیں۔ جب اِس قسم کی نماز پڑھے تو وہ نیازمندی اور سچائی جب اعضاء اور جوارح پر اپنا اثر کر چکی تو اَور جوش مار کر ترقی کرے گی اور اس کا اثر مال پر پڑے گا۔

وحدت کی ضرورت

اور ایک مقررہ حصّہ اپنے مال کا دے گا جیسے آج کے دِن بھی صدقۃ الفطر ہر شخص پر، غنی ہو محتاج ہو یا عبد۔ غرض سب پر واجب ہے کہ وہ صدقہ دے تا کہ اَوروں کے لئے طہر کا کام دے اور نماز سے پہلے ایک مقام پر جمع کرے۔

اِس بات کی بڑی ضرورت ہے کہ وحدت پیدا ہو۔ اِسلام کے ہر امر میں وحدت کی رُوح پھونکی گئی ہے۔ جب تک وحدت نہ ہو اس پر اللہ کا ہاتھ نہیں ہوتا جو جماعت پر ہوتا ہے۔ مَیں درختوں کو دیکھ کر سوچتا ہوں کہ اگر ایک ایک پتّہ کہے کہ مَیں ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوں اور اپنے رَبّ سے مانگتا ہوں وہ مجھے سرسبز کر دے گا۔ کیا وہ الگ ہو کر سرسبز رہ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ وہ مُرجھا جائے گا اور آدنیٰ سے جھونکے سے گِر جائے گا اِس لئے ضروری ہے کہ ایک شاخ سے اس کا تعلق ہو اور پھر اس شاخ کا کسی بڑی شاخ سے اور اس کا کسی بڑے تنے سے تعلق ہو جو جڑ اور اس کی رگوں سے اپنی خوراک کو جذب کرے۔ یہ سچی مثال ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کا بیج لگاتا ہے تو جو شاخ اس سے الگ ہو کر بار آور اور ثمردار ہونا چاہے وہ نہیں رہ سکتی خواہ اُسے کتنے

ہی پانی میں رکھو۔ وہ پانی اس کی سرسبزی اور شادابی کی بجائے اس کے سڑنے کا موجب اور باعث ہوگا۔ پس وحدت کی ضرورت ہے۔ اسی لئے صدقۃ الفطر بھی ایک ہی جگہ جمع ہونا چاہیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عید سے پہلے یہ صدقہ جمع ہو جاتا اور ایسے ہی زکوٰۃ کے اموال بڑی احتیاط سے اکٹھے کئے جاتے یہاں تک کہ منکرین کے لئے قتل کا فتویٰ دیا گیا۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ ہمارے بھائیوں میں ابھی یہ وحدت پیدا نہیں ہوئی یا ہوئی ہے تو بہت کمزور ہے۔

تم پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل اور احسان ہے کہ تم نے اس کو کامل صفات سے موصوف مانا ہے اور یہاں تک تم نے تو چند سے حظ اُٹھایا ہے کہ اگر کوئی غلطی سے مخلوق میں سے کسی کو ان صفات سے موصوف مانتا تھا تم نے اس کو بھی اس امام کے طفیل سے چھوڑا اور اَب تم پاک ہو گئے کہ مسیح کو خالق اور باری، محلّل، محرّم اور مُحیِ اور مُمیت اور عالم الغیب سمجھو۔ تو جیسے یہ امتیاز حاصل کیا تھا اب کیسی ضرورت تھی کہ پھر صحابہؓ کی طرح تمہارے سارے تعلقات اس شجر طیبہ کے ساتھ ہوتے جس کے ساتھ پیوند ہو کر وہ تمام پھل لانے والے تم ہو سکتے تھے۔ مجھے ہمیشہ تعجب ہوتا ہے جب مَیں کسی کو ایسے تعلقات سے باہر دیکھتا ہوں۔ دیکھو تمہارے تعلقات، چال چلن، شادی وغمی، حُسنِ معاشرت، تمدن، سلطنت کے ساتھ تعلقات، غرض ہر قول وفعل آئندہ نسلوں کے لئے ایک نمونہ ہوگا۔ پھر کیا تم چاہتے ہو کہ رحمت اور فضل کا نمونہ تم بنو یا لعنت کا۔ پس دعائیں کرو کہ تم جو اس پاک چشمہ پر پہنچے ہو اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے سیراب کرے اور عظیم الشان فضل اور خیر کے حاصل کرنے کی تمہیں توفیق ملے اور یہ سب توفیقیں اس وقت ملیں گی جب تمہارے سب معاملات ایک درخت سے وابستہ ہوں۔

پس ان سارے چندوں اور اغراض میں ایک ہی تنا اور جڑ ہو۔ پھر ایسی وحدت ہو کہ تمام دغا اور فریب کپٹ سے بَری ہو جاؤ۔ شاید تم نے سمجھا ہو کہ کسی کتاب کا نام کشتئ نوح ہے۔ نہیں۔ کچھ اغراض ومقاصد ہیں۔ کچھ عقائد اور اعمال ہیں۔ اس پر وہی سوار ہو سکتا ہے جو اپنے آپ کو اس کی تعلیم کے موافق بناتا ہے۔ پھر ان سب کے بعد تقویٰ کی وہ راہ ہے جس کا نام روزہ ہے جس میں انسان شخصی اور نوعی ضرورتوں کو اللہ تعالیٰ کے لئے ایک وقتِ معیّن تک چھوڑتا ہے۔

اب دیکھ لو کہ جب ضروری چیزوں کو ایک وقت ترک کرتا ہے تو غیر ضروری کا استعمال کیوں کرے گا۔ روزہ کی غرض اور غایت یہی ہے کہ غیر ضروری چیزوں میں اللہ کو ناراض نہ کرے اِس لئے فرمایا لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔

پھر جیسے پنجگانہ نمازیں ہر محلے میں باجماعت پڑھتے ہیں اور پھر جمعہ کی نماز سارے شہر والے اسی طرح اردگرد کے دیہات والے اور کل شہر کے باشندے جمع ہو کر عید کی نماز ایک جگہ پڑھتے ہیں اس میں بھی وحدت کی تعلیم مقصود ہے۔ غرض اسلام کے ہر رُکن میں ایک وحدت کو قائم کیا ہے پھر اس کو قائم رکھنے کے لئے خاص حکم بھی دیا لَا تَنَازَعُوْا باہم کشمکش نہ کرو کیونکہ جب ایک کمیا پن کرتا ہے تو دوسرا بھی اس میں مبتلا ہو جاتا ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہَوا بگڑ جاتی ہے۔ جب یہ خود دوسرے کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے تو چونکہ وہ بھی کبریائی الٰہی کا مظہر ہے اس لئے تکبّر کرتا اور وحدت اُٹھ جاتی ہے۔ اسی لئے حکم دیا کہ نزاع نہ کیا کرو ورنہ پھسل جاؤ گے اور فرمایا صبر کرو۔ ایسا صبر نہیں کہ کوئی ایک گال پر طمانچہ مارے تو دوسری پھیر دو بلکہ ایسا صبر کرو اور عفو ہو کہ جس میں اصلاح مقصود ہو۔ سچے مومن بننا چاہتے ہو تو یاد رکھو لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ۔

اسی وحدت کے قائم رکھنے کے لئے نمازوں میں یک جہتی تھی۔ مکہ کا وجود تھا اور اب اس وقت خدا کا کیسا فضل ہے اور کیسی مبارکی کا یہ زمانہ ہے کہ سب سامان موجود ہیں۔ مکالمہ الٰہی ہوتا ہے ایک مطاع مکہ معظم موجود ہے اور اپنے عام چال چلن، مخلوق کے ساتھ تعلقات، معاشرت اور گورنمنٹ کے ساتھ اپنے معاملات کا نمونہ دکھانے سے قوم بنا رہا ہے اس لئے اب کوئی عذر نہیں رہ سکتا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ کہنے کی باتیں ہیں، کرنے کی نہیں۔ یہ ان کی غلطی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کوئی امر و نہی ایسا نہیں دیا ہے جو انسان کی طاقت سے باہر ہو۔ ورنہ اس کی حکیم کتاب قرآن مجید کا یہ ارشاد کہ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا باطل ہو گیا اور وہ باطل نہیں ہے متقی اور خدا سے ڈرنے والا ایسی بات منہ سے نہیں نکال سکتا یہ صرف خبیث روح کی تحریکیں ہیں۔

(الحکم ۲۴؍جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۴، ۱۵)

اَلْاِحْسَانُ۔ اس کے بعد تیسری بات جبرئیل نے پوچھی ہے جس سے دین کی تکمیل ہوتی ہے اور وہ یہ ہے مَا الْاِحْسَانُ؟ احسان کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں ایسا اخلاص اور احتساب ہو کہ تو گویا اس کو دیکھتا ہے اور اگر اس درجہ تک نہ پہنچے تو کم از کم اپنے آپ کو اس کی نگرانی میں سمجھے جب تک ایسا بندہ نہ ہو وہ دین کے مراتب کو نہیں سمجھ سکتا۔ پس ایسا دین کوئی سلیم الفطرت کہہ سکتا ہے کہ اس میں اکراہ کی ضرورت ہے؟ ہرگز نہیں۔ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ۔ اس وقت بھی ویسا ہی

وقت ہے جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا۔ ہدایت کی راہیں کھلی ہیں۔ تجربے، مشاہدہ، سائنس، قوی کا نشو ونما، وجدان، صحیح فطری قوی رُشد اور غی میں امتیاز کرنے کو موجود ہیں۔

رُشد کو اقتصاد بھی کہتے ہیں جو افراط اور تفریط کے درمیان کی راہ ہے۔ بہت سے لوگ ہیں جو خاص خاص مذاق میں بڑھے ہوئے ہیں۔ بعض ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کو کھانے ہی کی ایک دھت ہوتی ہے اور اب وہ اس میں بہت ترقی کر گئے ہیں اور کرتے جاتے ہیں۔ بعض کو دیکھا ہے کہ بچپن میں یہ عادت ہوئی اور پھر بڑھتے بڑھتے بہت سی بداطواریوں کا باعث بن گئی۔ ایسا ہی لباس میں افراط کرنے والے، مکانات میں افراط سے کام لینے والوں کا یہ حال ہے۔ ایسا ہی بعض جمع اموال میں، بعض فضول خرچیوں میں بڑھتے ہیں۔ جب ایک کی عادت ڈال لیتے ہیں تو پھر وہ ہر روز بڑھتی ہے۔ غرض افراط اور تفریط دونوں مذموم چیزیں ہیں۔ عمدہ اور پسندیدہ اقتصاد یا رُشد ہے۔ یہی حال اقوال اور افعال میں ہے۔ اِس طرح پر ترقی کرتے کرتے ہم عقائد تک پہنچتے ہیں۔ بعض نے تو سوسائٹی کے اصول رسم ورواج سب کو اختیار کر لیا اور مذہب کا جزو قرار دے لیا اور بعض ایسے ہیں کہ ساری انجمنوں کو لغو قرار دیتے ہیں۔ غرض دُنیا عجیب قسم کی افراط اور تفریط میں پڑی ہوئی ہے۔ رُشد اور اقتصاد کی صراطِ مستقیم صرف اِسلام لے کر آیا ہے۔ بعض نادانوں نے اعتراض کیا ہے کہ اِسلام تو رُشد اور اقتصاد سکھاتا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقابلہ کیوں کیا؟ مگر افسوس ہے کہ ان کو معلوم نہیں انہوں نے تو تیرہ سال تک صبر کر کے دکھایا اور پھر آخر آپ چونکہ کُل دُنیا کے لئے ہادی تھے تو بادشاہوں اور تاجداروں کے لئے بھی کوئی قانون چاہیئے تھا یا نہیں؟ اَب دیکھ لو کہ غیر قوموں کی لڑائیوں میں کیا ہوتا ہے جب دشمن سے مقابلہ ہوتا ہے تو بعض اوقات عورتیں، بچے، مویشی، کھیت سب تباہ ہو جاتے ہیں۔

ایسا کیوں ہوتا ہے؟ صرف اِس لئے کہ مذہب نے ملک داری کا کوئی نمونہ اور قانون پیش نہیں کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ضرورت کی خود تکمیل کی ہے اور اسی لئے خانداری کے اصولوں پر الگ بحث کی ہے۔ ان لوگوں کو جو حیض ونفاس کے مسائل پر اعتراض کرتے ہیں غور کرنا چاہیئے کہ معاشرت کا یہ بھی ایک جزو ہے۔

غرض ہماری شریعت جامع شریعت ہے جس میں انسان کے فطری حوائج کھانے پینے سے لیکر معاشرت، تمدن، تجارت، زراعت، حرفت، ملک داری اور پھر ان سب سے بڑھ کر خداشناسی اور

روحانی مدارج کی تکمیل کی یکساں تعلیم موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ خاتم الانبیاء ہیں۔ یہی باعث ہے کہ اسلام مکمل دین ہے۔ یہ ایک نیا قصہ ہے کہ اسلام ہر شعبہ اور ہر حصہ میں کیا تعلیم دیتا ہے۔ چونکہ اس وقت کتاب اللہ موجود ہے اور اس کا معلّم بھی خدا کے فضل موجود ہے اور اس کا نمونہ تم دیکھ سکتے ہو۔ میں صرف یہ کہوں گا قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ۔

اس کی راہ رُشد کی راہ ہے اور اس کے خلاف خواہ افراط کی راہ ہو یا تفریط کی۔ اس کا نام غی ہے رُشد والوں کو مومن، متقی، سعید کہا گیا ہے اور غی والوں کو کافر، منافق، شقی۔ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ الآیہ۔ جو لوگ الٰہی حد بندیوں کو توڑ کر چلے گئے ہیں ان کو طاغوت کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہیں جن کو قرآن نے واضح کیا ہے اور آنحضرتؐ نے دکھایا ان میں تو فصم[1] نہیں ہے۔ اَدنیٰ درجہ فصم ہے۔ اس سے بڑھے تو قصم پھر اس سے بڑھے تو قضم۔ اللہ وہ اللہ ہے جو تمہاری دعاؤں کو سنتا اور تمہارے اعمال کو جانتا ہے۔

الغرض یہ دین اور اس کا نتیجہ ہے قُربِ الٰہی۔ جب انسان اللہ تعالیٰ کا قُرب حاصل کرتا ہے تو چونکہ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے اِس لئے یہ ظلمت سے نکلنے لگتا ہے اور اس میں امتیازی طاقت پیدا ہوتی جاتی ہے۔ ظلمت کئی قسم کی ہوتی ہے۔ ایک جہالت کی ظلمت ہے۔ پھر رسومات، عادات، عدمِ استقلال کی ظلمت ہوتی ہے۔ جس جس قدر ظلمت میں پڑتا ہے اسی قدر اللہ تعالےٰ سے دُور ہوتا چلا جاتا ہے اور جس قدر قُرب حاصل ہوتا اسی قدر امتیازی قوت پیدا ہوتی ہے۔ پس اگر کسی صحبت میں رہ کر ظلمت بڑھتی ہے تو صاف ظاہر ہے کہ وہ قُربِ الٰہی کا موجب نہیں بلکہ بُعد حرماں کا باعث ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تو جس قدر انسان قریب ہوگا اسی قدر اس کو ظلمت سے رہائی اور نور سے حصہ ملتا جاوے گا۔ اِسی لئے ضروری ہے کہ ہر فعل اور قول میں اپنا محاسبہ کرو۔ نیچے اور اُوپر کے دُو لفظ ہیں جو سائنس والوں کی اصطلاح میں بھی بولے جاتے ہیں اور مذہب کی اصطلاح میں بھی ہیں۔ مَیں نے نیچے اور اُوپر جانے والی چیزوں پر غور کی ہے۔ ڈول جُوں جُوں نیچے جاتا ہے اس کی قوت میں تیزی ہوتی جاتی ہے اور اِسی طرح پتنگ جب اُوپر جاتا ہے پہلے اس کا

---

[1] اِنفِصام: ایک دانت سے دبائیں اور نشان پڑ جائے اسے فصم کہتے ہیں اس سے بڑھ کر قصم، اس سے بڑھ کر قضم ہے۔ فرمایا اس میں تو فصم بھی نہیں ہے۔
(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۴)

اُوپر چڑھانا مشکل معلوم ہوتا ہے لیکن آخر وہ بڑے زور سے اُوپر کو چڑھتا ہے۔ یہی اصل ترقی اور تنزل کی جان ہے یا صعود اور نزول کے اندر ہے۔ انسان جب بدی کی طرف جھکتا ہے تو اس کی رفتار بہت سُست اور دھیمی ہوتی ہے لیکن پھر اس میں اس قدر ترقی کرتا ہے کہ خاتمہ جہنم میں ہوتا ہے یہ نزول ہے اور جب نیکیوں میں ترقی کرنے لگتا اور قُربِ الی اللہ کی راہ پر چلتا ہے۔ ابتداءً مشکلات ہوتی ہیں اور ظالم لنفسہ ہونا پڑتا ہے۔ مگر آخر جب وہ اس میدان میں چل نکلتا ہے تو اس کی قوتوں میں ضرور ترقی ہوتی ہے اور وہ اس قدر صعود کرتا ہے کہ وہ سابق بالخیرات ہو جاتا ہے۔ جو لوگ اس اصل پر غور کرتے ہیں اور اپنا محاسبہ کرتے ہیں کہ ہم ترقی کی طرف جا رہے ہیں یا تنزل کی طرف۔ وہ ضرور اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں ..... میں مختصر الفاظ میں کہتا ہوں کہ اصل غرض اور منشاء دین کا سعادت اور شقاوت کی راہوں کا بیان کرنا ہے۔ ایمان باللہ، ایمان بالملائکہ، خدا کے رسولوں اور اس کی کتابوں پر ایمان، جزا و سزا پر ایمان ہو اور پھر اس ایمان کے موافق عمل درآمد ہو اور ہر روز اپنے نفس کا محاسبہ کرو۔

(الحکم ۱۴ جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۶، ۷)

لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ : اِسلام میں جبر نہیں ہے۔ ہدایت اور گمراہی میں کھلا فرق ہو گیا ہے۔

(فصل الخطاب حصہ اوّل صفحہ ۸۰)

ہمیں کتب مغازی میں (خواہ کیسی ہی ناقابلِ وثوق کیوں نہ ہوں) کوئی ایک بھی ایسی مثال نظر نہیں آتی کہ آنحضرتؐ نے کسی شخص، کسی خاندان، کسی قبیلے کو بزورِ شمشیر و اجبار مسلمان کیا ہو۔ سر ولیم میور کا فقرہ کیسا صاف صاف بتاتا ہے کہ شہر مدینہ کے ہزاروں مسلمانوں میں سے کوئی ایک شخص بھی بزورِ اِکراہ اسلام میں داخل نہیں کیا گیا اور مکہ میں بھی آنحضرتؐ کا یہی رویّہ اور سلوک رہا بلکہ ان سلاطینِ عظام (محمود غزنوی، سلطان صلاح الدین، اورنگ زیب) کی محققانہ اور صحیح تواریخ میں کوئی ایک بھی مثال نہیں ملتی کہ کسی شخص کو انہوں نے بالجبر مسلمان کیا ہو۔ ہاں ہم ان کے وقت میں غیر قوموں کو بڑے بڑے عہدوں اور مناصب پر ممتاز و سرفراز پاتے ہیں! پس کیسا بڑا ثبوت ہے کہ اہلِ اسلام نے قطع نظر مقاصدِ ملکی کے اشاعتِ اِسلام کے لئے کبھی تلوار نہیں اُٹھائی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں، اسلام کے مخالفوں نے اکثر یہ طعن کیا ہے کہ آپؐ کا دین بزورِ شمشیر شائع ہوا ہے اور تلوار ہی کے زور سے قائم رہا۔ جن مؤرخین عیسائیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ یعنی لائف لکھی ہے آپؐ پر طعن کرنا انہوں نے اپنا شعار کر لیا ہے اور ان کے طعن کی وجہ فقط یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپؐ نے اپنے تئیں اور اپنے معتقدوں کو دشمنوں

کے حملوں سے بچایا۔ یہ سچ ہے کہ بعض برگزیدگانِ خدا دُنیا میں وقتاً فوقتاً پیدا ہوئے ہیں اور سوءِ اتفاق اور گردشِ تقدیر سے خدا کی راہ میں اور اعلائے کلمۃ اللہ کی کوشش میں شہید ہوئے ہیں اور بعض لوگ ایسے بھی گزرے ہیں جنہوں نے خللِ دماغ کی وجہ سے اِس امر کا دعویٰ کیا جس کی تکمیل ان سے نہ ہوسکی۔ الغرض مخبوط بھی گذرے ہیں اور مجذوب بھی ہوئے ہیں جنہوں نے اپنی مجنونانہ حرکات کی سزا پائی مگر اِس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ مثلاً اگر حضرت مسیح مصلوب ہوئے یا مسیلمہ کذاب اپنی کذابیت اور مجذوبیت کی سزا کو پہنچا تو معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کی تقلید کرنا فرض تھا اور بغیر اپنی رسالت کے اتمام و تکمیل کے شہید ہو جانا لازم تھا؟

قوانینِ اسلام کے موافق ہر قسم کی آزادی مذہبی اور مذہب والوں کو بخشی گئی جو سلطنتِ اسلام کے مطیع و محکوم تھے۔ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ (سورہ بقرہ سپارہ ۳) دین میں کوئی اجبار نہیں۔ یہ آیت کھلی دلیل اِس امر کی ہے کہ اسلام میں اور اہلِ مذاہب کو آزادی بخشنے اور ان کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم ہے۔

(فصل الخطاب ایڈیشن دوم جلد اوّل صفحہ ۸۳، ۸۴)

اِسلام کے معنے صُلح کے ساتھ زندگی بسر کرنا، چین سے رہنا کیونکہ یہ لفظ سَلم سے مُشتق ہے جس کے معنے صُلح اور آشتی کے ہیں۔ بعضے پادریوں کی دشمنانہ تحریر نے مَیں سچ کہتا ہوں آپ کو دھوکہ دیا ہے! جبر و اِکراہ سے اِسلام اور تصدیقِ قلبی کا حصول ممکن نہیں۔ قرآن کی دوسری سورۃ کو جو مدینہ میں نازل ہوئی اور جس میں جہاد کا حکم ہوا پڑھ لیجئے اور غور کیجئے آپ کا کلام کہاں تک سچ ہے۔ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ۔ اِس میں زبردستی نہیں اور حق و باطل واضح ہو گیا۔

اِسلام میں شرط ہے کہ آدمی صدقِ دِل سے باری تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی معبودیت اور اس کے رسولوں کی رسالت وغیرہ وغیرہ ضروریاتِ دین پر یقین لاوے تب مسلمان کہلاوے اور ظاہر ہے کہ دلی یقین جبر و اِکراہ سے کبھی ممکن نہیں ہے۔ مَیں بڑی جرأت سے کہتا ہوں کہ حضور علیہ السلام اور ان کے راشد جانشینوں کے زمانے میں کوئی شخص جبر اور اِکراہ سے مسلمان نہیں بنایا گیا بلکہ محمود غزنوی اور عالمگیر کے زمانے میں بھی کوئی شخص عاقل و بالغ جبر سے مسلمان نہیں کیا گیا۔ دُنیا میں تاریخ موجود ہے۔ صحیح تاریخ سے اِس الزام کو ثابت کیجئے۔ مَیں نے زمانۂ نبوی اور خلافتِ راشدہ کے وقت اور محمود، عالمگیر کی تاریخ کو اچھی طرح دیکھ بھال کر یہ دعویٰ کیا ہے۔

زمانۂ رسالتمآب میں اور خلافتِ راشدہ میں صلح اور معاہدۂ امن کے بعد کل مذہب کے لوگ مذہبی آزادی حاصل کر لیتے تھے۔ خیبر کے یہود، بحرین اور غسان کے عیسائی، حضرت خاتم الانبیاء کے اور خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ کے وقت شام کے یہود اور عیسائی اسلام کی رعایا تھے اور اپنے مذہبی فرائض کی بجاآوری میں بالکل آزاد تھے۔ عالمگیر کے عہد میں بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز ہندوستان کے پُرانے باشندے اپنی بُت پرستی پر قائم دکھلائی دیتے۔ اگر عالمگیر کی لڑائیوں سے اِسلام پر الزام ہے تو عالمگیر نے تاناشاہ سے جو ایک سید تھا دکن کے مُلک میں جنگ کی۔ پھر اپنے مسلمان باپ اور بھائیوں کے ساتھ جو معاملہ کیا وہ مخفی نہیں پس عالمگیر کی جنگ مذہبی جنگ کیوں خیال کی جاتی ہے؟ عالمگیر نے کبھی کسی ہندو کو تلوار اِس سبب سے نہیں لگائی کہ وہ ہندو تھا اور کبھی اس نے زبردستی ان کو مسلمان نہیں کیا۔ ان کی جو مذہبی عبادت اور رسومات جو قدیم سے چلی آتی تھیں ان کو نہیں روکا۔ محمود کی نسبت کہیں تاریخ سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس نے اشاعتِ اسلام اور دعوتِ اسلام میں ہمت صرف کی ہو۔ گجرات میں اِتنے دنوں تک پڑا رہا مگر ایک ہندو کو مسلمان نہ بنایا۔ اپنے بھائی مسلمان امیر اسمٰعیل سے جنگ کی۔ کیا وہ لڑائی بھائی کو مسلمان بنانے کے لئے تھی اور ہند کے حملے تو راجہ جے پال نے خود کرائے جس نے محمود سے لڑنے کی ابتداء کی حالانکہ محمود کا تو یہ منشاء تھا کہ تاتار کے بلاد کو فتح کرے نہ ہند کو۔ (تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۴۷، ۴۸)

۲۵۸

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۬ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـــُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓـئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: اللہ جو سمیع علیم ہے اس کی پہچان کیا ہے۔ فرماتا ہے کہ وہ مومنوں کا والی بن جاتا ہے۔ اب مومنوں کی پہچان بتاتا ہے کہ وہ ظلمات سے نکل کر نور کی طرف آتے جاتے ہیں۔ ظلمت کیا ہے جس میں تمیز نہ رہے۔ روشنی کیا ہے جس میں تمیز ہو سکے۔ معمولی روشنی سورج کی

ہے پھر اس سے بڑھ کر نورِ طب ہے جس سے انسان کے اندرونی امراض معلوم ہوتے۔ پھر اس سے بڑھ کر نورِ فلاسفر ہے کہ وہ خط و خال سے۔ بال سے۔ آواز سے۔ ناک سے۔ ہونٹ سے کسی کے اخلاق پر آگاہ ہو جاتے ہیں۔ پھر جن کو اس سے بھی بڑھ کر انوار دئے جاویں وہ مومن ہیں چنانچہ فرمایا اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ پس مومن ہونے کا نشان ہے کہ اس انسان کی قوّتِ ممیّزہ بڑھتی جاتی ہے اور وہ آہستہ آہستہ تاریکیوں سے نکل کر انوار میں آتا جاتا ہے اور اپنی حالت میں دن بدن نمایاں تبدیلی پاتا ہے۔

ظلمتیں بھی کئی قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک رسم کی۔ مثلاً شادی آگئی۔ اب رسم کہتی ہے کہ دس ہزار روپیہ خرچ کرو۔ اب گھر میں تو اپنے روپے نہیں۔ پس ساہوکاروں کے پاس جاتا ہے۔ وہ سُود مانگتا ہے۔ خدا فرماتا ہے جو سُود دیتا یا لیتا ہے وہ خدا سے جنگ کرتا ہے۔ پھر اسی طرح بڑھتے بڑھتے ایک گناہ سے کئی گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے۔

پھر عادت کی ظلمت ہے۔ یہ عادت بُری بَلاء ہے جس چیز کی عادت پڑ جاوے وہ پیچھا نہیں چھوڑتی۔ بعض کو قصّہ سُننے کی دھت ہوتی ہے بعض کو ناول پڑھنے کی۔ بعض کو چاء پینے کی حُقّہ پینے کی۔ پان کھانے کی۔

پھر ظلمت ہے شہوت۔ حرص۔ غضب۔ سُستی۔ کاہلی۔

پس یہ بات یاد رکھو کہ جس تعلیم سے قوّتِ ممیّزہ بڑھے وہ سچّی ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۶ ؍مئی ۱۹۰۹ء)

مِنَ الظُّلُمٰتِ : ۱۔ والدین کی ظلمت ۲۔ احباب کی ظلمت ۳۔ کفر و شرک کی ظلمت ۴۔ جہالت کی ظلمت ۵۔ محبّت کی ظلمت ۶۔ عجز و کسل کی ظلمت ۷۔ ظلم کی ظلمت ۸۔ رسم و بدعت کی ظلمت۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۴)

کوئی چیز روشنی کی جاذب ہی نہیں تو روشنی دیدار لینے میں امداد نہ کرے گی گو روشنی فی الحقیقت دیکھنے کا آلہ ہے۔ جب روشندان یا چراغ وغیرہ سے روشنی لے تو دوست کے دیدار سے وہ دیدار کا طالب آرام پا سکتا ہے ایسا ہی دیدار اور دیدار سے آرام تو نجات ہے اور وہ روشنی فضل اور کرمِ خداوندی ہے۔ ایمان ایک روشندان یا چراغ ہے جو فضل کی روشنی کو کھینچتا ہے اور ایمان کو اس روشنی کا جاذب قرآن نے بھی کہا ہے۔ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (پ۳ سُورہ بقرہ ع۳۴) اللہ کام بنانے والا ہے ایمان والوں

کا۔ نکالتا ہے ان کو اندھیروں سے اجالے میں۔ (فصل الخطاب جلد دوم (ایڈیشن دوم) صفحہ ۱۳۶)

آیۃ ۲۵۸-۲۵۹

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖۤ

اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ

يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ۭ قَالَ اِبْرٰهٖمُ

فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا

مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ

وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ

اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ

ثُمَّ بَعَثَهٗ ۭ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۭ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ

بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ

اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ

اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ

إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ۚ

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ ۙ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

قَدِيرٌ (۲۶۰)

یہ تو میں پہلے بتا چکا ہوں کہ اِس ساری سُورۃ کا مقصد دشمن سے مقابلہ کے لئے تیار کرنا ہے اور اس کے ضمن میں تمام قسم کی سچائیاں اور فضائل اور تقویٰ کی راہیں بتا دی ہیں اور یہ سمجھا دیا ہے کہ کامیابی کی سچی راہ کا پاک اصل صرف تقویٰ ہے۔ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ ..... اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (بقرہ: ۴ تا ۶) سے اِس مضمون کو شروع کیا ہے اور یہاں اَب بتایا جاتا ہے کہ بہت سے شریر لوگ ہوتے ہیں جو اللہ کے پاک بندوں سے جھگڑا کرتے ہیں۔ وہ بندے اگرچہ کمزور ہوتے ہیں مگر اللہ عین وقت پر ان کی ایسی دستگیری کرتا ہے کہ دشمن دَم بخود رہ جاتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ مَیں مقابلہ میں کامیاب ہو جاؤں گا اور اس غریب جماعت کو ہلاک کر دوں گا مگر آخر وہ خود ہلاک ہوتا ہے۔ یہ مخالف نادانی سے انبیاء کے ہمراہیوں کو ذلیل سمجھتے ہیں چنانچہ نوحؑ کے ماننے والوں کو اس کی قوم کے امراء کہتے ہیں اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ (ھود: ۲۸) پھر موسیٰ علیہ السلام کو بھی فرعون نے کہا اَلَمْ نُرَبِّكَ فِیْنَا وَلِیْدًا وَّلَبِثْتَ فِیْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِیْنَ (الشعراء: ۱۹) کیا ہم نے تمہاری پرورش نہیں کی اور تُو اپنی عمر کے بہت سال یہاں نہیں گزار چکا۔ اِس کا جواب موسیٰؑ نے کیا خوب دیا وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَیَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ (الشعراء: ۲۳) کیا یہ کوئی بڑی نیکی ہے جس کا تُو مجھ پر احسان جتا رہا ہے حالانکہ اس کی جڑ یہ ہے کہ تُو نے تمام بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے پس کیا ہوا اگر ان کے ایک بچے نے تمہارے ہاں پرورش پائی اگر تم پرورش نہ کرتے تو کیا اس کے ماں باپ پر اس کی روٹی دو بھر تھی؟ غرض پاک لوگوں اور ان کے اتباع کو یہ نادان حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں مگر خدا تعالیٰ ان کو مقابلہ میں ذلیل کرتا ہے چنانچہ اس کے ثبوت کے لئے حضرت ابراہیمؑ کا قصہ بیان کیا ہے۔ آپ کی قوم مجوسیوں کی تھی جو سورج چاند کی پرستش کرتے تھے۔ ان میں جس کو خدا نے حکومت دی تھی ابراہیمؑ نے کہا کہ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ میرا ربّ وہی ہے کہ جو آبادی اور ویرانی کرتا ہے یہاں اِحیاء و اِماتت کے یقیناً یہی معنے ہیں۔ غلطی کرتے ہیں وہ جو یہاں زندہ کرنے اور مارنے کے معنے لیتے ہیں

کیونکہ یہ تو ایک بیوقوف سے بیوقوف بھی دعویٰ نہیں کرتا کہ حیات و ممات طبعی کا موجد میں ہوں۔
اس کے ثبوت میں ہم موت کے کئی معنے پیش کرتے ہیں جو لغاتِ عرب سے ثابت ہیں۔ موت کے ایک معنے ہیں نشوونما کے۔ چنانچہ فرمایا یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (الحدید : ۱۸) اور اَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا (ق : ۱۲) احساس کا دُور ہونا۔ قویٰ کا زوال جیسے اِس آیت میں یٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا (مریم : ۲۴) مَرجانے کی دعا جیسے احادیث میں منع ہے ایسے ہی تورات میں بھی۔ پس مریمؑ اپنے لئے موت کی دعا نہیں کرسکتی تھی۔ ۳۔ زوالِ عقل۔ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ (انعام : ۱۲۳) یعنی کم عقل۔ بے ایمان۔ انسانیت سے نابلد تھے۔ آخر وہ انبیاء کی پاک صحبت سے عقلوں والے ہوگئے۔ ۴۔ حزن مکدر للحیاۃ۔ يَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ (ابراھیم : ۱۸) ہر طرف سے دُکھ اور حیات کو مکدر کرنے والے آئیں گے۔
۵۔ نیند کے معنے۔ سونے کے بعد اُٹھے تو یہ دعا احادیث میں آئی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا۔ ۶۔ قوتِ حیات کا بطلان۔ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ (زمر : ۳۱) ۷۔ جن کا بدلہ نہ لیا جاوے۔ وہ بھی مُردہ ہیں۔ سبعہ معلقہ کا ایک شعر ہے

اِنْ نَبَشْتُمْ بَيْنَ مِلْحَةَ فَالصَّا ... قِبِ فِيْهَا الْاَمْوَاتُ وَالْاَحْيَاءُ

لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ۔ زندہ کہنے سے یہ مراد ہے کہ ان کا بدلہ لیا جاوے گا۔ غرض یہ موت کا لفظ متشابہ رنگ میں آیا ہے۔ پس جو راسخ فی العلم ہوتے ہیں وہ مختلف المعانی الفاظ کو حسبِ موقعہ معنی کا لباس پہناتے ہیں۔
۸۔ ترقی کے رُک جانے کا نام بھی موت ہے۔ ۹۔ فقر کا نام بھی موت ہے۔ ۱۰۔ موت العقل۔ موت العلم اور ذلت کا نام بھی موت ہے۔ اَوَّلُ مَنْ مَّاتَ اِبْلِيْسُ۔
پس یہاں حسبِ موقعہ موت کے معنے ویرانی کے ہیں۔
ابراہیم نے کہا کہ آبادی و ویرانی میرے رب کے اختیار میں ہے۔ وہ کافر بولا نہیں یہ کام بادشاہوں کے متعلق ہے مَیں بھی بادشاہ ہوں پس یہ تو مَیں بھی کرسکتا ہوں۔ سُبحان اللہ۔ انبیاء کی کیا عقل ہوتی ہے۔ فرمایا
اِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ
نادان خیال تو کر تو اپنے مذہب کو چھوڑ بیٹھا ہے تم تو سُورج کی پرستش کرتے ہو اس وجہ سے کہ

فصول وغیرہ کو اسی سے وابستہ سمجھتے ہو۔ اب اگر احیاء و اماتت (ویرانی۔ آبادی) تمہارے اختیار میں ہے تو گویا سورج تمہارا معبود نہیں بلکہ وہ تمہارے قبضۂ اختیار میں ہے۔ پس اگر یہ بات ہے تو تم اس کی چال پر ذرا حکومت دکھاؤ۔

جن لوگوں کو اس نکتہ چینی کی سمجھ نہیں آئی انہوں نے کہا کہ ابراہیمؑ نے اِنَّ اللّٰہَ یَاْتِیْ کہہ کر تبدیل استدلال کیا ہے اور صوفیوں نے یہ بتایا ہے کہ پہلی دلیل کو قوی کیا ہے۔ یہ بات یاد رکھو کہ انبیاء کا طریق مباحثات میں یہ ہے کہ وہ اپنا آپ درمیان سے نکال دیتے ہیں۔ وہ جنابِ الٰہی کے حکم کے نیچے ہو کر کام کرتے ہیں اس لئے مناظروں میں ہمیشہ کامیاب ہوتے ہیں اور وہ کافر بھونچکا ہو کر رہ گیا۔

ایک بات یاد آئی کہ ابنِ صیاد کے پاس نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) گئے اور اسے کہا میرے دل میں کیا ہے؟ اُس نے کہا دُخ۔ آپ کے دل میں یَوْمَ تَاْتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیْنٍ (الدخان:۱۱) تھی۔ اس نے بتایا کہ دُخ کے متعلق کوئی مضمون ہے آپ نے فرمایا اِخْسَأْ لَنْ تَعْدُ قَدْرَکَ۔ ذلیل رہ۔ اس سے نہیں بڑھے گا۔ مطلب یہ تھا کہ آئندہ ہم احتیاط کریں گے۔ جنابِ الٰہی کے حکم کے نیچے حسبِ دستور مناظرہ ہو گا پھر تو کبھی کامیاب نہیں ہوگا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۶؍مئی ۱۹۰۹ء)

ابراہیم علیہ السلام نے بادشاہِ وقت سے بھی مقابلہ کیا اور یہ سب کچھ خدا تعالیٰ کی عظمت کے قائم کرنے کے لئے کیا گیا تھا۔ اِس مباحثہ میں احیاء اور اماتت کی بھی ایک بحث تھی جہاں ابراہیم علیہ السلام کا قول رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ درج ہے اور جو کہ توحیدِ باری تعالیٰ کے متعلق ایک عجیب فقرہ ہے جس کو ہمارے زمانہ سے بڑا تعلق ہے کیونکہ اگر حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی مُردہ زندہ کئے تھے تو پھر ابراہیم علیہ السلام کا یہ استدلال کوئی قابلِ وقعت شئے نہیں ہوسکتا اور ان کا یہ کام اور کلام سب خاک میں مل جاتا ہے۔ ہاں ایک معنے کے رُو سے انبیاء بھی احیاء کرتے ہیں مگر چونکہ خدا تعالیٰ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ ہے اِس لئے اس کا احیاء بھی لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ ہی ہوگا اور انبیاء کا احیاء اس سے کوئی لگا نہیں کھائے گا۔ یہ بالکل سچ ہے کہ احیاءِ موتیٰ صرف رب کا ہی کام ہے اور وہ بھی کسی اَور عالَم میں۔ انبیاء کے احیاء کے یہ معنے ہیں کہ بعض شریر لوگ جو کہ اُن کی پاکیزہ مجالس میں آتے رہتے ہیں اور ان میں سے بعض اپنی کسی فطری سعادت کی وجہ سے جو کہ ان کے نطفہ میں آئی ہوتی ہے ہدایت پا جاتے ہیں اُن کی کفر اور فسق کی حالت کا نام موت ہوتا ہے اور ہدایت پا جانے کو احیاء سے تعبیر کرتے ہیں۔

(الحکم ۲۴؍فروری ۱۹۰۵ء صفحہ ۷)

بھلا دھیان توکرو اُس شخص کی طرف جس نے ابراہیمؑ راست باز سے رب کی بابت بحث کی۔کیا یہ بحث بدلہ تھی اِس بات کا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے پادشاہی دے رکھی تھی جب ابراہیم علیہ السلام راستباز نے کہا میرا رَبّ توایسا طاقتور ہے کہ زندہ کرتا اور مارتا ہے تو اس نادان نے (غور کرو) کیا جواب دیا۔مَیں بھی مارتا اور زندہ کرتا ہوں۔جب ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ ایسا نادان ہے کہ زندہ کرنا اور مارنا ہی نہیں سمجھتا۔توفرمایا اچھا اللہ تعالیٰ توسُورج کو مشرق کی جانب سے طلوع کرتا ہے تُو سُورج کو مغرب کی طرف سے لا دکھا۔اِتنی بات سُن کر کافر بغلیں جھانکنے لگا اور اللہ تعالیٰ تو ایسے بدکاروں کو بحث کی سمجھ بھی نہیں دیتا۔ (تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۲۸۸)

اللہ تعالیٰ نے ..... بتایا ہے کہ وہ کیونکر دُنیا میں احیاء و اماتت یعنی ویرانی سے آبادی کرتا ہے۔پہلے تو اِس مضمون پر ایک مباحثہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مجوسی قوم کے ایک شخص کے ساتھ ہُوا۔اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ میں ہُ کی ضمیر کا مرجع اگر حضرت ابراہیمؑ ہوں تو اشارہ ہے وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (انعام : ۷۶) کی طرف۔اور اگر مرجع وہ خصم عنید ہو تو یہ کہ مخالف کسی جاگیر وجائیداد پر تصرف رکھتا تھا۔بعض نادانوں کو اِس بات نے بہت گمراہ کیا ہے کہ وہ خواہ مخواہ ناموں کی تدقیق و تحقیق میں مشغول ہوجاتے ہیں اور اصل مقصود کی طرف توجہ نہیں رہتی۔بعض لوگوں نے اس مخالف کو نمرود سمجھا ہے اور پھر یہ اعتراض پیش آیا کہ آیا نمرود حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں تھا بھی یا نہیں؟ حالانکہ اس بات کی کیا ضرورت ہے کہ ہم خواہ مخواہ ناموں کے پیچھے پڑ جائیں۔کوئی ہو۔ہم نے تو یہ دیکھنا ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ میرا رب ہے جو آباد کرتا ہے اور ویران کرتا ہے۔احیاء و اماتت کے اس مقام پر یہی معنے ہیں کیونکہ مُردوں کا اِس دُنیا میں زندہ کرنا سُنّت اللہ نہیں۔اس مخالف نے بھی یہی مطلب سمجھا۔اِس واسطے جواب میں کہا اَنَا اُحْيٖ وَ اُمِيْتُ کہ مَیں آباد سے ویران اور ویران سے آباد کرتا ہوں۔کسی کو جاگیر دے دی۔انعام دیا۔آباد ہوگیا۔کسی کو لُوٹ لیا۔ویران ہوگیا۔چونکہ یہ جواب بہت ناقص تھا اور وہ مجوسی۔(قرآن مجید کی متعدد آیات سے یہ امر واضح ہے کہ ابراہیمؑ کے مقابلہ میں مجوسی قوم تھی) اور مجوسی اجرام سماوی کی پرستش کرتے تھے۔حضرت ابراہیمؑ نے کئی کئی رنگوں میں ان پر اتمامِ حُجّت کی مثلاً ایک جگہ کوکب، قمر، سُورج کو بطور استفہام انکاری هٰذَا رَبِّيْ کہہ کر پھر نتیجہ نکالا ہے يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ مجوسیوں نے بہت بُرا اثر پھیلایا (ایران کے لٹریچر میں اجرام کی تعریف پائی جاتی ہے بعض مسلمان بھی اس اثر سے متاثر ہوگئے۔سکندرنامہ دیکھو پھر

ابوالفضل کی تصنیف جس میں آفتاب کو حضرت نیرِ اعظم لکھا گیا ہے) تھا اِس لئے حضرت ابراہیمؑ
نے اسے خوب جواب دیا کہ یہ آبادی و ویرانی تو اجرامِ سماوی کے اثر سے وابستہ ہے جب آپ
بھی محی و ممیت ہیں تو گویا آپ کو دعوٰی ہے کہ سُورج پر بھی مَیں ہی حکمران ہوں اور یہ اجرام سب
تمہارے ماتحت ہیں حالانکہ یہ اس کے اور اس کی جماعت کے عقائد کے خلاف تھا اِس لئے وہ یہ
جواب سُنکر فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ مبہوت رہ گیا
یعنی اگر سُورج تمہارے ماتحت ہے تو اپنا تصرف دکھاؤ۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۷ نمبر ۷ صفحہ ۳۳۱، ۳۳۲)

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰى قَرْیَةٍ : اِس آیتِ شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی سمجھایا ہے کہ انسان
جب اللہ کے حضور کامل یقین سے دعا کرتا ہے تو وہ کبھی محروم نہیں رہتا۔

دعا میں تین مشکلات لوگوں کو پیش آتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ خدا کی خدائی اور اس کی حکمتوں
پر ایمان نہیں لاتے۔ قِسم قِسم کی خواہشیں کرتے ہیں جن کا نتیجہ ان کے حق میں اچھا نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ
جب قبول نہیں کرتا تو وہ نادانی سے دعا ہی کے مُنکر ہو جاتے ہیں حالانکہ اگر ان کی یہ دعائیں قبول
ہوں تو دُنیا فنا ہو جائے۔ عورتوں ہی کو لو وہ بچوں سے تنگ آکر انہیں کس طرح کوستی ہیں۔
ایک عورت ایک نئی قِسم کی بَد دعا دیا کرتی تھی۔ وہ کہتی" لوہے کا جھاڑو۔ لوہے کا جھاڑو۔" مطلب
یہ تھا کہ ایسا صفایا ہو کہ کوئی نام و نشان نہ رہے۔ اِسی طرح گنوار زمیندار اپنے مویشیوں کے حق میں
بَد دعائیں دیتے ہیں۔ ادھر فریق ثانی بھی۔ اب اگر دونوں کی دعائیں خدا تعالیٰ سُن لے تو ایک بھی
نہ رہے۔ پھر دوسری بات ہے کہ دعا ایک محنت ہے اور اپنے لئے ایک موت اختیار کرنا ہے۔
وہ جب ایک خاص نقطہ تک پہنچتی ہے تو اسے قبولیت کا جامہ پہنایا جاتا ہے۔ بعض لوگ ورے
ورے ہی فیصلہ کرنا چاہتے ہیں مگر یہ نہیں ہوتا تو گھبرا اُٹھتے ہیں۔ پھر بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو
اِس نکتۂ معرفت سے بے خبر ہیں کہ دعا ضائع نہیں جاتی بلکہ اگر وہ مقصد حاصل نہ ہو تو اس کا فائدہ
ضرور ہے کہ معاصی کے نتائج اور آنے والی بَلاؤں سے بچا لیتی ہے۔ یہاں اِن آیات میں جو
مذکور ہے اس کی اصل یہ ہے کہ بنی اسرائیل جب شرارت میں حد سے بڑھ گئے تو خدا تعالیٰ نے
ان پر ذِلّت و مسکنت لیس دی۔ وہ بابل میں جلا وطن کئے گئے۔ پھر جب انہوں نے خدا کی طرف رجوع
کیا تو ان میں حزقیل، عزرائیل، دانیال سے برگزیدہ پیدا ہوئے۔ حزقیل نے ان کے لئے بہت
دعائیں کیں اور گھبرا کر پکار اُٹھے کہ اب یہ مُردہ قوم کب زندہ ہوگی۔ یہ ویرانہ کب آباد ہوگا۔ اللہ تعالیٰ

نے ان کو رؤیا میں سب کچھ دکھایا۔ یہ ایک عام سُنّت اللہ ہے کہ جس بات کی تورات میں تفصیل ہو قرآن شریف اس کی طرف اجمالی اشارہ کرتا ہے اور جس کا تورات میں مجمل بیان ہو قرآن شریف اسے مفصل بیان کرتا ہے۔ اِس قصہ کو تورات میں خوب کھولا گیا ہے۔ وہاں حزقیل باب ۳۷ میں صاف لکھا ہے کہ آپ نے خواب دیکھا ایک وادی میں ہڈیاں بھری ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم نبوت (پیشگوئی) کرو۔ جو سچ بات ہو اس کی مثالیں بہت مِل جاتی ہیں۔ چنانچہ اِس طرز کی ایک رؤیا ابوحنیفہ کی بھی ہے کہ آپ نے دیکھا کہ حضرت نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں ہڈیوں کو اکٹھا کر رہے ہیں۔ معبّرینِ زمانہ سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ رسول کریمؐ کے سچے علم میں ایک بے خبری کا مرض آگیا تھا آپ کے ذریعہ سے اب یہ دین از سرِ نَو زندہ ہوگا۔

آمَاتَهُ اللّٰهُ کے متعلق مَیں یہ بھی سُنائے دیتا ہوں کہ بعض وقت نبی اُمّت کا قائم مقام ہوتا ہے چنانچہ ہمارے نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں دُودھ اور شراب پیش کیا گیا تو آپؐ نے دُودھ پیا تب جبرائیل نے بتایا کہ اگر آپؐ شراب پیتے تو تمام اُمّت بدکار ہوجاتی۔ ایسا ہی ایک مقام پر قرآن کریم میں آیا ہے یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ (الطلاق : ۲) پہلے نبی سے خطاب ہے مگر پھر آگے چل کر کھول دیا ہے کہ نبی قائم مقامِ اُمّت ہے۔ پس آمَاتَهُ اللّٰهُ سے قوم کی ویرانی و تباہی مراد ہے جو ایک سَو سال تک رہی۔ پھر وہ قوم از سرِ نَو زندہ ہوئی۔

غرض حزقیل کو خدا نے وہ نظارہ رؤیا میں دکھایا حزقیل اپنے قیاس سے یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ کہتا ہے مگر خدا تعالیٰ اسے سَو سال بتاتا ہے مگر ساتھ ہی بتایا ہے کہ تم بھی سچے ہو کیونکہ طعام و شراب پر سال نہیں گزرے۔ اور رؤیا میں یہ بات ممکن ہے۔ چنانچہ سُورہ یوسف میں ایک ذکر ہے کہ بادشاہ نے چودہ سال قحط و سرسبزی کے ایک آن میں دیکھ لئے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ رؤیا کا لفظ یہاں نہیں۔ یہ ان کی غلطی ہے۔ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ (یوسف : ۵) انبیاء کے لئے خواب کا اظہار ضروری نہیں ہوتا۔

حضرت صاحبؑ[1] سے مَیں نے ایک دفعہ اِس آیت کے معنے دریافت کئے تو آپ نے فرمایا مَیں نے جنابِ الٰہی میں توجہ کی تو مجھ پر کُھلا کہ وہ شخص واقعی مَر گیا تھا۔ عرض کیا کہ پھر سَو سال کے بعد اُٹھنا کیا معنے؟ فرمایا کہ انبیاء کو مرنے کے بعد ایک حیات دی جاتی ہے۔ ہمارے نبیؐ کریم (صلی اللہ

---

[1] حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔

علیہ وسلم) نے بھی فرمایا تھا کہ مَیں چالیس دِن کے بعد زندہ کیا جاؤں گا۔ پھر عرض کیا کہ وہ آیت کِس طرح ہے؟ فرمایا کیا مُردہ آیت نہیں ہو سکتا؟ اللہ تعالیٰ فرعون کی نسبت فرماتا ہے لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً (یونس: ۹۳) چونکہ میری طبیعت میں شرم اور ادب بہت تھا اِس لئے مَیں نے یہ نہ پُوچھا کہ اُنْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ کا کیا مطلب ہُوا؟

قاضی امیر حسین صاحب نے بھی ایک معنے کئے ہیں۔ وہ اماتت کے معنے باستدلال آیت يَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ (ابراہیم: ۱۸) پریشانی و پراگندگی کرتے ہیں۔ اَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ سے یہ مُراد ہے کہ حزقیل کو خدا نے سَو سال تک غم اور پریشانی اور حُزن مکدرالحیاۃ میں رکھا۔ بیس برس کی عمر میں حُزن پیدا ہُوا۔ یورو شلم تباہ ہو چکا تھا۔ ۷۰ برس تباہی رہی ۳۰ برس میں آباد ہوئی پھر اللہ تعالیٰ نے یوروشلم کو آباد کر دیا تو عزرا نبی تشریف لائے۔ دیکھا کہ جہاں پانی نہ تھا وہاں کھانے پینے کی تمام چیزیں تازہ بتازہ، بُو بہ بُو (نہ کہ سڑی بُسی) موجود ہیں بلکہ مال مویشی اور سواری کے جانور بھی۔ یہ معنے بھی کسی وقت دلچسپی سے خالی نہیں۔

وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ: اَنّٰى يُحْيِىْ کب اور کِس طرح زندہ کرے گا کا عقلی جواب ہے کہ تم اپنی ہڈیوں ہی کو دیکھو کہ اللہ انہیں آہستہ آہستہ کس طرح اُٹھاتا ہے۔

جہاد میں اِس قصّے کے بیان کا یہ فائدہ ہے کہ خدا نے فرمایا ویرانی اور آبادی میرے اختیار میں ہے پس تم اپنے لوگوں میں سے کسی کے قتل ہو جانے پر حُزن مت کرو۔ تم اس پر کامل یقین کرو۔ وہ ہمیں ایک زندہ قوم بنا دے گا۔

مَیں نے ایک مشہور مفسّر کو دیکھا ہے کہ اُس نے عَامٍ کے معنے دِن کے کئے ہیں تو اِس لحاظ سے مِائَةَ عَامٍ سے ۲½ چلّے مراد لیتا ہے جو حزقیل نبی کو دعا و اضطراب میں جو ایک قِسم کی موت تھی کاٹنے پڑے۔ یہ معنے قاموس نے لکھے ہیں مگر قاموس نے غلطی کھائی ہے۔ وہ لفظ دراصل عیام ہے جسے وہ عام سمجھا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۶؍مئی ۱۹۰۹)

ایک شخص کا ذکر ہے جو ایک بستی کے قریب سے گزرا اور ازراہِ استعجاب کہنے لگا اَنّٰى يُحْيِىْ هٰذِهِ اللّٰهُ۔ یہاں بھی لوگوں نے بحث کی ہے کہ وہ کافر تھا یا قیامت کا منکر تھا یا مومن تھا بلکہ نبی تھا بعض کے نزدیک یرمیاہ بعض کے عُزیر بعض کے حزقیل تھا۔ حالانکہ یہ بحث فضول ہے۔ تواتر اور پھر یہودیوں کی تاریخ سے ظاہر ہے کہ یہ بستی یروشلم تھی جو بخت نصر بابلی کے ذریعہ تباہ ہوئی۔ حزقیل نبی گزرے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں رؤیا میں اس کی آبادی کا نظارہ دکھایا۔ رؤیا کا ثبوت ایک تو

حزقیل نبی کی کتاب سے ملتا ہے جو بلا اختلاف یہود کے نزدیک مسلّم ہے۔ اس میں لکھا ہے (دیکھو ۳۷ باب میں) خداوند کا ہاتھ مجھ پر تھا..... اور اس وادی میں جو ہڈیوں سے بھری ہوئی تھی مجھے اُتار دیا..... پھر اس نے مجھے کہا کہ تو ان ہڈیوں پر نبوت کر۔ اسی نبوت سے (وہ آیت ہوئی) اور ان سے کہہ اے سوکھی ہڈیو! تم خدا کا کلام سنو!..... دیکھو تمہارے اندر میں روح داخل کروں گا اور تم جیو گے..... اور گوشت چڑھاؤں گا..... تب اس نے مجھے کہا کہ اے آدم زاد یہ ہڈیاں سارے اسرائیل ہیں۔ دیکھ یہ کہتے ہیں کہ ہماری ہڈیاں سوکھ گئیں اس لئے تو نبوت کر..... کہ دیکھ اے میرے لوگ میں تمہاری قبروں کو کھولوں گا اور تمہیں تمہاری قبروں سے باہر نکالوں گا اور اسرائیل کے ملک میں لاؤں گا۔

دوم۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ تو سو سال رہا۔ اور وہ خواب دیکھنے والا کہتا ہے لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ دن یا اس کا کچھ حصہ۔ پھر اس کے قول کی اللہ تعالیٰ تصدیق فرماتا ہے فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ کہ تو اپنی کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھ۔ ان پر سال نہیں گزرے اور گدھے کو دیکھ لو ویسے ہی کھڑا ہے۔ پس یہ دو باتیں سوائے رؤیا کے کہیں جمع نہیں ہو سکتیں چنانچہ اس کی مثال سورہ یوسف میں اس بادشاہ کا خواب ہے جس نے بَعْضَ يَوْمٍ میں سات سال کے قحط کا نظارہ دیکھا۔ وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ (یوسف: ۴۴) (میں سات گائیں موٹی دیکھتا ہوں۔ کھاتی ہیں ان کو سات دُبلی اور سات بالیں سبز اور دوسری سوکھی) یوسفؑ اس کی تعبیر فرماتے ہیں تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا (یوسف: ۴۸) غرض حزقیل نے نبوت کی کہ یہ بستی سو سال میں پھر آباد ہوگی اور پھر بنی اسرائیل اپنی سرزمین میں آئیں گے۔ چنانچہ ستر سال گزرنے پر دانیال نبی کی معرفت بنی اسرائیل کو سمجھایا گیا کہ فارس کے بادشاہوں سے تعلقات قائم کرو۔ پھر ان کی مدد سے وہ تیس برس میں آباد ہوگئے۔ یہ دوسرا ثبوت ہے اس کا کہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۷ نمبر ۷ صفحہ ۳۴۲، ۳۴۳)

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ

قَلْبِيْ ۚ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ

اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ

ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ۚ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ

حَكِيْمٌ ﴿۲۶۰﴾

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى : یہ تیسری مثال بھی جہاد کے متعلق ہے۔ مجاہد فی سبیل اللہ جب اللہ کی راہ میں مارا جاتا ہے تو ضرور اللہ اس کو ایک حیات بخشتا ہے اور اس پر ایک فضل ہوتا ہے۔ وہ اپنے (خدا) سے رزق پاتا ہے۔ ابراہیمؑ جو حُنفاء کے باپ تھے انہوں نے اس نظارہ کو دیکھنا چاہا کہ اس عالَم میں شہداء کیسے زندہ کئے جاتے ہیں۔ کَیْفَ سے کسی کا وہم ہو سکتا تھا کہ شاید آپ مانتے نہ تھے اِس لئے اِس وہم کو سوال و جواب کے پیرائے میں دُور کیا۔

اَوَلَمْ تُؤْمِنْ : ایمان نہیں؟

قَالَ بَلٰى : کہا کیوں نہیں۔

وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ : شُنیدہ کے بُوَد مانند دیدہ۔ دید اور شُنید میں فرق ہے۔ مَیں نظارۂ قدرت کو دیکھنا چاہتا ہوں۔

فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ : چار پرندوں کے لانے کا حکم دیا۔ چار کی تعداد اس لئے مناسب ہے کہ انسان کی بھی چار ہی غلطیں ہوتی ہیں۔

صُرْهُنَّ : صَرْ کے عربی میں دو معنے ہیں ایک اپنی طرف مائل کرنا۔ ایک شعر یاد آگیا ؎

ومامید الاخلاق فیھم جبلة ولٰکن اطراف الریاح تصورھا

ابنِ عباسؓ نے بھی اس کے معنے اَمِلْهُنَّ کئے ہیں۔ اِلیٰ کا صِلہ بھی یہی معنے چاہتا ہے۔ دوسرے معنے کُچل دینے کے ہیں۔ میرے نزدیک کلامِ الٰہی میں جتنی وسعت ہو سکے کرنی چاہیئے۔ پس دونوں معنے صحیح ہیں۔

یَاْتِیْنَکَ سَعْیًا: پہلے کے مطابق یہ مطلب ہے کہ جب تھوڑی سی ربوبیت کا یہ اثر ہے کہ تم ان کو اپنی طرف بُلاؤ تو تمہاری طرف دوڑتے آتے ہیں تو پھر ربّ الارباب کے بُلانے سے کیوں نہ آئیں گے۔

دوسرے معنے کے لحاظ سے یہ مطلب ہے کہ خدا نے ان کو دوسرے عالَم میں زندہ کیا اور یہ کیفیت کشف میں ابراہیمؑ کو دکھا دی۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۶ رمئی ۱۹۰۹ء)

جب حضرتِ خلیل نے جنابِ الٰہی میں عرض کیا کہ کس طرح پرویرانی سے آبادی ہوگی تو خدا نے اپنی صفتِ ربوبیت کی طرف متوجہ کیا کہ تم چار پرندوں کو پالو اور انہیں اپنی طرف بُلاؤ۔ چلے آئیں گے۔ اِسی طرح پر میری ربوبیت ایسے اسباب مجتمع کر لے گی جو اس بستی کو آباد کر دے۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۷ نمبر ۷ صفحہ ۳۳۳)

صُرْھُنَّ اَمِلْھُنَّ نَحْوَکَ مِنَ الصَّور ای المیل۔ پس صُرْھُنَّ کے معنی ہوئے اپنی طرف مائل کرے۔ مفردات القرآن اور کتبِ لُغت میں ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کو ان کے ایک سوال پر اللہ تعالیٰ نے ایک دلیل بتائی ہے کہ کس طرح مُردے زندے ہوں گے۔ اس پر فرمایا: دیکھ ان جانوروں کو جو جسم اور رُوح کا مجموعہ ہیں۔ تیری ذرا سی پرورش کے سبب سے تیرے بُلانے پر پہاڑیوں سے تیری آواز سُن کر چلے آئیں گے تو کیا میں جو ان کا حقیقی مالک اور رَبّ پرورش کنندہ ہوں میرے بُلانے پر یہ ذرّات حیوان کے جمع نہیں ہوسکیں گے۔ اِس نظارہ اور فعل پر بتاؤ کیا اِعتراض ہے؟

پس ترجمہ آیتِ کریمہ کا یہ ہُوا۔ فرمایا۔ پس لے پرندوں سے چار۔ پھر ان کو مائل کر لے اپنی طرف یعنی اپنے ساتھ ملا لے۔ پھر رکھ پہاڑی پر ان میں سے ایک ایک کو۔ پس بُلا ان کو۔ تیرے پاس آئیں گے دوڑتے۔ (نورالدین (ایڈیشن سوم) صفحہ ۱۷۸، ۱۷۹)

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۲﴾

مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ : ان جنگوں میں ضرورت پڑتی تھی خرچ کی پس اسکی ترغیب دی۔ یہ بات یاد رکھو کہ انبیاء مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (الشعراء : ۱۱۰) کا اعلان کرنے والے ہیں جو داعی اِلی الحق ہوں۔ ان کو کسی اجر کی ضرورت نہیں۔ مَیں خود اپنی طرف دیکھتا ہوں کہ تمہیں درس دیتا ہوں مگر کبھی میرے واہمہ میں بھی نہیں گزرا کہ کوئی اس کے عوض میں مجھے کچھ دے یا سلام تک بھی کرے۔ عبدالقادر جیلانی نے کَخَرْدَلَةٍ عَلٰی حُکْمِ اتِّصَالٖ میں اپنے پاک دل کا بہت ہی سچا نقشہ کھینچا ہے کہ احمق لوگوں نے اس کے شرک آمیز معنے لئے ہیں مگر اصل یہی ہے کہ انہوں نے یہ بتلایا ہے کہ میرے نزدیک دُنیا کی قدر ایک رائی کے دانے کے برابر نہیں مگر دُنیا رائی میں نہیں آسکتی۔

پس خوب یاد رکھو کہ انبیاء جو چندے مانگتے ہیں تو اپنے لئے نہیں بلکہ انہی چندہ دینے والوں کو کچھ دلانے کے لئے۔ اللہ کے حضور دلانے کی بہت سی راہیں ہیں ان میں سے یہ بھی ایک راہ ہے جس کا ذکر پہلے شروع سُورۃ میں مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ (بقرہ : ۴) سے کیا پھر اٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ (بقرہ : ۱۷۸) میں۔ پھر اِسی پارہ میں اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ (بقرہ : ۲۵۵) سے۔ مگر اب کھول کر مسئلہ انفاق فی سبیل اللہ بیان کیا جاتا ہے۔ انجیل میں ایک فقرہ ہے کہ جو کوئی مانگے تو اسے دے۔ مگر دیکھو قرآن مجید نے اِس مضمون کو پانچ رکوع میں ختم کیا ہے۔ پہلا سوال تو یہ ہے کہ کسی کو کیوں دے ؟ سو اس کا بیان فرماتا ہے کہ اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے۔ خرچ کرنے والے کی ایک مثال تو یہ ہے کہ جیسے کوئی بیج زمین میں ڈالتا ہے مثل باجرے کے پھر اس میں کئی بالیاں نکلتی ہیں۔

وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ : بعض مقام پر ایک کے بدلہ دس اور بعض میں ایک کے بدلہ سات سَو کا مذکور ہے۔ یہ ضرورت، اندازہ، وقت و موقع کے لحاظ سے فرق ہے۔ مثلاً ایک شخص ہے دریا کے کنارے پر۔ سردی کا موسم ہے۔ بارش ہو رہی ہے۔ ایسی حالت میں کسی کو گلاس بھر کر دے دے تو کونسی بڑی بات ہے لیکن اگر ایک شخص کسی کو جبکہ وہ جنگل میں دوپہر کے وقت تڑپ رہا ہے پیاس کی وجہ سے جاں بلب ہو محرقہ میں گرفتار۔ پانی دیدے تو وہ عظیم الشان نیکی ہے۔ پس اِسی قِسم کے فرق کے لحاظ سے اجروں میں فرق ہے۔ رابعہ کا ایک قِصّہ لکھا ہے کہ ان کے گھر میں بیس۲۰ آدمی مہمان آگئے گھر میں صرف دو۲ روٹیاں تھیں آپ نے اپنی جاریہ سے کہا۔ جاؤ کہ یہ فقیر کو دے دو۔ اُس نے دل میں کہا کہ زاہد عابد بیوقوف بھی پرلے درجے

کے ہوتے ہیں دیکھو گھر میں بیسؔ مہمان ہیں اگر انہیں ایک ایک ٹکڑہ دے تو بھی بھوکے رہنے سے بہتر ہے اور ان مہمانوں کو یہ بات بُری معلوم ہوئی لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ رابعہ کا کیا مطلب ہے۔ تھوڑی دیر ہوئی تو ایک ملازمہ کسی امیر عورت کی ۱۸ روٹیاں لائی۔ رابعہ نے انہیں واپس دیکر فرمایا کہ یہ ہمارا حصّہ ہرگز نہیں۔ واپس لے جاؤ۔ اُس نے کہا نہیں مَیں بھولی نہیں۔ مگر رابعہ نے یہ اصرار کیا کہ نہیں یہ ہمارا حصّہ نہیں۔ ناچار وہ واپس ہوئی۔ ابھی دہلیز میں قدم رکھا ہی تھا کہ مالکہ نے چلّا کر کہا کہ تو اِتنی دیر کہاں رہی۔ یہ تو دُو قدم پر اس کا گھر ہے۔ ابھی تو رابعہ بصری کا حصّہ پڑا ہے چنانچہ پھر اسے بیسؔ روٹیاں دیں جو وہ لائی تو آپ نے بڑی خوشی سے لے لیں کہ واقعی یہ ہمارا حصّہ ہے۔ اس وقت جاریہ اور مہمانوں نے عرض کیا کہ ہم اِس نکتہ کو سمجھے نہیں۔ فرمایا۔ جس وقت تم آئے تو میرے پاس دُو روٹیاں تھیں میرے دِل میں آیا کہ آؤ پھر مَولیٰ کریم سے سَودا کریں اس وقت میرے مطالعہ میں یہ آیت تھی مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا اِس لحاظ سے دُو کی بجائے بیسؔ آنی چاہئے تھیں یہ اٹھارہ لائی تو مَیں سمجھی کہ مَیں نے تو اپنے مَولیٰ سے سَودا کیا ہے وہ تو بھولنے والا نہیں پس یہی بھولی ہے۔ آخر یہ خیال سچ نکلا۔ یہ بات واقعی ہے کہانی قصّہ نہیں۔ مَیں نے خود بارہا آزمایا ہے۔ مگر خدا کا امتحان مت کرو اُس کو تمہارے امتحانوں کی کیا پرواہ ہے۔ خدا کے قول کا عِلم عام کھیتی باڑی سے ہو سکتا ہے۔ بیج ڈالا جاتا ہے تو اس کے ساتھ کیڑے کھانے کو موجود۔ پھر جانور موجود۔ پھر ہزاروں بَلائیں ہیں۔ ان سے بچ کر آخر اس دانے کے سینکڑوں دانے بنتے ہیں۔ اِسی طرح جو خدا کی راہ میں بیج ڈالا جاوے وہ ضائع نہیں جاتا۔

اَب اِس سوال کا جواب تو ہو گیا کہ کیوں دے؟ اَب بتاتا ہے کِس طرح دے؟ اوّل تو یہ کہ محض لِابْتِغَآءِ مَرْضَاتِ اللّٰهِ دے۔ احسان نہ جتائے۔ بعض لوگ مُلّاں کو کہتے ہیں ہماری روٹیوں کا پَلا ہوا۔ تو یہ حد درجہ کی سفاہت و کمینگی کی بات ہے۔ دوّم کسی کو تکلیف نہ دے۔

تمام کتبِ الٰہیہ سے زیادہ قرآن مجید میں خیرات کے متعلق ہدایات ہیں۔ اس میں بتایا گیا ہے کیوں دے؟ اِس لئے کہ جو اللہ کی راہ میں دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بہت عمدہ بدلہ دیتا ہے اس کے مال کو بڑھاتا ہے وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ۔ ۲۔ يُرْبِي الصَّدَقٰتِ (بقرہ: ۲۷۷) کیا دے؟ عفو یعنی جو حاجتِ اصلیہ سے زیادہ ہو حلال اور طیّب مال دے۔ ردّی چیز نہ ہو۔ ابتغاء

لوجہ اللہ دے۔ چنانچہ فرماتا ہے اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ۔ ب۔ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ (بقرہ: ۲۶۸)۔ ج۔ وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ (بقرہ: ۲۲۰)۔ د۔ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ (بقرہ: ۲۷۳) کس طرح دے؟ پس جس کو دے اس پر احسان نہ جتائے۔ اسے دُکھ نہ دے۔ ظاہر دے تو یہ بھی اچھا اور اگر پوشیدہ دے تو یہ اس کے حق میں بہتر۔ ارشاد ہوتا ہے (۱) لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى (بقرہ: ۲۶۵) (۲) اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ۔ نِعِمَّا اور خَيْرٌ لَّكُمْ کے فرق کو غور سے دیکھنا چاہیئے۔ کس کس کو دے۔ فقراء کو مساکین کو۔ ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں روکے گئے ہیں یعنی طلباء، علماء جو محض دین کے کاموں میں مصروف ہوں اور اس وجہ سے کوئی کسب نہ کر سکتے ہوں۔ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ (بقرہ: ۲۷۴)۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۸ ؁ صفحہ ۳۲)

۲۶۳۔ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۳﴾

وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ: یہ خیرات کی برکات بتائی ہیں کہ مشکلات میں خیرات کرنے والے کو خوف اگر لاحق ہو تو وہ دُور کیا جاتا ہے اور پھر اسے حُزن نہیں ہوتا۔ ایک مفسّر نے سخت غلطی کی ہے جو اس آیت کی نسبت لکھ دیا ہے کہ صرف صحابہؓ کے لئے تھی اب یہ بات نہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۰ ؍ مئی ۱۹۰۹ء)

۲۶۴۔ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۗ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۴﴾

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ: سائل سوال کرتا ہے تو اس وقت چار مشکلات ہو سکتی ہیں۔

مسئول کے لئے یہ دھوکہ. مثلاً جیب میں روپیہ پیسہ ہیں مگر دل دینے میں مضائقہ کرتا ہے۔ کئی عذرات سامنے آتے ہیں کہ آمدنی کم ہے۔ فلاں فلاں خرچ درپیش ہے پس دوں تو کیونکر دوں؟ احتیاج لازم حال ہے۔ کنبہ بہت ہے یا پاس کچھ نہیں اور دل چاہتا ہے۔ یہ ظاہرداری کا تقاضا ہے کہ کچھ دے۔ اسی طرح سائل یا تو ایسا ہے کہ واقعی محتاج ہے یا وہ بطور پیشہ وعادت کے مانگتا ہے۔ جیسے کہ میں نے ایک عورت کو سونے کا زیور پہنے مانگتے دیکھا پوچھا تو کہا یہی ہمارا پیشہ ہے۔ گویا یہ چار صورتیں ہیں۔ اب اللہ ان کے لئے دو نکتے سکھاتا ہے اگر جیب میں ہے اور دے نہیں سکتا تو کوئی اچھی بات ہی کہہ دے جو اس کے حق میں مفید ہو۔ ایسا ہی پاس کچھ نہیں تو قولِ معروف ہی اس کے بدلے میں کر دے یہ مسئول کے لئے ہے اور سائل کے لئے قولِ معروف یہ ہے کہ اپنے آپ کو سمجھائے۔ باوجود ہونے کے کیوں سوال کرتا پھرتا ہے؟ اگر واقعی احتیاج سے سوال کرتا ہے تو بھی اپنے لئے قولِ معروف کرے کہ کیوں عجز اختیار کر رکھا ہے کوئی پیشہ اختیار کر۔ ایسا ہی اگر مسئول کے پاس ہے اور دیتا نہیں تو استغفار کرے کہ جود و سخا مثمر ثمراتِ طیّبہ کے لئے شرح صدر عطا ہو۔ اگر پاس کچھ نہیں اور دینا چاہتا ہے تو بھی استغفار کرے کہ اللہ تعالیٰ مجھے کشائش دے یا سائل کے لئے استغفار کرے۔ ایسا ہی وہ سائل جو ہے اگر باوجود مال کا مالک ہونے کے مانگتا ہے تو استغفار کرے کہ کیوں خواہ مخواہ ذلّت میں گرفتار ہے۔ اگر واقعی ہے نہیں پھر بھی استغفار پڑھے کہ اللہ اپنی جناب سے رزق دے اور سوال کی ذِلّت سے بچا رہوں۔

غَنِیٌّ حَلِیْمٌ: اللہ کو اپنی ذات کے لئے صدقوں کی کچھ پرواہ نہیں۔ وہ حلیم ہے اور اَلصَّدَقَۃُ تُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۰ رمئی ۱۹۰۹ء)

۲۶۵-۲۶۴

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ

فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

وَابِلٌ : پورا مینہ

تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ : کسی کے کہنے سننے سے نہ ہو۔ فوری جوش نہ ہو بلکہ دل کے پکے ارادے سے ہو پہلے بتایا خرچ کیوں کرو۔ پھر بتایا خرچ کس طرح کرو۔ ریا کے لئے نہ ہو۔ احسان نمائی اور تکلیف دہی نہ ہو۔ دلی محبت سے محض اللہ کی رضامندی کے لئے ہو۔ اب ایک دُنیوی مثال دیتا ہے کیونکہ اللہ اپنی پاک باتیں جو رسولوں کی زبان پر دُنیا کو پہنچاتا ہے اس کے نمونے دُنیا میں رکھے ہوتے ہیں۔

رَبْوَةٌ : اِس کے معنے بعض مترجموں نے غلطی سے اُونچی جگہ یا ٹیرا کے کئے ہیں یہ غلط ہے۔ یہ ربو سے ہے جس کے معنے ہیں بڑھانا۔ پس ربوہ اُس زمین کو بولتے ہیں جس میں سے بیج جلد نکل آوے اور بہت کثرت سے پھوٹے پھلے۔ پنجاب میں ایسی زمین کو "نیائیں" بولتے ہیں اور پہاڑوں کے قریب "بجوہ"۔

ضِعْفَيْنِ : معمول سے بہت بڑھ چڑھ کر۔ تثنیہ کبھی کثرت کے لئے بھی ہوتا ہے جیسے لَبَّيْكَ۔ سَعْدَيْكَ۔ اِرْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ (الملک: ۵)

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۰ مئی ۱۹۰۹ء)

خرچ کرنے کے یہاں بڑے مواقع ہیں۔ مہمان خانہ ہے۔ لنگرخانہ ہے۔ مدرسہ ہے۔ پھر بعض لوگ آتے ہیں لیکن وہ بے خرچ ہوتے ہیں ان کو خرچ کی ضرورت پڑتی ہے اور بعض دولت مند بھی آتے ہیں اور میں نے اکثر دفعہ لوگوں کو کہا ہے کہ وہ آکر اپنا سامان وغیرہ میرے حوالہ کر کے رسید لے لیا کریں کہ گم نہ ہو اکرے مگر وہ ایسا نہیں کرتے اور ان کا سامان گم ہو جاتا ہے اور امداد کی ضرورت اُن کو آپڑتی ہے اور بعض ایسے ہیں کہ محض ابتغاءِ لوجہ اللہ یہاں رہتے ہیں۔ پھر دو اخبار بھی ہیں اگرچہ ان کے مہتمم اپنے فرائض کو کما حقہٗ بجا نہیں لاتے مگر تاہم ان کا ہونا غنیمت ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے فَإِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ تو ان سب اخراجات کو مدِّ نظر رکھنا اور ان موقعوں پر خرچ کرنا چاہیئے جو اہم امور ہیں وہاں اہم اور جو اس سے کم ہیں وہاں کم۔ درجہ بدرجہ ہر ایک کا خیال رکھو۔ (الحکم ۲۴ جنوری ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۴)

۲۶۷

أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيلٍ وَّأَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿۲۶۷﴾

أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ: اِس آیت میں تمام درختوں میں سے نخیل و اعناب کا ذکر بالخصوص اسلئے کیا ہے کہ یہ بہت اعلیٰ قسم کے درخت ہیں۔ رسول کریمؐ نے مومن کو کھجور کے درخت سے تشبیہ دی ہے اِس لئے کہ اس میں چند خاصیتیں ہیں۔ اوّل تو یہ کہ اِس کے پتّے ہَوا سے نہیں جھڑتے۔ مومن کو بھی ایسا ہی ہونا چاہیئے کہ وہ قسم قسم کی مصیبتوں میں گھبرا نہ اُٹھے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مجھ پر بہت سی مصیبتیں یک لخت ٹوٹ پڑیں۔ مَیں جماعت کرانے لگا اَلْحَمْدُ کے الٓ تک پہنچا تھا کہ حمد پڑھنے سے میری طبیعت نے مضائقہ کیا۔ مَیں نے اپنے دل سے سوال کیا کہ تو ایک قوم کا امام ہو کر الحمد پڑھنے لگا ہے۔ کیا واقعی تیرا قلب شرح صدر سے اللہ کے حضور میں شکر گزار ہے۔ اس وقت بہت اضطراب کا وقت تھا۔ ایک طرف یہ خیال کہ مقتدی منتظر ہیں دوسری طرف یہ کہ اگر نہیں پڑھتا تو مقتدیوں کو ابتلاء ہے اور اگر پڑھتا ہوں اور شرح صدر سے نہیں پڑھتا ہوں تو یہ بھی ٹھیک نہیں۔ قربان جاؤں اپنے مَولیٰ کے معًا اس نے میری دستگیری کی اور سمجھایا۔ ہم کوئی مصیبت بھیجتے ہیں اور اس پر اگر کوئی شخص صبر کرتا ہے تو ہم اسے بہتر سے بہتر بدلہ دیتے ہیں۔ پس ایک کوڑی ضائع کرنے سے پونڈ ملے تو رنج کی کونسی بات ہے۔ اب کیا معلوم کہ اس میں کس قدر اِنعامات میرے لئے مخفی ہیں۔

پھر مصیبتیں گناہوں کا کفارہ ہیں۔ گناہوں کے عوض میں جو سزا مجھے ملنی تھی وہ خدا جانے کس قدر تکلیف دِہ ہوتی۔ پھر یہ مصیبت موجود جو ہے اس پر بھی شکر کا مقام ہے کہ خدا اس سے بڑھ بڑھ کر مجھے مصیبتیں پہنچا سکتا ہے۔ میری ناک کٹ جاتی۔ مَیں بے عزت ہو جاتا۔ تباہ ہو جاتا۔ کوئی عضو ہی جاتا رہتا۔ لڑکا ہی نافرمان ہو جاتا تو کس قدر دُکھ کا موجب ہوتا۔

پس جب اس نے مصیبت پر اِنَّا لِلّٰہِ پڑھنے والے کو نعم البدل دینے اور عام و خاص رحمتوں سے ممتاز فرمانے کا وعدہ کیا ہے تو مَیں کیوں شرح صدر سے الحمد نہ پڑھوں۔ اس کے بعد مَیں نے الحمد پڑھی۔ غرض مومن کو چاہیئے کہ وہ مصیبتوں سے گھبرا نہ اُٹھے۔

پھر کھجور میں ایک اَور خاصیت ہے کہ اس کے پھل سال بھر قائم رہتے ہیں۔ اِسی طرح مومن ہر حالت میں دوسرے کے لئے مفید بنتا ہے۔ اس کے لئے کوئی خاص موسم نہیں۔ تیسری بات کھجور میں یہ ہے کہ وہ غذا کا کام بھی دیتی ہے اور شربت کا بھی۔ گٹھلی گھوڑوں کو دیتے ہیں مقوی ہوتی ہے۔ اس کی لیف سے قِسم قِسم کی رسّیاں اور باریک تاروں سے بستر بناتے ہیں۔ پتّوں کی چٹائیاں، فرش اور صندوق بنتے ہیں۔ شاخوں کی الماریاں۔ اِس سے اُتر کر انگور ہے اِس کا منقہ بھی غذا اور شربت دونوں کا کام دیتا ہے۔ پھر اِس کے پتّے بھی مفید ہیں گو عام طور سے اِستعمال نہیں ہوتے۔ پھر وہ باغ بھی ایسا ہو کہ اس میں نہریں بہتی ہوں۔

مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ : سیب۔ سنگترے۔ فالسے۔ کیلے وغیرھا۔ غرض اس باغ پر ساری عمر کا سرمایا لگایا جا چکا ہے اور اَب کوئی اَرمان باقی نہیں۔

اِعْصَارٌ : اب اس پر کوئی بَلا آجاوے جو اسے دلوبچ لے اور وہ جل بُن کر خاک سیاہ ہو جاوے تو کیسی بُری بات ہے۔ اسی طرح کوئی خیرات تو کرتا ہے مگر وہ ان ہدایات کے مطابق نہیں کرتا جو حق سُبحانہٗ نے بتائے تو پھر سب خرچ اکارت جاوے گا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۰ رمئی ۱۹۰۹ء)

البقرۃ ۲۶۸، ۲۶۹

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪ وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ﴿۲۶۸﴾ اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ یَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۶۹﴾

ایمان والو! اپنی کمائی اور زمین کی عمدہ برکات سے جو ہم نے تمہارے لئے نکالے ہیں اچھی اچھی چیزیں خدا کی راہ میں خرچ کرو۔ (تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۲۸۵)

وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ : ایک قصہ یاد ہے کسی مُلّاں کے پاس لڑکا دودھ لایا۔ اس نے کہا تم تو کبھی نہیں لائے آج کیا بات ہے۔ اُس نے کہا کتا اس میں مُنہ ڈال گیا تھا۔

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُكُمُ الْفَقْرَ : بعض وقت اِنسان کچھ دینا چاہتا ہے مگر دل میں طرح طرح کے وسوسے اُٹھتے ہیں کہ یہ یہ خرچ درپیش ہیں اگر اس طرح سخاوت کی تو پاس کچھ بھی نہ رہے گا۔ ان کے متعلق فرماتا ہے کہ شیطان تو یہ کہتا ہے مگر خدا فرماتا ہے کہ جو تم خلوصِ قلبی

سے خرچ کرو گے میں اسے بڑھا دوں گا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۰ مئی ۱۹۰۹ء)

۲۷۰ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۷۰﴾

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ: حکمت کی یہی باتیں ہیں جو بیان ہوئیں بعض نادان طبابت کو حکمت کہتے ہیں یہ غلط ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۰ مئی ۱۹۰۹ء)

۲۷۲ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۷۲﴾

وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ: صدقہ ضرور ردِّ بلاء ہے۔ ایک شخص کو پھانسی کا حکم ہوا۔ راہ میں اُس نے کسی سے دو پیسے مانگے۔ سپاہیوں نے لینے دئے کہ آخری وقت ہے معمولی بات پر کیا منع کرنا۔ اس نے دو روٹیاں خریدیں اور آگے چل کر کسی مسکین محتاج کو دے دیں۔ ادھر اس کے گلے میں رسہ ڈالا گیا۔ ابھی تختہ نیچے سے کھینچا نہیں تھا کہ حکم آ گیا کہ پھانسی ملتوی کردو کچھ تحقیقات باقی ہے۔ آخر الامر وہ رہا ہو گیا۔ دیکھا یہ دو روٹیاں آدمی کی جان بچا گئیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۰ مئی ۱۹۰۹ء)

۲۷۴ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ؗ يَحْسَبُهُمُ

الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۴﴾

قرآن شریف یہ بتا کر کہ کہاں سے دے اور کس مال کو خرچ کرے اب یہ بتاتا ہے کہ کس کس کو دے۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ : سو ان میں سے ایک تو وہ فقراء ہیں جو اعلاءِ کلمۃ اللہ میں ہر وقت مشغول رہتے ہیں۔ جہاد سنانی ہو یا لسانی اور اس وجہ سے وہ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ زمین میں کمانے کے لئے جدّوجہد نہیں کرسکتے۔

بِسِيْمٰهُمْ : ان کی علامتوں سے شریعت نے قرائن کا بھی ایک علم رکھا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۰ رمئی ۱۹۰۹ء)

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ وَ اَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ

هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۶﴾

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا : کمانے کی صورتوں میں سے ایک صورت کمانے کی جہاد کی بہت بھاری دشمن ہے اور وہ سُود ہے۔ ربٰوا کے بہت ہی خطرناک نتائج مَیں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ سُود خواروں کے اخلاق ایسے خراب ہوتے ہیں کہ ایک سُود خوار کے آگے مَیں نے ایک فقیر کے لئے سفارش کی تو وہ کہنے لگے کہ پانچ روپے مَیں دے تو دوں گا مگر میرے پاس رہتے تو سَو برس میں سُود در سُود سے ۲۱/۲ لاکھ ہو جاتا۔

لکھنؤ میں ایک سلطنت تھی وہ بھی محض سُود سے تباہ ہوئی۔ پہلے ان کے مبلغات پرومیسری نوٹوں کے بدلے میں گئے پھر وہ جنگ کرنے کے قابل نہ رہے اور آخر وہ وقت آیا کہ یہ سلطنت تباہ ہو گئی۔ مَیں نے چند مصنّفین کی کتابوں میں پڑھا ہے کہ ربٰوا کے معنے حضرت عمرؓ پر بھی نہ کھلے۔ تعجب کی بات ہے کہ خدا تعالیٰ نے یہاں تک تو فرما دیا کہ فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (البقرہ : ۲۸۰) اور یہ نہ کھولا کہ ربٰوا کیا ہے۔ پھر ساہوکار جاہل سے جاہل زمیندار سب جانتے ہیں کہ سُود کیا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۰؍ مئی ۱۹۰۹ء)

كَمَا يَقُوْمُ : جنگوں کو نہیں جاتا مگر خبطی کی طرح کیونکہ وہ اپنی اسامیوں کو نہیں مارے گا۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۵)

۲۷۷ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۗ وَاللّٰهُ

لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۷﴾

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا : سُود کو مٹاتا ہے اللہ کیونکہ اس کو منع کر دیا۔

وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ : اور صدقات کو بڑھاتا ہے اِس طرح کہ ان کے دینے کا حکم دیا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۰؍ مئی ۱۹۰۹ء)

مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۹﴾

اوایمان والو! اللہ تعالیٰ کے عذاب سے جو اس کے نافرمانوں کے لئے مقرر ہے اپنے آپکو بچائے رکھو اور چھوڑ دو جو کچھ بیاجوں کا روپیہ تم کو لوگوں سے لینا ہے۔ اگر مومن ہو تو ایسے ہی کام کرو۔ (تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۲۶۶)

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾

اگر اس معاملہ میں تم نے فرمانبرداری نہ کی تو جان لو کہ تم سے جنگ کرنے کا حکم خدا اور اسکے رسولؐ سے لگ چکا۔ اگر اللہ کی طرف توجہ رکھو تو تم کو اصل سرمایہ کے لینے کی اجازت ہے۔ ظالم نہ بنو۔ ورنہ ظلم کی سزا بھگتو گے۔ اصل بھی نہ ملے گا۔ (تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۲۶۶)

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۚ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾

اگر تمہارا مقروض مفلس ہے تو اسے آسودگی تک مہلت دو اور اگر قرضہ عفو کر دو تو تمہارے حق میں بہت بھلا ہے اگر سمجھو۔ (تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۲۶۷)

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۲﴾

ڈرتے رہو اس وقت سے کہ تمہارا معاملہ اللہ کے سامنے پیش ہو اور وہاں ہر جی اپنے کئے

کی سزا بھگتے اور وہاں کسی پر ظلم نہ ہو گا۔ (تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۲۶۷)

وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْہِ اِلَی اللّٰہِ : اِنسان کی فطرت میں جیسی محبت کی خواہش ہے ویسے ہی دُکھوں میں اسے کسی راحت رساں ذریعہ کی آرزو ہے۔ پس اِس تقاضائے فطری کے ماتحت حضرت حق سُبحانہٗ فرماتے ہیں کہ تم جنابِ الٰہی میں ضرور حاضر کئے جاؤ گے۔ کیا تم نے اپنے بچاؤ کی کوئی تدبیر کی ہے؟ ایک اَدنیٰ سفر میں بھی انسان اپنے اُترنے کے مقام اور ضروریاتِ سفر کا انتظام کر لیتا ہے۔ پس کیا اِس لمبے سفر کے لئے بھی کبھی کوئی فِکر دامنگیر ہوئی ہے؟ اِنسان اپنی حالت پر غور کرے کہ جب وہ تھوڑے مجمع میں اپنی ہتک گوارا نہیں کرتا تو کیا جہاں اوّلین و آخرین ہوں گے وہاں اپنی ہتک گوارا کرے گا؟ ہرگز نہیں۔

لَا یُظْلَمُوْنَ : کسی قِسم کی کمی نہ ہو گی۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۰ مئی ۱۹۰۹ء)

۲۸۳ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْیَكْتُبْ بَّیْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا یَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ یَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْیَكْتُبْ ۚ وَلْیُمْلِلِ الَّذِیْ عَلَیْهِ الْحَقُّ وَلْیَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا یَبْخَسْ مِنْهُ شَیْـًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِیْ عَلَیْهِ الْحَقُّ سَفِیْهًا اَوْ ضَعِیْفًا اَوْ لَا یَسْتَطِیْعُ اَنْ یُّمِلَّ هُوَ فَلْیُمْلِلْ وَلِیُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِیْدَیْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ

فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّ امْرَاَتٰنِ

مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ

اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا

يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْئَمُوْٓا اَنْ

تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ

اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا

تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً

تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا

تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۪ وَلَا يُضَآرَّ

كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌ

بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ

شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

او ایمان والو! ہرایک معاملہ کو لکھ لیا کرو جس کے لئے کوئی میعادی معاہدہ ہوا اور

ہر ایک کو نہ چاہیئے کہ معاہدوں کو لکھا کرے بلکہ چاہیئے کہ معاہدہ کو وہ شخص لکھے جو ایسے معاہدوں کا لکھنے والا ہو اور معاہدہ کو اس انصاف کے ساتھ لکھے جس میں ضرورت کے وقت تمسک میں نقص نہ نکلے اور تمسک نویس کو تمسک کے لکھنے میں کبھی انکار نہ ہوا کرے کیونکہ کاتب کو اللہ تعالیٰ نے فضل سے ایسا کام سکھایا پس چاہیئے کہ تمسکات کو لکھے اور لکھاوے۔ وہ جس نے دینا ہو اور ضرور ہے کہ لکھاتے ہوئے لکھانے والا اللہ سے ڈرتا رہے اور ذرہ بھی اس میں کمی و نقص نہ کرے اور اگر لکھانے والا کم عقل اور بچہ اور لکھانے کے قابل نہیں تو اس کا سربراہ انصاف و عدل کے ساتھ لکھاوے اور اپنے معاملات پر دو مرد گواہ بنا لیا کرو۔ اگر دو مرد گواہ نہ مل سکیں تو ایک مرد اور دو عورتیں۔ دو کا فائدہ یہ ہے کہ اگر ایک ان میں سے کچھ بھول گئی تو دوسری اُسے یاد دلائے گی اور گواہ بلانے پر انکار نہ کریں اور ایسے سُست نہ بنیو کہ تھوڑا یا بہت امیعادی معاملہ لکھنے میں چھوڑ دو۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں پر انصاف کی باتیں ہیں اور جہاں گواہی کی ضرورت پڑے گی وہاں یہ باتیں بڑی مفید پڑیں گی اور ایسی تدبیروں سے باہمی بدگمانیاں جاتی رہیں گی۔ ہاں دستی لین دین اور نقدی کی تجارت میں تحریر نہ ہونے سے گناہ بھی نہیں۔ مگر ہر ایک سودے میں گواہوں کا پاس ہونا تو ضرور چاہیئے (اگر اس پر عمل ہوتا تو چوری کی چیزیں لینے میں پولیس کی گرفتاری سے بہت کچھ امن ہو جاتا) اور یاد رہے کہ کاتب اور گواہ کو ان کا ہرجانہ دو اگر نہ دوگے تو بدکار بنوگے۔ خدا کا ڈر رکھو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں آرام کی باتیں سکھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر شئے کو جانتا ہے۔

(تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۲۶۶ تا ۲۶۸)

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَایَنْتُمْ: جہاد میں ضرورت ہے روپیہ کی اور روپیہ کا حصول بعض کے نزدیک سُود پر منحصر ہے۔ فرمایا کہ جو سُود لیتا ہے وہ اللہ سے جنگ کرتا ہے۔ ہاں لین دین کے معاملے میں کافی احتیاط ضروری ہے۔

کَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ: یعنی کاتب کی تحریر عدالت سے وابستہ ہو اور قانون سلطنت کے ٹھیک مطابق ہو۔ ہم نے ایک دفعہ پانسو روپیہ دیا اور جائیداد کی رجسٹری نہ کرائی۔ چنانچہ وہ روپیہ بھی واپس نہ ملا۔ حضرت صاحب نے فرمایا نورالدین نے دو گناہ کئے۔ ایک تو یہ کہ اللہ کے حکم کے مطابق وہ رجسٹری داخل خارج نہ کرائی۔ دوم اپنے تساہل سے دوسرے کو گناہ کرنے کا موقع دیا۔ انہیں شاید ۵۰۰ روپیہ کی فکر ہے اور مجھے اس بات کی کہ یہی ۵۰۰ روپیہ گناہ کا کفارہ ہو جائے کسی اَور شامت میں مبتلا نہ ہوں۔

کئی لوگ اِس غلطی میں مُبتلا ہیں کہ وہ لکھوانے میں اور قانونِ سلطنت کے مطابق رجسٹری وغیرہ کرانے میں تساہل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اجی یہ ہمارے اپنے ہیں یا بڑے بزرگ ہیں ان کی نسبت کیا خطرہ ہے مگر آخر اس حکم کی خلاف ورزی کا نتیجہ اُٹھاتے ہیں۔

كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ: کَمَا کے معنے ہیں کیونکہ

عَلَّمَهُ اللّٰهُ صحیح فرمایا کیونکہ اللہ ہی نے دماغ دیا۔ اسی نے فہم دیا۔ اسی نے آنکھیں دیں۔ کوئی کاتب کتابت نہیں کر سکتا مگر اللہ کے فضل سے۔ اِس لئے اپنی طرف منسوب فرمایا۔

بِالْحَقِّ:

اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى: لاہور میں ایک شخص نے میری تقریر سُن کر مجھ سے کہا کیا یہ باتیں آپ کی مجھے لفظ بلفظ یاد رہیں گی۔ مَیں نے سادگی سے کہا نہیں۔ اس پر وہ بولا تب یہ حدیثیں وغیرہ سب نامعتبر ہیں کیونکہ جب دس منٹ کے بعد کوئی کلام لفظ بہ لفظ یاد نہیں رہ سکتا تو پھر دو سَو سال کے بعد وہ باتیں کیسے یاد رہ سکتی ہیں۔ حدیثیں تو تمام دو سَو سال کے بعد مرتب ہوئی ہیں۔ مَیں نے اسے جواب دیا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایک بھول جائے تو دوسرا یاد کرائے۔ اِس اصول کے مطابق ہم حدیثوں کے قدرِ مشترک کو لے لیتے ہیں۔

فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا: تم پر گناہ نہیں جو نہ لکھوا سکو۔ اِس سے معلوم ہُوا کہ لکھنا بہر حال بہتر ہے۔ یہ اِس کلمہ سے خوب ملتا ہے فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا (البقرة: ۱۵۹) اِس میں طواف واجب ہے۔

وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ: شافعی دکاندار معمولی سَودوں میں بھی آس پاس کے دکانوں کے لوگوں کو گواہ کر لیتے ہیں یا کم از کم علیٰ مذہب ابی حنیفہ کہہ کر اعلان کر دیتے ہیں۔

لَا يُضَآرَّ: کاتب کو حقِ کتابت ضرور دینا چاہیئے۔ گواہوں کو بھی حرجانہ حسبِ حیثیت ان کو دینا چاہیئے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ: اللہ کو سپر بناؤ۔ اس کا تقویٰ اختیار کرو۔ اللہ علم دے گا۔ یہ تجربہ شدہ بات ہے کہ تقویٰ کا نتیجہ سچے علوم کا ملنا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۰۔ مئی ۱۹۰۹ء)

نیکی اور بدی کی شناخت کا انحصار ہے قرآن شریف کے علم پر اور وہ منحصر ہے سچے تقویٰ اور سعی پر چنانچہ فرمایا وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ۔ (الحکم ۳۱ جنوری ۱۹۰۲ء نیز ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

تعلیمِ الٰہی کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ قانون ٹھہرا دیا ہے وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ۔

(الحکم ۱۷ر جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۲)

خدا کی راہوں کا علم انسان کو تقویٰ کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ تم تقویٰ اختیار کرو۔ اللہ تم کو علم عطا کرے گا جس سے تم اس کی رضامندی کی راہ پر چل سکو گے۔ تقویٰ یہی ہے کہ انسان بالکل خدا کا ہو جاوے۔ اس کا اُٹھنا بیٹھنا چلنا پھرنا، کھانا پینا ہر ایک حرکت و سکون خدا کے لئے ہو جب وہ ہمہ تن اپنے وجود اور ارادوں کو خدا کے لئے بنا دے گا تو پھر خدا بھی اس کا بن جاوے گا۔ مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ۔

(الحکم ۲۴ر جنوری ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۴)

علوم جو قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں درس تدریس سے آہی نہیں سکتے بلکہ وہ تقویٰ اور محض تقویٰ سے ملتے ہیں۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ اگر محض درس تدریس سے آ سکتے تو پھر قرآن مجید میں مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ (الجمعة:۶) کیوں ہوتا۔

(الحکم ۱۰ر مئی ۱۹۰۵ء صفحہ ۵)

۲۸۴ وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۴﴾

اگر کہیں ایسے سفر میں لین دین کرو جہاں تم کو کاتب نہ مل سکے تو رہن سے کام لو مگر ضرور ہے کہ مرہون چیز کا قبضہ کر لیا کرو۔ اور اگر ایسے معاملات میں ایک کو دوسرے کی امانت و دیانت پر یقین ہو تو امین کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کا خوف کر کے امانت دار کے حقوق کو پورا

کر دے اور گواہی کو مت چھپاؤ۔ گواہی کا چھپانے والا دل کا بڑا بدکار ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو جانتا ہے۔ (تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۲۶۸، ۲۶۹)

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ۗ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۵﴾

یہ سورۃ بقرۃ کا خاتمہ ہے۔ وہ بات جو میں نے ابتداء میں بیان کی تھی اس کا اس میں بھی پتہ لگتا ہے کہ اصل غرض اِس سورۂ کریمہ کی اعلانِ جہاد ہے چنانچہ وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (بقرۃ : ۲۸۷) میں اِس مطلب کو ظاہر کر کے ختم کر دیا۔ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں بتایا کہ بعض منعَم علیہم مغضوب بھی بن جاتے ہیں چنانچہ وہ بنی اسرائیل جن کی نسبت فرمایا اُذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ (بقرۃ : ۴۸) انہی کی نسبت بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ (بقرۃ : ۶۲) فرمایا کہ منعَم علیہم کی کیا صفات ہیں اور مغضوب علیہم اور ضالین کا انجام کیا ہے۔ پھر منعَم علیہم میں سے ابراہیمؑ اور اسباط کا ذکر کیا۔ پھر جہاد کے لئے آیات فرمائیں اور وَقَاتِلُوْا میں اس کی تصریح کر دی۔ چونکہ جنگوں میں جوش کے لئے شراب اور خرچ کے لئے مَیْسِر کا طریق تھا اِس لئے اس کی نسبت احکام صادر فرمائے اور لڑائی میں بعض بیوہ ہوئیں، بعض یتامٰی۔ کچھ خانگی تنازعات پیش آئے۔ اِس لئے ان کے بارے میں ضروری احکام بتا دیئے۔ پھر بتا دیا کہ تم ایسے نہ بننا جیسے موسیٰؑ کے ساتھی تھے اور نہ ایسے جیسے طالوت و داؤدؑ کے زمانے میں بعض ہوئے۔ اِسی ضمن میں اِنفاق کی تاکید فرمائی اور بتایا کیوں دے؟ کیا دے؟ کہاں سے دے؟ کس طرح دے؟ پھر اِسی سورۃ میں توحید، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور تمام انسانی فضائل و رذائل کا بیان فرما دیا۔ گویا یہ سورۃ ایک جامع سورۃ ہے۔ اب اخیر میں بیان فرمایا کہ

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ : ان تمام ملکوں پر ایک وقت آتا ہے کہ حکومتِ الٰہیہ ہو جاوے گی۔

یُحَاسِبْکُمْ بِہِ اللّٰہُ : دوسرے مقام پر فرمایا اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُھُمْ (الانبیاء ۲:) محاسبہ کا بھی ایک دن ہوتا ہے۔

فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ : مَنْ میں عموم ضروری نہیں معرفہ بھی ہوتا ہے۔ یہاں بتا دیا ہے کہ مغفرت ان کو ہوگی جو یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ (البقرۃ :۵) کے مصداق ہیں۔ کیونکہ وہی مُفْلِحُوْن ہیں اور عذاب ان کو ہوگا جو اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَ اَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ (البقرۃ :۷) کے مورد ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۰؍مئی ۱۹۰۹ء)

اِس سورۃ میں بہت سی باتیں خدا تعالیٰ نے لوگوں کو سُنائی ہیں۔ پہلے یہ بتایا کہ یہ کتاب تمہارے لئے ہلاکت نہیں بلکہ ہدایت ہے۔ ایمان لاؤ۔ نمازیں ٹھیک کرو۔ اللہ کی راہ میں دو۔ منافق نہ بنو۔ خدا کے تم پر بہت سے اِحسان ہیں۔ اگر وہ ناراض ہوگا تو پھر تمہارا نہ کوئی سفارشی ہوگا نہ ناصر و مددگار۔ نہ جُرمانہ دے کر چھوٹ سکو گے۔ پھر فرماتا ہے بہت سے لوگ ہیں جن پر ہم انعام کرتے ہیں مگر وہ اپنی بدعملیوں کی وجہ سے اپنے آپ کو بارگاہِ ایزدی سے بہت دُور لے جاتے ہیں۔ یہ بیان کرکے ایک اَور گروہ کا ذکر کیا جو اللہ کا بڑا فرمانبردار ہے۔ اِس ضمن میں جنابِ الٰہی نے فرمایا کہ تم متوجہ اِلی اللہ رہو۔ یک جہتی حاصل کرو۔ پھر حج کے احکام۔ روزے کے احکام۔ گھر کے معاملات کے متعلق ضروری مسئلے بتاتے ہوئے صدقہ و خیرات کی طرف متوجہ کیا۔ لین دین کے مسائل بیان کئے۔ بیاج اور سُود سے منع کیا۔ پھر فرمایا۔ تم سمجھتے بھی ہو۔ زمین و آسمان میں ہماری سلطنت ہے۔ تم ہماری شریعت کی خلاف ورزی کرکے سُکھ نہیں پا سکتے۔ دیکھو ہم جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اسے خوب جانتے ہیں اور اس کا حساب تم سے لیں گے۔ بہت سے لوگ ہیں جن کو روپیہ مِل جائے وہ تیس مار خاں بن بیٹھتے ہیں ان کو واضح رہے کہ حساب ہوگا اور ضرور ہوگا۔

ذرا تم اپنے گریبان میں مُنہ ڈال کر دیکھو کہ اٹھارہ برس کے بعد ہی سے سہی، آج تک اپنے نفس کے عیش و آرام کے لئے کِس قدر کوششیں کی ہیں اور اپنے بیوی بچوں کے لئے کیسی کیسی مصائب جھیلی ہیں اور خدا کو کہاں تک راضی کیا۔ سوچو۔ اپنے ذاتی و دُنیاوی مقاصد کے حصول کے لئے کتنی کوششیں کرتے ہو اور اس کے مقابلہ میں الٰہی احکام کی نگہداشت کِس حد تک کرتے ہو۔ (ایک مخلص لڑکا پنکھا کر رہا تھا اسے فرمایا چھوڑ دو اس طرح سُننے میں حرج ہوتا ہے ایسی باتوں کا مجھے خیال تک نہیں ہوتا اور مَیں بار بار کہہ چکا ہوں کہ خدا کے فضل سے تمہارے سلام کا۔ تمہارے نذر و نیاز کا۔ تمہاری تعظیم کا ہرگز محتاج نہیں۔ میری تو یہ حالت ہے کہ مَیں جمعہ کے لئے نہا رہا تھا نفس کا محاسبہ کرنے لگا

اور اس خیال میں ایسا محو ہوا کہ بہت وقت گذر گیا آخر میری بیوی نے مجھے آواز دی کہ نماز کا وقت تنگ ہوتا جاتا ہے۔ وقت کا یہ حال اور یہ ہیں کہ ننگ دھڑنگ بیٹھے ہیں۔ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ اگر میری بیوی مجھے یاد نہ دلاتی تو ممکن تھا اسی حالت میں شام ہو جاتی)!

غرض تم لوگ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی باتیں جانتا ہے اور ایک دن تمہارا حساب ہوگا خود حساب دینا ہی ایک خطرناک معاملہ ہے پاس کرنا اور ناکام رہنا تو دوسری بات ہے۔ جو تقویٰ کی راہ پر چلا اسے بخش دے گا اور جو گمراہ ہیں ان کو عذاب ہوگا۔

(الفضل ۲۵۔جون ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

۲۸۶

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ٭ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۶﴾

اللہ اُس ذات سے مراد ہے جو تمام عیبوں اور نقصوں اور بدیوں سے منزّہ۔ تمام خوبیوں اور کمالات کی جامع اور ہر طرح کی نیکیوں سے متصف ہے۔

چونکہ ایک معمولی بزرگ سے تعلق اس بات کی تحریک کرتا ہے کہ میں بھی نیک بن جاؤں تو پھر جس کا تعلق ایسی ذات سے ہوگا وہ کیوں نہ پاک بنے گا۔ ایمان باللہ کا یہی فائدہ ہے۔

وَمَلٰٓئِكَتِهٖ : بارہا بتا چکا ہوں کہ انسان کو جب نیک تحریک ہو تو اسی وقت کرے کیونکہ وہی وقت اس نیکی کے کرنے کا ہوتا ہے۔ اگر ذرا بھی سستی کی جاوے تو نتیجہ اچھا نہیں ہوتا۔ اِنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ (الانفال: ۲۵)

جب ایک فرشتے کی تحریک مانی جاوے تو پھر آہستہ آہستہ بہت فرشتوں سے تعلق پیدا ہوتا ہے اور بالآخران تمام کے سردار جبرئیل سے اور اس کے ذریعے سے وہ علوم اُترتے ہیں جن کا تعلق قلب سے ہے اور میکائیل کے ذریعے وہ علوم جن کا تعلق دماغ سے ہے۔ ان سردارانِ ملائک سے تعلق بڑے لوگوں کا ہوتا ہے جو ان سے کم ہیں وہ کتبِ الٰہیہ پڑھیں۔ پھر ایک وہ ہیں جو پڑھنا بھی نہیں جانتے۔ ان کے لئے رُسل ہیں۔

غُفْرَانَكَ رَبَّنَا: انسان جزع فزع میں بے صبری سے شہوت و حرص کے سبب حضرت حق سبحانہٗ کے فیضان سے رُک جاتا ہے۔ اِس واسطے استغفار کا حکم دیا۔ تمام لوگوں پر ایک وقت قبض و کسل کا آتا ہے اس کے دُور کرنے کے لئے یہ عملی علاج ہے۔ فقہاء ائمہ میں سے ایک امام کا یہ مذہب ہے جو مجھے بھی پسند ہے کہ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسْلِ کی دُعا واجب ہے۔ آجکل مسلمان یا تو عجز میں گرفتار ہیں یا کسل میں۔ عجز کہتے ہیں اسباب مہیا نہ کرنے کو اور کسل کہتے ہیں اسباب مہیا شدہ سے کام نہ لینے کو۔ ان کو چاہیئے کہ وہ کسل چھوڑ دیں جس کے اسباب میں سے ایک کبرو غرور خود پسندی بھی ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۰ مئی ۱۹۰۹ء)

ہمارا رسول اور دوسرے مومن تو اِس طریق پر چلتے ہیں کہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔ فرشتوں کی نیک تحریکیں مانتے ہیں اور ان میں تفرقہ نہیں کرتے یعنی یُوں نہیں کہ کسی کو مان لیا اور کسی کو نہ مانا۔ پھر ان کی گفتار۔ ان کے کردار سے کیا نکلتا ہے (قَالُوْا کے معنے۔ بتایا۔ زبان سے یا اپنے کاموں سے) سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا یعنی ثابت کرتے ہیں کہ صرف وہ اپنی زبان بلکہ اپنے اعمال سے دکھاتے ہیں کہ باتیں سُنیں اور ہم فرمانبردار ہیں۔ تیری مغفرت طلب کرتے ہیں۔ تیرے حضور ہم نے جانا ہے۔ اے مولا! تُو ہی ہمیں طاقت عطا فرما اور ہمارے نسیان و خطا کا مؤاخذہ نہ کر۔ ہم پر وہ بوجھ نہ رکھ جو ہم سے برداشت نہ ہو سکیں۔ یہ دعا مومنوں کی ہے تم بھی مانگا کرو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا۔ ہر وقت جنابِ الٰہی سے مغفرت طلب کرتے رہو اور اسی کو اپنا والی و ناصر جانو۔ بعض آدمی ایسے ہیں کہ ان کو سمجھانے والے کے سمجھانے کی برداشت نہیں۔ وہ اپنے خیالات کے اندر ایسے منہمک ہوتے ہیں کہ کسی کی پرواہ نہیں کرتے۔ اِس قسم کی بے پرواہی اور تکبّر کا نتیجہ ہے کہ کفّار نے تمہاری سلطنتیں لے لیں اگر تم پورے طور سے خدا کی بادشاہت اپنے اُوپر مان لیتے اور مومن بنتے تو کفّار کے قبضہ میں نہ آتے۔ اللہ بڑا بے پرواہ ہے۔ اسے فرمانبرداری پسند ہے۔ خدا تعالیٰ آسودگی بخشے تو متکبّر نہ بنو۔ لوگوں کا

حال تو یہ ہے کہ دوسروں کی بیٹیوں کے ساتھ نیک سلوک نہیں کرتے حالانکہ ان کے اپنے گھر بیٹیاں ہیں جو دوسرے گھروں میں جانے والی ہیں۔ جو سلوک تم نہیں چاہتے کہ ہم سے ہو وہ غیروں سے کیوں کرو؟ اپنے نفس کا محاسبہ کرتے رہو اور خدا کے فرمانبردار بننے کی کوشش کرو۔ اللہ تمہیں توفیق بخشے۔ (الفضل ۲۵ جون ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۥ وَاغْفِرْ لَنَا ۥ وَارْحَمْنَا ۥ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۷﴾

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا : اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی شخص کو مگر جو اس کی گنجائش ہے۔ (فصل الخطاب حصّہ دوم صفحہ ۱۵۹، ۱۶۷)

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا : عیسائی کہتے ہیں کہ شریعت کا نزول ہمارے عجز کے ثبوت کے لئے ہے۔ ایسے ہی کئی اور لوگ ہیں جن کا یہ عقیدہ ہے کہ شریعت پر عمل ناممکن ہے۔ اِس لئے فرمایا کہ ہم کوئی حکم ایسا نہیں دیتے جو انسان کی مقدرت، وسعت، استطاعت کے مطابق نہ ہو۔

لَهَا مَا كَسَبَتْ : جو کچھ عمل کرے اس کا فائدہ بھی اسی عامل کے لئے ہے۔

وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ : ہر مصیبت کی جڑ انسان کی نافرمانی ہوتی ہے۔ مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ

مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ (الشوریٰ : ۳۱) پھر بھی بعض گستاخ لوگ اپنے دُکھوں کو خدا کے ذمہ لگاتے ہیں۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ : حدیث میں آیا ہے : اِس دعا کا نتیجہ تھا کہ نسیان پر مؤاخذہ نہیں ہوتا۔ خطاء کی مثال یہ ہے کہ بندوق ماریں ہرنی کو اور لگ جائے انسان کو۔

اِصْرًا : اصر کیا چیز ہے۔ اصر کے معنے غفلت کرنے کی وجہ سے کئی انسان شریر ہو گئے۔ پھر اسی اصر کے معنے نہ سمجھنے سے تقدیر کے مسئلے میں غلطی لگی۔ اصر کے معنے ہیں ایسے فعل کا ارتکاب جس کے بعد انسان سست و کاہل ہو جائے۔ اصر کہتے ہیں گرد ڈالنے کو۔ حَبْسُ الشَّيْءِ اصر نام ہے ایسے عہد کا جس کے توڑنے سے اِنسان خیرات کے قابل نہیں رہتا۔ پس اِس کے معنے یہ ہوئے کہ اے ہمارے مولا کریم ہم کو ایسے افعال کا مرتکب نہ کر جن کا یہ نتیجہ ہو کہ ہم تیرے حضور سے دھتکارے جائیں۔ جیسے کہ پہلے لوگوں نے بدذاتیاں کیں۔ معاہدات کا نقض کیا اور مغضوب علیہم بنے ہم نہ بنیں۔

اَنْتَ مَوْلٰنَا : مولیٰ جب خدا کے لئے بولا جاوے تو اِس کے تین معنے ہیں۔ ۱۔ مالک۔ ۲۔ رب۔ ۳۔ ناصر۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۰ ؍مئی ۱۹۰۹ء)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

الٓمّٓ ﴿۲﴾ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ﴿۳﴾ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۴﴾

اِس سورۂ شریف کا بعینہٖ وہی مطلب ہے جو سورۂ بقرۃ کا ہے۔ اِس سورہ کا نام اٰلِ عمران ہے۔ یہ اِس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو موسیٰؑ کے ساتھ بہت تشبیہہ دی ہے اور موسیٰؑ بھی آلِ عمران ہی تھے۔ ایک جگہ صریحًا فرمایا ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا۔ (المزمّل ۱۶)

اور یہ ایک آیت ایک ایسی سورۃ میں ہے جسے مسلمان اپنی اغراض کے لئے بطور وظیفہ پڑھتے ہیں۔ اِسی آیت کے ساتھ فرمایا فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ (المزمّل: ۱۸) صاف معلوم ہوتا ہے کہ آلِ عمران سے تشبیہ دینے میں بہت زور دیا ہے چنانچہ اِسی لئے موسیٰ علیہ السّلام کا بیان قرآن مجید میں بار بار آیا ہے جس سے کم از کم میرے جیسا انسان نبی کریمؐ کے حالات پیدائش سے لے کر موت تک نکال سکتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے کسی نے پوچھا تھا کہ آپؐ کے حالات آپؐ کے اخلاق کیا تھے؟ تو انہوں نے فرمایا کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنُ۔

یہ سورۃ بھی الٓمّٓ سے شروع ہوتی ہے۔ ایک اور سورۃ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْا (عنکبوت: ۳) بھی الٓمّٓ سے شروع ہوتی ہے اور یہ سب مضامین میں، مقاصد میں متحد ہیں۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۷ مئی ۱۹۰۹ء)

اِس سورۃ میں کلام اللہ کے سمجھنے کے قواعد، یہودیوں، عیسائیوں سے مناظرہ اور جہاد کے احکام ہیں۔

ھُوَ الْحَیُّ: عیسائیوں کے مقابلہ میں فرمایا کہ عیسٰیؑ مر چکا ہے۔ حَیّ ایک ہی اللہ ہے۔
(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۵)

سورۃ آلِ عمران میں پچھلی سورۃ کی آیت کرسی کا ایک ٹکڑا توحید کی یاد دہانی کے لئے رکھ دیا ہے۔

نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ وَ اَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ۔

نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ: اُتاری تم پر جامع کمالات تحریر۔

مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ: سورۃ بقرۃ میں بھی تین بار مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَھُمْ آیا ہے۔ لِمَا مَعَھُمْ کی بحث تو بہت دفعہ ہو چکی ہے یہاں لِمَا بَیْنَ یَدَیْهِ ہے۔ یَدَیْهِ عربی زبان میں پیش یا سامنے کی بات کو کہتے ہیں۔ جیسے ایک مقام پر فرمایا ہوائیں آتی ہیں تو پہلے ایک ٹھنڈا جھونکا آتا ہے بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ (اعراف: ۵۸) چونکہ سورۃ بقرۃ میں اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (بقرۃ: ۶) لَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (بقرۃ: ۸) لَاخَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (بقرۃ: ۳۹) بہت سی پیشگوئیاں ہیں اِس لئے یہ فرمایا کہ ہم اس کے متعلق تورات میں بھی فرما چکے ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ جو اس نبی کی مخالفت کریں گے ہلاک ہو جاویں گے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۷ مئی ۱۹۰۹ء)

۴۔ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ اَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ لَھُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ؕ

وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝۵

هُدًى : ہدایت تھی کہ مقابلہ نہ کرنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔

اَنْزَلَ الْفُرْقَانَ : معلوم ہوتا ہے اس وقت فرقان ہو چکا تھا۔ فرقان کے معنے قرآن شریف نے خود کئے ہیں چنانچہ فرمایا ہے یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ (الانفال : ۴۲) وہی جنگ بدر جس میں اکابر اہل مکّہ مارے گئے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا : بعینہ وہی ترتیب ہے جو سورۃ بقرۃ میں تھی۔ وہاں عذابِ عظیم فرمایا یہاں شدید۔ عظمت کے ساتھ شدّت کو بڑھا دیا۔

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ : وہ عزت والا ہے۔ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (المنٰفقون:۹) پس وہ اپنے رسول اور مومنوں کو ذلیل نہ کرے گا۔

ذُو انْتِقَامٍ : وہ اے یہودیو! تمہاری شرارتوں کی ضرور سزا دے گا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۷ رمئی ۱۹۰۹ء)

هُدًى لِّلنَّاسِ : انجیل بھی بشارت دے چکی تھی نبوتِ محمدیہ کے بارے میں۔ هُدًى کے یہی معنی ہیں۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۵)

۶۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۝۶

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ : کہا جا سکتا ہے کہ جو چیز ابھی نہیں ہوئی اس کی نسبت یہ کہاں سے اطلاعیں آپ کے پاس پہنچیں۔ فرمایا اللہ پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (حٰمٓ السجدة : ۵۴)

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۷ رمئی ۱۹۰۹ء)

۷۔ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۷

هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ : فرمایا کہ انسان باریک در باریک کام کرتا ہے تو روشنی میں کرتا

ہے مگر ہم وہ ہیں کہ جتنا باریک کام ہے اندھیروں میں کرتے ہیں۔ مثلاً تمہاری صورتیں فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ پیٹ کے اندر رحم پھر رحم کا اندر غشاء اس میں بناتے ہیں۔ جب ہم اس کا علم رکھتے ہیں کیا آئندہ کا علم کہ وہ بھی ایک طرح کی تاریکی میں ہے نہیں رکھ سکتے؟

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ: اگر غور کرو تو اس نتیجہ پر پہنچ جاؤ کہ ساری صفاتِ کاملہ سے موصوف تمام بدیوں سے منزہ وہی معبودِ بے مثال ہے۔

الْحَكِيْمُ: اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ پس اس کا کلام بھی پُر از حکمت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم اپنی غلط فہمی سے اس کی اُلٹی تاویلیں کرنے لگو۔ کوشش کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (عنکبوت: ۷۰) میں یہ سِر بتایا ہے کہ کلامِ الٰہی کے سمجھنے کے لئے کچھ ہمت چاہیئے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۷ مئی ۱۹۰۹ء)

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ

اَلْوَھَّابُ ⑨

هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ : اس نے تم پر جامع کمالات کتاب اُتاری جس میں بعض آیات تو محکمات ہیں وہ اُمّ الکتٰب ہوئیں اور باقی بعض متشابہات۔ افسوس! اللہ نے تو یہاں علم کے حصول کا گُر بتایا تھا۔ یہ نہیں کہ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ (المؤمن : ۸۴) بلکہ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ (البقرۃ : ۲۸۳) مگر یہ لوگ بجائے اِس کے کہ اِس لطیف کتاب سے فائدہ اُٹھاتے اَور بھی جھگڑے میں پڑ گئے۔ محکمات متشابہات کا مسئلہ بہت صاف تھا مگر مسلمانوں کے اِس بارے میں کئی فریق ہو گئے۔ کسی نے کہا کہ یہ محکم ہے کسی نے کہا کہ یہ متشابہ ہے کوئی تنزیہ کی آیتوں پر ایسا جما بیٹھا ہے کہ خدا کو محض لاشئی بنا دیا۔ عِلّت العِلل تو کہہ دیا۔ دوسری طرف تشبیہ والوں نے جو زور دیا تو خدا تعالیٰ کا ایک جسم بنا دیا۔ مَیں نے ایک بڑے عالم سے پوچھا تھا کہ محکم و متشابہ آیت میں امتیاز کیا ہے تو اس نے کہا کہ کچھ گڑ بڑ ہی ہے جس سے مجھے بہت صدمہ ہوُا۔

مَیں تو اس کو بہت سہل سمجھتا ہوں۔ میرے نزدیک ہر شخص کے لئے کوئی حِصّہ کسی متکلّم کے کلام کا محکم ہوتا ہے یعنی جو خوب طور سے سمجھ میں آجاتا ہے اور کوئی حصّہ ایسا ہوتا ہے کہ اس کے معنے سمجھنے میں دِقّتیں پیش آتی ہیں اور بوجہ اس کے مجمل رکھنے کے کئی معنے ہو سکتے ہیں۔ ہر شخص پر یہ حالت گزرتی ہے۔ اللہ نے اس کے متعلق یہ راہ دکھائی ہے کہ جو آیات ایسی ہیں کہ جن کی خوب سمجھ آجائے اور تجربہ وعقل ومشاہدہ اس کے خلاف نہ ہو وہ تو محکم سمجھ لو۔ پھر وہ آیات جن کے معنے سمجھ میں نہیں آئے ان کے معنے ایسے نہ کرے جو ان محکم آیات کے خلاف ہوں۔

ہر متکلّم جس کے ساتھ مجھے وابستگی ہے! وہ کون؟ محدّثین! صوفیاء کرام! حکماء عظام! طبیعات کے ماہر! اِن سب سے مجھے بہت محبّت ہے۔ ان کے کلمات کو جب مَیں پڑھتا ہوں تو بعض تو فوراً سمجھ میں آجاتے ہیں اور بعض وقت کلام کے سمجھنے میں دِقّت ہوتی ہے اسے مَیں متشابہ سمجھتا ہوں۔ پھر جو محکمات ہیں ان کو کتاب کی جڑ مد سمجھ کر مصنّف کے اصلی منشاء کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کو حل کر لیتا ہوں۔ کئی ایسے کلام ہیں جو ایک وقت میرے لئے متشابہ تھے پھر دوسرے وقت محکم نظر آئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بعض آیات خوب سمجھ میں آجاتی ہیں اور بعض کے معنے جلد نہیں کُھلتے اس

کے لئے ایک گُر بتایا ہے۔

اب فرماتا ہے کہ جن لوگوں کے دل میں کجی ہے وہ انہی متشابہات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ اللہ کے سوا اس کی حقیقت کس کو معلوم ہے۔ یہاں وقف ہے۔

وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ : اَب فرماتا ہے جن کو یہ خواہش ہے کہ وہ راسخ فی العلم ہو جاویں وہ محکموں کو معًا مان لیتے اور متشابہ کا انکار نہیں کرتے بلکہ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا کہتے ہیں۔ یعنی دونوں پروردگار کی طرف سے مانتے ہیں۔ پس وہ متشابہ کے ایسے معنی نہیں کرتے جو محکم کے خلاف ہوں بلکہ ہر جگہ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا کا اصول پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ کوئی آیت ہو اس کے خواہ کتنے معنے ہوں مگر ایسے معنے نہ کرنے چاہئیں جو محکم کے خلاف ہوں۔

دوسرا طریق دُعا کا ہے وہ یُوں بتایا کہ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا یعنی اے ہمارے رَبّ ہمیں کجی سے بچالے یعنی قرآن کے معنے اپنی خواہشوں کے مطابق نہ کریں۔

وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً : اپنی خاص رحمت سے ممتاز کر۔ وہ رحمت کیا ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ۔ عَلَّمَ الْقُرْآنَ (الرحمٰن: ۲، ۳)۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۷ مئی ۱۹۰۹ء)

اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ : ہر شخص کے لئے کلام کا کوئی حصہ محکم ہے جو اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے اور کچھ حصہ متشابہ جس میں کچھ شبہات ہیں پس اس متشابہ کو محکم کے تابع کرے اور متشابہ کے ایسے معنی کرے جو محکم کے خلاف نہ ہوں (۱) وَوَجَدَكَ ضَالًّا متشابہ ہے تو مَا ضَلَّ اسے حل کر دے گی۔ کلام الٰہی سمجھنے کا ایک طریق یہ ہے۔ دوسرا طریق دُعا ہے۔ تیسرا قیامت سے ڈرنا۔

ابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ : اپنے مطلب کی حقیقت مراد ہے اِس لئے ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ کی طرح یہ مقصد بھی بُرا ہے۔

إِلَّا اللَّهُ : یعنی اس کی اصل حقیقت دوسری آیات میں موجود ہے اور وہ آیات اللہ ہی کی ہیں اِس لئے اللہ ہی کے پاس حقیقت فرمائی۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۵)

۹۔ رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ ؕ

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۰﴾

رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ : پھر یہ سمجھے کہ جب معمولی مجلس میں ہتک گوارا نہیں کر سکتا تو جہاں اوّلین و آخرین جمع ہوں گے وہاں کیونکر ذلّت گوارا ہو گی۔ پس مجھے کسی غلطی میں نہ ڈال کہ قرآن کی کچھ مراد سمجھ کر میں عذاب میں گرفتار ہو جاؤں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ : ایک وعدہ الٰہی تو یہ ہے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت : ۷۰) دوسرا اَلرَّحْمٰنُ۔ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ (الرحمٰن : ۲،۳) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم دُعا مانگنے والوں کو سمجھا دیں گے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۷ مئی ۱۹۰۹ء)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ﴿۱۱﴾

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ : سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ جو لوگ تعلیماتِ الٰہیّہ کے منکر ہیں اوّل تو کلامِ الٰہی سُنتے نہیں اور جو سُن بھی لیں تو اس پر غور نہیں کرتے بلکہ اس تعلیم کا وجود و عدم وجود برابر سمجھتے ہیں اور ان کے لئے عذابِ عظیم ہے۔ اب اس کی تشریح فرماتا ہے کہ لوگ اِس خیال سے کافر ہیں کہ مسلمانوں میں شامل ہونے کی وجہ سے ہمارے اموال میں نقصان ہو گا یا ہماری اولاد خطروں میں پڑے گی۔ فرمایا۔ نہ مال کام آئے گا نہ ہی اولاد۔

وَاُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ : اِس نار سے مراد دُنیا میں نار الحرب[1] ہے چنانچہ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ (المآئدۃ : ۶۵) میں نار کا ذکر ہے۔ پھر آیت اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا

---

[1] جنگ کی آگ۔ مرتّب

عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ (البقرۃ: ۲۴) کے اخیر میں فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ (البقرۃ: ۲۵) موجود ہے۔ پس یہاں بھی وَقُوْد کا لفظ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس قسم کے سامان مجتمع ہوتے رہیں گے کہ یہ جنگوں میں ہلاک ہو جاویں گے۔ یہ دُنیا کی بات ہے آخرت میں کیا ہوگا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۷ مئی ۱۹۰۹ء)

۱۲۔ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۲﴾

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ : جیسے فرعونی ایک چال چلے تو خدا بھی ان کے مقابلہ میں ایک چال چلا اور پھر جو کچھ عاد و ثمود وغیرہ سے ہوا۔ کیا ہوا؟

فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ : پکڑ لیا (انہیں) اللہ نے بدیوں کے سبب۔

وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ : اس عذاب کی وجہ بتا دی۔ عقاب عقب سے نکلا ہے۔ انسان جو نافرمانی کرتا ہے اس پر جو نتیجہ جنابِ الٰہی سے مرتب ہوتا ہے اسے عقاب کہتے ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۷ مئی ۱۹۰۹ء)

۱۳۔ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۳﴾

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ : سورہ بقرہ میں اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (البقرۃ: ۶) اور فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (البقرۃ: ۳۹) وغیرہ سے جو امر بتایا ہے وہاں اسے کھولتا ہے کہ اے کفار تم عنقریب مغلوب ہو گے اور یہ خطاب ہے مدینہ کے بے ایمانوں سے۔ مدینہ میں مَیں نے اِس لئے کہا ہے کہ بدر کا واقعہ اِس آیت کے نزول سے پہلے ہو چکا ہے۔ چنانچہ آگے آتا ہے:

وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰی جَهَنَّمَ : قیامت کے متعلق قرآن مجید اربعہ متناسبہ سے کام لیتا ہے۔ مثلاً کوئی چیز ایک روپیہ کی سیر ہے تو چار روپیہ کی چار سیر ہو گی۔ جو نسبت پہلے کو دوسرے سے ہے وہی تیسرے کو چوتھے سے ہے۔ وہاں مدینہ میں سات قومیں مسلمانوں کی دشمن تھیں۔

بنو قینقاع، بنو قریظہ، بنو نضیر، اوس، خزرج میں باہمی عداوت تھی۔ عیسائی ابو عامر کے ماتحت نواحی مدینہ غطفان اور مضر کا قبیلہ۔ مکہ کے شریر لوگ جو تجارت کے بہانے سے کبھی مدینہ کی مغرب کی طرف نکل جاتے کبھی مشرق کی طرف سے اَور قوموں کو مسلمانوں کے خلاف اُکساتے پھرتے۔ تجارت کے ذریعے ایسی پولیٹیکل چالیں چلی جاتی ہیں۔ یہ سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف تھے، انکی حالت کا نقشہ اور پھر ان کا انجام اِس آیت میں ہے وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا (الحشر : ۳) اَب دیکھئے یہاں پیشگوئیاں دو ہیں سَتُغْلَبُوْنَ اور تُحْشَرُوْنَ اِلٰی جَهَنَّمَ۔ جب تُغْلَبُوْنَ دکھا دیا تو تُحْشَرُوْنَ ضرور ہو گا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۷؍مئی ۱۹۰۹ء)

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِى الْاَبْصَارِ ﴿۱۴﴾

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ : اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے۔

يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ : کفار ایک ٹیلہ پر چھ سو تھے اور مسلمان ۳۱۳۔ اور مومن کے لئے تو یہ آیت ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ۔ تورات یسعیاہ ۲۱ باب ۱۵ آیت میں یہ پیشگوئی لکھی ہے۔ اِس اعتبار سے اہل کتاب کے لئے بھی بدر کا واقعہ آیت ہے۔

مَنْ يَّشَآءُ : یہ مَیں پہلے بتا چکا ہوں کہ مَنْ معرفہ بھی آتا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۷؍مئی ۱۹۰۹ء)

۱۵۔ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۵﴾

زُيِّنَ لِلنَّاسِ: زُيِّنَ کے دو فاعل آتے ہیں۔ چنانچہ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ (النمل:۲۵) میں گندی باتوں کا مُزیّن شیطان کو بتایا ہے اور حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ (الحجرات:۸) میں اللہ کو۔ ایک اور مقام پر فرمایا کَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ (الانعام:۱۰۹) اکثر لوگ اِس کا ترجمہ غلط کرتے ہیں۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ تم کسی مذہب کے بزرگ کو بُرا نہ کہو ورنہ وہ تمہارے خدا کو گالیاں دیں گے۔ پھر فرمایا دیکھو ہم ہر قوم کے لئے وہ کام جو اُن کو کرنا چاہیئے کِس خوبصورتی سے پیش کرتے ہیں اور زُيِّنَ مجہول رکھا ہے تاکہ حسبِ موقع ومحل دو طرفہ لگ سکے۔

حُبُّ الشَّهَوٰتِ: ایک خواہش ہوتی ہے دوسرا اس خواہش کا پسند کرنا چنانچہ اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ (ص:۳۳) کے معنے ہیں گھوڑوں کی محبت کو مَیں پسند کرتا ہوں۔

اِس آیت میں عام انسانی فطرت کو بتایا ہے کہ کوئی جمال پر لٹّو ہے، کوئی جلال پر، کوئی آل پر، کوئی اولاد پر، کوئی سونے چاندی پر، کوئی گھوڑوں پر، مگر یہ سب ورلی زندگی کا سامان ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۷ مئی ۱۹۰۹ء)

۱۶۔ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۱۶﴾

اَؤُنَبِّئُكُمْ: نبأ سے ہے جس کے معنے ہیں عظیم الشان بات۔

لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا: متقی بننا بڑی قربانی چاہتا ہے۔ امام غزالیؒ نے مناظرہ میں ۵۶ کبیرہ گناہوں کو لکھا ہے اور ایک جگہ یہ بتایا ہے کہ قطب کے دل سے جو آخری گناہ نکلتا ہے وہ کبر ہے۔

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ : اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ (التوبۃ:۱۰۰) کے اخیر میں لکھا ہے رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ جس سے معلوم ہوا مہاجرین و انصار کو رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ کا سرٹیفکیٹ مل گیا تھا۔

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ: انسان نگرانی میں غلطی بھی کرتا ہے مگر اللہ تعالیٰ بہت عمدہ نگرانِ حال ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۷ مئی ۱۹۰۹ء)

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۷﴾

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا : متقی کی تعریف سورۂ بقرہ میں ہے يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (البقرۃ:۴) یہ میرا تجربہ ہے کہ جو لوگ یہ تین صفتیں نہیں رکھتے یعنی غیب پر ایمان۔ دعا مانگنے کی عادت۔ کچھ خدا کی راہ میں خرچ کرنا۔ وہ کبھی ہدایت نہیں پاتے۔ پھر لَيْسَ الْبِرَّ (البقرۃ:۱۷۸) میں اس کی تفصیل فرمائی ہے۔ اب یہاں بھی متقی کی کچھ صفتیں بیان کرتا ہے۔

اوّل تو یہ کہ وہ دعا مانگتے رہتے ہیں۔ اپنی کمزوریوں کی حفاظت خدا سے چاہتے ہیں۔ استغفار تمام انبیاء کا اجماعی مسئلہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مَیں ستّر دفعہ استغفار کرتا ہوں پس تم ان سے بڑھ کر نہیں ہو کہ استغفار سے مستغنی نہ ہو۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۷ مئی ۱۹۰۹ء)

اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ : مومن کے چھ کام۔ ۱۔ دُعا ۲۔ صَبَرعَنِ الْمَعْصِیَتْ وَعَلَی الطَّاعَۃ ۳۔ راستبازی ۴۔ عبادت گزاری ۵۔ کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرے ۶۔ استغفار
(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۵)

وَقِنَاعَذَابَ النَّارِ : نارالحرب۔ نارِ جہنم، دونوں سے ۔ لڑائیوں کی ابتداء بھی نار سے ہوتی ہے اور انتہاء بھی۔ پہلے غضب اُٹھتا ہے۔ وہ بھی آگ ہے۔ پھر لوگوں کو ساتھ لانے کیلئے مہمان نوازی کرتے ہیں۔ اس میں بھی آگ ہے۔ پھر توپ، بندوق، تارپیڈو۔ یہ تو سب نے دیکھی۔ پس اسی طرح انجام شریر کا نارِ جہنم ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۷ رمئی ۱۹۰۹ء)

اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۸﴾

اَلصّٰبِرِیْنَ : متقی کی یہ صفت ہے کہ اس میں برداشت و تحمل ہوتا ہے اور یہ صبر کوئی ایسی چیز نہیں جو انسانی قدرت سے باہر ہو اِسی لئے لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا (البقرۃ : ۲۸۷) فرماچکا ہے۔ ایک رئیس تھا اس کے حضور میں ایک شخص نے عرضی دی کہ حضور کی قوم کے ایک آدمی نے مجھے گالی دی ہے۔ اُسے بُلایا گیا۔ رئیس نے اُس آدمی کو سخت گالیاں دیں جو اس کی شان سے بعید تھیں اخیر اس حاکم نے اس سے پوچھا تم نے اس افیسر کی کیوں بے عزتی کی؟ تو وہ کہنے لگا کہ اس نے مجھے گالی دی تھی پھر مجھ میں تابِ حوصلہ نہ رہی۔ رئیس نے کہا کہ صبر کی طاقت تو تجھ میں ہے۔ دیکھو مَیں نے بھی تجھے گالیاں دیں اور تم چپکے ہنسا کئے۔ اگر لوگ صبر کریں تو بہت سی لڑائیوں کا خاتمہ ہو جاوے۔

صبر کے معنے ہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے اپنے تئیں روکنا غیظ و غضب سے، شہوت سے، حرص و آز سے۔

اَلصّٰدِقِیْنَ : راست باز اَلْقٰنِتِیْنَ : فرماں بردار

وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ : لوگوں نے اِس بات پر بحث کی ہے کہ تہجد صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر فرض تھی یا دوسروں پر بھی؟ اِس آیت سے کم از کم یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ استغفارِ اَسحار متقی کا فرض ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۷ رمئی ۱۹۰۹ء)

۱۹ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۹﴾

شَهِدَ اللّٰهُ : یہ گواہی انبیاء نے دی ہے پھر اُن کے متبعوں نے سُنی ہے۔ خود خدا بولا ہے اور اس نے اپنی زبان سے فرمایا ہے کہ مَیں یگانہ معبودِ خلائق ہوں۔ مَیں خود بھی گواہ ہوں کہ اللہ نے اپنی ذات کی نسبت گواہی دی۔ اس نے مجھے فرمایا مَنْ جَمَعَ الْقُرْاٰنَ فَقَدْ تَصِنَ تَصَانَ۔ تَصِنَ کے معنے مَیں نہیں جانتا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۷ مئی ۱۹۰۹ء)

۲۰ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰﴾

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ : مَیں نے دُنیا کے بہت سے مذاہب کی کتابوں کو دیکھا ہے ان کی الہامی کتابوں میں ان کے مذہب کا کوئی نام نہیں۔ مگر اللہ نے ہمارے لئے جو دین پسند کیا اس کا نام اسلام بتلایا اور فرمایا کہ وہ دین جو خدا کے حضور پسندیدہ ہے وہ یہی ہے کہ فرمانبرداری ہو۔ حضرت نوحؑ آگئے تو ہم تابعدار رہیں پھر ابراہیمؑ آئے ہم فرمانبردار ہیں۔ موسٰی علیہ السلام کا دَور ہے ہم مطیع فرمان ہیں۔ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے ہم ان کے غلام ہیں پس یہی سلامت رَوی کی راہ ہے۔ یہ نظارہ گورنمنٹ کی ظاہری سلطنت میں بھی نظر آتا ہے کہ ایک ڈپٹی کمشنر جاتا ہے دوسرا آتا ہے۔ رعایا کو کسی خاص شخص سے وابستگی نہیں پس جو آیا اس کے وہ مطیع ہو

جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ (البقرۃ: ۹۲) کہتے ہیں بہت ناپسند کیا ہے۔ مسلم وہی ہے جو سب انبیاء و اولیاء و خلفاء کا تابع فرمان ہو۔

اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ: انہوں نے خلاف ورزی کی مگر اس کے بعد جب ان کے پاس علم آچکا میرے عقیدہ کے مطابق خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ایک آیت تھا۔ ؎

زفرق تابقدم ہر کجا کہ مے نگرم
کرشمہ دامن دِل می کشد کہ جا اینجاست

آپ کے اقوال، آپ کے افعال، آپ کے پاس بیٹھنے والے، آپ کے دوست، آپ کے آشنا، آپ کے کارکن، آپ کی تعلیم، آپ کی کتاب۔ ان سب کو جب مَیں دیکھتا ہوں تو زبان بے اختیار بول اُٹھتی ہے کہ وہ ایک بے نظیر رسول تھا۔ قوم کا ایک مدبر آیا۔ آپ فرما رہے تھے اَمر بالمعروف کرو اور نہی عن المنکر۔ وہ یہ بات سُنتے ہی پھڑک اُٹھا۔ اس نے جا کر قوم کو کہا۔ کیا تم پسندیدہ امور کرنا چاہتے ہو یا نہیں؟ وہ بولے۔ ہاں۔ کیا تم ناپسندیدہ سے رُکنا چاہتے ہو؟ کہنے لگے۔ ہاں۔ اس پر وہ بولا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین میں آجاؤ کہ وہ بھی یہی فرماتا ہے۔ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ سپرد کر دیا ہے اپنی تمام توجہ کو۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۷ مئی ۱۹۰۹ء)

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جو دین کی توضیح اور تفسیر فرمائی ہے وہ یہ ہے اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ اللہ تعالیٰ کے حضور دین کی حقیقت اور ماہیت کیا ہے؟

اَلْاِسْلَامُ: اپنی ساری قوتوں اور طاقتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کو لے اور اس پر رُوح اور راستی سے عمل درآمد کرے۔ دین کے متعلق جبرائیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور سوال کیا ہے اور آپ نے صحابہ کرامؓ کو بلکہ ہم کو آگاہ کیا ہے کہ یہ جبرائیلؑ تھا۔ اَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِيْنَكُمْ (حدیث) پس دین کی حقیقت اور اس کا صحیح اور سچا مفہوم وہ ہو گا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت بیان فرمایا۔ اَلْاِسْلَامُ کے معنے یہ ہیں سر رکھ دینا، جان سے، دل سے، اعضاء سے، مال سے۔ غرض ہر پہلو اور ہر حالت میں اللہ تعالیٰ ہی کی فرمانبرداری کرنا۔

(الحکم ۱۷ جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۴)

۲۱ فَإِنْ حَآجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۗ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْأُمِّيّٖنَ ءَأَسْلَمْتُمْ ۚ فَإِنْ أَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ۚ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ ﴿۲۱﴾

وَمَنِ اتَّبَعَنِ : دیکھو! باطن کا حال کسی کو معلوم نہیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس زور سے کہتے ہیں کہ اے یہودیو! اے نصرانیو! سُنو کہ جیسا کہ مَیں جان و دل سے خدا کا فرماں بردار ہوں ایسا ہی میرے تابعدار فرمانبردار ہیں۔ اگر ان میں کوئی ظالم و فاسق ہوتا جیسا کہ شیعہ سمجھتے ہیں تو کیا آپ یہ دعویٰ سے کہہ سکتے۔ اِسی مضمون کی آیت سورہ بقرۃ میں بھی ہے بَلٰى مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ (البقرة : ۱۱۳) اور پھر فرمایا نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (البقرة : ۱۳۴)
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۷ مئی ۱۹۰۹ء)

۲۲ إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَأْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ ﴿۲۲﴾

إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ : قرآن مجید کی ایک ایک آیت اللہ کی آیت ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود آپ آیت ہیں۔ آپ کے ساتھی آیت ہیں۔

يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ : پس آپ کے ساتھ جو مقابلہ کرتے ہیں وہ درحقیقت سب انبیاء سے مقابلہ کرتے ہیں کیونکہ آپ کی نبوت میں تمام انبیاء کی نبوت کا ثبوت موجود ہے۔

فَبَشِّرْهُمْ : ایسا کھول کھول کر اِس بات کو بیان کر کہ اس کا اثر ان کے چہروں پر ظاہر ہو جاوے

سورہ بقرۃ میں بھی یہی فرمایا ہے ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ (البقرۃ: ۶۲) میں اس آیت کے یقیناً یہی معنے سمجھتا ہوں کہ نبی کریمؐ کا مقابلہ گویا سارے جہان کے نبیوں کا مقابلہ ہے اور ان کے قتل کی تجویزیں گویا تمام انبیاء کے قتل کے برابر ہے بلکہ آجکل کے جو انصاف سے حکم کرنے والے ہیں یعنی صحابہؓ جن کی تعریف میں آیا ہے وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ اور يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ ان سب سے مقابلہ کی ٹھانی ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۷ رمئی ۱۹۰۹ء)

۲۳۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۳﴾

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ: ان کو کھول کر سنا دو کہ تمہاری ساری تجویزیں اور منصوبہ بازیاں ناکام رہ جاویں گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ پھر ان کے دشمنوں کا جو حشر ہؤا وہ سب نے دیکھا۔ اس کے بعد ابو بکرؓ کے مقابلہ میں جو لوگ اُٹھے وہ بھی ناکام رہے۔ جب دُنیا میں یہ حالت ہوئی تو بس آخرت میں بھی ضرور یہی ہوگا۔

وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ: یہود کی قوم اس کا ثبوت موجود ہے۔ کسی ملک میں ان کو سر چھپانے کو جگہ نہیں ملتی۔ جہاں جاتے ہیں جلا وطن کئے جاتے ہیں۔ کوئی آدمی ان کی پیٹھ بھرنے والا نہیں۔ سورہ بقرۃ میں بھی اسی مضمون کی آیت آئی۔ دیکھو رکوعؔ پارہ اوّل۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ۔ (البقرۃ: ۸۷)۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۷ رمئی ۱۹۰۹ء)

۲۴۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى

فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۴﴾

ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ : قصہ تو یہودیوں کا بیان ہو رہا ہے مگر مسلمانوں کو اس سے عبرت لینی چاہیئے۔ ان کی حالت بہت کمزور ہے۔ پہلی بات یہ کہ باہم محبت نہیں۔ دوم یہ کہ عورتوں کے حقوق کی طرف مطلق توجہ نہیں۔ عورتوں کے اقرباء کو جو حقوق دے رکھے ہیں وہ گالی کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً سسرا، سسری، سالا۔ پھر جس کی اُمید پر عورتوں کے حقوقِ وراثت چھینے ہیں۔ کیا ان کے انجام کی خبر ہے؟ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا (النسآء : ۱۲) اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے۔ پس ایک انسان کیا سمجھ سکتا ہے کہ یہ رشتہ دار مجھے زیادہ فائدہ دے گا۔ چوتھے خود غرضی و تکبر میں بہت بڑھ گئے ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۷؍ مئی ۱۹۰۹ء)

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۪ وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۵﴾

غَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ : بناوٹی قصوں، جعلی روایتوں پر اعتبار ہے۔ یہ عیب مسلمانوں میں بھی ہے۔ انبیاء اور اولیاء کرام کے متعلق اس قسم کے اعتقاد تراش رکھے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۷؍ مئی ۱۹۰۹ء)

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

قَدِيْرٌ [۲۷]

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ : خدا کے تمام وعدے اعمال کے ساتھ وابستہ ہیں اور اعمال کی توفیق دعاؤں سے حاصل ہوتی ہے اِس لئے دعا سکھائی ہے۔ قرآن کی دعائیں یا تو رَبِّ، رَبَّنَا سے شروع ہوتی ہیں یا اَللّٰهُمَّ سے۔ عام دُعا جو ہر نماز میں مانگی جاتی ہے وہ بھی اَللّٰهُمَّ سے ہی شروع ہوتی ہے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۷ رمئی ۱۹۰۹ء)

انسان چاہتا ہے کہ دُنیا میں معزز اور محترم بنے لیکن حقیقی عزت اور سچی تکریم خدا تعالیٰ سے آتی ہے۔ وہی ہے جس کی یہ شان ہے تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ۔

(الحکم ۱۰ رمئی ۱۹۰۵ء صفحہ ۵)

۲۸۔ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ز وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ز وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ [۲۸]

تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ : وہ چاہے تو جن کے گھر غموں کی اندھیری ہے وہاں آرام کا دن چڑھا دے اور چاہے تو جہاں راحت کی روشنی ہے وہاں دُکھوں کی تاریکی کر دے۔ وہ چاہے تو بُروں سے بھلے اور بھلوں سے بُرے بنا دے۔ جسے چاہے عزت دے جسے چاہے ذلیل کرے۔ یہ دُعا نبی کریمؐ و صحابہؓ نے مانگی۔ خدا نے ان کو عزت دی۔ نیک و ممتاز انسان بنایا۔

یہاں جہاد کے متعلق یہ ہدایت کی ہے کہ دُعا ضروری ہے۔ پھر افتراء نہ کرے۔ خدا تعالےٰ کا صریح نافرمان نہ ہو۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۷ رمئی ۱۹۰۹ء)

۲۹۔ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ

الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۗ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۹﴾

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ : مومن کبھی کافروں کو اپنے دلوں پر متصرّف نہ مانے۔ پارہ ۲۸ سورۂ ممتحنہ میں اسے اور بھی کھول کر بیان کیا ہے شروع سے سورۃ کو پڑھ کر دیکھ لو۔

اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً : اسلام میں جتنے مسائل ہیں ان میں حفظِ نفوس، حفظِ اموال، حفظِ اَعراض مقصود ہوتا ہے۔ یہاں بھی ایک گُر بتا دیا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۷ مئی ۱۹۰۹ء)

۳۱ یَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚۖ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًا بَعِيْدًا ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۗ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ﴿۳۱﴾

مُحْضَرًا : نتیجہ سامنے دیکھے گا۔ اس سے آگے وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ کے لئے مُحْضَرًا نہیں فرمایا۔ یہ اس کی شانِ ستاری کا تقاضا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۷ مئی ۱۹۰۹ء)

۳۲ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ

يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۲﴾

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ : راست باز آدمی کو سچائی میں کس قدر طاقت دی جاتی ہے اور کہ راستی میں کتنی قوت ہوتی ہے اس کا اندازہ اِس آیت سے ہو سکتا ہے۔ دیکھو محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ارشاد ہے کہ اعلان کر دو مَیں نے خدا کی فرمانبرداری کر کے یہ مقام حاصل کیا اَب تم میرے پیچھے پیچھے چلو تم بھی خدا کے محبوب بن جاؤ گے۔ ہر شخص کی زندگی کا آرام اُس بستی کے مقتدر کی مہربانی سے وابستہ ہوتا ہے۔ پھر اس گاؤں کے نمبردار سے اُوپر چلیں تو اس ضلع کے حاکم سے۔ پس اللہ جو ربّ، رحمٰن، رحیم اور مالک ہے اس کے ساتھ تعلق کس قدر سُکھوں کا موجب ہو سکتا ہے۔ یہاں تعلق کا وعدہ نہیں بلکہ فرمایا خدا اپنا محبوب ہمیں بنا لے گا۔ خدا پرست دیکھ کر اسے تجربہ کرے۔ کیا مجرّب نسخہ ہے! مَیں اکثر اوقات اِس آیت کو پڑھ کر بے اختیار نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود بھیجا کرتا ہوں۔

لڑکے پڑھنے میں سخت محنت کرتے ہیں یہاں تک کہ انہیں سِل اور دِق ہو جاتا ہے تا بی۔ اے بن جائیں اور پھر کوئی مرتبہ پائیں۔ اب دیکھئے پاس ہونا موہوم، صحت موہوم، مرتبہ ملنے تک زندہ رہنا خیالی بات۔ باوجود اس کے لڑکے محنت کئے جاتے ہیں۔ پس وہ انسان کیسا بدبخت ہے جو اس خدا کے پاک وعدے کی جو ہر طرح کی قدرت رکھتا ہے کچھ قدر نہ کرے۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ شریعت مشکل ہے مگر رسول اللہؐ اِعلان کرتے ہیں میری چال اختیار کرو۔ کوئی کہہ سکتا ہے ہم بڑے گنہگار ہیں۔ فرماتا ہے میرے رنگ میں رنگین ہو جاؤ۔ میرے فرمانبردار بن جاؤ۔ اللہ وعدہ کرتا ہے گناہ بخش کر پھر بھی اپنا محبوب بنا لیں گے کیونکہ ہمارا نام غفور، رحیم ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۷؍مئی ۱۹۰۹ء)

محمد و احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ..... نے اپنی پاک تعلیم، اپنی مقدس و مطہر زندگی اور بے عیب چال چلن اور پھر اپنے طرزِ عمل اور نتائج سے دکھا دیا کہ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ مَیں اپنے اللہ کا محبوب ہوں تم اگر اس کے محبوب بننا چاہو تو اس کی ایک ہی راہ ہے کہ میری اِتباع کرو۔

جبکہ میں اپنے خدا کا محبوب ہوں پھر بتاؤ کہ کوئی چاہتا ہے کہ اس کا محبوب ناکام رہے۔ پھر خدا مجھے کبھی ناکام نہ رہنے دے گا۔ میرے دشمن ذلیل اور ہلاک ہو جائیں گے۔ اور یہ باتیں ایسی سچی اور صاف ہیں کہ تم خود کر کے دیکھ لو۔ میری اطاعت کرو۔ میرے نقشِ قدم پر چلو اللہ تعالیٰ کے محبوب ہو جاؤ گے اور تمہارے دشمن مردود اور مخذول ہو کر تباہ ہو جائیں گے۔

(الحکم ۳۱ ر مارچ ۱۹۰۱ء صفحہ ۵، ۶)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ..... کامل انسان اللہ تعالیٰ کا سچا پرستار بندہ تھا اور ہماری اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا۔ ان کے سوا الٰہی رضا ہم معلوم نہیں کر سکتے اور اسی لئے فرمایا قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ جس طرح پر اس نے اپنے غیب اور اپنی رضا کی راہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ظاہر کی ہیں اسی طرح پر اب بھی اس کی غلامی میں وہ ان تمام امور کو ظاہر فرماتا ہے۔ اگر کوئی انسان اس وقت ہمارے درمیان آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ، داؤد، محمد، احمد ہے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذریعہ سے ہے اور آپ ہی کی چادر کے نیچے ہو کر ہے۔ کوئی راہ اگر اس وقت کھلتی ہے اور کھلی ہے تو وہ آپ میں ہو کر۔ ورنہ یقیناً یقیناً سب راہیں بند ہیں۔ کوئی شخص براہِ راست اللہ تعالیٰ سے فیضان حاصل نہیں کر سکتا۔

(الحکم ۳۱ ر اکتوبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۴)

جنابِ الٰہی میں محبوب بننے کے لئے اِتّباعِ رسول ؐ کی سخت ضرورت ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ ساری دُنیا کو قربان کر دو۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع پر دیکھو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیسی قربانی کی اور آخر اسی قربانی کے وسیلے سے وہ اس وجاہت پر پہنچا کہ خدا کے محبوبوں میں ایک ممتاز محبوب نظر آیا۔

جو قربانی کرتا ہے اللہ اس پر خاص فضل کرتا ہے۔ اللہ اس کا ولی بن جاتا ہے پھر اسے محبت کا مظہر بناتا ہے۔ پھر اللہ انہیں عبودیت بخشتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جس میں لامحدود ترقیاں ہو سکتی ہیں۔

(بدر ۲۱ ر جنوری ۱۹۰۹ء صفحہ ۸)

اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو اور اس سے سچے تعلقاتِ محبت پیدا کرنے کے خواہش مند ہو تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی متابعت کرو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ کے محبوب بن جاؤ گے اِس اصل سے صحابہؓ نے جو فائدہ اُٹھایا ہے ان کے سوانح پر غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔

(بدر ۵ ر اگست ۱۹۰۹ء صفحہ ۲)

اِسلام نام ہے فرماں برداری کا۔ سارے جہان کو تو موقعہ نہیں کہ اللہ کی باتیں سُنے اِس لئے پہلے نبی سُنتا ہے پھر اَوروں کو سُناتا ہے۔ سو پہلا مرتبہ یہی ہے کہ نبی کی صحبت میں رہے اور اس سے فرماں برداری کی راہیں سُنے اور سیکھے چنانچہ اِس بناء پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سمجھایا کہ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ یعنی سرِدست تم میرے تابع ہو جاؤ۔ اس کی تعمیل میں ایمان لانے والوں نے جیسا نبی کریمؐ نے سمجھایا، کیا۔ کلمہ سکھایا کلمہ پڑھ لیا۔ نماز سکھائی تو نماز پڑھ لی۔ روزہ، حج، زکوٰۃ جس طرح فرمایا اسی طرح ادا کیا۔ یہ اسلام ہے۔

(بدر ۲۷ جنوری ۱۹۱۰ء صفحہ ۸)

اِنسان کو اپنے خالق و رازق و محسن سے محبت ہوتی ہے مگر محبت کا نشان بھی ہونا چاہیئے اِس لئے فرماتا ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ یعنی کہہ دے اگر تمہیں اپنے مولیٰ سے محبت کا دعویٰ ہے تو اس کی پہچان یہ ہے کہ میری اِتباع کرو پھر تم محب کیا اللہ کے محبوب بن جاؤ گے۔

(بدر ۲۴ فروری ۱۹۱۰ء صفحہ ۲)

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝۳۳

پھر بعض لوگ ایسے ہیں کہ ہر حرکت و سکون میں ایسی فرمانبرداری نہیں کر سکتے کہ اس میں فنا ہو جاویں اِس لئے فرمایا کہ رسول ہونے کی حیثیت سے جو حکم اس نے دئے ان پر عمل کرو۔ پس اگر محبوب نہ بنائیں تو کُفر سے تو نکال لیں گے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۷ جون ۱۹۰۹ء)

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝۳۴

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ : اللہ تعالیٰ نے آدم زاد کو تمام مخلوقات پر برگزیدہ کیا اور یہ ظاہر ہے کہ ایک عالمِ کبیر ہے تو آدم عالمِ صغیر تمام اشیاء کا جامع ہے۔ پھر آدمیوں میں سے نوحؑ کو اوّل الرسل بنایا۔ آدمؑ کو خدا نے رسول نہیں فرمایا بلکہ خلیفہ کہا۔ اوّل الرّسل نوحؑ ہی ہیں۔ آپ نے اپنی قوم کو ترکِ

بدی کی تعلیم دی اور استغفار سکھایا۔ پھر جب دوسرا دور آیا تو ابراہیمؑ کو رسالت سے ممتاز کیا جنہوں نے تنزیہ کے علاوہ فرمانبرداری کی تاکید کی اور اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کا سبق دیا۔ پھر حضرت موسٰیؑ کا زمانہ آیا۔ ان کی قوم کو اللہ تعالیٰ نے نبوت بھی دی۔ غرض تمام انعامات سے بھرپور کر دیا اور یہ نہ سمجھو کہ ان میں خاص خاص لوگ ہی تھے بلکہ عمران کی عورتوں کو بھی مشرّف بکلامِ الٰہی کیا۔ چنانچہ عمران کی ایک عورت کا ذکر کرتا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۷؍جون ۱۹۰۹ء)

۳۶۔ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۶﴾

بعض لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ مریمؑ کی والدہ عمران کی بیوی نہ تھی۔ یہ غلط ہے۔ یہودیوں، عیسائیوں میں بزرگوں کے نام پر قوم چلتی ہے۔ موسٰیؑ اور ہارونؑ عمران کے بیٹے تھے۔ پس انہی کی نسل میں سے ایک عورت تھی جس کا یہ ذکر ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۷؍جون ۱۹۰۹ء)

اِمْرَاَتُ عِمْرٰنَ: عمرانیوں کی ایک عورت نے۔ عمران خاوند اور اس کی بی بی مراد نہیں۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۶)

مُحَرَّرًا: اَب تک ہندوؤں میں اور بعض مسلمانوں میں یہ رسم ہے کہ اگر کسی کی اولاد زندہ نہ رہے تو وہ چڑھا وا چڑھا دیتا ہے۔ گویا اِس پاک رسم کی اصل موجود ہے۔ وہ کسی خانقاہ کے نام پر تو نہ تھی۔ البتہ فرمایا کہ یا اللہ مَیں نے اپنے کام سے آزاد کر دیا۔ دین کے لئے وقف کر دیا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۷؍جون ۱۹۰۹ء)

۳۷۔ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰی ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَیْسَ الذَّکَرُ

كَالْاُنْثٰى ۚ وَاِنِّيْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَاِنِّيْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۳۷﴾

وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى : یہ اِس لئے کہا کہ لڑکی کا رواج نہ تھا۔

لَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى : اگر یہ خدا کا کلام ہے تو پیشگوئی ہے کہ یہ لڑکی معمولی عورتوں سے بہت اچھی ہوگی۔ اگر اس میں عورت کا کلام ہے تو معنے ظاہر ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۷ر جون ۱۹۰۹ء)

لَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى : اللہ نے فرمایا کہ لڑکا اس لڑکی جیسا نہ ہوتا۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۶)

وَاِنِّيْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ : کیا اچھا ہو کہ مسلمان اِس ہدایت پر عمل کریں اور صحبت سے پہلے بہت بہت دعائیں کر لیا کریں کہ ان کی اولاد نیک ہو۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۷ر جون ۱۹۰۹ء)

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۚ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾

وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا : یہ اِس لئے فرمایا کہ تا بتائے کہ یہ تمام گھرانہ پاکوں کا ہے جس کی عورتیں اور مرد انعاماتِ الٰہی سے مشرّف تھے۔

وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا : بہت معمولی بات ہے مگر مفسّرین کی عجوبہ پسند طبیعت نے بے موسمی میوے کھائے۔ یہ خواہ مخواہ کی زیادۃ علی القرآن ہے۔

قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ : یہ واقعہ صرف اللہ تعالیٰ نے اِس لئے بیان کیا کہ تا ظاہر ہو کہ اس خاندان کے بچے بھی کیسے خدا پرست تھے کہ وہ معمولی چیزیں بھی جب پاتے تو توحید میں ایسے مستغرق تھے کہ یہی کہتے کہ خدا نے دیا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۷ر جون ۱۹۰۹ء)

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ۝۳۹

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا : مفسّرین نے جھک مارا ہے جو کہا ہے کہ زکریا نا اُمید تھے۔ نا امید خدا کی جناب سے کافر ہوتا ہے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ انبیاء دعا نہیں کرتے جب تک خاص تحریک اور اجازتِ الٰہی نہ ہو۔ حضرت نوحؑ کی نسبت پڑھو اِنِّیْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ (ھود : ۴۷) پس اس وقت زکریا کو ایک تحریک ہوئی تو کہا اے خدا! ایسی نیک اولاد مجھے بھی دے۔ یہ معنے ہیں هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ کے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۷ر جون ۱۹۰۹ء)

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۴۰ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ۗ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ

يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۱﴾

مُصَدِّقًا: وہ راستیوں کی تصدیق کرنے والا ہوگا۔

بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ: یہ بشارت ایک کلام کے ذریعہ سے ہوئی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۷؍جون ۱۹۰۹ء)

بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ: اللہ کی کلام سے ایک کا مصدق ہوگا۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۶)

حَصُوْرًا: بدیوں سے پاک۔ یہ غلط ہے کہ وہ ہیجڑے تھے۔ انبیاء کے صفات بلا ضرورت کے بیان نہیں ہوتے۔ ایک جگہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ (البقرۃ: ۱۰۳) تو کیا نبی کافر بھی ہو سکتا ہے۔ پس یہ حَصُوْرًا بھی اِس الزام کی تردید میں آیا ہے جو ان پر لگایا گیا۔ ایک کنچنی نے زکریا کے خاندان پر یہ گند بکا تھا۔

اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ: مَیں بڑھاپے میں ایسا لڑکا جو جوان بھی میرے سامنے ہو جائے عجیب سمجھتا ہوں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۷؍جون ۱۹۰۹ء)

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۭ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۲﴾

قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا: تُو تین دن لوگوں سے کلام نہ کرے گا ہاں مگر اشارہ کے ساتھ۔ جب تُو کلام نہ کرے گا تو ہم تیرے لئے وہ بات پیدا کر دیں گے۔ یہ معنے نہیں کہ آپ تین دن کے لئے گونگے ہو گئے اگر یہ بات تھی تو پھر وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ کے کیا معنے ہوئے مَیں نے اس نسخہ کو بے اولادوں کے لئے بہت آزمایا اور اکثر مفید پایا ہے۔ ایسے لوگوں کو مَیں نے کہا ہے کہ کم بولنے کی عادت ڈالو اور تسبیح و ذکر میں مشغول رہو۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۷؍جون ۱۹۰۹ء)

ترجمہ: وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ : دُنیا میں دو خیالات کے لوگ رہتے ہیں ایک وہ جو ہر بات میں عالَم اسباب پر نظر رکھتے ہیں۔ وہ کسی قدرت کے اسباب کے سوا قائل نہیں۔ وہ ہر امر میں ایک باریک در باریک راہ نکال لیتے ہیں اور اسی کو کامیابی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اگر ناکام رہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ کوئی خاص سبب جو اِس سلسلۂ اسباب میں کامیاب ہونے کے لئے ضروری تھا رہ گیا۔ اگر اس کا علم ہو جاتا تو کبھی ناکام نہ رہتے۔ یہ وہ ہیں جن کا سورہ بقرہ میں فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ (البقرۃ: ۲۰۱) کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے ایک وہ ہیں جو عالَمِ اسباب کو بالکل ہی نہیں مانتے۔ وہ اپنے آپ کو مُردہ بدست زندہ سمجھتے ہیں مگر تعجب ہے کہ عالَمِ اسباب کی کچھ قدر نہیں لیکن ضرورت کے وقت بھیک مانگ لیتے ہیں۔ بدبختی سے اِس ملک میں ایک عظیم الشان انسان گزرا ہے جس نے زمانہ کے مصائب کو دیکھ کر عالَمِ اسباب کو ترک کرنا چاہا مگر اس کے پیرو ایسی غلطی میں پڑے کہ عالَمِ اسباب کو ترک کا دعوٰی کر کے عالَمِ اسباب کے ارذل ترین پیشہ میں جا پڑے (یعنی بھیک)۔ وہ نفسانی خواہشوں کے مارنے کا دعوٰی کرتے ہیں مگر آخر انہی میں گرفتار ہوتے ہیں۔ قرآن مجید نے اِن دونوں خیالات کے لوگوں کو ناپسند کیا ہے۔ اس کو تو یہ راہ پسند ہے وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً (البقرۃ: ۲۰۲)۔ عالَمِ اسباب کی رعایت بھی نہ [1] رہے اور پھر خدا پر توکل بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عالَمِ شہادت میں پیدا کیا ہے۔ ایک عالَمِ غیب بھی ہے۔ ساری چیزوں میں تین باتیں ہوتی ہیں۔ ذات، صفات، افعال۔ ذوات محسوس نہیں ہوتے۔ ہاں صفات سے ہم یقین کہتے ہیں کہ کوئی ذات ہے اور صفات کا علم افعال سے ہوتا ہے اور وہ موصوف جو ہے وہ عالَمِ غیب میں ہے۔ مَیں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے بڑی محنت سے کشاورزی کرتے ہیں پھر فصلوں کو کاٹا ہے مگر کھلیان کو آگ لگ گئی اور سب محنت برباد ہو گئی۔ عالَمِ اسباب کے معتقد کہہ سکتے ہیں احتیاط نہیں کی۔ یہ سچ ہے کہ عالَمِ اسباب کی رعایت ضروری ہے مگر اللہ کی مرضی بھی کوئی چیز ہے۔ اِس بات

---

[1] 'نہ' سہوِ کاتب ہے۔ مرتب

کا ذکر خدا تعالیٰ نے ایک آیت میں کیا ہے وَ اٰتَیْنٰہُ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا (الکہف: ۸۵) لیکن اسباب موافقِ مقصد کا حصول بھی اللہ کے فضل پر موقوف ہے۔ اور ایک جگہ منافقوں کے عذر کا ذکر کرکے کہ ہم جنگ میں نہیں جاسکتے فرماتا ہے یَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُیُوْتَنَا عَوْرَۃٌ۔ وَمَا ھِیَ بِعَوْرَۃٍ اِنْ یُّرِیْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا (الاحزاب: ۱۴) اگر وہ نکلنا چاہتے تو پھر ہم اسباب بھی مہیا کر دیتے۔ چونکہ عالمِ اسباب کے کارخانے میں ہمارا علم محیط نہیں اِس لئے ان کے مناسب موقعِ حصول کے لئے الٰہی امداد کی ضرورت ہے۔ ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے اس کے آگے پھر انسان کا بس نہیں چلتا بلکہ خدا کی توفیق و یاوری کی ضرورت ہوتی ہے۔ نام زنگی کافور نہند کا یہ مطلب بھی ہے کہ وہ سیاہی کے تمام مدارج کو طے کرچکا ہے بس آگے سفیدی ہی ہے اِسی طرح ناامیدی جب حد کو پہنچی تو سمجھو امید آئی۔

حضرت یسعیاہ کی کتاب باب ۵۴ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مکّہ معظّمہ کی نسبت ذکر فرمایا ہے کہ یہ شہر عروسِ عرب ہے۔ اس پر خطرناک مایوسی ہوگی۔ اس کا کوئی بیٹی بیٹا لائق نہ ہوگا۔ وہ خطرناک غلطیوں میں مُبتلا ہوں گے۔ پر آخر اس مایوسی میں اُمید۔ اِس ظلمت میں خورشید نظر آئے گا یہاں بطور تمثیل مریمؑ اور زکریاؑ کا ذکر کرتا ہے کہ دونوں نے اسباب موجود نہ ہونے کی صورت میں اپنی مُراد پائی۔ اِسی طرح مکّہ عروسِ عرب ہے (یاد رہے کہ شہر کو عروس کہنا عام ہے لندن کو عروس البلاد کہتے ہیں شام کو عروسِ عسقلان) اس کا بھی ایک بیٹا ہے جو مظفر و منصور ہوگا۔ اس کے مقابلہ میں جو آئیگا ناکام رہے گا۔ بڑی بڑی طاقتوں سے لوگ اُٹھتے ہیں مگر معًا ہلاک ہوتے ہیں۔ کام وہی ہوتا ہے جو خدا کرے۔ دیکھو بنگالی ہیں ان کے نادان بچوں نے گورنمنٹ کے مقابلہ میں شرارت کی مگر ناکام رہے۔

مَیں بارہا وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّیٰطِیْنُ (البقرۃ: ۱۰۳) اور وَمَآ اُنْزِلَ عَلَی الْمَلَکَیْنِ بِبَابِلَ ھَارُوْتَ وَمَارُوْتَ (البقرۃ: ۱۰۳) کی تفسیر میں یہ سمجھا چکا ہوں کہ کبھی کسی خفیہ کمیٹی، مخفی منصوبے میں شامل نہ ہو۔ یہی پاک تعلیم انبیاء کی ہے کہ ان کی کوئی بات مخفی نہیں ہوتی۔ ہمارے حضرت صاحب کو اگر کوئی خلوت میں کچھ کہتا تو آپ اتنے زور سے گفتگو کرنے لگتے کہ نیچے گلی میں چلنے والے سُن سکتے۔ ان مخفی کمیٹیوں کی ہزار ہزار صفحے کی کتابیں مَیں نے پڑھی ہیں۔ یہ مدّت سے قائم ہیں مگر حضرت نبی کریمؐ سے لیکر حضرت عثمانؓ تک ان کا نام ونشان نہیں ملتا۔ یہ اُن کا رُعب اور ان کی قدرت نمائی تھی کیونکہ خدا نے اعلان کرا دیا تھا وَمَا ھُمْ بِضَآرِّیْنَ بِہٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ (البقرۃ: ۱۰۳)

میری بڑی عمر ہوگئی۔ مَیں بچہ تھا پھر جوان ہُوا پھر ادھیڑ پھر بوڑھا مگر مَیں آج تک کبھی کسی خفیہ محفل یا کمیٹی یا جلسہ میں شامل نہیں ہُوا۔ میرا ایک بہت پیارا دوست شہر میں تھا مگر مَیں نے اس سے بھی کبھی مخفی ملاقات نہ کی نہ مخفی اس سے گفتگو رکھی۔ یہ خدا کا مجھ پر بڑا فضل ہے جو منصوبہ بازوں کو حاصل نہیں ہوسکتا وہ مجھے حاصل ہُوا۔

مَیں تمہیں کہاں تک سُناؤں۔ سُناتے سُناتے تھک گیا مگر خدا کی نعمتوں کے بیان کرنے میں نہیں تھکتا اور نہ مجھے تھکنا چاہیئے۔ اس نے مجھ پر بڑے بڑے فضل کئے۔ یہاں ایک اخبار کے ایڈیٹر نے اپنی نظم چھاپی۔ مجھے معلوم نہ تھا۔ مَیں اسے پڑھتا اور سجدہ میں گر گر جاتا۔ چونکہ وہ بہت دَرد سے لکھی ہوئی تھی اِس لئے اس نے میرے دَردمند دل پر بہت اثر کیا۔ وہ صوفیانہ رنگ میں ڈوبی ہوئی نظم تھی۔ مَیں جس بات پر شکر کرتا وہ یہ تھی کہ خدا مجھ پر وہ وقت لایا ہی نہیں کہ مجھے معلوم نہ تھا۔ مَیں نے ہوش سنبھالتے ہی مولوی خرم علی، مولوی اسمٰعیل، مولوی محمد اسحٰق کی کتابوں نصیحۃ المسلمین، تقویۃ الایمان، روایات المسلمین کو پڑھا اور ان سے توحید کا وہ سبق پڑھا کہ ہر غلطی سے بحمدِ اللہ محفوظ رہا۔

غرض خدا تعالیٰ جن کو نوازتا ہے ان کے لئے عالمِ اسباب کو بھی ان کا خادم کر دیتا ہے۔ زکریاؑ اور مریمؑ کے گھر میں جو اولاد ہوئی اس میں ایک اسباب پرست تعجب کر سکتا ہے پھر یہ تمثیل جس عروس عرب کے لئے ہے وہ بھی کسی کے لئے باعثِ تعجب ہو مگر یہ سب کچھ پیشگوئی کے ماتحت ہُوا۔

یہاں اِس آیت میں جو مریمؑ کے صفات بیان کئے ہیں تو اس سے یہ مطلب نہیں کہ اَور کوئی عورت ایسی نہیں گزری۔ مگر قرآن کریم کا قاعدہ ہے کہ جو مرض ہو اس کا علاج کرتا ہے جو مرض نہ ہو اس کا ذکر نہیں کرتا۔ احمق لوگوں نے سلیمانؑ پر کفر کا فتویٰ دیا تو خدا نے فرمایا وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ (البقرۃ:۱۰۳) ایک عورت کی تہمت دی تو فرمایا اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ (النمل: ۴۵) حضرت مریمؑ کو یہودیوں نے بُرا کہا تو فرمایا کہ ان کو خدا نے برگزیدہ کیا، پاک بنایا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۷؍جون ۱۹۰۹ء)

۴۴۔ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۴﴾

وَاسْجُدِیْ: یہودیوں میں رکوع تک تو نماز ہے سجدہ ایک الگ ہے۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۷ر جون ۱۹۰۹ء)

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَؕ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَیُّهُمْ یَكْفُلُ مَرْیَمَ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ: بس یہی وہ بات ہے جس کے لئے مَیں نے ابتداء میں تقریر کی کہ اِس قِصّہ میں مکّہ کی نسبت پیشگوئی ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۷ر جون ۱۹۰۹ء)

یہ کہانی غیب نہیں ہوسکتی۔ ہم مسلمانوں کو ایرانیوں مجوسیوں کے قصّے یاد ہیں جس طرح زکریّا کو نا امیدی میں ملا اسی طرح اے صحابہ کرام تم بھی ایسی مشکلات میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ یہ پیشگوئی تھی جو اس قصّے میں فرمائی۔ دیکھو یسعیاہ باب ۵۴۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۶)

وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ: یہ آیت اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ سے الگ ہے اور اِس آیت کا مضمون اِس آیت سے ملتا ہے جہاں مَا كَانَ لِیَ مِنْ عِلْمٍۭ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰۤى اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ (صٓ: ۷۰) جب کوئی انتخاب خداوندی ہوتا ہے تو ملاءِ اعلیٰ میں اس کا تذکرہ ضرور ہوتا ہے اور کچھ رائے زنی ہوتی ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۷ر جون ۱۹۰۹ء)

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓىٕكَةُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖۗ اسْمُهُ الْمَسِیْحُ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ﴿۴۶﴾

بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ: ملائکہ کہتے ہیں کہ ہم اپنی طرف سے نہیں کہتے بلکہ اس کلام کی نقل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں پہنچی۔

كَلِمَةُ بمعنے کلام آتا ہے۔مسلمانوں کی بدقسمتی سے ان کی کتابوں میں لکھا ہے کہ کلمہ لفظ مفرد کو کہتے ہیں اس لئے وہ کلمہ بمعنی کلام سُنکر حیران ہوتے ہیں سُنو! کلمہ متحمل خبر صدق و کذب کا نہیں ہوتا مگر خدا فرماتا ہے تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا (الانعام: ۱۱۶) اور وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ۔ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ۔ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُونَ (الصّٰفّٰت: ۱۷۲ تا ۱۷۴)

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۷ ر جون ۱۹۰۹ء)

بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ : ہم تجھے اللہ کے کلام سے ایک بشارت سُناتے ہیں۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۶)

۴۷۔ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۷﴾

اس آیت پر لوگوں نے بے وجہ بحث کی ہے اور اس بے وجہ کی وجہ یہ ہے کہ بعض لوگوں کی طبیعتیں عجوبہ پسند ہیں۔حالانکہ بات صاف ہے کہ بعض عورتوں کے بچے پیدا ہوتے ہی مر جاتے ہیں پھر بعض کے بچے گونگے بہرے ہوتے ہیں۔تو اللہ تعالیٰ پیشگوئی میں مریمؑ کو تسلی دیتا ہے کہ وہ گونگا نہیں ہوگا بلکہ کلام کرنے والا ہوگا۔اس وقت جبکہ بچے بولنا سیکھ لیتے ہیں۔جیسا کہ بڑا سمجھدار ہوکر کلام کرے گا۔كَهْلًا کے معنے بخاری میں حلیم کے لکھے ہیں۔اس میں یہ بتایا ہے کہ وہ تیری ہی زندگی میں ادھیڑ عمر تک پہنچ جاوے گا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۷ ر جون ۱۹۰۹ء)

۴۸۔ قَالَتْ رَبِّ أَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ۚ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ إِذَا قَضٰٓى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۸﴾

قَالَ كَذٰلِكِ : اسی طرح ہوکر رہنے کا جیسے کہا سورۃ مریم میں (آیت: ۱۰) اسی كَذٰلِكِ پر وقف ہے۔

اَللّٰہُ یَخۡلُقُ مَا یَشَآءُ : اللہ جو چاہے پیدا کرتا ہے۔

کُنۡ فَیَکُوۡنُ : اس پر مجھے بارہا سوال اُٹھا ہے کہ یہ کس موقع پر آتا ہے۔ تو مَیں نے جہاں تک دیکھا یہ حیات بعد الموت پر بولا جاتا ہے۔ سورۃ یٰسٓ میں ہے اَوَلَیۡسَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ ..... اِنَّمَاۤ اَمۡرُہٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیۡئًا اَنۡ یَّقُوۡلَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ۔ (آیت ۸۲،۸۳)

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۷ / جون ۱۹۰۹ء)

آلِ عمران ۴۹ تا ۵۱

وَیُعَلِّمُہُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ وَالتَّوۡرٰىۃَ وَالۡاِنۡجِیۡلَ ﴿۴۹﴾ وَرَسُوۡلًا اِلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ۬ۙ اَنِّیۡ قَدۡ جِئۡتُکُمۡ بِاٰیَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ ۙ اَنِّیۡۤ اَخۡلُقُ لَکُمۡ مِّنَ الطِّیۡنِ کَہَیۡـَٔۃِ الطَّیۡرِ فَاَنۡفُخُ فِیۡہِ فَیَکُوۡنُ طَیۡرًۢا بِاِذۡنِ اللّٰہِ ۚ وَاُبۡرِیُٔ الۡاَکۡمَہَ وَالۡاَبۡرَصَ وَاُحۡیِ الۡمَوۡتٰی بِاِذۡنِ اللّٰہِ ۚ وَاُنَبِّئُکُمۡ بِمَا تَاۡکُلُوۡنَ وَمَا تَدَّخِرُوۡنَ ۙ فِیۡ بُیُوۡتِکُمۡ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۵۰﴾ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوۡرٰىۃِ وَلِاُحِلَّ لَکُمۡ بَعۡضَ الَّذِیۡ حُرِّمَ عَلَیۡکُمۡ وَجِئۡتُکُمۡ بِاٰیَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ ۟ فَاتَّقُوا اللّٰہَ

وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿٥٠﴾

يُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ : لکھنا

اَخْلُقُ : تجویز کرنا۔ جیسے تَخْلُقُوْنَ اِفْكًا (العنکبوت : ۱۸) خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (البقرۃ : ۳۰) میں۔

اُحْيِ الْمَوْتٰى : ایک احیاء ساحران موسیٰ کا۔ ایک اللہ تعالیٰ کا۔ ایک نبیوں کا قرآن میں مذکور ہے۔ یہاں تیسرا ہی مراد ہوسکتا ہے۔ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ (الانفال : ۲۵)

بِمَا تَاْكُلُوْنَ : نبی بتاتا ہے کھانا کیا چاہیئے اور رکھنا کیا چاہیئے۔ شریعت تورات کے احکام کو یاد دلایا۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۶)

اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ : میں مٹی سے پرندہ ایسی ایک چیز بناتا ہوں اور پھر اس میں پھونک مارتا ہوں پھر وہ خدا کے اذن سے اُڑنے لگتا ہے۔ (نورالدین (ایڈیشن سوم) صفحہ ۱۷۵)

اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ : ان آیات میں پانچ الفاظ تشریح طلب ہیں خلق - طِیْن - یَكُوْنُ طَيْرًا - اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ - اُحْيِ الْمَوْتٰى۔

خلق کے معنے تجویز کرنے کے ہیں۔ بڑا ثبوت ان معنوں کا یہ آیت ہے خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (البقرۃ : ۳۰) اب اگر یہ معنے کریں کہ اللہ تعالیٰ زمین پر سب کچھ پیدا کر چکا ہے تو یہ معنے واقعات کے خلاف ہیں۔ اِسی واسطے تفسیر کبیر میں اس کے معنے تقدیر و اندازہ کے لکھے ہیں۔

دوسری شہادت اَلْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ (حشر : ۲۵) تصویر تو ہر ایک چیز کی نظر آتی ہے۔ اس سے پہلے بُرءٌ کی حالت ہے یعنی جیسے کوئی مصوّر سنگِ مرمر کی بھدّی شکل کو تراش خراش کرکے بناتا ہے۔ پھر اس بُرء سے اندازہ ہوتا ہے خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا (الفرقان : ۳) میں بتایا ہے کہ خلقٌ کا مرتبہ اندازہ سے بھی پہلے کا ہے۔ وہ کیا ہے؟ تجویز!

لَكُمْ : تمہاری بھلائی کے لئے۔

طِيْن : قرآن مجید میں طین کا دو جگہ ذکر ہے۔ ایک جگہ شیطان کا قول خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ (الاعراف : ۱۳) ترابٌ[1] و ماء کے ملنے کو کہتے ہیں طین۔ کیچڑ جو ہوتا ہے اس میں

---

[1] مٹی جس میں پانی ملا ہوا نہ ہو۔ ماءٌ : پانی۔ مرتب

خاصیت ہے کہ جس رنگ میں چاہیں ڈھال لیں مگر آگ نہیں ڈھل سکتی۔ یہاں مسیح فرماتے ہیں کہ میں تجویز کر سکتا ہوں مگر اس کے لئے جو طین ہو یعنی کوئی شخص میری تعلیم کو تسلیم کرے اور اپنے میں طین کی صفات رکھے تا جس رنگ میں چاہیں ڈھال سکیں۔ تو وہ یَکُوْنُ طَیْرًا جنابِ الٰہی میں اُڑنے والا ہو جاوے گا۔ طَیر کا لفظ مومن کے لئے حدیث میں آیا ہے۔

فَاَنْفُخُ فِیْهِ : میں اس میں کلام کی ایسی رُوح پھونکوں گا کہ وہ مادہ پرستی سے نکل کر بلند پرواز انسان ہو جائے گا۔

خَلَقَ کے معنے پیدا کرنے کے ہیں تو یہ اسلامی عقائد کے خلاف ہے کیونکہ خدا فرماتا ہے هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ (فاطر: ۴) خَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ (الانعام: ۱۰۲) خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ (الزمر: ۶۳) وَلَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا (النحل: ۲۱)

اُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ : مذاہبِ عالم پر نظر کرنے سے ہندوؤں کا یہ مذہب معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر دُکھیارے کو کہتے ہیں۔ اس نے پچھلے جنم میں بدی کی ہے جس کی یہ سزا بھگت رہا ہے۔ قرآن شریف اِس عقیدہ کے مخالف ہے چنانچہ وہ مُردوں کے متعلق فرماتا ہے وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ (المؤمنون: ۱۰۱) اور مسیح بھی۔ چنانچہ آپ کے پاس ایک جنم کا اندھا آیا جو ان کی دُعا سے اچھا ہوا تھا۔ حواریوں نے سوال کیا کہ حضرت یہ جنم کے اعمال سے اندھا ہوا یا ماں باپ کے اعمال سے۔ آپ نے فرمایا دونوں باتیں غلط ہیں بلکہ یہ اِس لئے اندھا ہوا تا خدا کا جلال ظاہر ہو۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کے وقت تناسخ کے خیالات بعض لوگوں میں تھے۔ قرآن شریف فرماتا ہے کہ مسیح نے بھی تناسخ کی تردید کی اور کہا کہ میں اکمہ اور ابرص کو مِمَّا تَعْمَلُوْنَ سے بَری ٹھہراتا ہوں یہ پچھلے جنم کی بدیوں کی وجہ سے اکمہ یا ابرص نہیں ہوئے۔ قرآن شریف میں مرض کے مقابلہ میں شفا کا لفظ ہے۔

اُحْیِ الْمَوْتٰی : اِحیاءِ موتی تین طرح کا ہے۔ ایک اللہ کا جیسا کہ سورہ بقرۃ میں حضرت ابراہیمؑ نے کہا رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ (البقرۃ: ۲۵۹) اور ایک جگہ آیا هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ (یونس: ۵۷) وہی مارتا اور جِلاتا ہے۔ خدا کے فعل کا تو کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔

ایک احیاءِ موتٰی وہ ہے جو کفار نے موسٰیؑ کے مقابلہ میں کیا۔ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِیُّهُمْ (طٰہٰ: ۶۷)

ایک احیاءِ موتٰی انبیاء کا ہے چنانچہ نبی کریمؐ کی نسبت فرمایا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ (الانفال: ۲۵) مسیح رسول تھا پس اس کا احیاء بھی رسولوں والا احیاء ہونا چاہیئے۔ وہ کیا ہے۔ بدوں کا نیک بن جانا۔ ایک شخص نے یہ معنے سُنکر مجھے

کہا تھا۔ یہ تو معمولی بات ہے۔ مَیں نے اسے کہا کہ آپ نے اگر کوئی ایسا مُردہ زندہ کیا ہے تو بتاؤ تو وہ دَم بخود رہ گیا۔

وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ : اِس کے یہ معنے غلط ہیں کہ لوگوں کو کھایا پیا بتا دیتے تھے۔ یہ نبیوں کا کام نہیں ہوتا طبیبوں کا ہو سکتا ہے۔ نبی تو کھانے پینے اور ذخیرہ رکھنے کے متعلق احکام بتاتے ہیں۔ پس عیسیٰؑ کہتے تھے مَیں تمہیں متنبہ کرتا ہوں اِس بات پر کہ تمہیں کیا کیا چیز کھانا حلال ہے اور مال میں سے کتنا حِصّہ زکوٰۃ دینی چاہیئے اور کیا پاس رکھنا جائز ہے۔

مَیں ایک دفعہ ایک جگہ گیا تو وہاں ایک صاحب کی تعریف ہونے لگی کہ وہ جو کچھ رات کو کھایا جاوے بتا دیتے ہیں۔ حالانکہ اصلی بات یہ تھی کہ وہ طبیب تھے ان کی دُکان کے پاس ہی سبزی کی ایک ہی دکان تھی پس وہاں سے خریدنے پر وہ دیکھ لیتے کہ آج ان کے گھر کیا پکا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۷ر جون ۱۹۰۹ء)

اِن آیات کے معنے سے پہلے یہ دیکھ لینا چاہیئے کہ اسی سورۃ آلِ عمران کے ابتداء میں بتایا گیا ہے کہ آیات دُو قسم کی ہیں ایک محکمات ایک متشابہات۔ محکمات اُمّ الکتب یعنی اصل۔ پس متشابہات کے ایسے معنے کئے جائیں گے جو محکمات کے خلاف نہ ہوں اور ایسا ہر متکلم کے کلام کے لئے کرنا پڑتا ہے مثلاً ایک شخص اپنے نوکر سے کہتا ہے کہ آج ہم ریل پر سوار ہو کر فلاں مقام پر چلتے ہیں پھر سٹیشن پر جا کر اسے کہے کہ ٹکٹ لاؤ۔ تو اب اگرچہ ٹکٹ کئی قِسم ہیں ڈاکخانہ سے بھی ٹکٹ ملتے ہیں۔ پھر ان کی بہت سی قسمیں ہیں لیکن محکم بات کے مطابق جب وہ اس متشابہ بات کے معنے لے گا تو ضرور ریل کا ٹکٹ لائے گا۔ اِسی طرح جب دوسری محکم آیات میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ خلق واحیاء، غیب دانی صرف اللہ ہی سے خاص ہے تو اب ان الفاظ کو عیسیٰ علیہ السلام سے منسوب کریں گے۔ تو چونکہ وہ ایک بشر تھے اِس لئے ان کے وہ معنے نہیں لئے جائیں گے جو اللہ تعالیٰ کے لئے لئے جاتے ہیں اور مجازی معنے بھی ہم نہیں لیتے بلکہ لُغت میں ایک لفظ کے کئی معنے ہیں پس جو معنی حضرت عیسیٰؑ کے مناسبِ حال ہیں وہی لئے جائیں گے۔ دوّم یہ سورۃ عیسائیوں کی تردید ہے پس ایسے معنے نہیں کئے جائیں گے جس سے ان کے عقائد کی تائید ہو اور عیسیٰؑ کی خدائی کا ثبوت ملے۔ سوّم متشابہات کے معنے معلوم کرنے کے لئے دعا کا حکم ہے سو بہت سی دعاؤں کے بعد یہی مجھ پر کُھلا ہے کہ خلق اللہ تعالیٰ کی صفت ہے چنانچہ فرماتا ہے اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ (العنکبوت: ۲۰) اور سورہ بُروج میں فرمایا اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ (آیت: ۱۴) اور فرمایا اَلَا لَهُ الْخَلْقُ (الاعراف: ۵۵)

اسی کے شایان ہے پیدا کرنا اور فرمایا اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ (الزمر: ۶۳) اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور فرمایا قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ. قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ (یونس: ۳۵) اعلان کردے کیا ہے تمہارے شرکاء سے جو پیدا کرے پھر اسے دُہرائے۔ کہہ دے اللہ ہی پیدا کرتا ہے پھر لوٹاتا ہے۔ پس تم کہاں بہکے جاتے ہو۔ پھر اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (الرعد: ۱۷) فرما کر بتا دیا کہ خدا کا خلق اَور ہے اور مخلوق کا خلق اَور اسی بناء پر اللہ تعالیٰ مُشرکوں کو ملزم بناتا ہے۔ کیا شرکاء نے کوئی ایسا خلق کیا جیسا کہ اللہ نے اور پھر خلق میں تشابہ ہو گیا؟ ہرگز نہیں۔ پس اعلان کردے کہ اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہ اکیلا زبردست حکومت والا ہے۔ کوئی اس کے افعال میں اس کا ثانی نہیں۔ وہ جیسا خود لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ (الشوریٰ: ۱۲) ہے ایسا ہی اس کے افعال۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ آیا خلق کسی اَور معنے میں بھی لیا جاتا ہے تو قرآن مجید ہی سے اِس کی شہادت ملتی ہے کہ خلق بمعنی اندازہ ہے۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ (المومنون: ۱۵) پس بہت بابرکت ہے اللہ جو بہت عمدہ اندازہ کرنے والا ہے۔ اندازہ کے معنے اِس لئے کئے کہ خالق تو بغیر اللہ کے اَور کوئی ہے نہیں۔ دوسرے مقام پر فرمایا خَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا (الفرقان: ۲) اور خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (البقرۃ: ۳۰) میں بھی خلق کے معنے اندازہ کے ہیں کیونکہ خلق تو اَبد تک جاری ہے۔

پس دوسرا لفظ ہے طِيْن۔ طِین آدم کے حق میں اس کے دشمن کی شہادت ہے خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ یعنی تُو نے آدم کو طین سے پیدا کیا ہے۔ طین میں خوبی یہ ہے کہ اسے جس قالب میں ڈھالنا چاہیں ڈھل جاتی ہے اِسی لئے خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ طِيْنٍ فرمایا یعنی آدم کی فطرت ایسی ہے کہ جس طرز میں ڈھالنا چاہیں ڈھل جاتی ہے۔ طَيْرٌ کا اطلاق بلند پرواز انسان پر ہوتا ہے۔ شہیدوں کے حق میں فرمایا ہے کہ وہ جنت میں سبز پرندوں کی شکل میں ہوں گے اور مجاہدوں کو بھی طَيْرٌ فرمایا کہ وہ اُڑ کر موقعۂ جنگ پر پہنچتے ہیں۔

اَنْفُخُ فِيْهِ کے معنے کلامِ الٰہی سے تربیت کے ہیں چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ۔ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ (صٓ: ۷۱، ۷۲) میں طین سے ایک بشر خلق کر کے پھر جب وہ ٹھیک ٹھاک ہو جائے تو مَیں اس میں کلامِ الٰہی نفخ کروں گا

پھر سب کے سب اس کے فرمانبردار ہو جائیو۔ بِاِذْنِ اللّٰہِ کے معنے بہ فضل اللہ کے ہوتے ہیں۔ رسول اللہ کا کوئی کام سوا اِذن اللہ کے نہیں ہوتا۔ فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ کسی رسول کی اطاعت نہیں ہوتی بجز اللہ کے فضل کے۔ پس اب معنی صاف ہیں حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں میری فرمانبرداری کرو اور ایسے تیار ہو جاؤ جیسے کیچڑ کہ اسے جس طرز میں چاہو کسی شکل میں لایا جا سکتا ہے۔ پھر مَیں اللہ کے فضل سے کلامِ الٰہی کے ساتھ تمہاری تربیت کروں گا اور جب تمہارا عمل درآمد اس کے مطابق ہو گا تو تم بلند پرواز انسان بن جاؤ گے اور رُوحانیت کے اُوپر پرندے بن کر اُڑو گے۔

اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ کے معنے ہیں کہ مَیں مادر زاد اندھوں اور جذامیوں کو بَری ٹھہراتا ہوں یا اچھا کرتا ہوں۔ اَبْرَءَہٗ۔ جَعَلَہٗ بَرِيْئًا۔ تاج العروس میں دیکھ لو۔ چنانچہ فصل الباء من باب الھمزۃ صفحہ ۴ میں ہے: وَاَبْرَءَكَ اللّٰہُ مِنْہُ اَیْ جَعَلَكَ بَرِيْئًا تمام مذہبوں میں یہ خیال ہے کہ اندھا جذامی انسان ہے اپنے پچھلے جنم کے افعال و اعمال میں گرفتار ہے۔ حضرت عیسیٰ نے بحکمِ الٰہی فرمایا کہ مَیں ان اندھوں کو بَری ٹھہراتا ہوں۔ اور قوم میں جو ان کے متعلق پابندیاں تھیں ان کے ساتھ وہ تعلقات قائم نہ کرتے جو دوسرے بھائیوں کے ساتھ تھے وَغَيْرَ ذٰلِكَ ان کو اُٹھا دیا۔

اَبْرَصَ: تاج العروس صفحہ ۳۷۳ فصل الباء من الصّاد میں لکھا ہے کہ وھو بیاض یظھر فی ظاھر البدن یعنی پھلبہری۔ اور تاج العروس صفحہ ۴۰۹ فصل الکاف من باب الھاء میں لکھا ہے کہ (اکمہ) صار اعشٰی وھو الّذی یبصر بالنّھار ولا یبصر باللّیل و بہٖ فسّر البخاری یعنی شب کور (جس سے ظاہر ہے کہ مسیح ابنِ مریمؑ برص اور شب کوری سے مریضوں کو اپنے دَم و دواء سے اچھا کرتے تھے جو اُمّتِ محمدیہ کے افراد بھی کرتے ہیں) اچھا کرتا ہوں مگر یہ اندھے اور جذامی کیسے ہوں گے اس پر غور کرنے کے لئے قرآن مجید کی دوسری آیتوں کو دیکھنا چاہیئے جس سے صاف کھلتا ہے کہ پیغمبر جن اندھوں اور جذامیوں کو اچھا کرتے ہیں وہ رُوحانی اندھے ہوتے ہیں۔ مثلاً فرمایا وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا (بنی اسرآئیل: ۷۳) جو اِس دُنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہو گا۔ یہاں متفق طور سے اعمٰی سے مراد روحانی اندھے ہیں۔ ایسا ہی پہلے پارہ میں صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ سے ظاہر ہے کہ پیغمبروں کو جن بہروں، گونگوں اور اندھوں سے سابقہ پڑتا

ہے وہ رُوحانی ہوتے ہیں۔ ایک اور آیت ہے اَفَمَنْ یَعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ الْحَقُّ کَمَنْ هُوَ اَعْمٰی (الرّعد : ۲۰) کیا وہ جو جانتا ہے کہ جو کچھ تیری طرف اُتارا گیا تیرے رَبّ سے حق ہے برابر ہے اس کے جو اندھا ہے یعنی کلام اللہ کا منکر۔ پس اِس آیت میں یہ فرمایا کہ حضرت مسیح نے کہا میں اپنی تربیت سے ان اندھوں کو راہِ حق دکھاتا ہوں اور ان کے رُوحانی جذام کو درست کرتا ہوں۔

وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ : احیاءِ مَوتٰی کا مسئلہ بہت صاف تھا مگر بعض نے اس میں خواہ مخواہ دِقت پیدا کر لی۔ اللہ نے اِن آیات میں بتا دیا ہے کہ طبعی موت سے مرے ہوئے حقیقی مُردے کا رجوع دُنیا میں پھر ہرگز نہیں ہوتا اور اللہ کی یہ سُنّت نہیں کہ ایسے مُردے کو اِسی دُنیا میں زندہ کرے اور زندہ کرنا اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہے اِنَّهٗ یُحْیِ الْمَوْتٰی (الحج : ۷) اور فرمایا قُلِ اللّٰهُ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ (الجاثیة : ۲۷) کہہ دے اللہ ہی زندہ کرے گا تم کو پھر تمہیں موت دے گا۔ اور حضرت ابراہیمؑ اقرار کرتے ہیں رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ (البقرة : ۲۵۹) جس سے یہ قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ احیاء صرف اللہ کا خاصہ ہے پھر مُردوں کے لئے فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْهَا الْمَوْتَ (الزمر : ۴۳) اور مِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ (المؤمنون : ۱۰۱) فرما کر اپنی سنّت بتا دی کہ رُوح قیامت تک پھر دُنیا میں آنے سے رُکی رہتی ہے۔ اب اگر حضرت عیسیٰؑ اُحْیِ الْمَوْتٰی کا دعوٰی کرتے ہیں تو اس متشابہ کے معنے ان محکم آیات کے برخلاف نہیں ہو سکتے۔ جب ہم تدبّر کرتے ہیں تو قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے تین قسم کا احیاء ہے۔ ایک احیاء اللہ کا جیسا کہ گزرا (۲) ایک احیاء کفّار کا یعنی کافر بھی کر سکتے ہیں جیسا کہ موسیٰؑ کے ساحروں کا ذکر ہے۔ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِیُّهُمْ یُخَیَّلُ اِلَیْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰی (طٰهٰ : ۶۷) کہ ان کی رسّیاں اور لاٹھیاں ان کے سحر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دَوڑ رہی ہیں (۳) ایک احیاء پیغمبروں کا جیسا کہ فرمایا اِسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ (الانفال : ۲۵) اللہ اور اس کے رسولؐ کی مان لو جب وہ تمہیں زندہ کرنے کے لئے بُلائے۔ مسیح علیہ السّلام چونکہ رسول تھے اِس لئے ان کے احیاء سے مُراد پیغمبروں والا احیاء ہی لیا جائے گا۔ اَوَمَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِهٖ فِی النَّاسِ (الانعام : ۱۲۳) آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کلامِ الٰہی میں مُردہ سے کیا مراد ہوتی ہے اور اس کی زندگی سے کیا مقصود ہے۔ یعنی جو شخص دین سے غافل ہو جس میں روحانی زندگی نہ ہو اُسے کلامِ الٰہی کی اصطلاح میں مُردہ کہیں گے۔ جب وہ دین سے باخبر ہو اور اس میں روحانیّت آجائے

تو وہ زندہ کہلائے گا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ رُوحانی مُردوں کو زندہ کرتے تھے۔

وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ : اِس کے معنے کرنے کے لئے بھی یہ دیکھ لینا چاہیئے کہ نبی لوگوں کے کھانے پینے اور رکھنے کی چیز کے متعلق متنبہ کرتے ہیں یا وہ نجومیوں کی طرح یہ بتایا کرتے ہیں کہ تمہارے گھر میں یہ ہے تم یہ کھا کر آئے ہو یا وہ کھانے پینے کی چیزوں اور مال کے متعلق جائز و ناجائز کا حکم دیا کرتے ہیں۔ جب آخری بات ثابت ہے جیسا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمّت کو فرمایا مُردار نہ کھاؤ، دمِ مسفوح نہ کھاؤ، خنزیر نہ کھاؤ، مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ نہ کھاؤ۔ ایسا ہی حضرت عیسیٰؑ نے حکمِ الٰہی کو واضح کیا کہ یہ چیزیں کھانے کی ہیں یہ نہ کھانے کی۔ اِتنا مال جمع کرنے کی اجازت ہے اِتنا اِس میں سے خدا کے نام دینا چاہیئے۔ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ کے معنی بھی اسی توضیح سے کُھل گئے۔ یہودی اپنی بدعملیوں کی وجہ سے بعض چیزوں سے بعض نعمتوں سے محروم ہوگئے تھے۔ فرمایا تم میری فرمانبرداری کرو وہ نعمتیں پھر اللہ تمہیں میسّر کردے گا۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۷ نمبر ۹ صفحہ ۴۱۶ تا ۴۲۱)

وَلِاُحِلَّ لَكُمْ : اِس آیت کے لئے دیر تک میں فکر میں رہا۔ قرآن شریف میں آیا ہے وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ (النحل : ۱۱۷) پس مسیح کیونکر کسی چیز کو حرام یا حلال کہہ سکتے ہیں یہ تو خدا کا کام ہے۔ بہت سوچ کے بعد دو امر حل ہوئے ایک تو یہ کہ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ (حَرَّمَ مَكَّةَ) حُرمتِ مکہ کے معنے سب یہی کرتے ہیں بَيَّنَ حُرْمَتَهَا پس اِس سے یہ مطلب ہوا کہ عیسیٰؑ حرام و حلال بیان کرتے تھے۔ دوسرے معنے یہ ہوئے کہ ہر نبی اپنی قوم کو اعلیٰ معراج پر پہنچانا چاہتا ہے۔ یہودیوں پر ذلت و مسکنت لیس دی گئی تھی۔ ان کے لئے طیّبات جو مالِ غنیمت اور سلطنت کے انعامات کے رنگ میں تھے بوجہ ان کی بداعمالی کے حرام کر دیئے گئے تھے۔ یعنی وہ ان سے محروم ہوگئے تھے۔ اب عیسیٰؑ کہتے ہیں میری پیروی کرو یہ سب انعامات جن سے تم محروم ہو تمہارے لئے حلال کر دیں گے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۷ جون ۱۹۰۹ء)

۵۳۔ فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ

اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾

مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰهِ : اگر کوئی میرے انصار میں سے ہے تو ادھر چلے جدھر میں جا رہا ہوں یعنی اللہ کی طرف۔

اَلْحَوَارِیُّوْنَ : مفسرین نے لکھا ہے حواری کہتے ہیں دھوبی کو۔ چونکہ انہوں نے دلوں کو صاف کر دیا تھا اِس لئے انہیں دھوبی کہا گیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جو بڑے خلوص سے اپنی جان پر کھیلنے کو تیار ہوں ایسے لوگوں کو حواری کہتے ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۷ر جون ۱۹۰۹ء)

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۚ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۵﴾

مَكَرُوْا : یہ آیت یاد رکھنے کے قابل ہے۔ دیکھو اس کی ضمیر بظاہر حواریوں کی طرف پھرتی ہے مگر یہ صحیح نہیں بلکہ ان لوگوں کی طرف راجع ہے جو اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ (البقرة:۵۳) کے مصداق ہیں۔ پس کبھی ضمیر کا مرجع دُور بھی ہوتا ہے۔ مکر بمعنی تدبیر ہے۔ عربی سے ناواقف ؏

ہر چہ گیرد علّتے علّت شود

کے مصداق اپنی زبان پر قیاس کر کے اس کو اپنے معنوں میں لیتے اور مَکَرَ۔ مَکرًا۔ مَکَرُوْا کی گردان پڑھتے ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۴ر جون ۱۹۰۹ء)

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ

عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۵۶﴾

اِس رکوع میں اللہ نے مجھے ایسا اِنشراح صَدر بخشا ہے کہ مَیں اس کے ذریعہ سے تمام دُنیا کے مذاہب کو محض فضلِ الٰہی سے یقیناً جیت سکتا ہوں۔ اِس قدر انشراح مجھے حاصل ہے کہ مَیں کسی مجلس میں جہاں اِسلام کے مخالف لوگ بیٹھے ہوں ذرّہ بھر بھی بُزدل نہیں ہوتا۔ تمام دُنیا کے لئے یہ قاتِل حُجت ہے جس کے سامنے کوئی بول نہیں سکتا۔

یہ آیت قیامت تک اِسلام کا بول بالا ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ یہ اِس لئے مَیں نے کہا تا تمہیں اِس نعمت کی قدر ہو۔

اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ: مَیں تیری رُوح کو قبض کرنے والا ہوں۔ تَوَفِّیْ کے معنے پر حضرت صاحب نے سیر کُن بحث فرمائی ہے میری تشریح کی حاجت نہیں۔ آپ نے انعامی اشتہار شائع کئے کہ قبضِ رُوح کے سوا کوئی اَور معنے اس کے بلا قرینہ صارفہ بتا دے۔ ایک مولوی نے دہلی میں وُفِّيَتْ (اٰل عمران: ۲۶) کو پیش کیا مگر وہ کیسا نادم ہؤا جب آپ نے فرمایا کہ کیا یہ اُسی باب سے ہے جس باب سے تَوَفّی ہے؟

رَافِعُكَ اِلَيَّ: لوگ تجھے جھوٹا، کذّاب، سِفلی زندگی کا سمجھتے ہیں مگر مَیں تیری رُوح کو قبض کرکے اعلیٰ علّیین میں اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ (المطففین: ۱۹) مقام دوں گا۔

وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ: بس یہ وہ دلیل ہے جس پر ساری دُنیا کے مذاہب کا امتحان ہے۔ فرماتا ہے کہ مَیں کرنے والا ہوں وہ جو کہ تیرے تابع ہیں بڑھ کر ان پر جو تیرا انکار کرتے ہیں اور پھر یہ قیامت تک ایسا ہی ہوتا رہے گا۔ یہ ایک زبردست پیشگوئی ہے۔

دُنیا میں دو قسم کے لوگ ہیں یا مسیح کو ماننے والے یا مسیح کے مُنکر، ان دونوں کے درمیان تو یہ فیصلہ کی راہ بتائی کہ مسیح کے ماننے والے منکروں پر غالب رہیں گے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ عیسائی اور مسلمان مسیح کے ماننے والے یہود پر حکمران ہیں اور پھر اَور قومیں جو مسیح کی منکر ہیں وہ بھی محکوم ہی ہیں اور صرف محکوم نہیں بلکہ فرمایا کہ

فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا : دُنیا ہی میں ان کو عذاب دوں گا اور عذاب بھی سخت۔ چنانچہ یہود کو جو جو عذاب اور دُکھ پہنچے وہ مخفی نہیں۔ اور یہی دُنیا کا عذاب آخرت کے عذاب کا ثبوت ہوگا۔
وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ : پھر یہاں تک ہی ختم نہیں بلکہ غیر قوموں کی محکومیت میں ایسے آئیں گے کہ اَور مظلوموں کے تو مددگار پیدا ہو جاتے ہیں مگر مسیح کے منکروں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ یہ بھی ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۴ر جون ۱۹۰۹ء)

بے بس نہایت خاکسار بنی اسرائیل کے گھرانے کے خاتم الانبیاء۔ رسول مسیح ابن مریم علیہما السلام کے قسی القلب دشمن کدھر گئے۔ کوئی ان کا پتہ بتا سکتا ہے۔ ان "بے ایمان" "سانپوں" اور "سانپوں کے بچوں" پر فتوای لگ گیا۔ ان پر حکم ہو چکا اور حضرت مسیح علیہ السلام کے اَتباع جس جاہ وحشم کے ساتھ حضرت مسیح علیہ السلام کے منکروں پر حکمران ہیں اس سے ہندوالے کیا تمام آباد دُنیا والے بےخبر نہیں۔ ...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اَتباع اور ان کے ساتھ والے مسلمان ہیں یا عیسائی۔ اور ان کے منکر یا یہود ہیں یا اس انڈیا میں آریہ اور مختلف بلاد میں کچھ پارسی اور کچھ بدھ۔ یہ تمام منکر تو ہیں حضرت مسیح علیہ السلام کے اَتباع کے ماتحت ہیں اور ہمیشہ ماتحت رہیں گی اور پیشین گوئی قیامت تک ثابت اور استحکام کے ساتھ ظاہر رہ کر قایل کے واسطے آیتِ صداقت اور نشانِ نبوت رہے گی۔

کیا جس کتاب میں اس پیشین گوئی کا تذکرہ ہے اور جس کتاب میں اس پیشین گوئی کا دعوای اِس طرح پر ہے کہ قیامت تک اسی طرح رہے گی وہ کتاب ایسے علیم و خبیر کی نہیں جو جزئیات اور کلیات پر محیط اور ان پر بہ تفصیل واقف ہے۔ (تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۹۰۸)

غور کرو یہ کیسی عظیم الشان اور صادق پیشگوئی ہے کہ مسیح کے اَتباع ہمیشہ مسیح کے منکروں پر غالب اور فوق رہیں گے۔ اس کی تصدیق کے لئے دیکھ لو کہ ایک طرف مسلمان یہود کے اصلی مرکز سنٹر بیت المقدس پر قابض ہیں۔ یہود اصلی منکر اور مسلمان اصلی پیروان مسیح ہیں دوسری طرف آریہ ورتی عارضی منکروں پر عارضی اتباع نصارٰی حکمران ہیں اور یوں ہی ہمیشہ رہے گا۔ ممکن ہے کہ جملہ رَافِعُكَ اِلَیَّ کو نہ سمجھ کر تم ضلالت کے گڑھے میں گرے ہو۔ سو یاد رکھو اس کی تصریح بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ (النساء : ۲۷) نے کر دی ہے جو قرآن کریم کی دوسری جگہ میں ہے۔ اس کے معنی ہیں اللہ نے اُسے رفعت اور بلندی بخشی یعنی جیسے خدا بلند اور رفیع کرنا چاہے اور کر دے کوئی دشمن اسے گرا نہیں سکتا۔ چنانچہ خدا نے یہود کے گندے اور ذلیل منصوبوں سے اسے بچایا اور رفعت دی۔ یہی وحی خدا تعالیٰ کی طرف سے حضرت مسیح موعود و مہدی مسعود علیہ السلام کو بھی ایک عرصہ سے ہو چکی

ہے اور براہینِ احمدیہ میں موجود ہے اور وہ یہ ہے یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ۔ اس نمونہ سے جو ہمارے زمانہ کے راستبازسے ظاہر ہے خدا کی واقعی وحی کا پتہ لگ سکتا ہے اسلئے کہ جو وعدہ تطہیر اور رفع اور توفّی اور فوق کا حضرت مسیح کو دیا گیا تھا وہی ہمارے آقا حضرت مسیح موعود کو دیا گیا ہے۔ آپ کے حالات و واقعات بڑی بھاری چابی ہیں، گذشتہ حالات کے قفلوں کے لئے۔ پھر بڑا قابلِ غور لفظ تَوَفّی ہے۔ یہ بھی ایسا صاف اور واضح ہے کہ عام بول چال میں ہر ایک شخص جانتا ہے کہ مُتَوَفّی مُردہ کو کہتے ہیں۔

(نورالدین (ایڈیشن سوم) صفحہ ۱۷۷، ۱۷۸)

جب کہا اللہ نے اوعیسٰی! بے شک مَیں تجھے مارنے والا ہوں اور اپنی طرف بلند کرنے والا اور ان منکروں سے پاک وصاف کرنے والا ہوں اور کرتا رہوں گا تیرے اَتباع کو تیرے منکروں کے اوپر قیامت تک۔ پھر او اِتّباع کا دعوٰی کرنے والو! تم سب کا مقدمہ میرے پیش ہوگا اور مَیں حکم کروں گا اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دوں گا اس مسئلہ میں جس میں تم کو باہم اختلاف ہے۔

تفسیر: مسیح علیہ السّلام کی اِتباع کے مدعی یا اہلِ اسلام ہیں یا مسیحی۔ اور آپ کے منکروں میں اوّل درجہ کے منکر یہود ہیں جن کا اصلی ملک کنعان ہے اور جن کا کعبہ یروشلم۔ دوم درجہ پر آپ کے منکر مجوسی اور تیسرے درجہ پر مجوس الہند۔ اعلیٰ اَتباع اعلیٰ منکروں پر حکمران اور ادنیٰ درجہ کے اَتباع ادنیٰ منکروں پر حکمران ہو رہے ہیں۔ لاکن تیرے منکروں کو تو سخت عذاب دوں گا دُنیا میں اور آخرت میں۔ اور کوئی سلطنت ان کی حامی نہ ہوگی بلکہ ان کا کوئی حامی نہ ہوگا۔

(ابطال الوہیتِ مسیح صفحہ ۲۰، ۲۱)

ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَیْكَ مِنَ الْاٰیٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِیْمِ ﴿۵۹﴾ اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۶۰﴾

مِنَ الْاٰیٰتِ: یہ بات نشانوں میں سے ایک بھاری نشان ہے۔ یہاں تک تو منکرانِ مسیح کا

فیصلہ کیا کیونکہ کَفَرُوْا سے مراد مسیح کے کافر ہیں۔ اب سچے اور جھوٹے متبع کا فرق بتلاتا ہے مسلمان کہتے ہیں ہم مسیح کے سچے پیرو ہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ ہم۔ فرمایا اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ عیسیٰؑ کی مثال آدمؑ کی مانند ہے۔ اس کو ہم نے تراب سے پیدا کیا پھر وہ مرگیا اور مرنے کے بعد کُنْ فَیَکُوْنُ سے قیامت کے دن زندہ ہوگا۔ اسی طرح عیسیٰؑ بھی مرچکا اور قیامت کو زندہ ہوگا جس گروہ کے عقائد یہ ہیں وہی حق پر ہیں۔ اگر تم اس کی الوہیت کے قائل ہو تو کوئی دلیل دو۔ آدمؑ کا مثیل ہونے سے اس کی بشریت ظاہر ہے۔ دُنیا نے اس کو دیکھا کہ وہ انسانوں کی طرح کھاتا پیتا، ہگتا موتتا رہا پھر وفات بھی پاگیا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۴۔ جون ۱۹۰۹ء)

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی: باقی رہا مسلمانوں اور عیسائیوں کا فیصلہ سو وہ اِس دلیل سے ہار جاتے ہیں۔ ابنِ آدمؑ تو وہ مانتے ہیں۔ الوہیت کا ثبوت ان کے ذمے۔

کُنْ فَیَکُوْنُ خلق ہوچکا پس یہ کُنْ موت کے بعد پر ہے۔ اس سے وفاتِ مسیح کا ثبوت ملتا ہے۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۶، ۴۴۷)

اور مومن اور جنہوں نے اچھے عمل کئے پس ان کو پُورا اجر ملے گا اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ یہ پڑھتے ہیں تجھ پر تیری نبوت کے نشانوں سے اور تذکرہ ہے حکمت والا۔ اب اللہ وہ فیصلہ دیتا ہے جس کا اتباع کے باہم اختلاف میں وعدہ فرمایا تھا۔ عیسیٰؑ آدمی کی طرح ہے۔ آدمی کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا پھر اس کو دوسرے تیسرے تولدِ نئی زندگی نبوت کے واسطے منتخب فرمایا اور وہ ایسا ہی ہوگئے۔ (ابطال الوہیت مسیح صفحہ ۲۱)

کُنْ کے معنے ہوجا۔ فَیَکُوْنُ کے معنے ہوجاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کسی چیز کے وجود کو چاہتا ہے اسی طرح وہ چیز ظہور میں آجاتی ہے ...... اصل بات یہ ہے کہ کُنْ کا تعلق بعد الموت ہؤا کرتا ہے۔ تمام قرآن کریم میں مرنے کے بعد جی اُٹھنے پر کُنْ فرمایا ہے۔ (نورالدین (ایڈیشن سوم) صفحہ ۹۲)

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۶۱﴾

پس اے مخاطب! تیرے رَبّ کی طرف سے یہی بات حق ہے۔ تو شک میں نہ ہو۔ اس پر بھی جو نہ مانے۔ اس کے لئے آخری فیصلہ بتایا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۴۔ جون ۱۹۰۹ء)

یہ ٹھیک دلیل یا بات ہے تیرے رب کی طرف سے (کہ حضرت مسیح میں بشریت سے بڑھ کر کوئی بات نہ تھی۔ معجزے، عجائبات، عمدہ تعلیم یہ باتیں انبیاء میں ہوا کرتی ہیں حالانکہ وہ بشر ہوا کرتے ہیں) پھر کبھی نہ ہوگا تو او مخاطب! یا کبھی نہ رہیو شک کرنے والا۔
(ابطال الوہیت مسیح صفحہ ۲۱)

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۲﴾

تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ: یعنی مباہلہ کرلیں۔ کاذبوں پر لعنت ڈالیں پھر دیکھیں کس پر خدا کا عذاب آتا ہے اور کون قوم اس کی رحمت سے دُور ہوتی ہے۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۴ جون ۱۹۰۹ء)

اگر کوئی نادان اِس دلیل کے بعد پھر بھی حجّتیں کرے تو ایسے احمقوں سے یوں مقابلہ چاہیئے کہ ان سے مباہلہ کرو اور کہو آؤ بلائیں اور لائیں اپنی اور تمہاری اولاد اور عورتیں تمہاری اور اپنی اور اپنے آدمی اور تمہارے۔ پھر عاجزی سے دعا مانگیں کہ الٰہی لعنت ہو جھوٹوں پر۔
(ابطال الوہیت مسیح صفحہ ۲۱)

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۳﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۴﴾

بے ریب یہ صاف اور عمدہ اور ٹھیک بیان ہے اور اللہ کے سوا کوئی بھی فرمانبرداری کا مستحق نہیں اور اللہ وہی غالب ہے حکمتوں والا۔ پھر اگر اس پر پیٹھ دیں تو جان لو اللہ ان مفسدوں کو خوب جانتا ہے۔ (ابطال الوہیت مسیح صفحہ ۲۱)

قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ تَعَالَوْا۟ إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا ٱللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِۦ شَيْـًٔا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ ٱللَّهِ ۚ فَإِن تَوَلَّوْا۟ فَقُولُوا۟ ٱشْهَدُوا۟ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿٦٥﴾

او کتاب والو! آؤ ایسی بات کی طرف کہ ہمارے اور تمہارے درمیان ایک ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے فرمانبردار نہ بنیں اور شریک نہ کریں اس کے ساتھ کسی کو۔ اور نہ بنالے بعض ہمارا بعض کو رَبّ۔ کہ خدا کی طرح اس کی فرمانبرداری اپنے ذمّہ واجب جانے۔ اگر اس مسلّم الطرفین بات کو بھی نہ مانو تو کہہ دو گواہ رہو ہم تو اللہ کے فرمانبردار ہیں مسلمان ہیں۔

(ابطال الوہیت مسیح صفحہ ۲۱)

تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ : مذہبوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جُوں جُوں پیچھے چلے جائیں تو شرک، بُت پرستی کا مرض کم ہوتا جاتا ہے۔ ایک رئیس تھا اس کی عادت تھی کہ وہ مباحثات کیا کرتا تھا۔ مجھے ایک دفعہ اس نے کہا کہ کوئی معیار مذہبوں کی پہچان کا ضرور چاہیئے وہ معیار جب تک قائم نہ ہو جھگڑے ختم نہیں ہو سکتے۔ چونکہ یہ میرا یقین ہے کہ حق بات پر ضرور فطرت بے ساختہ بول اُٹھتی ہے اِس لئے مَیں نے کہا حضور ہمارے آقا ہیں۔ ہماری عقلیں اور عزتیں ایسی نہیں کہ ہمارے قائم کردہ معیار کی عزت آپ کے دل میں بیٹھ سکے اِس لئے آپ خود ہی تجویز فرماویں آپ جو معیار قائم کریں گے لامحالہ وہ قابلِ قدر ہوگا۔ یہ مجھے یقین تھا کہ اگر اس نے غلط معیار قائم کرکے

کوئی اُلجھن ڈالی تو فطرت کی آواز سے اسے سُلجھا لیا جاوے گا۔ اس نے کہا مذہب کا پراچین ہونا ہے یعنی جس قدر قدیم کی طرف چلتے جاویں۔ جو سب سے قدیم ثابت ہو وہی مذہب حق ہے۔ مَیں نے کہا بڑا مسئلہ تو خدا ہی کے ماننے کا ہے۔ اس سے باقی مسئلے نکلتے ہیں۔ اب مَیں پُوچھتا ہوں کہ بُت پرستی کہاں تک قدامت رکھتی ہے۔ اس نے کہا کچھ بھی ہو اسلام سے تو پہلے کی ہے۔ اِسلام کو تو ابھی بارہ سَو سال ہوئے ہیں۔ مَیں نے کہا اِسلام تو فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ (الانعام: ۹۱) کہہ کر اپنے تئیں قدامت سے وابستہ کرتا ہے۔ آپ فرمائیں کہ بُت پرستی کب سے ہے؟

رام چندر جی کے زمانہ سے مان لیتے ہیں۔ پس رام چندر کس دیوتا کی پرستش کرتے تھے۔ اس نے کہا وِشنو کی۔ مَیں نے کہا اور وِشنو؟ کہا برہما کی۔ مَیں نے کہا اور برہما؟ کہا ایشور کی۔ اس پر مَیں نے کہا بس وہ مسلمان تھے۔ یہی مسلمانوں کا مذہب ہے۔ اِسلام کا اہم مسئلہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ ہی تو ہے۔

یہاں اِن آیات میں عیسائیوں سے بحث ہے۔ عیسائیوں کی پُرانی کتاب تو تورات ہے اور اس میں تثلیث وغیرہ کا ذکر نہیں۔

مَیں نے ایک دفعہ ایک عیسائی سے کہا تمہارے اعمال میں یہ پیشگوئی ہمارے نبی کے حق میں ملتی ہے۔ اُس نے کہا کہ بے انصافی کرتے ہو۔ یورپ و امریکہ کے لوگ یہ معنے نہیں کرتے۔ آپ کیوں ان کے خلاف معنے کرتے ہیں؟ مَیں نے کہا یہ قاعدہ تو آپ نے خود ہی توڑا۔ جو معنے تورات کی پیشگوئیوں کے یہود کرتے ہیں وہ آپ کیوں نہیں کرتے؟ حالانکہ تورات کے وارث وہی ہیں جس قدر مسیح کی اُلوہیت کے دلائل آپ کے پاس ہیں ذرا انہیں یہودیوں کی تصریح کے مطابق صحیح تو کر دیں۔ اس میں وہ جوش میں آکر بولا۔ وہ بے ایمان ہیں۔ مَیں نے کہا ہم آپ کو بے ایمان سمجھتے ہیں۔

یہاں فرمایا کہ یسوع کو خالقِ ارض وسماء وغیرہ کہنا تو اس زمانہ کی باتیں ہیں آؤ اس اصل کی طرف چلیں جو سب سے پہلے ہے یعنی توحید۔ اس پر ایمان رکھیں۔ یہ بات یاد رکھیں کہ عیسائی مذہب کی کسی کتاب میں عیسائی نہیں آیا اِسی لئے ان کے سمجھدار لوگ عیسائی نہیں بلکہ مسیحی کہلاتے ہیں۔ کوئی شخص یسوعا نام ہؤا ہے جس کا مسلمانوں کی کتابوں میں ذکر تک نہیں۔ اس کی یہ لوگ پرستش کرتے ہیں۔ باقی رہا مسیح سو اس کا آدم ہونا تو مشاہدات سے ثابت ہے۔ اس کے خدا ہونے کی کوئی حُجّتِ نیرہ چاہیئے جو کوئی نہیں۔ پس تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ۔ وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ: تین قسم کے معبود ہیں۔ ایک تو پوپ

کو بھی خدا سمجھئے۔ اس کے اختیارات میں معاصی کی مغفرت کا اعتقاد تھا۔ پوپ ایک زمانہ میں بادشاہ بھی تھا۔ ایک گروہ مریمؑ کو خداوند کی ماں کہتا اور اس کی تصویر کے آگے سجدہ کرتا ہے۔ ایک رُوح القدس باپ تینوں کو خدا سمجھتا ہے۔

فرمایا بہتوں کا ذکر اچھا نہیں ہوتا۔ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (یوسف: ۴۰) پنجابیوں نے اِس نکتہ کو خوب سمجھا ہے۔ ایک مثل ہے دُو گھروں کا مہمان بھوکا رہتا ہے۔ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کے ماننے والوں کو ہم کہتے ہیں کہ ایک خدا میں آپ نے کیا کمی دیکھی ہے جو دوسرے کو بھی اس کے ساتھ ملایا ہے۔ جس میں کمی ہے وہ الوہیت کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۴ر جون ۱۹۰۹ء)

۶۶۔ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۶۶

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ : کبھی تو جوش میں آکر کہتے ہیں کہ تورات کی پہلی کتاب سے تثلیث نکلتی ہے۔ وہاں الوہیم آیا ہے۔ پھر دانیال اور ابراہیم کو بھی تثلیث ماننے والا بتاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ استنباط تو کرتے ہو تورات سے۔ یہ دونوں ابراہیمؑ کے بعد نازل ہوئیں۔ کسی مذہب نے اپنا کوئی نام نہیں رکھا۔ یہودا کی طرف منسوب ہو کر یہودی کہلائے اور مسیحؑ کی طرف منسوب ہو کر مسیحی۔ اصل میں ایک ہی نام کُل مذہبوں کا ہو سکتا ہے۔ وہ کیا؟ وہی جو مذاہب کا مقصد ہے یعنی راست بازی اور فرمانبرداری یعنی اسلام جس کی تعلیم میں کسی قسم کا شرک نہیں بلکہ عین فطرت کے مطابق ہے۔ بچہ جس وقت بالغ ہوتا ہے تو کم از کم اتنی سمجھ تو اسے آجاتی ہے کہ مَیں اپنا خالق آپ نہیں بلکہ کوئی اَور مقتدر ہستی ہے۔ پس یہی وہ فطرت کی گواہی ہے جس سے شرک کا استیصال ہو جاتا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۴ر جون ۱۹۰۹ء)

۶۹۔ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ

اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ

وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۹﴾

وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ : ولی معمولی لفظ نہیں۔ قرآن شریف نے اس کی تفسیر بتائی ہے اور اس کی ایک پہچان بتائی ہے۔

جب اللہ کسی کا ولی بنتا ہے تو اس کی ولایت کا نشان یہ ہے کہ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (البقرۃ : ۲۵۸) یعنی انسان جو قسم قسم کی ظلمتوں میں پڑا ہو۔ ان ظلمتوں سے روز بروز نکلتا جاتا ہے۔ بڑی ظلمت تو یہ ہے کہ ماں باپ اچھے نہ ہوں۔ پھر دوسرے مربی استاد وغیرہ۔ پھر دوست، آشنا۔ پھر رسم وعادت۔ پھر محبت و بغض۔ پھر شہوت و حرص۔ پھر بخل و عجز و کسل۔ کسی کے اوپر بے جا ظلم (اَلظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ) پس ان ظلمتوں سے نکل کر جو نور کی طرف جا رہا ہو تو سمجھئے کہ اللہ میرا ولی ہو گیا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۴ جون ۱۹۰۹ء)

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ

يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ : یہ نہیں گمراہ کر سکتے مگر اپنے ہی ڈھب کے لوگوں کو۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۴ جون ۱۹۰۹ء)

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا

بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ

وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۷۳﴾

ایک گروہ نے اہل کتاب میں سے کہا بڑے بڑے عماید یہود جو ہیں وہ سب مل کر صبح مسلمان

ہو جاؤ اور عصر کی نماز کے بعد اس دین کو ترک کر دو اور یہ ظاہر کرو کہ ہم نے اندر جا کر اس میں بہت سی بدیاں دیکھیں۔ پس اِس تجویز سے یہ چند اہلِ کتاب جو مسلمان ہو گئے ہیں واپس اپنے دین میں لوٹ آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے منصوبہ بازیوں کا کچھ فائدہ نہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۴ر جون ۱۹۰۹ء)

تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دُنیا میں دو قسم کی طبیعتیں ہوتی ہیں ایک وہ جنہیں اگر عمدگی سے وعظ کیا جاوے تو مان لیتے ہیں اور اگر تشدّد کیا جائے تو انکار کرتے ہیں اور ایک وہ جو دلائل کو مانتے ہی نہیں۔ ہاں دو چار جوت لگ جائیں تو کہتے ہیں جی ٹھیک ہے۔

ایک زمانہ میں مجھے خیال پیدا ہوا تو میں نے چند لڑکوں سے سوال کیا اگر کوئی لڑکا بدچلنی کرے تو اس کے روکنے کی کیا تدبیر ہے؟ اس پر بعضوں نے لکھا کہ اسے نصیحت کی جاوے مگر تنہائی میں۔ اور بعضوں نے یہ کہا کہ نصیحت کی جاوے مگر عام لڑکوں میں تا اسے ندامت ہو۔ بعضوں نے کہا پکڑ کر خوب بید لگائے جاویں تا پھر کبھی ایسی جرأت نہ کرے۔ درحقیقت سب نے سچ لکھا کیونکہ کئی قسم کے لوگ ہیں۔ بعض وہ جو نصیحت مان لیتے ہیں مگر دلائل کے ساتھ۔ بعض ایسے بھی ہیں جنہیں دلائل دیں تو وہ اَور بھی بپھر جاتے ہیں اور ردّ و قدح شروع کر دیتے ہیں۔ بعض صرف کہنے سے مان لیتے ہیں۔ بعض مدلّل کہنے کو مانتے ہیں۔ بعض صرف خموشی یا توجہ چھوڑ دینے سے مان جاتے ہیں۔ بعض مار کھائے بغیر نہیں سمجھتے ہیں۔ پھر بعض ایسی طبائع کے انسان ہوتے ہیں جو دن رات منصوبے سوچتے رہتے ہیں ایسے بدبخت ہمیشہ ناکام رہتے ہیں۔ مگر وہ اسی فکر میں غلطاں و پیچاں رہتے ہیں کہ فلاں بڑے کارخانے کو نقصان پہنچائیں۔ پس ایسے بدبختوں کا ذکر اِس آیت میں ہے۔

(بدر ۲۷ر جولائی ۱۸۰۵ء صفحہ ۶۳ جلد ۹)

وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَکُمْ ۔ قُلْ اِنَّ الْھُدٰی ھُدَی اللّٰہِ ۔ اَنْ یُّؤْتٰٓی اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِیْتُمْ اَوْ یُحَآجُّوْکُمْ عِنْدَ رَبِّکُمْ ۔ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰہِ ۔ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ۔ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۷۴﴾

يَخۡتَصُّ بِرَحۡمَتِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ ۝

تو کہہ دے وہ خاص ہدایت جسے الٰہی کہتے ہیں تو یہی ہے کہ دیا جاوے کوئی مثل اس کی کہ دیئے گئے تم (استثناء ۱۸ باب ۱۸) بلکہ تم پر حجت میں غالب آوے تمہارے پالنے والے رب کے سامنے تو کہہ دے یہ نبوت اور رسالت اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اسی کے ہاتھ ہے۔ جسے چاہے دے اور اللہ وسیع وعلم والا خاص عزت و رحمت جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

(تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۲۹۶)

اِنَّ الۡهُدٰى هُدَى اللّٰهِ : کامل ہدایت تو وہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہے اور وہ یہ کہ تمہاری مثل ایک اور قوم کو بھی انہی انعامات سے ممتاز فرمایا گیا ہے سلطنت، نبوت۔

اَوۡ يُحَآجُّوۡكُمۡ عِنۡدَ رَبِّكُمۡ : بلکہ وہ تمہارے رب کی حجت میں تم پر غالب ہیں۔ اَوۡ کے معنے بلکہ کے ہیں۔

اِنَّ الۡفَضۡلَ بِيَدِ اللّٰهِ : اللہ تعالیٰ نے رسول کریمؐ کی نسبت بھی فرمایا وَاللّٰهُ يَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدۃ: ۶۸) اور داؤدؑ کی عبادت گاہ میں جب دشمن چڑھ آئے تو وہاں بھی فرمایا اِنَّا جَعَلۡنٰكَ خَلِيۡفَةً فِى الۡاَرۡضِ (صٓ: ۲۷) ہم نے تمہیں بادشاہ بنایا ہے۔ یہاں یہ مسئلہ سمجھایا ہے کہ الٰہی انتخاب کے خلاف ریشہ دوانیاں کرنا ہلاکت کا موجب ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۴ر جون ۱۹۰۹ء)

اَنۡ يُّؤۡتٰۤى اَحَدٌ : ہدایت یہ ہے کہ دیا جائے جیسے موسیٰؑ دیا گیا تھا بلکہ اس سے زیادہ یہ کہ غالب آجائے۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۷)

اِن آیات (۳، تا ۷۵۔ ناقل) میں بہت سی باتیں بتا کر باری تعالیٰ فرماتا ہے کہ نبوت اور قرآن خداوند کریم کا فضل ہے اور فضل کے دینے میں اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے جسے چاہے اپنے خاص فضل سے مخصوص کرے۔ خدا کا وہ ارادہ جس سے وہ اشیاء پیدا کرتا ہے اس کی تکمیل ایک لابدی امر ہے کیونکہ اس قادر مطلق کی قدرت اور طاقت کے واسطے کوئی مانع نہیں۔ اسی ارادۂ اَزلی کی تکمیل کی ضرورت نے نزولِ قرآن اور نبوتِ محمدِ عربیؐ کو ضروری کر دیا مثلاً نادانی سے کوئی کہے کہ پطرس اور یوحنا

وغیرہ تو مسیح کے حواری ہو چکے تھے پولوس کو حواری بنانے کی کیا ضرورت تھی تو اس کا ٹھیک جواب یہی ہوگا اور جتنے حواری ہونے کے لئے ازل میں منظور ہو چکے وہ ضرور حواری ہوئے۔

(فصل الخطاب (ایڈیشن دوم) جلد دوم صفحہ ۱۰۲)

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ۗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۶﴾

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ ..... يَعْلَمُوْنَ : ایسے آدمی ہر مذہب میں پائے جاتے ہیں۔ ایک شخص نے جنگل میں ایک عورت کو زیور سے لدی ہوئی پایا جو راستہ بھول گئی تھی۔ اس نے اسے مقام پر پہنچایا حالانکہ پوری دسترس رکھتا تھا کہ زیور اُتار لے۔ پھر ایسے بھی ہیں جو ایک دُنیا کو دیکھ کر دل ثابت نہیں رکھ سکتے۔ ایک صوفی نے شیطان کو عالمِ کشف میں دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں کنی لگامیں ہیں۔ پوچھا یہ کیا؟ کہنے لگا یہ لوگوں کو قابو کرنے کے لئے۔ پھر اس نے کہا۔ تم لوگ تو صرف کان پکڑ کر قابو کر لئے جاتے ہو نیکی کے رنگ میں گمراہ کرنا ایسے آدمیوں کے لئے شیطان کو بہت آسان ہے۔ جماعت کھڑی ہو گئی ہے مگر کئی ہیں کہ ابھی وظیفہ پڑھ رہے ہیں۔

پھر یہ لوگ امانت میں خیانت کرتے ہیں اور اسے شرعی عذر کے نیچے لا کر صحیح قرار دیتے ہیں۔ مومن کو چاہیئے کہ وہ ہر حرکت و سکون کے وقت دیکھ لے کہ اس سے تعظیم لِاَمرِ اللّٰہ (اور) شفقت علیٰ خلق اللّٰہ میں تو کوئی فرق نہیں آتا۔

سَبِيْلٌ : الزام

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۴ جون ۱۹۰۹ء)

۷۷ بَلٰی مَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰی فَاِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ﴿۷۷﴾

مَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ: وعدہ پورا کرو کسی عیسائی سے کر دیا یا چوہڑے چمار سے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۴؍جون ۱۹۰۹ء)

ہر شخص کی فطرت میں ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ کوئی اس کے ساتھ ہو اور وہ عظیم الشان ہو۔ متقی کے لئے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ۔ پس اللہ کی محبت سے بڑھ کر اور کیا چاہیئے۔ پھر ہر شخص کی فطرت میں ہے کہ کوئی عظیم الشان اس سے محبت کرے اور اللہ تعالیٰ متقی سے آپ محبت کرتا ہے جیسا کہ فرمایا یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ جو اللہ تعالیٰ کا محبوب ہو جاوے اُسے کسی اور کی حاجت کیا؟

(الحکم ۲۱ و ۲۸ مئی ۱۹۱۱ء صفحہ ۲۶)

۷۸ اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ وَلَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا یُزَكِّیْهِمْ۪ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴿۷۸﴾

لَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ: محبت کا کلام نہیں کرے گا۔

وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ: نظرِ شفقت نہیں کرے گا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۴؍جون ۱۹۰۹ء)

۷۹ وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِیْقًا یَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ

مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا

هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ

وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۹﴾

يَلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ: یہ کئی واعظوں کا قاعدہ ہے کہ پہلے کوئی آیت پڑھ لیتے ہیں اور پھر اپنے مطلب کی بات شروع کر دیتے ہیں۔ سننے والا سمجھتا ہے کہ ترجمہ کر رہا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۴۔جون ۱۹۰۹ء)

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ

وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا

عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ

بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ

تَدْرُسُوْنَ ﴿۸۰﴾

اَلْحُكْمَ: پکی باتیں

وَالنُّبُوَّةَ: قبل از وقت بعض باتوں سے آگاہ کر دے۔ اور وہ کہے میرے بندے بن جاؤ۔ وہ تو یہی کہے گا۔ ربانی بنو۔ اِس کے چار معنے ہیں (۱) حکماء (بات کی تہ کو سوچنے والے) (۲) علماء (۳) فقہاء (تقلید کرے تو ایسی کہ دوسرے غلطی میں نہ پڑیں) (۴) مَنْ يُّرَبِّيْ بِصِغَارِ الْعِلْمِ۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۴۔جون ۱۹۰۹ء)

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۭ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰي ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ۭ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۭ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾

ایک شخص نے مجھ پر اعتراض کیا کہ تمہارا قرآن شریف اپنے نبی کی نسبت پیشگوئیاں تو اگلی کتب سے بیان کرتا ہے مگر درس اور باب کا حوالہ نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت عمدہ جواب سمجھایا۔ مَیں نے وقفہ دے کر ایک انجیل ہاتھ میں لی اور کہا کہ اِس میں مسیح کی نسبت بعض پیشگوئیاں عہد نامہ عتیق سے دی گئی ہیں مگر باب اور درس کا ذکر نہیں۔ اسے خدا جانے اپنی بات یاد نہ رہی۔ کہنے لگا باب اور درس تو چودھویں صدی کے بعد بنے ہیں۔ اِس پر مَیں نے اُسے کہا کہ ذرا ہوش میں آؤ۔ قرآن شریف نے بھی اس وقت ان پیشگوئیوں کے حوالے دئے ہیں جب کہ باب و درس نہیں تھے۔ وہ بہت ہی شرمندہ ہؤا۔

ایک عیسائی عورت سے مَیں نے پوچھا کہ وہ ناصری کہلائے گا۔ توریت میں کہاں موجود ہے۔ وہ کہنے لگی تورات میں تو کہیں ہے نہیں۔ مَیں نے کہا تو پھر اس مذہب کی پابند کس طرح ہو۔ کہنے لگی میرا خاوند پادری ہے۔

میثاق النبیین کی نسبت کہا جاتا ہے کہ یہاں کُل نبی مراد ہیں چنانچہ اعمال باب ۳ آیت ۲۱ میں ہے کہ نبیوں نے اِس بات کی دعا کی ہے تا تازگی بخش ایام آئیں اور ضرور ہے کہ آسمان اسے رکھے رہے جب تک کہ وہ جو تمام نبیوں نے کہا پورا ہو اور موسیٰؑ کے مثیل نبی آئے۔ اس کے دو بڑے

فائدے ہیں۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ موسیٰ کے مثیل مسیح تھے ان سے ہم کہتے ہیں کہ بقول تمہارے مسیح تو خدا تھا پس خدا کو موسیٰ سے کیا مثلیت ہو سکتی ہے؟ دوم مسیح کو وہ کامیابی کب ہے جو موسیٰ کو ہوئی۔ پھر لکھا ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہونے کے بعد آئے گا۔ یوحنا کی انجیل باب میں لکھا ہے کیا تو وہ نبی ہے۔ "وہ نبی" سے مراد بعض عیسائی دجال لیتے ہیں مگر ان کے ریفرنس والوں نے اِستثناء کے باب کا حوالہ دیا ہے جس میں موسیٰ کے مثیل ہونے کا ذکر ہے اور استثناء باب ۳۳ میں لکھا ہے کہ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ چنانچہ دس ہزار صحابی رسول علیہ السلام کے ساتھ تھے جب آپ مکہ میں مظفر و منصور داخل ہوئے۔ غرض استثناء باب ۱۸ اور باب ۳۳۔ یوحنا اوّل۔ اعمال سوم کے علاوہ یسعیاہ نبی کی کتاب میں سلَا کا نام مذکور ہے اور یہ پہاڑی مدینہ میں ہے کہ وَمَا نَرٰی مِنْ وَّرَآءِ سلَاٍ مِّنْ سَحَابٍ۔

۴۲-۵۴ یسعیاہ میں مینڈھے بکریوں کی قربانیوں کا ذکر ہے حالانکہ مسیح کے بعد کوئی قربانی نہیں۔

اِس کے بعد ایک اَور پہچان بتائی کہ اس نبی کے مخالف بَد عہد ہوں گے چنانچہ ان لوگوں کی کتب میں مذکور ہے معاہدہ کیا ہوتا ہے۔ توڑنے کے واسطے ہوتا ہے۔ معاہدہ موجودہ وقت کی تصویر ہوتی ہے وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ کو سورہ بقرۃ (آیت ۸۴) پڑھو جہاں ان کی عہد شکنیوں کا مفصّل ذکر ہے۔ پھر فسق و فجور کی جَڑ ہے۔ عورتوں کی آزادی اور شراب اور یہ دونوں باتیں اسی قوم میں موجود ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۴؍جون ۱۹۰۹ء)

۸۴۔ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝۸۴

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ: سچے دین کا نشان بتایا کہ اس میں فرماں برداری سکھائی جاتی ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۴؍جون ۱۹۰۹ء)

۸۸۔ أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿۸۸﴾

اللہ کی رحمت سے دُور یعنی خدا کا ان سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ ملائکہ سے بھی دُور یعنی کوئی نیکی کی تحریک نہیں ہوتی۔ لوگوں سے دُور یعنی وہ انہیں نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۴ جون ۱۹۰۹ء)

۹۱۔ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّن تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ﴿۹۱﴾

لَنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ : اِس آیت پر بہت بحثیں ہوئی ہیں مگر میرے نزدیک اس کے یہی معنے ہیں کہ وہ جو پہلے توبہ کی ہوئی تھی جب اسے توڑ دیا تو قبولیت کیسی؟
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۴ جون ۱۹۰۹ء)

۹۲۔ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَن يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِم مِّلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَىٰ بِهِ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿۹۲﴾

وَلَوِ افْتَدَىٰ بِهِ : ہدیہ تو قبول نہیں تھا مگر فدیہ بھی نہ ہوگا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۴ جون ۱۹۰۹ء)

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۹۲﴾

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ: قرآن کریم میں سورہ بقرہ میں جہاں پہلا رکوع شروع ہوتا ہے وہاں متقی کی نسبت فرمایا ہے وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ یعنی جو کچھ اللہ نے دیا ہے اس سے خرچ کرتے ہیں۔ یہ تو پہلے رکوع کا ذکر ہے۔ پھر اسی سورۃ میں کئی جگہ انفاق فی سبیل اللہ کی بڑی بڑی تاکیدیں آئی ہیں۔ ۵ رکوع میں اِس قدر بیان ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی کیا وعظ کر سکتا ہے۔

اِنسان دُکھوں کے وقت تو انفاق پر مجبور ہوتا ہے مگر حقیقی دینا تو وہ دینا ہے جو خوشدلی سے دیا جاوے۔ یہود کی نسبت فرمایا ہے فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ۔ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (اٰل عمران : ۹۲) بے ایمان آدمی جب عذابوں اور دُکھوں کو دیکھے گا تو اس کا دل یہ چاہے گا کہ زمین کی گول کو بھر کر سونا دے دے مگر قبول نہ ہو گا۔

پس تم حقیقی نیکی کو نہیں پا سکو گے جب تک کہ تم مال سے خرچ نہ کرو۔ مِمَّا تُحِبُّوْنَ کے معنے میرے نزدیک مال ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ (العدیٰت:۹) انسان کو مال بہت پیارا ہے پس حقیقی نیکی پانے کے لئے ضروری ہے کہ اپنی پسندیدہ چیز مال میں سے خرچ کرتے رہو۔

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ: جو کچھ بھی خرچ کرو گے اللہ کو اس کا علم ہے۔ یعنی اسے مال کے لینے اور بڑھانے کا خوب علم ہے۔ بقرہ آیت ۲۴۶ میں آیا ہے مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ۚ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ کون ہے جو اپنے مالوں کو عمدگی سے الگ کرے اور اللہ اسے بڑھائے۔ اس شخص کے لئے بہت بڑھاتا ہے۔ اللہ مال کو لیتا ہے اور اس کو بڑھاتا

ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم و ۸۔جولائی ۱۹۰۹ء)

۹۴۔ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ اِسۡرَآءِيۡلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسۡرَآءِيۡلُ عَلٰى نَفۡسِهٖ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تُنَزَّلَ التَّوۡرٰٮةُ‌ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِالتَّوۡرٰٮةِ فَاتۡلُوۡهَآ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۝۹۴

دُنیا میں جس قدر بے ایمانیاں، دھوکہ بازیاں ہوتی ہیں اور لوگ شراب، زنا، چوری، جھوٹ سے بھی دریغ نہیں کرتے یہ صرف مال کے لئے ہے اور پھر اس بارے میں کوئی نصیحت کرے تو اُلٹا اسی پر اعتراض جماتے ہیں۔ جب مسلمانوں کو یہ وعظ کیا گیا کہ اِنفاق کرو اور یہود کو بھی ترغیب ہوئی تو وہ بجائے اس کے کہ اس نصیحت کو مانتے، کہنے لگے کہ تم تو حرام خور ہو۔ اس کے جواب میں فرمایا گیا کہ سب چیزیں جو ہم مسلمانوں کے کھانے میں آتی ہیں بنی اسرائیل کے لئے حلال تھیں۔ ہاں وہ جو بنی اسرائیل نے اپنے مرض رگین (یعنی ریح۔ ناقل) کی وجہ سے ترک کر دیا تھا (یہ مَا حَرَّمَ کے معنے ہیں)۔ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تُنَزَّلَ التَّوۡرٰٮةُ اور كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ اِسۡرَآءِيۡلَ تورات کے نزول سے پہلے کی بات ہے۔ یہ بات خوب یاد رکھو کہ كُلُّ الطَّعَامِ کے یہ معنی نہیں کہ جو کچھ تورات میں حلال و حرام ہے وہی قرآن مجید میں موجود ہے بلکہ اس کے معنے یہ ہیں کہ تمام چیزیں جو ہم کھاتے ہیں یہ وہ ہیں جو بنی اسرائیل کے لئے بھی تورات کے نزول سے پہلے کی حلال تھیں۔ پس اگر ان چیزوں کا کھانا حرام خوری ہے تو یہ اعتراض ابراہیم، اسحٰق و یعقوب علیہم السلام پر بھی ہو سکتا ہے۔ رسول کریمؐ فرماتے ہیں کہ میں تمہاری کتابوں کا متبع نہیں ہوں مَیں ابراہیمؑ کے دین پر قائم ہوں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم و ۸۔جولائی ۱۹۰۹ء)

اب یہ اعتراض رہا کہ جس کو قرآن کے معانی بدوں کسی کتاب کے آتے ہیں اسے کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک ایسی تھی کہ ان کو قرآن کے فہم کے واسطے تو کسی کتاب کی ضرورت نہ تھی مگر تاہم قرآن کو کلامِ الٰہی اور جو کچھ قرآن کریم

پیش کرتا ہے اس کی تصدیق کے واسطے پھر بھی اور کتاب کی تو ضرورت تھی اور خود قرآن بتلاتا ہے کہ اور کتاب کی ضرورت ہے۔

فَأْتُوا بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوهَا إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی صداقت ثابت کرنے کے واسطے قرآن میں فرماتا ہے کہ ایک اور کتاب میں دیکھو۔ پھر لکھا ہے

مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ فَاتْلُوهَا إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ

......مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ گویا دو کتابوں کی ضرورت پڑی۔ اِس تقریر سے یہ بات ثابت ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پیشگوئیوں وغیرہ اور اپنے دعاوی اور نیز قرآن کی تصدیق کے واسطے دوسری کتابوں کی ضرورت پڑتی رہی اور ادھر ہم کو بھی پڑی کیونکہ ہماری زبان عربی نہیں ہے۔

اِس لئے خوب یاد رکھو کہ قرآن تو اپنی ذات میں ایک کامل کتاب ہے مگر اس کے کمال کو جاننے کے لئے ہم اور کتابوں کے محتاج ہیں۔ کبھی لُغت کے کبھی دوسرے علوم کی کتب کے۔ اگر کہو کہ اصولِ دین کو اس سے کیا تعلق ہے تو ہم کہتے ہیں قرآن شریف کی تصدیق کرنی بھی تو اصولِ دین ہے۔ کامل ذات خود کسی کی محتاج نہیں ہوا کرتی مگر دوسرے اس کو کامل جاننے کے واسطے محتاج ہوتے ہیں۔ دیکھو خدا اپنی ذات میں کامل ہے اور اس کو دلائل کی ضرورت نہیں مگر چونکہ ہم دلائل کے محتاج ہیں اِس لئے مصنوعات وغیرہ کے دلائل ہم کو دینے پڑے۔

(الحکم ۱۰ر جولائی ۱۹۰۳ء صفحہ ۴)

۹۶۔ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرٰهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۹۶﴾

فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرٰهِيمَ حَنِيفًا: تم بھی اسی دین کو قائم رکھو۔ افراط و تفریط سے بچنے والے ہو کر۔ حنیف کے یہی معنے ہیں۔ ایک طرف جُھکا ہوا غلط معنے ہیں۔ احنف ٹیڑھے پاؤں والوں کو بطورِ دعا کہتے ہیں۔ حنیف وہ آدمی ہے جس میں کوئی کمی، نقص اور زیادتی نہ ہو۔ جو مُشرک ہوتا ہے وہ محبّت میں افراط سے کام لیتا ہے۔ کبھی غیر اللہ کو سجدہ کرتا ہے۔ کبھی رکوع۔ کبھی اپنے محبوب کے لئے

قربانیاں۔ کبھی غیر اللہ سے دعائیں مانگتا ہے کبھی اس سے حاجتیں طلب کرتا ہے۔ یہ محبت میں غلو ہے جو افراط کی راہ ہے۔ اس میں خدا کے حق میں تفریط ہے۔

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ : مگر ابراہیمؑ میں یہ عیب نہ تھا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم و ۸ جولائی ۱۹۰۹ء)

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾

مکہ معظمہ کی مسجد چونکہ ابو الحنفاء، شرک سے پورے بیزار ابراہیمؑ سے بلکہ اس سے بھی پہلے الٰہی عبادت کے لئے بنائی گئی اس واسطے وہ بیت اللہ کہلائی۔ جیسے فرمایا:

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ پہلا گھر جو (خدا کی عبادت کے لئے) قوموں کے لئے بنایا گیا وہ مکہ میں ہے۔ مبارک اور ہدایت ہے لوگوں کے لئے۔ (نور الدین (ایڈیشن سوم) صفحہ ۱۵۲)

پھر عظیم الشان ثبوت اِس بات کا کہ ابراہیمؑ کو کیوں مانیں؟ کیا تورات کو چھوڑ دیں؟ یہ ہے کہ سب سے پہلے خدا کی خالص توحید کے لئے جو گھر بنایا گیا ہے وہ وادیٔ مکہ میں ہے۔ بکہ کہتے ہیں اس مقام کو جہاں لوگوں کا بڑا اژدہام ہو۔

مُبٰرَكًا : برکت دیا گیا۔ دیکھو یہیں وہ مبارک وجود تھا جو اہلِ ارض کے لئے امان تھا۔ اِسی گھر میں ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ پیدا ہوئے رضوان اللہ علیہم۔ اسی میں طلحہ و زبیر۔ چنانچہ خدا نے فرمایا رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (النور : ۳۸) فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ (النور : ۳۷) اللہ نے اس کے گھر کے لوگوں کو بڑا بنانا چاہا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم و ۸ جولائی ۱۹۰۹ء)

فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۗ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ

مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۭ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ

غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۸﴾

مَقَامُ اِبْرٰهِيْمَ : پھر اس مکہ کی اوّل تو یہ خصوصیت ہے کہ اس میں ابراہیمؑ کی عبادت گاہ ہے یہودی، عیسائی اپنے متبوع کی کوئی جگہ پیش نہیں کرسکتے جو ان کے قبضہ میں ہو۔
دوسری آیت وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا اور دوسری جگہ فرمایا وَيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ (العنکبوت : ۶۸) کہ سارے جہان میں افراتفری پڑی ہے پر مکہ میں نہیں۔
تیسری آیت وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ۔ جو یہ نہیں سمجھتا وہ یہ پیشگوئی سُن لے کہ حج بیت اللہ کا لوگوں میں رہے گا۔
وَمَنْ كَفَرَ : اور جو باوجود ان دلائل کے کفر کرے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم و ۸۔جولائی ۱۹۰۹ء)

مَقَامُ اِبْرٰهِيْمَ : یہود و نصاریٰ کے لئے عزت کا مقام ہے۔
وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا : بہت بڑی پیشگوئی۔ دُنیا میں سلطنتیں بدل جائیں مگر مکہ کی حُرمت اور حج یوم القیامت تک قائم۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۷)
مکہ معظمہ تیسرا مظہر اسلام کا اِس دُنیا میں ہے۔ اور اس مکہ معظمہ کی نسبت ارشاد ہے :
اوّل۔ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۔ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ ۔ (پھر اِن آیاتِ بیّنات کا بیان کیا ہے جیسے فرمایا) مَقَامُ اِبْرٰهِيْمَ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا۔ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ...... اوّل یہ کہ مکہ مقامِ ابراہیمؑ ہے۔ دوم اس میں داخل ہونے والوں کے لئے امن ہے۔ سوم اس کا حج کرنا لوگوں کے ذمہ لگایا گیا ہے۔ (نور الدین صفحہ ۲ ب (ایڈیشن سوم))
وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا : کُل دُنیا کی ترقی کا مدار قومی اجتماع پر ہے۔ تمام مہذب بلاد میں جب تہذیب شروع ہوئی اُس وقت بھی کلب و انجمنیں بنیں۔ حضور علیہ السلام کے دین میں اللہ تعالیٰ نے قومی اجتماع کے عجیب و غریب سامان تجویز فرمائے اور ایسے رُوحانی محرّک اُن میں رکھے جس کے باعث ان انجمنوں کے برہم ہونے کا خطرہ نہ رہا۔

اہلِ محلہ کے روزانہ اجتماع کے لئے پانچ وقت کی جماعت کو واجب کیا۔ رات کو سب لوگ اپنے گھروں میں سوتے ہیں۔ شبینہ واقعات میں اگر ہمدردی کی ضرورت ہے تو علی الصّباح نمازِ فجر کی جماعت میں یہ امر حاصل ہے۔ اَب بازار کی آمد و رفت شروع ہوئی مختلف معاملاتِ خارجیہ پیش آئے تو دوپہر کے بعد جماعت کا وقت آگیا۔ عصر روزانہ اَوقات کا اختتام ہے اور ابھی اہلِ تجارت وحرفہ غالب عمرانات میں گھر نہیں پہنچے۔ مین اس وقت کے معاملات پر اگر ہمدردی کی ضرورت ہے تو عصر کی جماعت کا عمدہ موقع ہے۔ شام کو گھر پہنچے وہاں کے نئے معاملات جو غیبوبت میں ہوئے اگر باعثِ اجتماع ہیں تو جماعتِ نمازِ شام اس کے لئے موزوں ہے۔ نو دس بجے رات کو الگ الگ ہونے کا وقت آگیا۔

مناسب ہے سب آپس میں الوداعی رخصت کریں اور یہی عشاء کا وقت ہے۔ اِس روزانہ پانچ وقت کے اجتماع میں اگر تمام اہلِ بلاد کو تکلیف دی جاوے تو ایک قسم کی تکلیف مالا یُطاق ہے اسلئے تمام شہر کے اہلِ اسلام کے لئے ہفتے میں ایک دِن جُمعے کا اس اجتماع کے لئے تجویز ہوُا۔ لاکن اِس اجتماع کے لئے حفظِ صحت کے سامان کے واسطے نہانا، کپڑے بدلنا، صفائی ایک ضروری تھا۔ بنابراں اس کا وقت قریب نصف النّہار تجویز کیا گیا اور اس میں موسٰیٔ والی تشدید کہ سبت میں کام کرنے والے کو جَلا دیا جائے عالمگیر مذہب میں جس کا نام اسلام ہے مناسب نہ سمجھی۔ زیادہ دیر تک اجتماع کو مُخلِّ صحت خیال کر کے اصل نماز سے اِس نماز کو نصف کر دیا گیا اور ایک خطیب (اسپیکر) کو حکم دیا گیا کہ ضروریات پر کھڑے ہو کر لیکچر دے اور بعد نماز جمعہ کے حکم ہے چلے جاؤ اور مُنتشر ہو جاؤ قصبات اور دیہات کے اجتماع کے لئے عید کی نماز تجویز ہوئی۔ چونکہ یہ جلسہ بھاری اور سال میں کُل دو۲ دفعہ ہوتا تھا اور اس میں لوگوں کی کثرت تھی اِس لئے تبدیل لباس اور عطر و خوشبو کا لگانا جیسے جمعے میں حکم تھا اِس میں بھی رہا اور زیادہ تر اجتماع کے لحاظ سے حکم ہوُا۔ عید کا جلسہ شہر سے باہر میدان میں ہوتا تاکہ فریش ائیر (تازہ ہوَا) کی روک نہ رہے۔ چونکہ میدان مَحلِ انجمن ٹھہرا اور غالب عمرانات میں دُھوپ کا خوف ہوُا اِس لئے ابتدائے روز عید کا وقت ٹھہرایا گیا۔

عید میں رُوحانی مُحرک دو۲ رکعت نماز ہے اور بعد نماز کے ضروری ضروری باتوں پر لیکچر ہے (جسے خطبہ کہتے ہیں)۔

تمام قوموں میں میلوں کا رواج ہے اور میلوں کا ہونا عمدہ مصالح دُنیوی پر مبنی ہے۔ کُل مذاہب اور تمام اقوام کے میلے خالص توحید سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ کہیں غیر اللہ کی پرستش ہے کہیں

صرف دُنیوی خیال ہے جو فانی اور غیر باقی ہے۔ اُن کو عظمتِ الٰہی سے کچھ سروکار نہیں۔ اسلامی میلہ عید کا دُنیا کے میلوں سے رُوحانیت میں بڑھا ہُوا ہے۔

اَب تمام اہلِ اسلام کے اجتماع کے لئے صدر مقام کی ضرورت تھی تاکہ مختلف بلاد کے بھائی اور اسلامی رشتے کے سلسلے میں یکتا باہم مِل جاویں مگر ایسے اجتماع کے لئے اوّل تو کُل اہلِ اسلام کا اکٹھا ہونا اور امیر و فقیر کا جانا محال تھا۔ علاوہ بریں فقراء اور محتاجوں کے جانے میں کوئی بڑے فائدے مترتّب ہونے کی امید بھی نہیں ہو سکتی تھی اِس لئے حکم ہُوا

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا

اور یہ بھی ہے کہ امراء کے حق میں عیش اور کبر ہی مُہلک امراض اور ترقی کے دشمن ہیں۔ دُور و دراز کا سفر کرنا، احباب و اقارب کو چھوڑنا، سردی اور گرمی کی برداشت کرنا، مختلف بلاد کے علوم اور فنون اور اقسام مذاہب اور عادات پر واقف ہونا سُستی اور نفس پروری کا خوب استیصال کرتا ہے۔ حج کے اعمال کبر و بڑائی کے سخت دشمن ہیں۔ زیب و زینت کو ترک کرنا، غرباء کے ساتھ ننگے سَر کوسوں چلنا، دُنیاداروں، مستوں عیاشوں کو کیسی کیسی ہمّت بڑھانے کا موجب ہے۔ غرض حج کیا ہے۔ اسلامیوں کو تجربہ کار اور ہوشیار بنانا ہے۔

بے رَیب ایک ملک کے فوائد کو دوسرے ملک تک پہنچانے میں جیسی طاقت دولتمند رکھ سکتے ہیں ویسی علی العموم غریب لوگ نہیں رکھ سکتے۔ ایسے صدر مقام کے لئے کونسا مکان تجویز ہوتا پس مکّہ معظمہ سے کوئی مکان بہتر نہ تھا کیونکہ اوّل تو وہ مقام مبدأ اسلام تھا۔ دوم اس میں ایسے لوگوں کی یادگاری تھی جن کی سعی اور کوشش سے سخت سے سخت بُت پرستی کا دُنیا میں استیصال ہُوا اور خالص الٰہی توحید قائم ہوئی۔

تمام مساعیٔ جمیلہ اشاعتِ اسلام کے جن لوگوں سے سرزد ہوئے ان کا اصل مولد وہی شہر تھا اگر کوئی چیز یادگار جوش دلانے والی دُنیا میں ہو سکتی تھی تو مکّے سے بہتر کوئی بھی نہیں۔ اِلّا امراء کے ساتھ جن پر حج فرض ہے ممکن بلکہ ضرور تھا کہ ان کے نوکر چاکر بھی حج کرنے کو ساتھ جاویں اور کچھ لوگ غرباء میں سے عشق کے مجبور کئے ہوئے بھی وہاں پہنچیں۔ اِس لئے اِسلام نے بغرض کمال اتحاد اہلِ اسلام تجویز فرمایا کہ سب لوگ سادہ دُو چادروں پر اکتفاء کرکے امیر و غریب یکساں سر سے ننگے، کُرتے سے الگ، سادہ وضع پر ظاہر ہوں تاکہ ان کی یکتائی اور اِتحاد کامل درجے پر پہنچے۔

۱۔ اس حالت کا نام اِحرام ہے۔ کچھ عقلی حُسن اس کا سُن چکے ہو کچھ اَور سُن لو۔ زیب و زینت

کی پہلی سیڑھی حجامت بنوانا بال کٹوانا ہے اور اس کی ان ایام میں ممانعت ہے جو وضع کے پابندوں کو محال نظر آتی ہے اور کتبِ مقدسہ میں اس طرز کی نظیر موجود ہے۔

"نذیر کے سر پر اُسترا نہ پھیرا جائے جب تک وے دن جن میں اُس نے اپنے آپ کو خداوند کے لئے نذر کیا ہے۔ گذر نہ جاویں۔ سر کے بال بڑھنے دے۔" (گنتی ۶ باب ۵)

۲۔ پھر اس مسجد میں جس کے وجود اور جس کی عظمت کا عنقریب ہم ثبوت دیں گے ابراہیمی عبادت کی طرح پر ایک عبادت ہے جسے طواف کہتے ہیں پروانہ وار چند بار الٰہی مسجد کے گِرد گھومنا۔ اس طواف کا ثبوت اگر دیکھنا ہو زبور ۲۶ کو دیکھو۔

۳۔ پھر صفا اور مروہ کے درمیان بیادگار اُمِّ اسمٰعیل ہاجرہ علیہا السلام چلنا۔ ہاجرہؑ کو جب ابراہیمؑ نے یہاں چھوڑا تو انہوں نے ابراہیمؑ سے پُوچھا تو ہمیں کس کے سپرد کرتا ہے۔ تو ابراہیمؑ نے فرمایا خدا کے سپرد اور اُسی کے حکم سے۔ تب ہاجرہؑ نے کہا جاؤ۔ وہ اللہ تعالیٰ ہم کو ضائع نہ کرے گا۔ آخر پیاس کی شدت میں، پانی کی جستجو میں جب یہاں دوڑیں تو خدا نے زمزم سے ان کی امداد کی۔ اِس قسم کی یادگاریں اولادِ ابراہیمؑ میں مروّج تھیں۔ دیکھو پیدائش ۳۵ باب ۱۵۔ بلکہ یشوع نے بارہ پتھر جن کا ذکر یشوع ۴ باب میں ہے دریا سے صرف یادگار کے لئے اُٹھائے اور دریا کے باہر لا کر رکھے۔ پولا ہلانے کی رسم جس کا ذکر احبار ۲۳ باب ۱۰ میں عیسائی مانتے ہیں مسیح کے جی اُٹھنے کی یادگار ہے۔

۴۔ پھر عرفات کے میدان میں جانا ایک ضروری فعل حج کا ہے جہاں نہ کوئی پتھر، نہ کوئی درخت، صرف الٰہی یاد ہے اور اسی سے دعا۔ دیکھو موسیٰ بھی فرعون کو کہتے ہیں۔ خداوند اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ میرے لوگوں کو جانے دے تاکہ وے بیابان میں میرے لئے عید کریں۔

۵۔ پھر حلق (یعنی سر منڈوانا۔ مرتب) ہے جس کی وجہ یہ ہے۔ بہت دنوں سر کھلا رہا۔ گرد و غبار پڑا۔ عام لوگوں کو سامان سر دھونے کا اس سے بہتر کیا ہے کہ سر منڈوا دیں یا بالوں کو کٹوائیں۔ حلق کا رواج اور اس کا ثبوت مقدسہ کتب میں موجود ہے (دیکھو ایوب ۱ باب ۲۰) نذیر جماعت کے خیمے کے دروازے پر سر کی منت منڈا دے۔ گنتی ۶ باب ۱۸ بلکہ احبار ۱۴ باب ۹ میں تو چارا برو کا صفایا مندرج ہے۔ متی ۸ باب ۴ میں اس کا جواز اور ان رسوم کا اتباع دیکھ لو۔

قربانی۔ نذیر کے پاس اگر کوئی ناگہاں مر جاوے تو ایسی قمریاں یا کبوتر ایک خطا کی قربانی اور ایک سوختنی قربانی گذارنے اور نذیر قربانی بے عیب یک سالہ برہ ایک خطا کی قربانی۔ دوسرا سوختنی قربانی کے لئے اور فطیری روٹی چپڑی ہوئی اور مہدی۔ میدے کے کلچے تیل سے چپڑے ہوئے

کاہن کو دے۔ گنتی ۶ باب ۱۰ اور دیکھو پیدائش ۸ باب ۲۰ و ۱۲ باب ۸۔

کثرتِ قربانی۔ ۲ تاریخ ۷ باب ۵۔ سلاطین ۸ باب ۵ میں دیکھنے کے قابل ہے۔ ہاں اِتنی بات رہ گئی۔ مقدسہ کتب میں اجتماع کے لئے ترئی اور ناقوس کی اَبدی رسم ہے۔ اِسلام نے اس کے بدلے کہیں اذان کے لطیف کلمات اور حج میں۔

لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ۔ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ۔

توجہ اِلی القِبلہ۔ سچ ہے شک نہیں۔ سجدہ پرلے درجے کا عجز اور نیاز ہے۔ یہ عمدہ فعل ضرور ہے کِسی طرف واقع ہو اور کوئی طرف ہو، اس میں مخلوق کا ہونا ضروری ہے اِس لئے شارع نے خود ایک جہت مقرر کر دی جس میں کئی فائدے ہیں۔

اوّل: یہ اشارہ کہ سب کو چاہیئے ایک دل ہو کر معبودِ حقیقی کی عبادت کریں۔

دوم: اہلِ اسلام اور منافقین میں مابہ الامتیاز ہو۔ اِسی واسطے مکّے میں آپ بیت المقدس کی طرف مُنہ کرکے نماز پڑھتے تھے اور مدینے میں جب تشریف لائے تو بعد چند مدّت کے مکّے کی طرف توجہ فرمائی۔ قرآن خود اس بھید اور بھید سے آگاہ کرتا ہے جہاں فرماتا ہے

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ کُنْتَ عَلَیْهَا اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیْهِ۔

سوم: جماعت کے اِنتظام میں خلل نہ ہو اور تمام دُنیا کے اہلِ اسلام یک جہت رہیں۔

چہارم: قبلے کی طرف مُنہ کرنا۔ ملّتِ ابراہیمی کا نشان اور ان کی اولاد کا معمول ہے۔

دیکھو یشوع اور سارے اسرائیلی بزرگوں نے اپنے کپڑے پھاڑے اور خداوند کے عہد کے صندوق کے آگے شام تک اوندھے پڑے رہے۔ یشوع ۷ باب ۶۔ ۱ سلاطین ۸ باب ۲۸-۴۸۔

ترکیب آنے کی مقدس میں احبار ۱۶ باب۔ ملاکی ۳ باب ۱۴۔ اور تیرے آگے سجدہ کرینگے۔ وے تیرے آگے منّت کریں گے اور کہیں گے۔ یقیناً خدا تجھ میں ہے۔ یسعیاہ ۴۵ باب ۱۴۔

دُعا بیت اللہ میں مقبول ہے۔ ۲۔ تاریخ ۷ باب ۱۵۔

دانیال اپنی کوٹھڑی کا دریچہ جو یروشلم کی طرف تھا کھول کر دن میں تین دفعہ گھٹنے ٹیک کر اور داؤد بیت ایل کی طرف خدا کے حضور دعا اور شکر گزاری کرتے رہے۔ دانیال ۶ باب ۱۰۔ زبور ۹۹۔ ۹ زبور ۱۳۸-۲۔

حجرِ اَسود کیا ہے؟ ایک بِن گھڑا پتھر ہے۔ چونکہ گھڑے ہوئے پتھروں کی عبادت ہوتی تھی اِس واسطے ابراہیمؑ اور ان کی اولاد نے یادگار یا نشان کے لئے بِن گھڑے پتھر رکھے تھے۔ پیدائش ۲۸ باب ۱۸۔ یعقوبؑ نے پتھر کھڑا کیا اور اس پر تیل ڈالا اور پیدائش ۳۵ باب ۱۵ اور یشوع ۴ باب ۵ و ۶۔ ہر ایک تم میں سے بنی اسرائیل کے فرقوں کے مطابق ایک ایک پتھر اپنے کاندھے پر رکھے تاکہ تمہارے درمیان نشان ہو۔ پادری اِن باتوں سے انکار نہیں کر سکتے۔

پُرانے زمانے میں کیا اِس زمانے میں بھی یہی تصویری زبان کا رواج ہے۔ اکثر آریہ وَرت کے قصص تصویری زبان میں ہیں اور کئی اخباروں میں تصویری زبان معمول ہے۔ سکندر اور دارا کے قصے میں تصویری زبان کی گفت گو مشہور ہے عیسائی بھی تسلیم کرتے ہیں۔ یشوع کے بارہ پتھر بارہ حواریوں کا اشارہ جانتے ہیں۔ یہودی قربانیاں مسیح برّے کی پھانسی بتاتے ہیں بلکہ ختنہ بھی عیسیٰؑ بن مریمؑ کے قتل کا نشان کہتے ہیں۔ پولا ہلانا جس کی نسبت احبار ۲۳ باب ۱۰ میں حکم ہے مسیح کا جی اُٹھنا بیان کرتے ہیں۔

مَیں کہتا ہوں متی ۲۱ باب ۳۳۔ ۴۲ میں لکھا ہے بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے آباد کیا۔ ایک باغ کا مہتمم بنایا (ایک شرع کا) مگر انہوں نے نافرمانی کی یہاں تک کہ اپنے آخری مصلح کار (اکلوتے بیٹے) کو مار ڈالا اِس لئے خدا ان کو سزا دے گا۔ کونے کے پتھر سے جسے معماروں نے ناپسند کیا۔ یہی مضمون یسعیاہ ۲۸ باب ۱۶ میں ہے اور دانیال ۲ باب ۳۴ میں ہے۔ یہود غیر قوموں کو بھی پتھر کہتے تھے اور ہمیشہ بنی اسمٰعیل کو یہ معمارِ قوم حقیر جانتے تھے اِلّا عرب میں قدیم سے اسی لئے کہ وہ اَن پڑھ قوم تھی تصویری زبان میں بطور پیشین گوئی اور بشارات کے یہ یسعیاہ ۲۸ باب ۱۶ اور متی ۲۱ باب ۴۲ اور دانیال ۲ باب ۴۳ والا کلام مکے میں اِس طرح سے تحریر ہوا کہ بیت اللہ کے کونے پر ایک بِن گھڑا پتھر نصب کیا گیا جس کے ساتھ یہ بات کی جاتی تھی کہ اسے صرف ہاتھ لگاتے جو بیعت اور اقرار کا نشان ہے مطلب یہ کہ اس پاک شہر میں وہ کونے کا پتھر ہوگا جس کے ہاتھ پر بیعت کرنا ضرور ہے۔ جو کوئی اس پر گرے گا چور ہوگا جس پہ یہ گرا اُسے پیس ڈالے گا حسبِ بیان دانیال ۲ باب۔ بابل کا حال دیکھ لو۔

نادان کہتے ہیں مسلمان پتھر کی پرستش کرتے ہیں۔ آریہ اور عیسائی بتائیں عبادت کسے کہتے ہیں۔ عبادت میں اُستتی، حمد اور تعریف، پرارتھنا یعنی دعا اور اُپاسنا یعنی دھیان ضرور ہے۔ بتائیں مسلمان کب اس پتھر کی تعریف اور اس سے دعا اور اس کا دھیان کرتے ہیں۔ اسلامی کسی عبادت میں اس پتھر کا ذکر ہی

نہیں بلکہ عباداتِ اسلامیہ میں تو مکّے کا بھی ذکر نہیں۔ اس کی عبادت کیا ہو گی؟ اگر اس کو ہاتھ لگانا یا چومنا عبادت ہے تو سب لوگ بیاہی ہوئی عورتوں کے عابد اور خدا کو سجدہ کرنے والے زبان کے پجاری ہوں گے۔ بات یہ ہے کہ مقدّس مقام میں تصویری زبان کے اندر یہ گفتگو ہے کہ نبوت کی پاک محل سرا میں کونے کا پتھر یہاں مکّے سے نکلے گا بلکہ مسیح نے متی ۲۱ باب ۴۲ میں خود کہا ہے کہ یہ تمثیل ہے۔ انتہیٰ

نفسِ وجودِ کعبہ اور بیت اللہ کا ثبوت

پیدائش ۱۲ باب ۶-۹۔ ابراہیمؑ نے خداوند کے لئے کنعان میں ایک قربان گاہ بنائی اور وہاں سے روانہ ہو کے اُس نے بیت ایل کے پورب ایک پہاڑ کے پائیں اپنا ڈیرہ کھڑا کیا۔ بیت ایل اس کے پچھم اور عی اس کے پورب تھا اور وہاں اس نے خدا کے لئے ایک قربان گاہ بنائی اور خداوند کا نام لیا اور ابرام رفتہ رفتہ دکھن کی طرف گیا یہاں جس بیت ایل کا تذکرہ ہے وہ ضرور مکّہ ہی ہے کیونکہ کنعان عرب کے حدود میں ہے اور لکھا ہے قربان گاہ بنا کے جب روانہ ہوا پھر ایک جگہ ڈیرا لگایا اور وہاں سے دوسرا قربان گاہ بنایا اور اس کے پچھم ایک بیت ایل کا بیان کیا جو بیت ایل سمندری ہے یم سمندر کو کہتے ہیں اور وہاں لفظ بیت ایل یم ہے اور نیز آخر میں کہا ہے ابرام رفتہ رفتہ دکھن پہنچا اور مسیح فرماتے ہیں کہ دکھن کی بلکہ شہر سبا کی شہزادی تھی جو سلیمانؑ کے پاس آئی اور صاف ظاہر ہے کہ بیت اللہ جسے مکّہ کہتے ہیں کنعان سے دکھن کی طرف واقع ہے۔ علاوہ بریں پیدائش ۱۳ باب ۳ میں ابرام کی نسبت لکھا ہے کہ وہ دکھن کی طرف چلا اور سفر کرتا دکھن سے بیت ایل میں پہنچا۔ اور تراجم موجودہ میں جو فقرہ اس کے بعد لکھا ہے وہ توریت کا فقرہ نہیں اور قومی روایات، ملکی تواتر، رسوما کا توافق، ابراہیمی عبادات سے ختنے کی رسم قربانی وغیرہ مناسک میں اتحاد۔ تمام اقوامِ عرب کا اس بات پر نسلاً بعد نسلٍ اتفاق صاف گواہی دیتا ہے کہ ابراہیمؑ کو اس مسجد سے تعلق ہے جسے بیت اللہ کہتے ہیں۔

پھر کوئی امر قانونِ قدرت میں اور کوئی ضروری اور بدیہی علم ہمیں اس اعتقاد سے پھرنے پر مجبور نہیں کرتا۔

یسعیاہ ۶۰ باب ۶۔ اونٹنیاں کثرت سے تجھے آ کے چھپالیں گی۔ مدیان اور عیفہ کی جوان اونٹنیاں وے سب جو سبا کے ہیں آویں گے۔ ۷۔ قیدار (پسر اسمٰعیل) کی ساری بھیڑیں تیرے پاس جمع ہوں گی۔ نبیط (پسر اسمٰعیل) کے مینڈھے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے۔ وہ میری منظوری

کے واسطے تیرے مذبح پر چڑھائے جاویں گے اور میں اپنی شوکت کے گھر کو بزرگی دوں گا۔ یہ کون ہیں جو ٹڈی کی طرح اُڑتے آتے ہیں اور کبوتر کے مانند اپنی کابک کی طرف یقیناً بحری ممالک تیری راہ تکیں گے اور ترسیس کے جہاز پہلے آویں گے۔ ۱۰۔ اجنبیوں کے بیٹے بھی تیری دیوار اُٹھائیں گے اور ان کے بادشاہ تیری خدمت گذاری کریں گے۔ اگرچہ میں نے اپنے قہر سے تجھے مارا پر اپنی مہربانیوں سے تجھ پر رحم کروں گا اور تیری پھاٹکیں نت کھلی رہیں گی وے دن رات کبھی بند نہ ہوں گی۔

۱۴۔ ہاں وہ سب جنہوں نے تیری تحقیر کی تیرے پاؤں پڑیں گے اور وہ خدا کا شہر اسرائیل کے قدوس کا صیہون (سنگلاخ زمین) تیرا نام رکھیں گے اس کے بدلے کہ تُو ترک کی گئی اور تجھ سے نفرت ہوئی۔ اِلیٰ اٰخر۔

یسعیاہ ۵۴ باب ۱۰۔ اری بانجھ تُو جو نہیں جنتی تھی (مکے اور قومِ قریش میں کوئی نبی اور رسول نہ ہؤا اِس لئے اُسے بانجھ کہا) خوشی سے للکار تُو جو حاملہ نہ ہوتی تھی وجد کرے گا اور خوشی سے چِلّا کیونکہ خداوند فرماتا ہے بیکس چھوڑی ہوئی کی اولاد خصم والی کی اولاد سے زیادہ ہیں۔ (اہلِ اسلام یہود سے زیادہ ہیں اور عیسائی مجوس اور موجود یروشلم سے الگ ہو بیٹھے ہیں وہ ظاہری یروشلم کی اولاد ہی نہیں) اپنے خیمے کو بڑھاوے۔ ہاں مسکن کے پردے پھیلا۔ دریغ مت کر۔ اپنی ڈوریاں لمبی اور اپنی میخیں مضبوط کر اِس لئے کہ تُو داہنی اور بائیں طرف بڑھے گی اور تیری نسل قوموں کی وارث ہوگی اور اُجاڑ شہروں کو بسادے گی۔ مت ڈر کہ تُو پھر پشیمان نہ ہوگی۔ تُو مت گھبرا کہ تُو پھر رُسوا نہ ہوگی۔ تُو اپنی جوانی کے ننگ بھول جائے گی اور اپنی بیوگی کی عار پھر نہ یاد کرے گی کیونکہ تیرا خالق تیرا شوہر ہے۔ اس کا نام رَبّ الافواج ہے اور تیرا نجات دینے والا اسرائیل کا قدوس ہے۔ وہ ساری زمین کا خدا کہلائے گا کیونکہ تیرا خدا کہتا ہے خداوند نے جو تجھے طلاق کی ہوئی اور دلِ آزردہ عورت سے ہے اور جوانی میں کی ایک جورو کے مانند جو رد کی گئی ہو۔ پھر بُلایا ہے۔ لاکن اَب میں بہت سی مہربانیوں کے ساتھ تجھے سمیٹ لُوں گا۔ شدّتِ قہر کے حال میں میں نے اپنا مُونہہ تجھ سے ایک لحظہ چھپایا۔ پر اَب میں ابدی عنایت سے تجھ پر رحم کروں گا۔ خداوند تیرا بچانے والا یُوں فرماتا ہے میرے آگے یہ نوحؑ کے پانی کا سا معاملہ ہے جس طرح میں نے قسم کھائی تھی کہ پھر زمین پر نوحؑ کا سا طوفان کبھی نہ آوے گا اسی طرح اَب میں نے قسم کھائی کہ میں تجھ سے پھر کبھی آزردہ نہ ہوں گا۔ غرض یسعیاہ ۵۴ باب میں دُور تک یہ مضمون ہے یسعیاہ ۶۰۔ اُٹھ روشن ہو۔ تیری روشنی آئی۔ اور

خداوند کے جلال نے تجھ پر طلوع کیا۔ دیکھ تاریکی زمین پر چھا گئی اور تیری قوموں پر بھی تاریکی نے اثر کیا۔ لاکن خداوند تجھ پر طالع ہوگا اور اس کا جلال تجھ پر نمود ہوگا اور قومیں اور بڑے بادشاہ تیری روشنی اور تیرے طلوع کی تجلّی میں چلیں گے۔ انتہیٰ مختصراً۔

ہم یقینی طور پر کہتے ہیں یہ سب مکّے کی تعریف ہے۔ اگر نہیں تو بتاؤ لایان اور عیفہ اور سبا کی اونٹنیاں کہاں جمع ہوتی ہیں۔ قیدار کی بھیڑیں اور نبیط کے مینڈھے کس مذبح پر چڑھائے جاتے ہیں۔ عبری میں جس چیز کی زیادہ تعریف کرنا مطلوب ہوتا ہے اسے ملکہ اور عورت کرکے تعبیر کرتے ہیں۔ اگر انکار ہے تو دیکھو حزقیل ۱۶ باب الیٰ اٰخرہٖ۔ (فصل الخطاب صفحہ ۱۶۷ تا ۱۷۵)

قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لِمَ تَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ مَنْ ءَامَنَ تَبْغُونَهَا عِوَجًا وَأَنتُمْ شُهَدَآءُ ۗ وَمَا ٱللَّهُ بِغَٰفِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٠٠﴾

تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا کے معنوں میں مَیں نے بہت غور کیا ہے۔ بہت لوگ اِس قسم کے ہوتے ہیں کہ عیب جوئی کی فِکر میں لگے رہتے ہیں۔ مَیں نے ایسی عادت والوں کو دیکھا ہے کہ وہ مرتے نہیں جب تک اس گناہ میں گرفتار نہ ہولیں جس کے لئے وہ دوسرے کی تحقیر کرتے ہیں اور لوگوں میں شور و فساد ڈالتے ہیں۔ اِسلام ایک سیدھا اور سادہ مذہب ہے مگر تَبْغُوْنَهَا یہ لوگ چاہتے ہیں اس کے لئے عِوَجًا کہ کوئی عیب نکل آئے اور ایک معنے یہ ہیں کہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ اسلام میں رہیں یعنی اللہ کی راہ پر قائم رہیں اور پھر اسی طرح ٹیڑھے کے ٹیڑھے بھی رہیں حقیقی تبدیلی کو پیدا نہیں کرتے۔ کیسا افسوس کا مقام ہے۔

ایک طرف اللہ کو راضی کرنے کا ارادہ ہے دوسری طرف عیب ڈھونڈنے کی کوشش کرتے رہنا بہت ہی خطرناک راہ ہے۔ مومنوں کی تعریف میں فرمایا ہے يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ (آل عمران : ۱۹۲) اب جو بجائے ذکر اللہ کے مخلوق کے عیب بیان کرتا پھرے وہ مومن کیسا ہؤا اور پھر اپنی غلطی پر اَڑ جانا اور یہ سمجھنا کہ ہم نے خدا سے کوئی وعدہ لے لیا ہے اَور بھی بُرا ہے۔ اپنی آنکھ کے شہتیر کو نہ دیکھنا اور دوسروں کی آنکھ کے تنکے کو گھنونی نظر سے دیکھنا

اچھا نتیجہ نہیں رکھتا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم و ۸ ؍جولائی ۱۹۰۹ء)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۱﴾

اِنْ تُطِيْعُوْا : یعنی جیسے یہود وغیرہ چاہتے تھے کہ اسلام، صاحبِ اسلام، اصحابِ اسلام کے اندر عیب تلاش کریں اور خود کتنے عیب دار ہوں مگر دوسروں کی معمولی خطاء کو بھی گرفت کرنے سے نہ رہیں۔ اسی طرزِ عمل پر اگر تم چلوگے تو کافر ہو جاؤ گے۔

یُوں تو کوئی ایسا مسلمان نہیں ہوتا جو یہودیوں کا فرمانبردار بن جائے۔ پس تُطِيْعُوْا کے معنے یہی ہیں کہ ان کے طرزِ عمل پر چلوگے۔ جیسے وہ عیب چینی کرتے پھرتے ہیں ایسے ہی تم کرتے رہوگے۔ تو اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم و ۸ ؍جولائی ۱۹۰۹ء)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ : مطلب یہ ہے کہ اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ تقویٰ اختیار کرنے کا حق ہے۔ تقویٰ کیا ہے اور اس کا نتیجہ کیا ہے اور اس کے پہلوؤں سے انسان کس طرح آگاہ ہو سکتا ہے۔ اِس سے مطلب یہ ہے کہ خدا تمہیں تقویٰ کا حکم دیتا ہے کہ حقِ تقویٰ ادا کرو۔ تقویٰ کہتے ہیں اِس بات کو جس سے انسان دُکھوں اور تکالیف سے بچ سکتا ہے۔ عربی زبان میں اس کا نام تقویٰ رکھا ہے۔

(الحکم ۲۴ ؍جنوری ۱۹۰۵ء صفحہ ۹)

يَا : اے۔ اَيُّهَا : سُن لو۔ تمہیں کو سُناتے ہیں۔
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا : وہ لوگ جو ایمان لائے۔

اِتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ: بیٹا اپنے باپ کا کہا مانتا ہے۔ شاگرد اپنے استاد کا۔ محکوم اپنے حاکم کا۔ دوست اپنے دوست کا۔ اور یہ سب تعلیم کسی فائدہ کے حصول پر مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہمارا حکم بھی مان لو تا تم فلاحِ دارین پاؤ۔ وہ حکم کیا ہے۔ تقویٰ اختیار کرو اپنا سارا زور لگا کر۔

وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ: اب موت کا وقت تو معلوم نہیں۔ بعض وقت انسان سوتا سوتا ہی مر جاتا ہے اور مسلمان بننے کا موقع نہیں ملتا اس لئے آج سے ہی تیاری کر لو اور ہر وقت یہی سمجھو کہ موت قریب ہے تا تمہارا انتقال بحالتِ اسلام ہو۔ انسان جب کوئی نیکی شروع کرتا ہے تو ہر نیکی کا قول یا فعل یا عمل دوسرے نیک قول یا فعل یا عمل کو پیدا کرنے والا ہوتا ہے۔ گویا ایک نیکی دوسری نیکی کے لئے بمنزلہ زنجیر کی کڑی کے ہے۔ پس تقویٰ اختیار کروگے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم مسلمان ہی مروگے۔ تقویٰ کی بہت سی راہیں ہیں ایک ان میں سے یہ ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم و ۸؍ جولائی ۱۹۰۹ء)

۱۰۴۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۪ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

اور سب کے سب مل کر اللہ کے دین کو مضبوط پکڑو اور فرقہ فرقہ مت بنو۔

(نور الدین (ایڈیشن سوم) صفحہ ۲۰.ک)

حَبْلِ اللّٰهِ: قرآن شریف اور اسلام۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۷)

وَاعْتَصِمُوْا : اپنے آپ کو دُکھوں سے بچا لو۔ کس ذریعہ سے۔
بِحَبْلِ اللّٰهِ : ایک اللہ کا رَسّہ ہے اس پر دُو قومیں زور لگا رہی ہیں تم سارے مل کر زور لگاؤ تا ذلّت اور شکست کے دُکھوں سے بچ جاؤ۔ ہمارے زمانہ طالب علمی میں یہ رسّے کا کھیل نہیں ہوتا تھا مگر اب تو سکولوں میں یہ کھیل رائج ہے۔ اِس لئے اِس آیت کی سمجھ آسکتی ہے۔
شَفَا : کنارہ
مِنَ النَّارِ : غضب، غیظ، کینہ، ایک دوسرے کی جلن۔
فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْهَا : اِن تمام جہنّموں سے قرآن نے نکالا۔
دیکھو مَیں تمہیں دردِ دل سے کہتا ہوں کہ وحدت بڑی چیز ہے اور ہر قسم کی کامیابیوں کی جڑھ ہے۔ صحابہ کرامؓ نے اس کا مزہ چکھا ہے۔ ان کی قوم ایک کسمپرس حالت میں تھی صرف وحدت کے ذریعے ساری دُنیا میں عظیم الشان اور مظفر و منصور ہو گئی۔
جب تک ہر ایک آدمی اپنے اغراض کو چھوڑ کر دوسرے کی ہمدردی میں فنا نہ ہو جاوے یہ بات حاصل نہیں ہوتی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ عمائدِ مکّہ کو دعوت دی اور کہا کوئی تم میں سے ہے جو ہمارا بوجھ اُٹھا سکے۔ علیؓ اس وقت ایک نوجوان لڑکے تھے۔ آنکھیں بھی اس وقت خراب تھیں۔ بڑی جرأت سے کہا کہ مَیں حاضر ہوں یا رسول اللہ! اُس وقت لوگوں نے ہنسی اُڑائی مگر خدا کے نزدیک یہ قول ایسا قابلِ قدر تھا کہ تیرہ سَو برس گذر گئے اور مولیٰ مرتضیٰ کی اولاد کا بچہ بچہ سیّد (سردار) کہلاتا ہے۔ وہ سچّا خادم بنا تو خدا نے اسے مخدوم بنا دیا۔
اٰیٰتِهٖ : یہ خدا کی خدائی کے نشانات ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم و ۸ر جولائی ۱۹۰۹ء)

مَیں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تفرقہ ڈالنے اور تفرقہ بڑھانے والی باتیں چھوڑ دیں۔ ایسی لغو بحثوں سے جن میں نہ دین کا فائدہ نہ دُنیا کا مُونہہ موڑ لو اور سب مِل کر وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا کہ حبلِ اللہ قرآن مجید کو محکم پکڑ لو۔ دیکھو لڑکوں میں ایک رَسّے کا کھیل ہے۔ اگر ایک طرف کے لوگ اَور باتوں میں لگ جائیں تو وہ رسّے میں کس طرح جیت سکتے۔ اسی طرح اگر تم اَور بحثوں میں لگ جاؤ گے تو قرآن مجید تمہارے ہاتھوں سے جاتا رہے گا۔

(بدر ۲۹ر جون ۱۹۱۱ء صفحہ ۲)

الٰہی رَسّہ (قرآن) کے ساتھ اکٹھے ہو کر اپنا بچاؤ کرو اور الگ الگ نہ ہونا۔ اِس آیتِ کریمہ

میں ایک حکم ہے کہ ایسا کرو اور دوسری نہی ہے کہ ایسا نہ کرو۔ امر و حکم میں ارشاد ہے کہ ایک ہو جاؤ۔ پس شخصی وحدت تو یہ تھی کہ ہر ایک انسان کا دل و زبان اور اس کے تمام اعضاء میں باہم وحدت ہو۔ ایسا نہ ہو کہ دل میں کچھ ہے اور زبان پر کچھ۔ اور آنکھ کچھ اشارہ کرتی ہے اور اعضاء کچھ اَور کہتے ہیں اور قومی وحدت یہ تھی کہ باہم ایسے تنازعے نہ ہوتے۔ امانت جسے رعایا کہتے ہیں کو عام تکلیف نہ پہنچتی بلکہ اس امانتِ الٰہیہ کو ہر طرح آرام و راحت ملتی اور خودغرضی اور لالچ دُنیا جو رَأسُ کُلِّ خَطِیۡئَۃٍ ہے پھُوٹ کا موجب نہ ہوتا۔ (نورالدین (ایڈیشن سوم) صفحہ ۵۹)

اِعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا : سب کے سب مِل کر حبل اللہ کو پکڑ لو۔ مجھے نہایت رنج اور قلق سے کہنا پڑتا ہے کہ اس حکم پر عمل درآمد نہیں کیا جاتا۔ حبل اللہ یعنی قرآن کریم کو پکڑنا چاہیئے تھا مگر اس کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ تمہاری کوئی حرکت اور سکون، کوئی رسم اور پابندی اس رسن سے الگ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کو سپر بنانے کے واسطے اس کی رضامندی کی راہوں کو معلوم کرنا ازبس ضروری تھا اور وہ بیان ہوئی ہیں قرآن کریم میں۔ اِس لئے اس کو مضبوطی سے پکڑنے کا ارشاد ہؤا۔ (الحکم ۱۳؍جنوری ۱۹۰۱ء صفحہ ۶)

ہر مدرسہ میں ایک رَسّہ ہوتا ہے۔ کچھ لڑکے ایک طرف سے پکڑتے ہیں اور کچھ دوسری طرف سے اور آپس میں کھیلتے ہیں۔ کبھی وہ فتح پا لیتے ہیں اور کبھی وہ۔ اور کبھی رسّہ بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ مگر اللہ کریم فرماتا ہے ہم نے بھی ایک رسّہ بھیجا ہے مگر سب مِل کر ایک ہی طرف کھینچو۔ تفرقہ، بُغض اور عداوت کو بالکل چھوڑ دو۔ ایسی کوئی بات تم میں نہ پائی جاتی ہو جس سے تفرقہ پیدا ہو۔ دیکھو تم طالب علموں میں سے کسی کا باپ اعلیٰ عہدہ پر ہے۔ کوئی خوبصورت ہے۔ کسی کے پاس مال و دولت بہت ہے۔ کوئی عقلمندی کا دعویٰ کرنے والا ہے۔ کوئی طاقت والا ہے مگر ان پر ناز مت کرو اور بھُول میں مت پڑو۔ یاد رکھو اللہ ایک دن میں تباہ کر دیا کرتا ہے۔ بڑے بڑے امیروں اور دولتمندوں کے بچوں کو مَیں نے بھیک مانگتے اور بھیک مانگ کر مرتے دیکھا ہے اور بعضوں کو مَیں نے اپنے والدین کو گالی نکالتے دیکھا ہے کہ انھوں نے یہ پُختہ حویلیاں اور دَر و دیوار بنائے ہیں اور ایسے محل بنا کر مَر گئے ہیں کہ ہم آسانی سے بیچ بھی نہیں سکتے۔

(الحکم ۳۱؍اگست ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۲)

فَاَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِکُمۡ : پھر اِس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاذۡکُرُوۡا نِعۡمَۃَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ۔ الآیۃ۔ اس انعامِ الٰہی کو یاد کرو جو تم پر ہؤا ہے۔ تم باہم دشمن تھے تمہارے دلوں

میں ایسی اُلفت ڈالی کہ تم باہم بھائی بھائی ہو گئے۔ رات کو دشمن ہوئے تھے صبح کو اخوان بن کر اُٹھے۔ کیسا فضل ہے۔ یاد رکھو جب کوئی مامور من اللہ آتا ہے اُس وقت ایک نئی برادری پیدا ہوتی ہے، نئی اولاد پیدا ہوتی ہے اور نئے تعلقات پیدا ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس برادری کا نام اخوان رکھتا ہے۔ سارے عرب میں قریش ایک معزز اور برسرآوردہ قوم تھی اور قریش میں بنوہاشم کا خاندان اور بنوہاشم بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گھرانا ممتاز اور معزز تھا۔ پھر دُنیا میں حقارت سے دیکھی ہوئی قوم غلاموں کی ہے مگر دیکھو کہ اسلامی اخوت نے کیا کرشمہ دکھایا کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن زینب کا نکاح زید بن حارثہ سے کر دیا گیا تا دُنیا کو بتایا جاوے کہ اخوت اِس کا نام ہے جو اسلام نے قائم کی ہے۔ بلالؓ کا رشتہ قریش میں کرا دیا گیا۔ حسانؓ کا رشتہ ماریہ کی بہن سے کرا دیا۔ غرض یہ ایک نمونہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھایا جو اللہ تعالیٰ کے انعام میں سے تھا۔ یہ سچی بات ہے کہ جب تک اخوت کا رنگ پیدا نہ ہو سپر بنانے کے ایک حصہ سے محروم رہتا ہے۔ پس یاد رکھو جماعت پر اللہ تعالیٰ کا فضل اُسی وقت ہوتا ہے جب اخوت کا مرتبہ پیدا کریں۔ وہ اپنے چھوٹوں کی جو غرباء ہیں خبر گیری کریں اور کسی کو حقیر نہ سمجھیں۔

(الحکم ۳۱ جنوری ۱۹۰۱ء صفحہ ۷)

سب کے سب حبل اللہ کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ نہ کرو۔ مدرسوں میں رسّہ کشی کا ایک کھیل ہوتا ہے اور تم نے دیکھا ہوگا اس میں دو پارٹیاں ہوتی ہیں ایک ایک طرف اور دوسری دوسری طرف۔ جس طرف کے لڑکے وحدت کے ساتھ مِل کر زور نہ لگائیں وہ جیت نہیں سکتے۔ یہ لڑکوں کی فطرت میں ایک امر رکھ دیا ہے۔ مسلمانوں کو بھی ایک حبل اللہ دیا گیا ہے ان کا فرض ہے کہ وہ سب کے سب مِل کر زور لگا دیں...... یاد رکھو کہ اگر پوری طاقت و ہمت اور یک جہتی سے اِس حبل اللہ کو مضبوط نہ پکڑو گے تو مخالفین اس رَسّہ کو لے جائیں گے (خدا نہ کرے ایسا ہو)۔ اِس رسّہ کو مضبوط پکڑنے سے یہ مطلب ہے کہ قرآن مجید تمہارا دستور العمل ہو۔ تمہاری زندگی اس کی ہدایتوں کے ماتحت ہو۔ تمہارے ہر ایک کام، ہر حرکت، ہر سکون میں جو چیز تم پر حکمران ہو وہ خدا تعالیٰ کی یہ پاک کتاب ہو جو نور اور شفا ہے۔

یاد رکھو دُنیا ایک مدرسہ ہے اِس مدرسہ کی رسّہ کشی میں وہی کامیاب ہوگا جو حبل اللہ کو ہاتھ سے نہ دے گا۔ پس اِس وقت ضرورت ہے کہ تم میں عملی زندگی پیدا ہو تفرقہ نہ ہو۔ مَیں پھر تمہیں اللہ کا حکم سُناتا ہوں وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔ (بدر ۴ جولائی ۱۹۱۲ء صفحہ ۵، ۶)

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

اُمَّةٌ : گروہ

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ : امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو مَیں نے تو آزما لیا۔ اِس سے انسان مظفر و منصور ہو جاتا ہے۔ ایک مظفر و منصور ہونا تو تم نے دیکھ لیا کہ مَیں بھی تمہیں سے ایک تھا اور تمہارا پیر بن گیا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم و ۸ر جولائی ۱۹۰۹ء)

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا : دیکھو تفرقہ بہت بُری چیز ہے اور اس کا انجام دُکھ اور دَرد اور ذِلّت کی زندگی کے سوا کچھ نہیں۔ عیب چینی اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑا کرنا چھوڑ دو۔ اِس قِسم کی نازک خیالی ٹھیک نہیں کہ فلاں کی جیب میں دو پیسے ہیں شاید اس نے تمہیں سے چُرائے ہیں۔ اب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چور بحالتِ ایمان چوری نہیں کرتا اور جو چور ہے اس کا گویا خدا کے رزاق ہونے پر ایمان نہیں اور چوری کو خدا کے وعدہ پر مقدم کرتے ہو۔ اِس لئے کافر ہو۔ دیکھو ایک شخص کہاں سے کہاں جا پہنچا۔ رسولِ کریمؐ نے فرمایا کہ تم اپنے باپوں کو گالیاں نہ دو۔ صحابہؓ نے عرض کیا حضرت کوئی اپنے باپ کو بھی گالی دیتا ہے (اب تو بیٹے باپ کو مارتے بھی ہیں) تو آپؐ نے فرمایا جب تم نے کسی کے باپ کو گالی دی تو گویا اپنے باپ کو دی کیونکہ وہ تمہارے باپ کو گالی دے گا۔

بدی کا بدلہ بدی سے دینا گویا ایک اَور بدی کرنا ہے۔ صبر بڑے بڑے پھل رکھتا ہے۔ ہم یہاں سب کیوں آئے۔ ہر ایک شخص اپنی اپنی نسبت جانتا ہے۔ مَیں تو یہاں دین سیکھنے کے لئے آیا تھا۔ ایک دفعہ مرزا صاحب کے مُنہ سے اتنا نکلا تھا کہ تم اپنے وطن کا خیال تک بھی نہ لاؤ۔ سو اسکے بعد مَیں نے وطن کی کبھی خواہش نہیں کی۔ یہاں مَیں نے مالی جانی نقصانات اُٹھائے مگر صبر کیا۔ پھر مَیں دیکھتا ہوں کہ اس صبر کا اجر مجھے مِل گیا کہ مَیں مظفر و منصور ہو گیا: کوئی وظیفہ کوئی عمل تم سے الگ مجھے نہیں آتا پھر بھی مَیں نے وہ بات حاصل کی جو میرے ایسے انسان کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتی۔ انسان کی رُوح میں ایک تڑپ معیت کی بھی ہے۔ اللہ وعدہ کرتا ہے کہ مَیں صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوں۔ ایک معمولی انسان کا ساتھ کتنی بڑی بات ہے پس جس کے ساتھ خدا ہو اسے اَور کیا چاہیئے۔

غرض تفرقہ پَیدا ہوتا ہے ایک دوسرے کی بات نہ سُننے سے جس کی تم لوگوں کو عادت ڈالنی چاہیئے۔ میرے سامنے یہ سوال پیش کیا گیا ہے کہ مسلمان کیوں ترقی نہیں کرتے؟ یہ مسلمان کب بنیں گے؟ مَیں نے اِس سوال پر بہت غور کیا ہے۔ دوسری قوموں کے پاس تو تعلیم کوئی تھی نہیں مگر ضرورت محسوس کرکے انہوں نے وحدت قائم کرلی اور اس کا پھل کھایا۔ ہندو ہیں بس ان میں دولت رام نام چاہیئے۔ پھر وہ کہہ دیں گے کہ یہ ہماری قوم کا ہے۔ پھر نصاریٰ ہیں انہوں نے قومی وحدت کا مسئلہ اختیار کرلیا ہے۔ دوسرا اصل ان قوموں نے یہ سمجھ لیا کہ محنت کے بغیر کچھ نہیں ہوتا پس انہوں نے محنت اختیار کرلی۔

مسلمان ہیں ان کو خود مذہب نے سکھایا کہ تم وحدت پیدا کرو اور محنت کرو مگر انہوں نے اس کی کچھ پرواہ نہ کی۔

دوسری قوموں کا یہ حال کہ انہوں نے عبادت کو تو ایک خاص شخص کے گلے پر مَنڈ دیا ہے۔ چنانچہ مَیں جن راجوں کے ہاں ہوتا تھا ان میں ایک مدبّر کو دیکھتا کہ وہ بڑی محنت سے کام کرتا جب نوکر آکر عرض کرتا کہ مہاراج پُوجا کا وقت ہے تو وہ کہہ دیتا کسی برہمن کو چند پیسے دے کر پُوجا کرالو۔ اِسی طرح عیسائی ہیں انہوں نے اَلا بَلاء یسوع کے سر پر ڈال دی جوان کے لئے کفارہ ہوگیا۔ اب دُنیا رہ گئی سو اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے اور اس میں کامیاب ہوئے۔ مسلمانوں نے نہ تو دین کو سنبھالا نہ دُنیا کو۔ دین کا حال تو یہ ہے کہ سرحدی مولوی ہیں انہوں نے فتویٰ دے دیا کہ انگریزی علاقہ سے کوئی دس بھیڑیں لائیے ایک ہمیں دے دے باقی حلال۔ اور دُنیا کا یہ کہ بس ساری دُنیا میں نکمے ہیں تو

مسلمان۔ ترقی کریں تو کیونکر کریں۔ وحدت پیدا کرو تا کامیاب بنو۔ ایک دن آتا ہے کہ کچھ لوگ بے عیب تجویز کئے جاویں گے وہ مسلمان ہوں گے۔ وہ خدا کی رحمت میں ہوں گے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم و ۸ ۔جولائی ۱۹۰۹ء)

۱۱۱۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۗ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ: ہو تم عمدہ و اعلیٰ جماعت۔ خَیر تفضیل کا صیغہ ہے زیادت کے معنوں میں آتا ہے۔

اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ: لوگوں کی بھلائی کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔ ہر ایک شخص کو چاہیئے کہ وہ اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور دیکھے کہ میں نے آٹھ پہر میں لوگوں کی بھلائی کے لئے کیا کام کیا۔ اُمّتِ محمدیہ کا منشاء ہی یہی ہے کہ لوگوں کی بھلائی کے لئے جان تک لڑا دی جائے۔ سرہندی بزرگ نے لکھا ہے کہ میں جب رات کو سونے لگتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ اپنے فرضِ منصبی کو کہاں تک ادا کیا ہے۔ گویا حَاسِبُوْا قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا۔ وَ وَازِنُوْا قَبْلَ اَنْ تُوَازَنُوْا پر عمل فرماتے تھے۔

اب اس بھلائی کی تصریح فرماتا ہے۔

تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ: پسندیدہ باتیں جنہیں قرآن، عقل اور ایک شریف سلیم الفطرت پسند کرتا ہے وہ کرے اور جو اس کے خلاف ہو اس سے روکے۔

وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ: پھر خود بھی ان بھلائیوں پر عمل کرنے والے بنو اور تمام اخلاقِ فاضلہ کا سرچشمہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات پر پورا پورا ایمان ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم و ۸ ۔جولائی ۱۹۰۹ء)

تم برگزیدہ خیر رساں قوم ہو تمہیں سارے جہان کے لئے نمونہ کے طور پر پیدا کیا گیا ہے۔ تم

نیک باتوں کا امر کرتے اور بُری باتوں سے منع کرتے اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

(نور الدین (ایڈیشن سوم) صفحہ ۱۷)

وہ لوگ جو دین کے لئے وعظ کرتے ہیں ان کی بھی دو ہی حالتیں ہوتی ہیں ایک وہ جو محض اس لئے کھڑے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کریں اور امر بالمعروف کا جو فرض ان کو ملا ہے اس کو ادا کریں۔ بنی نوع انسان کی بھلائی کا جو حکم ہے اس کی تعمیل کریں اور اپنے آپ کو خیرِ اُمت میں داخل ہونے کی فکر ہوتی ہے جس کا ذکر یُوں کیا گیا ہے کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (الآیہ) تم بہترین اُمت ہو جو لوگوں کے لئے مبعوث ہوئے ہو امر بالمعروف کرتے رہو اور نہی عن المنکر۔

..... مَیں دُنیا پرست واعظوں کا دشمن ہوں کیونکہ ان کی اغراض محدود، ان کے حوصلے چھوٹے، خیالات پست ہوتے ہیں۔ جس واعظ کی اغراض دینی ہوں وہ ایک ایسی زبردست اور مضبوط چٹان پر کھڑا ہوتا ہے کہ دُنیوی وعظ سب اس کے اندر آجاتے ہیں کیونکہ وہ ایک امر بالمعروف کرتا ہے۔ ہر بھلی بات کا حکم دینے والا ہوتا ہے اور ہر بُری بات سے روکنے والا ہوتا ہے۔

(الحکم ۱۷، ۱۰ مارچ ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۴، ۱۵)

۱۱۲۔ لَنْ یَّضُرُّوْكُمْ اِلَّاۤ اَذًى ؕ وَاِنْ یُّقَاتِلُوْكُمْ یُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا یُنْصَرُوْنَ۝۱۱۲

اَذًى: محض زبانی بکواس کریں۔ اس کے سوا اَور کیا بگاڑ سکتے ہیں۔

ثُمَّ لَا یُنْصَرُوْنَ: مَیں تو اس کے یہی معنے کرتا ہوں۔ پھر کبھی بھی ان کو نصرت نہ دی جاوے گی۔ تیرہ سَو برس سے یہود کا یہ حال دُنیا دیکھ رہی ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم و ۸۔ جولائی ۱۹۰۹ء)

لَنْ یَّضُرُّوْكُمْ اِلَّاۤ اَذًى: یہ تکلیف ایک معمولی سی ہوگی کوئی بڑی بھاری تکلیف نہ ہوگی۔ دیکھو خدا نے ہم کو بڑی مصیبت سے بچالیا کہ تفرقہ سے بچالیا۔ اگر تم میں تفرقہ ہوجاتا اور موجودہ رنگ میں تم وحدت کی رسّی میں پروئے نہ جاتے اور تم تتر بتر ہوجاتے تو واقعی بڑی بھاری مصیبت تھی اور خطرناک اِبتلاء۔ مگر یہ خدا کا خاص فضل ہے اگر کچھ تھوڑی سی تکلیف ہم کو ہوگی بھی تو یہیں ہوگی اس کا مابعد الموت

سے کوئی واسطہ یا تعلق نہیں بلکہ مابعد الموت کو باعثِ اَجر اور رحمتِ الٰہی ہوگی۔
(الحکم ۱۴ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۸)

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوٓا إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُو بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ الْأَنبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿۱۱۳﴾

إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ : ہاں مسلمانوں کے معاہدہ کے نیچے یا دوسرے لوگوں کے معاہدہ و تعلقات کے اندر اس سے کچھ محفوظ رہ سکتے ہیں۔

تقدیر عبارت یوں ہے أَيْنَ مَا ثُقِفُوٓا مَا عُصِمُوا مِنَ الذِّلَّةِ إِلَّا عُصِمُوا بِحَبْلٍ مِّنَ اللَّهِ۔ یہ عُصِمُوا میں نے دو آیات سے نکالا ہے وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ (آل عمران: ۱۰۴) اور وَمَن يَعْتَصِم بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (آل عمران: ۱۰۲) مطلب یہ ہے کہ جہاں پائے گئے ذِلّت سے نہیں بچیں گے مگر مسلمانوں کے عہدنامہ میں اِس بڑی ذِلّت سے کچھ نہ کچھ بچ سکتے ہیں۔ ایک اَور معنے ہیں وہ یہ کہ یہودی ہمیشہ ذِلّت میں رہیں گے ہاں اگر اللہ کی رسّی کے نیچے آجاویں یعنی مسلمان ہوجاویں یا کوئی اَور مذہب اختیار کرلیں تو پھر بچ سکیں گے۔ یہودی یہودی رہ کر کبھی فلاح نہیں پاسکتے۔ اِلَّا کو عاطفہ بھی بنایا ہے یعنی وَلَا مطلب یہ ہے کہ وہ ذِلّت سے نہ بچیں گے خود مسلمانوں سے عہدنامہ کریں یا کسی دوسرے مذہب سے۔

الْمَسْكَنَةُ : یعنی سلطنت کے لئے ہاتھ پاؤں نہیں مار سکیں گے۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم و ۸ جولائی ۱۹۰۹ء)

لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۶﴾

مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ : ہر مذہب میں دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ جو شریر ہوتے ہیں۔ وہ غیر مذہب کی مخالفت محض از راہِ شرارت کرتے ہیں ان میں طلب حق ہرگز نہیں ہوتی۔ دوسرے وہ جو شرارتوں میں شریک نہیں ہوتے۔ وہ نیکی میں بقدر اپنی طاقت کے بڑھتے رہتے ہیں۔ اللہ پر، قیامت پر ایمان لاتے ہیں۔ اپنی عقل و فہم کے مطابق پسندیدہ کام کرتے اور بُرے کاموں سے رُکے رہتے ہیں اور کسی نبی وغیرہ کی ہتک نہیں کرتے۔ اِس قسم کے لوگوں کو خدا نے امید وار ٹھہرایا ہے کہ مَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ جو کچھ بھی وہ بھلائی کریں اس کی ناقدری نہیں ہوگی۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ : کیونکہ اللہ کو متقین کا علم ہے پس ان کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے ہمیں رائے زنی کا کوئی حق نہیں (ان نیکیوں کی قدردانی بھی یہ ہے کہ اسلام قبول کرنے کیلئے

شرح صدر ہو جاوے) باقی رہے جو کھلم کھلا انکار کرتے اور شرارت و ایذا رسانی سے پیش آتے ہیں وہ تو کچھ خرچ بھی کریں تو اکارت جاتا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم و ۸ جولائی ۱۹۰۹ء)

۱۱۹۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ښ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُھُمْ اَكْبَرُ ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۱۱۹

بِطَانَةً: اندرونی دوست نہ بناؤ۔ اس کی تصریح سورہ ممتحنہ میں خوب فرمائی ہے۔ اب اس سے آگے اُن کے طرزِ عمل سے اطلاع دی ہے تا محفوظ رہ سکو۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم و ۸ جولائی ۱۹۰۹ء)

۱۲۲۔ وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَھْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۱۲۲

مکّہ کے لوگوں میں خود پسندی اور خودی بہت تھی۔ اس کی جڑ آسودگی ہے کیونکہ تمام جہان کی پُوجا کا مال ان کے پاس آتا تھا۔ پھر مکّہ ایک بڑا معبد تھا تمام عرب والے اس کی پُوجا کرتے تھے اِس لئے یہ لوگ اپنے تئیں مُہنت سمجھتے تھے۔ تیسری وجہ ان کی خود پسندی کی رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ (سفر لیش: ۳) تھی یعنی وہ تجارت کے لئے موسم گرما میں عراق، شام و مصر وغیرہ کی طرف جاتے تھے اور سرما میں ہندوستان، چاپنا کی طرف۔ جتنی تجارت پیشہ قومیں ہیں وہ ایک وقت آسودگی کی وجہ سے خودی اور خود پسندی میں مُبتلا ہو جاتی ہیں۔

خودی اور خود پسندی والے ہر بات پر ناک چڑھانے کے عادی ہو جاتے ہیں اور وہ ہمیشہ دوسروں کی نسبت یہی کہتے ہیں ہم اسے کیا سمجھتے ہیں۔ پس جب کوئی دوسرے کی بات سُننے نہیں تو حق کِس طرح پا سکتا ہے۔ ان کی اس خودی اور خود پسندی کی اصل جڑ تو اُن کے بُت تھے جیسے ہندوستان میں مہاں دیو ہے۔ ایسے ہی وہاں ہُبَل تھا۔ جیسے یہاں دیویاں ہوتی ہیں وہاں نائلہ تھی۔ ہر بُت کے پجاری لاکھوں روپے کماتے تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ ایک نوجوان ہمارے خاندان کا ہمارے تمام کارخانہ مکرمت پر پانی پھیرنا چاہتا ہے تو وہ آگ بگولا ہو گئے اور ادھر انہی کی قوم کے لوگ ورقہ بن نوفل، علیؓ، صدیقؓ، زیدؓ بن حارثہ وغیرہ مسلمان ہو گئے تو یہ اَور بھی گھبرائے اور مقابلہ کی ٹھانی اور حتی الوسع انہوں نے کوشش کی کہ کسی طرح اِسلام کا استیصال کیا جائے۔ نبی کریمؐ کو تیرہ برس اِس گھمسان میں گذرے۔ دیکھو کِس قدر بڑی ہمت، کیسی بلند پروازی، کتنا محکم ارادہ ہے اور کیسا استقلال تھا۔ پھر صحابہؓ میں جن کی قومیت اور عصبیت نہ تھی وہ بھاگ اُٹھے۔ فرمایا حبشہ میں چلے جاؤ۔ وہاں وہ لوگ جا کر رہے۔ پہلے رنگ میں تو بتایا کہ شریر سے شریر حکومت کے نیچے کِس طرح مسلمانوں کو رہنا چاہیئے۔ دوسری میں یہ بتایا کہ نیک دل عیسائی گورنمنٹ کے تحت میں کیونکر زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ گویا آپ کو یقین تھا کہ ایک وقت مسلمانوں پر آنے والا ہے کہ وہ غیر قوموں پر حاکم ہوں گے اور پھر ایک وقت وہ بھی آتا ہے کہ وہ محکوم ہوں گے۔ یہ تو مکّہ کے حالات تھے۔ اب جب آپؐ مدینہ میں آئے تو یہاں کے رسم و رواج سے آپؐ کو آگاہی نہ تھی۔ ان کی جماعتوں میں کوئی منصوبہ کرتا تو کوئی خبر تک دینے والا نہ تھا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم و ۸ جولائی ۱۹۰۹ء)

منافقوں کے علاوہ ایک طرف یہود تھے۔ بنوقینقاع، بنونضیر، بنوقریظہ۔ دوسری طرف پادری جن کا لارڈ بشپ ابوعامر ہرقل سے تعلقات رکھتا تھا۔ اِس طرح پر اِس سلطنت کا خدشہ تھا۔ پھر مدینہ کے مُشرک اوس و خزرج تھے۔ پھر یہاں تک ہی بس نہ تھی بلکہ مکّہ والے تجارت کے بہانے سے اِدھر اُدھر گھومتے اور ریشہ دوانیاں کرتے پھرتے تھے اور قوموں کو اُکساتے پھرتے۔ پھر ایران کے بادشاہوں سے ان کی سازباز تھی۔ ان کو حضرت نبی کریمؐ کی جماعت پر برانگیختہ کرتے رہتے۔ چونکہ دشمنوں کا یہاں تک زور تھا اِسی واسطے بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ (المآئدۃ: ۶۸) وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ (المآئدۃ: ۶۸) کا وعدہ ہُوا۔ ایسے مشکلات میں اللہ تعالیٰ تیرا محافظ ہے۔

بہر حال ان حالات میں شریر دشمن نے مدینہ پر حملہ کرنا چاہا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

مَیں نے رؤیا دیکھی ہے اس سے خدشہ معلوم ہوتا ہے۔ پس باہر نکل کر نہیں لڑنا چاہیئے مگر بعض تیز طبیعت صحابہؓ نے عرض کیا نہیں حضور باہر ہی چلنا چاہیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہؓ کا جوش دیکھا تو فرمایا اچھا۔ آپ نے دو زرہیں پہن لیں۔ صحابہؓ یہ دیکھ کر ڈرے اور سمجھ لیا کہ امر بہت خطرناک معلوم ہوتا ہے۔ پھر عرض کیا کہ حضورؐ اندر ہی لڑیں گے۔ آپؐ نے فرمایا نبی جب کسی چیز کی تیاری کر لیتا ہے تو رُک نہیں سکتا۔ اب یہ اس موقع کا ذکر ہے۔

تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ : تو بٹھاتا تھا مومنوں کو جگہ بہ جگہ جہاں انہیں کھڑے ہو کر لڑنا چاہیئے۔ اِس سے ایک سبق تمہارے لئے نکلتا ہے کہ دشمن کا مقابلہ، مناظرہ، مباحثہ بے شک کرو مگر اپنے امام کی منشاء کے ماتحت۔ کیونکہ یہ ترتیب جس کا انجام فتح و ظفر ہو اللہ کے بندے ہی جانتے ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵ جولائی ۱۹۰۹ء)

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (۱۲۳)

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ : یہ گروہ بنو سلمہ اور بنو حارثہ تھے۔ خدا نے پردہ پوشی کی۔ انہوں نے خود ہی اپنے نام بتائے۔ کسی نے کہا تَفْشَلَا کے الزام کے نیچے آنا کیوں ظاہر کرتے ہو؟ کہنے لگے وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا کی خوشخبری خموش نہیں رہنے دیتی۔

مومن انسان کبھی کبھی کمزور ہو جاتا ہے۔ یہ جنگ کا موقع۔ پھر شہوت کا مقابلہ، غیظ و غضب کا مقابلہ، بزدلی کا مقابلہ۔ یہ ایسی باتیں ہیں کہ بڑے ابتلاء کا مقام ہیں۔

اب نظیر دیتا ہے کہ بدر میں جب تم تھوڑے اور بے مقدور تھے عمائدِ مکہ پر فتحیاب ہو چکے۔ پس تم اللہ کو اپنا سپر بناؤ وہ تمہیں ہلاکت سے محفوظ رکھے گا۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان یکم و ۸ جولائی ۱۹۰۹ء)

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ

اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۵﴾

بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾

ثَلٰثَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ: ہندوستان میں سرسید صاحب نے کسی قدر احتیاط سے ملائکہ کا عقائد میں ذکر نہیں کیا اور مصر میں مفتی عبدہٗ نے جنہوں نے مسلمانوں کی بدقسمتی سے ملائکہ کا انکار کیا۔ یہ اندرونی نادان دوست ہیں حالانکہ ملائکہ کا اعتقاد تمام انبیاء کی تعلیم کا جزء ہے اور نبوت کی سیڑھیوں میں پہلی سیڑھی تو یہی ملائکہ پر ایمان ہے میں اس کے متعلق پہلے تفصیل سے سُنا چکا ہوں۔

مُسَوِّمِيْنَ: ان کو نشان لگا ہؤا ہے۔

بِخَمْسَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ: جوں جوں انسان کا قُربِ اللہ سے بڑھتا ہے توں توں ملائکہ سے زیادہ تعلق پیدا ہوتا ہے اِس لئے صبر و تقویٰ سے کام لینے پر بجائے تین ہزار کے پانچ ہزار فرمایا۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵ر جولائی ۱۹۰۹ء)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۲﴾

تھوڑی سی بات پر بڑی باتوں کا اِمتحان کیا جاتا ہے۔ اس زمانہ میں تو یہ مسئلہ صاف ہے کیونکہ ہر امر کے لئے امتحان لیا جاتا ہے۔ امتحان کے معنے ہیں کسی کی محنت کو جانچ لینا اور اس کا بدلہ دینا۔ ایک جگہ فرمایا ہے اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى (الحجرات : ۴) پھر ایک امتحان کا ذکر بقرہ میں کیا ہے اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ (البقرة : ۲۵۰)۔

اب ایسا ہی جہاد کے لئے ایک امتحان ہے کہ سُود لینا چھوڑ دو کیونکہ بیاج خود مال میں وسعتِ حوصلہ سے کام نہیں لے سکتا اور جو مال خدا کی راہ میں نہیں چھوڑ سکتا وہ جان کیونکر دے گا پس یہاں فرمایا کہ اوّل تو تم سُود کو چھوڑ دو۔

رِبٰو کے لفظ پر بعض لوگوں نے بحث کی ہے۔ کہتے ہیں کہ ربٰو کے معنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان نہیں کئے۔ ان نادانوں سے کوئی پوچھے کہ کیا قرآن کے لفظ لفظ کے معنے حدیثوں میں آئے ہیں؟ جب خدا تعالیٰ ایک چیز کو حرام فرماتا ہے اور اس کی خلاف ورزی کو خدا سے جنگ قرار دیتا ہے تو کیا وہ ایسا لفظ تھا جس کے معنے لُغتِ عرب سے واضح نہ ہوتے ہوں۔ نقدی کے اُوپر میعادِ معیّنہ کے لحاظ سے زیادہ لینا سُود کہلاتا ہے۔ ہاں بعض باریک باتیں بھی ہیں جو عام فہم نہیں ہیں مگر تاہم کوئی ایسی مشکل بات نہیں۔ بعض نابکار لوگ کہتے ہیں کہ سُود کے بغیر کام نہیں چل سکتا حالانکہ بارہ سَو برس (بارہ سَو برس مَیں نے اِس لئے کہا کہ تیرھویں صدی میں مسلمانوں نے سُود لینا شروع کر دیا) کا تجربہ بتاتا ہے کہ بغیر سُود کے سب کام چل سکتے ہیں۔ مَیں اِس بات کا گواہ موجود ہوں کہ بغیر رِبٰو کے لینے اور دینے کے انسان تمام کام کر سکتا ہے۔

مَیں نے بھی ملازمت کی۔ کاشت کاری بھی کی۔ تجارت بھی کی۔ لاکھ لاکھ روپے کی تجارت کی مگر مجھے کبھی سُود کی ضرورت نہیں پڑی۔ ایسے ایسے وقت بھی مجھ پہ گذرے ہیں کہ رات کو کھانے کے لئے سامان نہیں مگر پھر بھی میرے مولیٰ نے میری دستگیری کی۔

اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً : اس کے ترجمے کے لئے مَیں نے بہت غور کیا "بڑھ بڑھ کر" سے زیادہ کوئی لفظ اِس مفہوم کو ادا کرنے والا نہیں۔ یہ معنے کرنے کہ ایک کے سات سَو پھر سات سَو کا دُگنا چودہ سَو ایک روپیہ پر بیاج لینا منع ہے بہت ہی حماقت ہے۔

ایک سُود کی وہ قسم بھی ہے جو لینا پڑتا ہے۔ مثلاً ملازموں کی تنخواہ سے کچھ حصّہ کاٹا جاتا ہے بینک کا سُود ہے اسے میرے خیال میں مالِ غنیمت سمجھنا چاہیئے اور اسے کسی نیک کام میں لگا دینا چاہیئے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵۔جولائی ۱۹۰۹ء)

اُعِدَّتْ : امام ابوحنیفہؒ ایک عظیم الشان امام گزرے ہیں وہ فرماتے ہیں اَخْوَفُ اٰیَۃً عِنْدِیْ فِی الْقُرْاٰنِ اِس لئے کہ جہنم تو بے ایمانوں کے لئے ہے پس یہ مومنوں کا گھر کیوں ہو؟
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵؍ جولائی ۱۹۰۹ء)

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۴﴾

سَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ : اللہ کی، رسول کی اطاعت کرو۔ اگر کوئی لفظی غلطی ہو جاوے تو بخشش مانگو۔
(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵؍ جولائی ۱۹۰۹ء)

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِى السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ۚ

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ : ایک تو یہ بات ہے کہ غیظ و غضب پی جائے۔ پھر اس سے بڑھ کر ایک اور درجہ ہے کہ نہ صرف اپنے جذبات کو روک لے بلکہ معاف بھی کر دے۔ حضرت عائشہؓ کے معاملہ میں حضرت ابوبکرؓ اپنے ایک بھائی پر ناراض ہو گئے اور اس کا وظیفہ بند کر دیا۔ خدا نے فرمایا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؟ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵؍ جولائی ۱۹۰۹ء)

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۪

وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪ۙ وَلَمْ يُصِرُّوْا

عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

فَاحِشَةً : ایسی بدی جسے کُھلم کُھلا لوگ بُرا سمجھیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵ جولائی ۱۹۰۹ء)

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

وَلَا تَهِنُوْا : نفس کے مقابلہ میں اور دشمن کے مقابلہ میں سُستی اختیار نہیں کرنی چاہیئے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵ جولائی ۱۹۰۹ء)

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ

قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى

اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ

يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

اور محمدؐ تو ایک رسول ہے۔ پہلے اس سے بہت رسول ہو چکے۔ پھر کیا اگر وہ مر جاوے یا قتل کیا جاوے تو تم پھر جاؤ گے اُلٹے پاؤں پر اور جو کوئی پھر جاوے گا اُلٹے پاؤں وہ نہ بگاڑ سکے گا اللہ کا کچھ اور نزدیک ہے کہ اللہ ثواب دے گا شکر کرنے والوں کو۔

(فصل الخطاب حصہ اوّل صفحہ ۲۵)

جنگِ اُحد میں نبی کریمؐ ایک گھمسان میں تھے۔ کسی نے یہ غلط خبر اُڑا دی کہ نبی کریمؐ قتل

ہو گئے۔ اتنے بڑے عظیم الشان شخص کے قتل کی خبر عین معرکۂ جنگ میں ہوش اُڑا دینے والی ہونی ہی تھی۔ بعض تو حیران رہ گئے۔ بعض جان توڑ کر لڑے۔ بعض نے ہمت ہار دی۔ اللہ جل شانہٗ ان کو فرماتا ہے آخر محمد رسول اللہ رسول ہی ہیں۔ اگلے رسول بھی مر چکے۔ گویہ مسلّمہ بات ہے کہ نبی گھمسان میں نہیں مارا جاتا مگر فرض کر لو کہ وہ فوت ہو گئے یا مارے گئے تو کیا وہ دین جو تم نے قبول کیا وہ چھوڑ دو گے اور پھر اس بُت پرستی کی طرف لوٹ جاؤ گے ؟

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵ر جولائی ۱۹۰۹ء)

مسیح کی وفات ..... کوئی نیا مسئلہ نہیں۔ جتنے رسول آئے سب ہی فوت ہوئے۔ کسی نے اپنے سے پہلے نبی کی حیات کا دعویٰ نہیں کیا۔ نبی کریمؐ کی وفات پر یہ مسئلہ پیش آیا تو وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ سے ابوبکرؓ کی مشکل آسان ہو گئی۔ باوجود اس صاف اور سیدھی تعلیم کے پھر بھی کوئی نہ مانے اور کہے کہ ہم نے جو کچھ سمجھنا تھا سمجھ لیا تو یہ لعنت کا نشان ہے۔ (بدر ۲۸ر جنوری ۱۹۰۹ء صفحہ ۸)

(۱۴۷) وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَاۤ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

كَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ : یعنی کس قدر نبی ہیں۔ بہت ہیں۔

وَمَا اسْتَكَانُوْا : اِسْتَكَانَ میں بحث ہے بعض اسے کون سے کہتے ہیں۔ میرا بھی یہی اعتقاد ہے۔ بعض سکون سے مگر ہر صورت میں اِسْتَكَنَ بنے گا۔ تو مطلب یہ ہوا کہ وہ ایک حالت سے دوسری حالت میں نہیں ہوتے۔

رِبِّيٌّ : امام، نیک لوگ، جماعت۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵ر جولائی ۱۹۰۹ء)

(۱۵۰) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ

كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا

خٰسِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۱﴾

اِنسان میں دو طرح کی طاقتیں ہیں۔ ایک وہ جو اس کے دخل و تصرف کے نیچے ہیں۔ ایک وہ جن پر اس کا کچھ تصرف نہیں نیکی کی راہ اِنسان دُکھ مصیبت کسی بزرگ کے کلمہ یا الہام سے سمجھ لیتا ہے۔ نیکی سے روکنے کے اسباب بھی ہیں جن میں نفس، شیطان، معاندانِ حق شامل ہیں۔

اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا : تمام وہ لوگ جنہوں نے کُفر کیا نفس سے لے کر خدا کے کھلے منکروں تک۔ اگر ان کا کہا مانو گے یا ان کی ترغیب کے آگے دَب جاؤ گے تو چونکہ انسان ایک حد تک ٹھہرتا نہیں اِس لئے نتیجہ کیا ہوگا یہی کہ ایمان سے تم بُعد میں پڑ جاؤ گے۔

بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ : اگر مولیٰ سے تعلق رکھو گے تو وہ دشمنوں کے مقابلہ میں تمہیں نصرت بخشے گا۔ چاہیئے کیا؟ یہ کہ کفّار کے سامنے ایسے ہو کہ تمہارا رُعب ان پر پڑ جائے اور جیسے جونک پتھر پر کچھ اثر نہیں کر سکتی اسی طرح کفار کا تم پر کوئی اثر نہ پڑے۔ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (الفتح: ۳۰) کی یہی تفسیر ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵؍ جولائی ۱۹۰۹ء)

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ ﴿۱۵۳﴾

بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ

وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ

مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ

ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ

عَفَا عَنْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾

اِذَا فَشِلْتُمْ : اُحد کی پہاڑی میں جہاں جنگ تھی۔ اُحد کے مشرق کی طرف کفار تھے۔ ایک درّہ تھا پہاڑی پر۔ آپ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) نے پچاس آدمی مقرر کئے کہ فتح ہو یا شکست تم لوگوں نے یہاں سے بغیر میرے حکم کے نہیں ٹلنا۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی یہ سمجھے کہ اب کیا ضرورت ہے وہاں سے ٹل آئے۔

فَشِلْتُمْ : پھسل گئے۔

تَنَازَعْتُمْ : افسر نے کہا کہ ٹھہرو۔ دوسروں نے کہا اب کیا ضرورت ہے۔ بس یہ جھگڑا تھا۔

وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ : قریب تھا کہ خمیازہ اُٹھاتے مگر ہم نے درگذر کی۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵ رجولائی ۱۹۰۹ء)

۱۵۴۔ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِىْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّاۢ بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۚ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

غَمًّاۢ بِغَمٍّ : بڑا غم۔ دوم یہ کہ ایک غم کے بدلے جو تمہاری نافرمانی نے رسول کو پہنچایا۔ تم کو بھی پھر غم ہوا۔ تکلیف اُٹھائی۔ شکست کھائی۔

لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا : یہ سب کچھ یہیں بھگت گیا۔ اتنے میں ہی خیر گذری تاکہ تم غم نہ کرو۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵ رجولائی ۱۹۰۹ء)

۱۵۵۔ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً

نُعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ
اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ
ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۗ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ
مِنْ شَيْءٍ ۗ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۗ يُخْفُوْنَ فِيْٓ
اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ۗ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ
لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۗ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ
فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ
الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ
صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۗ وَاللّٰهُ
عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿١٥٥﴾

لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ : اگر ہوتا ہمیں حکومت سے کچھ حصہ۔

مَا قُتِلْنَا هٰهُنَا : یہ قُتِلْنَا قابلِ غور ہے۔ جو قتل ہو چکے ہیں وہ تو بول نہیں سکتے۔ یہ وہی بات ہے جو میں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ ضمیریں متکلم کی ہوں یا غائب کی یا مخاطب کی۔ اپنے مثل کے معنے بھی رکھتی ہیں جیسے اِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ (البقرۃ: ٦٢) میں مخاطب وہ نہیں جنہوں نے کہا کہ موسیٰؑ ہم ایک کھانے پر صبر نہیں کرسکتے۔

وَلِيَبْتَلِيَ : تا ظاہر کرے۔ قرآن میں ایک جگہ ایسا محاورہ ہے جہاں فرمایا یَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ (الطارق : ۱۰)
يُمَحِّصَ : خالص کر کے دکھا دے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵؍جولائی ۱۹۰۹ء)

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۗ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ (۱۵۶)

بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا : یہ عجیب مسئلہ ہے کہ نیکی کی توفیق نہیں ملتی۔ نماز میں لذت نہیں آتی۔ مصیبت پر مصیبت پڑتی رہتی ہے۔
انسان پہلے خود ایک بدی کرتا ہے پھر اس بدی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شیطان اس شخص کے ساتھ دوستی پیدا کرتا ہے۔ بس یہ تعلق شیطان بَعْضِ مَا كَسَبُوْا کا اثر ہے۔ قرآن نے اس مسئلہ کو کئی رنگوں میں بیان کیا ہے۔ شیطان کسی کے پھسلانے کی اس وقت کوشش کرتا ہے جب وہ پہلے کسی بدی کا ارتکاب کرے چنانچہ فرمایا فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (الصّف : ۶) دوسری آیت وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ (التّوبۃ : ۱۲۵) ہم نے بعض شخصوں کو دیکھا ہے کہ ایک وقت تھوڑے سے گناہ کا کام بھی کئی پردوں میں چھپ کر کیا ہے پھر یہاں تک بڑھے ہیں کہ عین سر بازار رنڈیوں کے ساتھ شطرنج کھیلتے دکھائی دیتے ہیں یا ٹمٹم پر سوار ایک شخص اس ابتلاء میں پڑ گیا۔ اس کی ہدایت کا موجب یہ آیت ہوئی اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ (الحدید : ۱۷) برق کی طرح اس کے دل میں اثر کر گئی اور سب منہیات کو چھوڑ دیا۔ انسان جب بدی کرتا ہے اور اس سے باز نہیں آتا تو پھر وہ بدی اس کی نظر میں بدی ہی نہیں رہتی۔ ایک شخص قرآن شریف میں كُوْنُوْا

مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (التوبۃ:۱۱۹) پڑھ رہا تھا کہ اُوپر سے اس کا ایک دوست آیا اور کہا کہ فلاں نے مقدمہ دائر کر دیا۔ اس نے جواب دیا کہ تم بھی ایک دعویٰ دائر کر دو ہم گواہوں کا انتظام خود کر لیں گے یعنی جھوٹے گواہ مہیا کر لیں گے۔ مَیں نے دیکھا ہے کئی آدمی بے وجہ جھوٹ بولتے ہیں۔ اس جھوٹ بولنے سے نہ ان کی عزّت کو کچھ فائدہ پہنچتا ہے نہ مال میں زیادتی ہوتی ہے۔ ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے ع

صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۲۵؍ جولائی ۱۹۰۹ء)

۱۵۷۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِی الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَ مَا قُتِلُوْا ۚ لِیَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۵۷﴾

مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا: یہ کہنا حقیقت میں بڑی بھاری غلطی ہے کہ فلاں جگہ نہ جاتے تو یوں نہ ہوتا۔

لِیَجْعَلَ اللّٰهُ: اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ بنا دے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵؍ جولائی ۱۹۰۹ء)

۱۶۰۔ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۪ فَاعْفُ

عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۶۰﴾

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ : اور معاملات میں ان سے مشورہ کر۔

(نورالدین (ایڈیشن سوم) صفحہ ۲۰۔ک)

بڑے بڑے ذی وجاہت اور فہیم لوگوں سے بھی کوئی غلطی ہوجاتی ہے تو ان سے درشتی نہیں چاہیئے بلکہ بدستور انہیں مشورہ میں شامل رکھنا چاہیئے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵۔جولائی ۱۹۰۹ء)

۱۶۱

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۱﴾

اِنْ يَّخْذُلْكُمْ : اگر وہ تمہیں چھوڑ دے گا۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۷)

۱۶۲

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۚ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ : یہ جو تم نے پہاڑی کو چھوڑا تو کیا تم کو نبی پر اعتبار نہ تھا کہ وہ تمہارے حصّہ کی حفاظت نہ کریں گے؟ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵ ؍جولائی ۱۹۰۹ء)

وَمَنْ يَّغْلُلْ : جو لوگ خیانت کرتے ہیں۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۷)

۱۶۴۔ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

هُمْ دَرَجٰتٌ : وہ انبیاء بڑے درجہ والے ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵ ؍جولائی ۱۹۰۹ء)

۱۶۵۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۵﴾

يُزَكِّيْهِمْ : اپنی توجہ سے مزکّی بنائے گئے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵ ؍جولائی ۱۹۰۹ء)

یاد رکھو صرف علم تسلّی بخش نہیں ہو سکتا جب تک معلّم نہ ہو۔ بائیبل میں نصیحتوں کا انبار موجود ہے اور عیسائی بھی بغل میں کتاب لئے پھرتے ہیں۔ پھر اگر ایمان صرف کتابوں سے مل جاتا تو کیا کمی تھی مگر نہیں۔ ایسا نہیں۔ خدا تعالیٰ ایسے لوگوں کو بھیجتا ہے جو يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ کے مصداق ہوتے ہیں۔

ان مزکّی اور مطہّر لوگوں کی توجہ انفاس اور رُوح میں ایک برکت اور جذب ہوتا ہے

جو ان کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے انسان کے اندر تزکیہ کا کام شروع کرتا ہے۔ یاد رکھو انسان خدا کے حضور نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ کوئی اس پر خدا کی آیتیں تلاوت کرنے والا اور پھر مُزکّی کرنے والا اور پھر علم اور عمل کی قوت دینے والا نہ ہو۔ تلاوت تب مفید ہو سکتی ہے کہ علم ہو اور علم تب مفید ہو سکتا ہے جب عمل ہو اور عمل تزکیہ سے پیدا ہوتا ہے اور علم معلم سے ملتا ہے۔ (الحکم ۲۴؍ نومبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۸)

وعظ میں عبودیت کا رنگ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھی جاوے۔ اس کی حقیقت بتائی جاوے اور پھر اس کی تعلیم سے دل اس قسم کے پیدا ہوں جو اس تعلیم کے ساتھ مطہّر و پاک ہو جاویں۔ ایک بھی ہزار لوگوں میں ایسا پیدا ہو جاوے تو غنیمت ہے بلکہ اکسیرِ احمر ہے۔

(بدر ۲۰؍ دسمبر ۱۹۰۹ء صفحہ ۲)

پہلے لوگوں کو احکامِ الٰہی سُنائے جاویں۔ ان کو کتاب و حکمت سکھائی جاوے۔ پھر ان کا تزکیہ ہو۔ تین مرتبے ہیں یَتْلُوْا۔ یُعَلِّمُهُمْ۔ یُزَكِّیْهِمْ۔ حدیث میں ان کو اسلام، ایمان، احسان سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ (بدر ۲۷؍ جنوری ۱۹۱۰ء صفحہ ۹)

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۶۶﴾

بہت سے لوگ ہیں کہ انہیں دُنیا کے کاموں میں بہت تکلیف پہنچتی رہتی ہے مگر اس کام کو چھوڑ نہیں دیتے۔ لیکن اگر دین میں کچھ تکلیف پہنچے تو بہت جلدی بے دِلی ظاہر کرتے ہیں۔

مَیں ایک بزرگ سے پڑھتا تھا جو ہمیشہ سے سفر میں رہتے۔ جب وہ کہیں جاتے مجھے بھی ساتھ جانا پڑتا۔ ایک دفعہ کِسی شخص کی بھینس چور لے گئے۔ چوروں کا پتہ مل گیا۔ ہمارے استاد کو سفارش کے لئے وہ لوگ جن کا نقصان ہوُا تھا لے گئے۔ وہاں جا کر انہوں نے بہت کچھ کہا مگر چور یہی کہتے۔ بدلے کی دینی ہے اصل نہیں دیتے۔ اور وہ گاؤں ایسا تھا کہ

اس میں سب مال چوری ہی کا تھا۔ ہمارے دوست ایک اَور طالبِ علم تھے جو اولاد میں سلطان باہُو رحمۃ اللہ کے تھے انہوں نے کہا ہم خود کچھ انتظام کرتے ہیں یہ لوگ مولویوں کی بات نہیں مانتے۔ تم میرے ساتھ چلو وہاں جا کر تم نے کہنا آج۔ مَیں کہوں گا۔ نہیں کل۔

چنانچہ ہم گئے اور ایسا ہی کہا۔ ایک نوجوان نے حیرت سے کہا کہ کیا بات ہے۔ میرے دوست نے کہا یہ قریشی ہیں اور چلے ہیں تمہارے گھر اذان دینے۔ اس نے کہا خدا کے لئے ذرا ٹھہر جاؤ اور دوڑتا ہوُا گھر گیا کہ غضب ہو گیا۔ ستم ہو گیا۔ چنانچہ وہ لوگ ہمارے استاد کے پاس گئے اور کہا ہم بھینسیں لا دیتے ہیں خدا کے لئے ہمارے گھر اذان نہ کہنا۔ آخر انہوں نے راز بتایا کہ اِن لوگوں کا خیال ہے قریشیوں نے مسجد میں اذان دی تو وہ ایسی ویران ہوئی کہ نہ اس میں کوئی بھینس باندھی جا سکتی ہے نہ گائے۔ پس یہ اذان دے کر ہمارے گھر کو بھی مسجد یعنی ویران بنا دیں گے۔ پس وہ ڈر کے مارے بھینس لے آئے۔

مَیں نے دیکھا ہے کہ پیر خود بھی لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ کسی پر ناراض ہوں اور اتفاق سے کوئی حادثہ پیش آ جائے تو اپنی طرف منسوب کرتے ہیں مگر انبیاء ایسے نہیں ہوتے وہ توحید کا جوش رکھتے ہیں اِس لئے ہر نیک بات اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ دُکھ اپنی شامتِ اعمال کا نتیجہ ہے۔

یہ قُلْ هُوَ مِنْ عِندِ أَنفُسِكُمْ کی تفسیر ہے۔ اِس میں بتایا ہے کہ مصیبت تمہاری نافرمانی کا نتیجہ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی شریعت کی خلاف ورزی کی جاتی ہے تو سزا ملتی ہے۔ قرآن پہلے سیّد و قریش کے گھر سے نکلا (گو اَب اِس نکلنے کے یہ معنے ہیں کہ نکل ہی گیا) اور پھر یہی لوگ اب قرآن سے جاہل ہوتے جاتے ہیں حالانکہ ان کی بڑائی کی وجہ ہی یہی تھی کہ وہ قرآن شریف جانتے تھے۔ لوگوں نے قرآن شریف سے دین و دُنیا کے فائدے اُٹھائے ہیں مگر پھر تو نیتوں میں فتور آ گیا۔ ایک محلہ میں بہت سے حافظ رہتے تھے۔ والد صاحب نے کہا کہ جانتے ہو کہ یہ کیوں اتنے حافظ ہیں۔ مَیں نے کہا فرمائیے۔ کہا یہ لوگ کابل کی طرف تجارت کرتے ہیں اور وہاں حفاظِ قرآن کے لئے محصُولِ تجارت معاف ہے۔ پس یہ حافظ بن جاتے ہیں۔ ایک اَور حافظ قرآن شریف یاد کر رہے تھے۔ مَیں نے پوچھا آپ قرآن کیوں یاد کرتے ہیں۔ کہا کہ قرآن شریف یاد کر کے کلکتہ جاؤں تو دو سَو روپیہ لاؤں سندھ جاؤں تو ایک سَو روپیہ۔

یہ تو پڑھنے والوں کا حال ہے اور جن کو پڑھنا چاہیئے اور نہیں پڑھتے ان کا حال سُنو۔

کہ ایک بڑے آدمی سے مَیں نے کہا آپ پڑھتے کیوں نہیں۔ تو وہ بڑے جوش میں آ کر کہنے لگا۔ کیوں ہم کوئی بندر ہیں؟ سیکھتے تو بندر ہیں شیر نہیں سیکھتے۔ مَیں نے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو مَیں بھی ایک مثال پیش کروں۔ باز تو سیکھتے ہیں مگر کوّے نہیں سیکھتے۔ یہ سُن کر خاموش ہو گیا۔

3

ایسا فرقہ بھی ہے جو اپنے نیک اور بدکام خدا سے منسوب کرتا ہے۔ تقدیر کے مسئلے کے سمجھنے میں غلطی کھائی ہے۔

میری والدہ اعوان قوم سے تھی۔ بڑی فہیدہ عورت تھی۔ وہ ہمیشہ ایک مثال دیا کرتی تھی جو آگ کھاتا ہے انگارے ہگے گا یعنی جیسا کرے گا ویسا پائے گا۔ وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی کے معنے بتایا کرتیں کہ ہر نیک و بد عالم کا اندازہ خدا کی طرف سے ہو چکا ہے۔ جیسا کریں ویسا نتیجہ پائیں۔ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا (الفرقان:۳) (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵؍جولائی ۱۹۰۹ء)

هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ : یومِ حنین، یومِ اُحد۔ صحابہؓ کی غلطی سے تکلیف پہنچی۔
(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۷)

۱۶۷ وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۷﴾

اِلْتَقَى الْجَمْعٰنِ : اُحد کی جنگ میں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵؍جولائی ۱۹۰۹ء)

فَبِاِذْنِ اللّٰهِ : جیل خانے میں جاتا ہے گورنمنٹ کے حکم سے مگر جاتا ہے اپنی بدعملی سے۔
(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۷)

۱۶۸ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۚ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ۚ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ

فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۸﴾

قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ : اللہ تعالیٰ کی راہ میں۔ اعلاءِ کلمۃ اللہ میں۔ اللہ کے بندوں کی عزّت اور وقعت کے لئے دشمنانِ دین۔ دشمنانِ قرآن کریم۔ نبی کریمؐ کے دشمنوں۔ آپؐ کے جانشینوں کے دشمنوں سے مقابلہ کرو مگر اس راہ سے جس راہ سے وہ مقابلہ کرتے ہیں۔ وہ اگر تلوار اور تیر سے کام لیں تو تم بھی تلوار اور تیر سے کام لو لیکن اگر وہ تدابیر سے کام لیتے ہیں تو تم بھی تدابیر ہی سے مقابلہ کرو ورنہ اگر اس راہ سے مقابلہ نہیں کرتے تو یہ اعتداء ہوگا، اور اللہ تعالیٰ اعتداء کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ غرض جو راہ دشمن اختیار کرے اسی قسم کی راہ اختیار کرو۔ (الحکم ۱۷؍ فروری ۱۹۰۱ء صفحہ ۶)

اِدْفَعُوْا : دفع کر دو دشمن کو۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۷)

يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۲﴾

يَسْتَبْشِرُوْنَ : وہ اِس بشارت کے منتظر ہیں کہ ہمارے خلف بادشاہ ہوں گے پھر ان پر نہ یہ خوف رہے گا نہ ان پر کوئی حُزن طاری ہوگا بلکہ مظفّر و منصور رہوں گے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵؍ جولائی ۱۹۰۹ء)

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۴﴾

اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ : سپہ سالارِ اُحد کہہ گیا تھا کہ آئندہ سال ہم تم سے لڑائی کریں گے۔ پھر انہوں نے کچھ آدمی بھیجے تا مومنوں کو ڈرائیں مگر مسلمانوں نے سُن کر کچھ پرواہ

نہ کی۔

بدر میں دشمن نہ آیا اور مسلمان تجارت کرکے مال حاصل کرکے لوٹے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵؍جولائی ۱۹۰۹ء)

آل عمران: ۱۷۶

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۖ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۶﴾

ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ: وہ خبر اُڑانے والا شیطان تھا۔

يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ: اس کا اثر اسی کے دوستوں پر پڑتا ہے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵؍جولائی ۱۹۰۹ء)

آل عمران: ۱۷۸، ۱۷۹

اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۚ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْۤا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۹﴾

جو لوگ ایمان کے بدلے کُفر خریدتے ہیں۔ وہ اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے اور ان کے لئے دُکھ دینے والا عذاب ہے اور کافر یہ نہ سمجھیں کہ ہم جو انہیں مُہلت دے رہے ہیں تو ان کیلئے بھلائی ہے۔ ہم تو انہیں مُہلت دیتے ہیں اور وہ گناہوں میں بڑھ رہے ہیں اور ان کے لئے ذِلّت کی مار ہے۔

پس اسبابِ ذِلّت میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ماننے کی باتوں کو چھوڑ کر ان کا انکار کرتے

جائیں حتیٰ کہ سب صداقتوں کے منکر ہو جائیں جو خدا نے اپنے فضل و کرم سے ان پر انبیاء کے ذریعے ظاہر کیں اور اللہ کی نافرمانی میں بڑھتے جائیں۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۶ نمبر ۱۰ صفحہ ۳۹۴، ۳۹۵)

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۲﴾

ہر مومن کے کچھ دشمن ہوتے ہیں۔ مومن کا دل صاف ہوتا ہے۔ اس کے دل میں کپٹ نہیں ہوتی۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دشمن مدینہ کی اطراف میں آپؐ کے دشمنوں کو اُکساتے رہتے۔ فرمایا کہ جلد بازی نہ کریں وہ لوگ۔ ہم ان کو عذابِ عظیم دیں گے۔ تیرے منکر گمان نہ کریں کہ ان کو جو مہلت دی گئی ہے وہ ان کے لئے مفید ہے۔ مہلت سے بعض لوگ بدی میں اور ترقی کرتے ہیں۔ یہاں بھی بعض لوگ منافقانہ طرز اختیار کئے ہوئے ہیں جس سے ملے اُسی کی سی باتیں کرنے لگے۔ ہم کو ایسے لوگوں کی خبر ہو جاتی ہے۔ ایسے منافق لوگ انجام کار ذلیل ہوا کرتے ہیں ..... یہ مال جس کا یہ بخل کرتے ہیں ..... اللہ تمہارے کاموں کو جانتا ہے۔ بعض لوگ بہت سے چندوں کی تحریکیں سُن کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ ان کا اگر خدا سے تعلق ہوتا تو یہ مانگتے ہی کیوں۔

سَنَكْتُبُ کے معنے سَنَحْفَظُ ہیں۔ ہندوؤں میں ایک قربانی ہوتی ہے جس میں آدمی کو جلاتے یا جانور کو جلاتے ہیں۔ اب اس کی بجائے گھی، شکر، چاول وغیرہ چیزیں جلاتے ہیں ..... دنیا کا بڑا حصّہ لوگوں نے دھوکہ میں ضائع کیا۔ خدا تعالیٰ تم کو فہم عطا کرے اور جھوٹ، حرص، تکبّر سے بچائے۔ محبتیں پیدا کرے۔ مسلمان بڑی فضولیاں کرتے ہیں۔ اپنی طاقتوں سے بڑھ کر کام نہ کرو۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵۔ جولائی ۱۹۰۹ء)

کافر ہیں جنہوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔ کیا معنی؟ ہم ان کی بات محفوظ

رکھیں گے۔ (نورالدین (ایڈیشن سوم) صفحہ ۲۰۹)

آل عمران ۱۸۴

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ۭ قُلْ قَدْ جَاۗءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْھُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۸۴

تَاْكُلُهُ النَّارُ: یہودیوں اور ہندوؤں میں اب بھی قربانی آگ میں ڈالتے ہیں۔ پس انہوں نے کہا ہم اس نبی کو مانیں گے جو سوختنی قربانیوں کا حکم لائے۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۷)

وہ جنہوں نے کہا کہ ہم رسول کی بات نہیں مانیں گے جب تک ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لائے جسے آگ کھا جاتی (سوختنی قربانی) تو کہہ مجھ سے پہلے رسول بیّنات لے کر اور تمہاری مانگی ہوئی چیز (سوختنی قربانی) کو بھی لے کر آئے پھر تم نے انہیں کیوں قتل کیا اگر تم صادق ہو؟

(نورالدین (ایڈیشن سوم) صفحہ ۱۴۱)

اللہ تعالیٰ کے رُسُل و مامور اپنے اعداء کے سامنے ناکام ہو کر نہیں مرتے اور نہ ہلاک ہوتے اور نہ مارے جاتے ہیں۔ مامورین کے ساتھ جدال و قتال ہوتا ہے جس کا ذکر فَلِمَ قَتَلْتُمُوْھُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ..... میں ہے مگر یہ مقاتلہ و مقابلہ کرنے والے ناکام و نامراد مرتے ہیں اور مامور لوگ اللہ کے فضل سے مظفر و منصور اور کامیاب ہو کر دُنیا سے جاتے ہیں۔

(نورالدین (ایڈیشن سوم) صفحہ ۱۷۴)

آل عمران ۱۸۸

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ

أُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ؗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ: اور جب لیا اللہ نے پختہ اقرار کتاب والوں سے کہ اس کو بیان کرو گے لوگوں کے پاس اور نہ چھپاؤ گے۔
(فصل الخطاب حصہ اوّل صفحہ ۵۷)

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۲﴾

فرشتوں پر ایمان لانا بہت ضروری ہے۔ ایک فرشتہ کی تحریک کو انسان مانتا ہے تو پھر اور ملائکہ سے اس کا تعلق ہوتا ہے۔
جب انسان ملائکہ کی لعنت کے نیچے آتا ہے تو اس کا نشان یہ ہے کہ اَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ (المآئدۃ : ۶۰) کا شانِ نزول بنتا ہے۔
مَیں نے تجربہ کیا ہے کہ جو لوگ فسق اختیار کرتے ہیں ان کی سمجھ میں پاک باتیں آتی ہی نہیں چنانچہ مُردار خور، خنزیر خور مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ (البقرۃ : ۱۷۴) ایسی قوموں کا یہی حال ہے۔
مسلمان مُردار، سؤر نہیں کھاتے پھر بھی ان میں مُجرم ہوتے ہیں اِس کی وجہ اکل الباطل

جس سے نیکی کی توفیق نہیں ملتی۔ انسان کو چاہیئے کہ ہر وقت خدا کو یاد رکھے اور دعا میں لگا رہے جیسا کہ اِس رکوع میں اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا اور رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا سے ظاہر ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵ر جولائی ۱۹۰۹ء)

ذکر الٰہی اور تفکر بھی علم صحیح کا باعث ہے چنانچہ فرمایا لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یعنی نشان ہیں دانشمندوں کے لئے جو یاد رکھتے ہیں۔ اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے لیٹے اور تفکر کرتے ہیں آسمانوں اور زمین کی بناوٹ میں۔ دیانند نے بھی لکھا ہے کہ رشی لوگوں کو مراقبوں، سمادھوں وغیرہ سے یہ سچے علوم حاصل ہوتے ہیں۔ غرض وہ تمام سچے علوم قرآن کریم میں مذکور ہیں جو انسان کی فلاح دنیوی و اخروی کے لئے ضروری ہیں۔

(نورالدین (ایڈیشن سوم) صفحہ ۲۲۸)

۱۹۴۔ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَکَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝

کَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا : یہ جب ہوگا کہ گناہ گناہ کی حد تک نہ پہنچے۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵ر جولائی ۱۹۰۹ء)

۱۹۶۔ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی ۚ بَعْضُکُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ

وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۶﴾

اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ : یہ وہ عامل مُراد نہیں جو تعویذ دھاگہ کرتے ہیں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵ جولائی ۱۹۰۹ء)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۱﴾

اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا : صبر کرو بھی اور سکھاؤ بھی۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۵ جولائی ۱۹۰۹ء)

صَابِرُوْا : دوسروں کو صبر سکھاؤ۔

رَابِطُوْا : ایک نماز کے بعد دوسری کی تیاری بھی رابطہ کہلاتی ہے۔

(تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۴۷)

اِنڈیکس

اِنڈیکس مضامین

ب ۔ پ

پیشگوئی

ت

تابوت

تعبیر

تعدد ازدواج

تقدیر

تقویٰ

تکبر

تناسخ

توبہ

خ

د

ش

ص

ط

ع

اسماء

ت۔ث

ج

ح

خ

د۔ڈ۔ذ

ف

ق

و

مقامات

✽

لُغت